مدراس یونیورسٹی ہسٹوریکل سیریز ۱۵

وجے نگر کے عہد میں

نظام حکومت

اور

سماجی زندگی

مؤلف عمومی

پروفیسر کے۔ اے۔ نیل کانت شاستری

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

وجے نگر کے عہد میں

نظامِ حکومت اور سماجی زندگی

ٹی۔ وی۔ مہالنگم بی۔ اے (آنرس)

مدراس یونیورسٹی

1940

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اُس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اُردو بیورو

فہرست مضامین

دوسرا حصہ ——— سماجی زندگی

عرضِ مصنّف

سلطنت وجے نگر کی تاریخ تین سے بھی زائد صدیوں (1336 - 1650ء) پر محیط ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جنوبی ہند کے لوگوں کے خوبی غیر ملکی تسلط میں نہیں آئے تھے، سیاسی وثقافتی کارنامے اپنی انتہائی ارتقا کو پہنچے اور سلطنت اپنی انتہائی توسیع کے بعد عملی طور پر موجودہ پوری مدارس پریسیڈنسی پر محیط تھی جس میں اس علاقہ کی ہندوستانی ریاستین بھی شامل تھیں اور ایک زمانہ میں تو اس کی سرحدیں سیلون اور برما کے بعض علاقوں تک جا پہنچی تھیں۔ اس فراموش شدہ سلطنت کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے روبرٹ سیول نے اپنی مشہور تصنیف میں پیش کیا تھا جو ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کے بعد سے مدراس، میسور اور تراونکور کے محکمۂ آثار قدیمہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے بہت سے نئے مواد کا مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ (جیسے) متعدد زبانوں میں بہت سی ادبی تصنیفات اور سفرناموں کی اشاعت، مختلف حکومتوں کے دفاتر سے دستیاب عوامی دستاویزات کی تفصیلی ترتیب و تالیف اور میکنزی (MOCKENZI) کے مخطوطات کے ایسے ماخذوں کے قدیم مجموعوں کا ازسرِ نو مطالعہ اور ان کی توضیحات۔

1914ء میں اس کے قیام کے ساتھ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ کے مشاغل میں وجے نگر کی تاریخ کے مطالعہ کو ناگزیر طور پر ایک اہم حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس

کے پہلے پروفیسر دیوان بہادر، ڈاکٹر ایس کرشن سوامی اینگر نے تاریخ وجے نگر کے چند ماخذوں (SOURCES OF VIJAYANAGAR HISTORY) کی محققانہ اشاعت کے ذریعہ یونیورسٹی ہسٹوریکل سیریز (UNIVERSITY HISTORICAL SERIES.) کا افتتاح کیا، اور اس موضوع پر جو نمایاں کام اس سے تمام طلبا بخوبی واقف ہیں۔ 1928ء میں ایک ریڈر اور ایک لکچرر کے اضافے کے ذریعہ اس شعبے کی توسیع کے باعث یہ ممکن ہوسکا کہ وجے نگر کی تاریخ پر شعبہ کے کام کو زیادہ وسیع پیمانہ پر پھیلایا جائے۔ موجودہ ریڈر ڈاکٹر این وینکٹا رامانیا جب 1931ء میں اس شعبہ سے منسلک ہوئے تو وہ پہلے ہی سے وجے نگر کی تاریخ کے ماہر تھے۔ اور اس کے فوراً ہی بعد انھوں نے دو کتابیں شائع کیں جن کے نام تھے :

1. وجے نگر شہر اور مملکت کی ابتدا (VIJAYANAGAR, ORIGIN OF THE CITY AND EMPIRE)

2. وجے نگر کے تیسرے شاہی خاندان کا مطالعہ (STUDIES IN THE HISTORY OF THE THIRD DYNASTY OF VIJAYANAGAR.)

جناب مہالنگم کی موجودہ کتاب کے بارے میں یہ توقع ہے کہ یہ کتاب تامل کے پہلو سے (THE THIRD DYNASTY.) میں آغاز کردہ سماجی اور انتظامی مسائل کے مطالعہ میں اضافہ کرے گی۔ اور میں کرتا ہوں کہ یہ تصنیف اپنے موضوع کے انتخاب اور اس کے تشفی بخش بیان کی بنا پر اپنے اس مقصد میں پوری اترے گی۔

اس موضوع پر مزید کام جاری ہے۔ اور وجے نگر کی تاریخ کے مزید ماخذ (FURTHER SOURCES OF VIJAYANAGAR HISTORY.) کا معتد بہ مجموعہ زیر طبع ہے۔

کے۔ اے۔ این

مدراس یونیورسٹی
30 اگست 1940ء

اظہارِ تشکر

زیرِ نظر صفحات میں 1931ء اور 1934ء کے درمیان شعبہ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ، مدراس یونیورسٹی کے ایک ریسرچ طالب علم کی حیثیت سے میرے مطالعہ کے نتائج قلمبند ہیں۔

سلطنت وجے نگر کے انتظامی اداروں اور سماجی حالات کا لنک باضابطہ مطالعہ ان قیمتی کاموں کی بنا پر ہی ممکن ہوا ہے جو محکمہ آثار قدیمہ ہند (ARCHAEOLOGICAL SURVEY OF INDIA.) اور میسور، ترادنکور نیز پودوکوتائی کے شعبہ آثار قدیمہ نے انجام دئے ہیں۔ موجودہ تصنیف کا ایک بڑا حصہ اسی مواد پر مبنی ہے جو اِن اداروں نے اکٹھا کر کے شائع کئے ہیں۔ میں ان متعدد محققین کا بھی بہت ممنون ہوں جنہوں نے جنوبی ہندوستان کی تاریخ کے میدان میں کام کیا ہے۔ اور اپنی گراں قدر اشاعتوں کے ذریعہ وجے نگر کی تاریخ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں جیسا کہ اس کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے اس کا اظہار ہوگا۔

پروفیسر کے۔ اے۔ نیل کانت شاستری نے، جن کے تحت میں نے اس شعبہ میں کام کیا ہے اس موضوع پر مواد کی فراہمی اور کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں میری کافی مدد کی۔ اور نہایت مفید مشورے دئے۔ علاوہ ازیں مؤلف کی حیثیت سے مسودہ پر نظر ثانی کرنے اور پروف پڑھنے دَوران انھوں نے مجھے بہت سے قیمتی مشورے دئے، جن کے لیے میں ان کا انتہائی ممنون ہوں۔

ڈاکٹر این۔ وینکٹا رامانیا، ریڈر شعبہ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ، نے مسودہ پر نظر ثانی کی اور مفید تنقیدوں کے ذریعہ میری مدد کی جس کے لیے میں ان کا بہت شکر گذار ہوں۔ میرے شعبۂ سنسکرت کے ڈاکٹر وی۔ راگھون کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے مسودہ کے ایک حصہ کو پڑھا۔ اور بعض کار آمد مشورے دئے۔

میں آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا کا ممنون ہوں کہ مجھے ان سات منتخب تصاویر کی اشاعت کی اجازت دے دی گئی جن کا حق اشاعت اس کے نام محفوظ ہے۔

میں مدراس یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کا شکر گذار ہوں کہ جس نے اس کتاب کو یونیورسٹی ہسٹوریکل سیریز میں شائع کرنا منظور کیا۔

آخر میں انتہائی مسرت کے ساتھ میں جی۔ ایس۔ پریس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے انتہائی عمدگی کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا۔

ٹی۔ وی۔ ایم

باب اوّل

دیباچہ

کسی مملکت کی حقیقی تاریخ ریاستوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے لامتناہی سلسلوں، درباری سازشوں، بادشاہوں کی نہ ختم ہونے والی جنگوں اور باغی جاگیرداروں کی سرکوبیوں ہی پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اسے اس کے انتظامی اور سماجی ارتقا میں تلاش کیا جانا چاہئے۔ ایک سلطنت کے انتظامی اداروں، عوام کی روزانہ کی سرگرمیوں، ان کی مذہبی اور سماجی رسموں کی بجا آوری، ان کی ادبی سرگرمیوں اور فنی کارناموں کا مطالعہ کم از کم اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اس کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ۔ بہرحال کسی ریاست کی سماجی تاریخ کی اہمیت پر زور دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ مطالعہ اس کی سیاسی تاریخ کی قیمت پر کیا جائے۔ سیاسی تاریخ کا مطالعہ اہم ہے اس لئے جیسا کہ ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے "ہندوستانی تصورات کی وہ دلچسپ ترین داستان جو اسکے مذہب، فلسفہ، ادب، آرٹ اور سائنس سے عیاں ہے۔ اس وقت تک معقول طور پر نہیں لکھی جاسکتی جب تک کہ وہ شاہی خاندانوں کی تاریخ کی ٹھوس بنیاد پر قائم نہ ہو جس کے علاوہ کوئی اور چیز ضروری تاریخی اساس فراہم نہیں کرسکتی[1]"

ایک اعتبار سے دنیا کی تاریخ مملکتوں کی تاریخ ہے۔ دنیا نے متعدد مملکتوں کے عروج و زوال کا مشاہدہ کیا ہے۔ انھیں عظیم سیاستدانوں اور انتظامی صلاحیت رکھنے والے ممتاز افراد نے پروان چڑھایا لیکن ان کے مضبوط بازوؤں کے ہٹتے ہی مملکتوں میں زوال کی علامات نمایاں ہوگئیں اور زندگی کے لئے ... سال اور جدوجہد کرنے کے بعد بالآخر وہ زوال پذیر ہوگئیں۔ بابلی، آسوری اور مصری مملکتوں کا یہی حشر ہوا۔

---

[1] آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا دیباچہ ص ۱۳

دلپنے وطن میں دیکھئے تو ہندوستان ،نندا، موریہ ،گپتا اور چولا نیز وجے نگر جیسی مملکتوں کا نمائش گاہ رہا ہے۔ ساری مملکتیں نسبتاً مختصر مدت تک برقرار رہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک مملکت نے اپنے وجود کے کچھ آثار چھوڑے ہیں ورنہ اگر یہ آثار نہ ہوتے تو یہ مملکتیں بہت پہلے ہی بھلا دی گئی ہوتیں۔

وہ اہرام جو مصری مملکت اور اس کی شان وشوکت کی یاد تازہ کراتے ہیں، محض جبری محنت اور اسراف ہی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ہمارے نزدیک وہ قوت وطاقت کے غلط استعمال کی دائمی یادگاریں بھی سمجھی جاسکتی ہیں (لیکن) چولا مملکت نے اپنے پیچھے بڑے بڑے مندر چھوڑے ہیں جن میں انتہائی عمدہ تصویریں اور نقش ونگار کندہ ہیں۔ تامل کی عظیم ادبی شخصیتوں کو چولا بادشاہوں کے دور میں فروغ حاصل ہوا اور ان کی بہت سی تصانیف ہم تک بھی پہونچی ہیں۔ اسی طرح مملکت وجے نگر نے بھی اپنے وجود کے دائمی آثار چھوڑے ہیں۔ قومی اتحاد کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کو وجے نگر نے متاثر نہ کیا ہو۔ مذہب، ادب، فنون لطیفہ اور سیاست کے میدان میں مملکت وجے نگر نے بہت کچھ کیا ہے جس کی مستقل قدر وقیمت ہے۔

چودھویں صدی کی دوسری چوتھائی میں پانچ بھائیوں کی ایک جماعت نے اس مملکت کو قائم ہی اس لئے کیا تھا کہ جنوبی ہندوستان کی طرف اسلام کی پیش قدمی کو روکا جاسکے۔ محمد بن تغلق کے حملے اور اس کے بعد جنوبی ہندوستان کے ہندوؤں کے لئے مسلمانوں کی پیدا کردہ مشکلات نے ان کے اندر سیاسی اتحاد کا احساس پیدا کیا جسکے نتیجہ میں بالآخر مملکت وجے نگر کا قیام عمل میں آیا۔ [۲]

---

[۲] وجے نگر شہر اور مملکت کی ابتدا کے متعلق محققین میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ اس مسئلہ پر دو مکتب خیال ہیں۔ ایک کی رائے ہے کہ یہ مملکت کرناٹک میں وجود میں آئی اور دوسرے کا خیال ہے کہ اس کا وجود تلنگانہ میں ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔ A FORGOTTEN EMPIRE. از سیول، ص ۲۳، اپیگرافیا کرناٹیکا EPIGRAPHIA CARNATICA از رائس، جلد ۵، دیباچہ ص ۲۱، SOUTH INDIA UNDER THE MOHAMMEDAN INVADERS. ص ص ۱۷۱ اور ۱۸۱ ــ ۱۸۳، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس از کرشن شاستری ۰۸-۱۹۰۷ء، ص ۲۳۶، ۱۰-۱۹۰۹ء ص ۱۷۰، اپیگرافیا انڈیکا EPIGRAPHIA INDICA. از ٹی۔ اے گوپی ناتھ راؤ جلد ۱۵ ص ۸۴، THE NAYAKS OF MADURA. از آر۔ ستیہ ناتھ ایر ص ص ۳-۴، THE BEGINING OF VIJAYANAGAR. از ہرس HERAS، ص ص ۱-۴۳، SOCIAL AND POLITICAL LIFE UNDER VIJAYANAGAR EMPIRE. از ڈاکٹر بی۔ اے سلیٹور، جلد ۱ ص ص ۸۲ــ۱۱۲، FOUNDERS OF VIJAYANAGAR. از ایس، شری کنیتا SRI KANTAYA. ص ۳، اس کے برعکس KAMPILA AND VIJAYANAGAR. از ڈاکٹر این وینکٹ رامانیا RAMANAYYA. ص ص ۱ ــ ۳۳، VIJAYANAGAR THE ORIGIN OF THE CITY AND THE EMPIRE. ص ص ۳-۵۲
جبکہ دیگر تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مملکت کی بنیاد تقریباً ۱۳۳۶ء میں پڑی تھی۔ سلیٹور کا دعویٰ ہے کہ اس کی بنیاد دس سال بعد ۱۳۴۶ء میں قائم ہوئی تھی، ج ۱، ص ص ۸۲ ــ ۱۱۲

حال ہی میں دستیاب کتباتی ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ دیورائے اول کا جانشین اس کا بیٹا رام چندر ہوا (مدراس اپیگرافی رپورٹس، ۱۹۳۱ء تا ۱۷ ــ ۳۱۷، رپورٹ، پیراگراف ۳۵)۔ مولف۔

باغبان مملکت ہری ہر، کمپا، بکّا، مارپا اور مودپّا نے ہر چہار جانب اس کی توسیع کی اور ان میں سے ہر ایک نے اس کے ایک ایک حصہ پر حکمرانی کی۔ بکّا کے لڑکے کمارکپن نے سلطنت کو جنوب میں مدورا تک توسیع دی اور اس طرح مدورا کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ بکا اول کے دور حکومت میں ۱۳۴۷ء میں حسن گنگو نے کرشنا ندی کے شمال میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اسی کے بعد سے شمال کے مسلم سلاطین اور جنوب کے ہندو راجاؤں دونوں نے بہت سی جنگیں لڑیں۔ بکا کے بعد ہری ہر دوم تخت نشیں ہوا جس کا ۱۴۰۴ء میں انتقال ہوگیا۔ جانشینی کے مسئلہ پر ایک مختصر تنازعہ کے بعد ۱۴۰۶ء میں دیو رائے اول تخت پر بیٹھا اور ۱۴۲۲ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا وجے رائے بادشاہ ہوا جو بس تھوڑے عرصہ تک تخت نشیں رہا۔ اس کا لڑکا دیو رائے دوم جو اس کا جانشیں ہوا وجے نگر کے پہلے شاہی خاندان کا سب سے ممتاز حکمراں تھا۔ بہمنی سلاطین کے ہاتھوں شکست کے نتیجہ میں اسے بھاری جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ ان سلاطین نے ہندو عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کیا اور ہندوؤں کا خون بہانے میں مسرت محسوس کی۔ اسی بنا پر دیو رائے دوم نے جس کو فوجوں کی کمتری کا احساس ہوگیا تھا اور جو مسلمانوں کی سوار فوج کی برتری سے متاثر تھا، اپنی فوج کی تنظیم میں اصلاحات کیں۔ اس کا دور حکومت ان عظیم ادبی شخصیتوں کی وجہ سے بھی بہت اہم ہے جو اس کے دربار سے منسلک تھیں اور ان غیر ملکی سیاحوں کی وجہ سے بھی جو اس کے دربار میں آئے جیسے اٹلی کے نیکولوڈی کونتی اور ایران کے عبدالرزاق۔ دیو رائے دوم کے جانشیں یکے بعد دیگرے ملیکارجونا اور ویرو پاکسا ہرے جو نسبتاً کمزور حکمراں تھے۔

ان دونوں بادشاہوں کی کمزور حکومت نے سالو وانرسمہا کو ابھرنے کا موقع دیدیا جس نے آخرکار ۱۴۸۵ء میں تخت پر قبضہ کرلیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ وہ ایک باصلاحیت حکمراں تھا اور اس نے سلطنت کی انتظامیہ کی از سر نو تشکیل کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اس دشوار کام میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اس کے بعد امدی نرسمہا آیا جس نے نرسانایک اور ویر نرسمہا کو یکے بعد دیگرے اپنا وزیر بنایا۔ موخرالذکر نے ۱۵۰۷ء میں تخت پر قبضہ کرلیا اور تین سال کی مختصر حکومت کے بعد اپنے سوتیلے بھائی کرشن دیو رائے کو تخت و تاج کا وارث بنا گیا جو شاید وجے نگر کے بادشاہوں میں عظیم ترین اور ممتاز ترین بادشاہ ہے۔

کرشن دیو رائے نے اپنے عہد کا آغاز اس عزم کے ساتھ کیا کہ وہ اپنی مملکت کے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس حاصل کرے گا اور کامیابی کے ساتھ اپنی اس پالیسی پر عمل پیرا رہا۔ اس نے اپنی

مملکت کے باغی جاگیرداروں کی شورشیں فروکیں اور اڑیسہ کے حکمراں پرتاپ ردراگجپتی کو شکست دی اس نے بیجاپور کے سلطان کا غرور خاک میں ملا دیا اور راس پر فتح حاصل کی۔ اس کی سلطنت کی حدیں شمال میں دریائے کرشنا کے کناروں سے لیکر جنوب میں راس کماری تک پھیل گئیں۔ وہ ایک روشن خیال حکمراں تھا اور اس کے دور حکومت میں سلطنت کے نظم و نسق میں باقاعدگی اور بہتری لائی گئی وہ ایک شائستہ اور متمدن حکمراں تھا اور بہت سے عالم اس کے دربار کی زیب و زینت تھے۔ وہ خود بھی تیلگو اور سنسکرت کی متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ بہت سے دوسرے مشرقی بادشاہوں کی طرح اس کے اندر بھی مذہبی فرقوں کے لئے رواداری تھی حالانکہ وہ خود ایک کٹر ویشنو تھا۔ یہ اسی کی عہد تھا جس کے دوران مغربی ہندوستان کے بعض علاقوں میں پرتگالیوں نے اپنی طاقت قائم کی تھی۔

کرشن دیو رائے کا جانشین اس کا سوتیلا بھائی اچیوت رائے ہوا جس نے متعدد دشواریوں کے باوجود سلطنت پر کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا وینکٹ تخت نشین ہوا جو اپنی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی محل کی ایک اتھل پتھل میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سدکا راجو تیرومل تخت پر قابض ہوگیا لیکن کرشن دیو رائے کے ایک داماد اور ایک زبردست حکمراں رام راج نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اچیوت کا بھتیجا سداشیو تخت نشین ہوا، وہ ایک کمزور حکمراں تھا اور اس کے عہد میں جس مقتدر شخصیت کے ہاتھوں میں مملکت کی قسمت کی باگ ڈور تھی وہ رام راج تھا۔ اس نے اپنے مسلمان پڑوسیوں کو آپس ہی میں لڑا دیا اور ان کی قوت بڑی حد تک گھٹا دی۔ لیکن انھیں جلد ہی اپنے احمقانہ افتراق کا احساس ہوگیا، انھوں نے آپس میں ایک متحدہ محاذ قائم کیا اور 1565ء میں رکسیس تنگدی (RAKSAS TANGDI.) کی تاریخی جنگ میں رام راج اور اس کے بھائیوں کی قیادت میں جنوب کے ہندوؤں کو زبردست شکست دی اور خود رام راج جنگ میں مارا گیا۔ مسلمانوں نے وجے نگر کے شہر کو جزوی طور پر تباہ کر دیا۔ لیکن جلد ہی جنوبی ہند میں نظم و نسق بحال ہوگیا اور ہندو سلطنت نے اپنی پہلی حیثیت اور قوت دوبارہ حاصل کرلی

اگرچہ سداشیو ابھی زندہ تھا لیکن تیرومل نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور 1570ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ اراویدو سلسلہ سلاطین کا پہلا حکمراں تھا۔ اس نے مملکت میں نظم و ضبط بحال کیا

---

[4] کتباتی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ دیو رائے دوم کا فوری جانشین وجے رائے دوم تھا۔ (مدراس اپیگرافی رپورٹس 1906ء، پیراگراف 55) ۔ مولف

اس کے بعد اس کے جانشیں علی الترتیب اس کے بیٹے شری رنگا اول اور وینکٹ دوم ہوئے۔ وینکٹ، اراویدو سلسلہ کا سب سے عظیم بادشاہ تھا۔ اس نے اپنا دارالسلطنت چندرگیری منتقل کردیا اور وہیں سے اپنی مملکت پر حکومت کی وہ عالموں کا سرپرست تھا اس کے عہد میں پرتگالیوں کو نہ صرف اس کے دربار ہی میں کافی اثر و رسوخ حاصل ہوگیا تھا بلکہ پورے جنوبی ہندوستان میں بھی۔ سنہ 1614ء میں اس کا انتقال ہوا۔

اس کی موت کے بعد مملکت رام، پیدا وینکٹ سوم اور شری رنگا سوم کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یہ آخری حکمراں اگرچہ لائق تھا اور ایک وسیع و عریض مملکت پر حکمرانی کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن وہ اپنے امور میں کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ جن حالات میں وہ برسر اقتدار ہوا تھا وہ مملکت کو مستحکم کرنے اور وجے نگر کی شان و شوکت کی بحالی کے مقاصد کے لئے سازگار نہ تھے۔ اس کا دور حکومت اس کے جاگیرداروں کی غداری اور لامتناہی خانہ جنگیوں کی ایک روداد ہے مدورا اور تنجور کے نایکوں اور میسور کے اودے یاروں نے اس کے مقابلہ میں کافی طاقت حاصل کر لی تھی۔ جنوبی ہندوستان کے معاملات میں بیجاپور کے سلاطین کی مداخلت نے اس کے کام کو اور بھی مشکل بنا دیا تھا۔ اس کے بعد مملکت کے حدود اور اس کی وقعت اور بھی کم ہوگئی اور بالآخر ٹیپو سلطان نے، جس نے سنہ 1786ء میں انیگوندی (ANEGONDI .) کو نذر آتش کر دیا تھا، اس کا خاتمہ کر دیا۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ عہد وسطیٰ کے یورپ میں جاگیردارانہ نظام وقت کی ایک ضرورت تھی۔ اسی طرح وہ مخصوص طرز حکومت جسے وجے نگر میں اختیار کیا گیا تھا اس عہد کی ایک ضرورت تھی۔ یہ حقیقت کہ مملکت وجے نگر میں مختلف النواع عناصر و گوناگوں مفادات اور رفرقے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ موجود تھے، بجائے خود ایک شہنشاہانہ طرز حکومت کی متقاضی تھی۔ مملکت میں بادشاہ اتحاد کی علامت تھا۔ وہ ایک مطلق العنان یا غیر محدود اختیارات رکھنے والا حکمراں نہ تھا اس لئے کہ اس کے اختیارات کو بعض ایسی پابندیوں کے ذریعہ محدود کر دیا گیا تھا جو کم و بیش روایتی اور رسمی نوعیت کی تھیں۔ ٹیکسوں کے نفاذ میں بیشتر رسم و رواج کی حکمرانی تھی۔ حکومت کے محاصل کی [illegible] کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے تھے اور بعض مواقع پر انھیں اجارہ پر دے دیا جاتا تھا۔ فوج میں بھرتی کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے تھے اور جنگ کے زمانہ میں بادشاہ کو زیادہ تر جاگیرداروں کی جانب سے فراہم کی جانے والی فوجوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ عدالت کا نظام اس طور پر قائم کیا گیا تھا کہ عوام کے لئے باعث سہولت ہو۔ زیادہ تر جھگڑوں کو ثالثی کے ذریعہ طے کیا جاتا تھا یا مقدمات کی سماعت مقامی طور پر مقامی

لوگ ہی کرلیا کرتے تھے ۔صوبائی طرز حکومت کو اس طور پر منظم کیا گیا تھا کہ وہ اس عہد کے تقاضوں کو پورا کر سکے ۔حکومت کے بیشتر افسران کو اجرتیں حکومت کو واجب الادا آمدنیوں کے عطیہ کے ذریعہ دی جاتی تھیں۔ مقامی علاقوں میں قدیم دیہی اسمبلیاں سرگرم کار تھیں اور مفید مقامی خدمات انجام دے رہی تھیں۔ مندر مقامی علاقوں میں تہذیبی اور معاشی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور تجارتی انجمنیں دوسری مقامی جماعتیں تھیں جو انتظامیہ میں نمایاں کردار ادا کرتی تھیں۔ اس طرح مملکت وجے نگر کے نظم وسیاست کے یہ پہلو توجہ کے ساتھ مطالعہ کے مستحق ہیں۔

چودھویں اور پندرہویں صدیاں مسلم حملوں کی وجہ سے جنوبی ہندوستان میں زبردست مذہبی بے چینی کا زمانہ تھیں۔ مملکت وجے نگر نے جس کا قیام ہی ہندو تہذیب کے تحفظ کے لئے ہوا تھا، نہ صرف مسلم حملوں کے خلاف ایک پشت پناہ کا کام کیا بلکہ اس نے ایسے پرامن حالات پیدا کرکے جو ان کے ارتقا کے لئے ضروری تھے بعض مذہبی مسالک کی ترقی کی ہمت افزائی بھی کی۔ ان مسلکوں میں سے ایک وتھوباد (...VITTHOBA) مسلک تھا جو بھکتی پر مبنی ہے۔ مذہب اور فلسفہ کی نشاۃ ثانیہ ودیارنیا اکسوبھیاموفی، ویدانت دیشک، دیاسرائے تیرتھ، اپیادکشت اور تاتاچار جیسے فلسفہ کے بڑے بڑے مناظرین اور مفکرین کی شہرت اور ناموری کا سبب بھی بنی۔ اس عہد میں بعض مقبول مذہبی تحریکات کا عروج ہوا جیسے تنگلائی ویشنوزم، جو اپنے کردار میں زیادہ روشن خیال تھیں۔ اگرچہ ان مذہبی تحریکات نے ہندو معاشرہ کو مختلف طبقوں میں منقسم کردیا تھا تاہم ان تحریکوں نے اسلام کی یلغار کے خلاف اس معاشرہ کو متحد رکھنے میں غیر معمولی خدمت انجام دی۔

پورے جنوبی ہندوستان پر وجے نگر کے تسلط کی توسیع جزیرہ نما کے ایک حصہ سے دوسرے حصّہ کی طرف عوام کے نقل وطن کا باعث بنی۔ رایوں (RAYAS.) نے تعلیم یافتہ لوگوں، مذہبی مبلغوں اور خاص طور ویشنو لوگوں کی جو سرپرستی کی، اس نے جنوب کے برہمنوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف مائل کیا اور یہ لوگ تیلگو اور کنارکے اضلاع میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے۔ وہاں تاجروں اور خاص طور پر بیریوں (BERIS.) کے علاوہ جو تجارت کی غرض سے دیہاتوں اور شہروں میں، بسنے تھے، شودروں کی ایک بڑی تعداد بھی آگئی جو حکومت کی انتظامیہ میں ملازم ہوگئے۔ اسی طرح تیلگو اور کنارا کے لوگ بھی تامل کے اضلاع میں چلے آئے۔ رایوں نے اپنے اپنے متوسلین کو، جو اپنے پیروؤں کے ساتھ تامل کے پورے علاقہ میں آکر آباد ہوگئے تھے، جاگیریں عطا کیں۔ اس باہمی نقل مکان کا فطری نتیجہ یہ ہوا

کہ بعض ذاتیں نئے ماحول میں منتقل ہو گئیں ۔ چنانچہ بلیجاؤں (BALIJAS.) کمّاؤں (KAMMAS)
رڈیوں (REDDIS.) اور تیلگو بولنے والے برہمنوں کی مختلف برادریاں، جو تامل کے سماجی ڈھانچے میں
اجنبی تھیں ، اس میں شامل ہو گئیں اور مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے آپ کو نئے ماحول میں
ڈھال لیا ۔ اسی طرح پلائیوں (PILLAIS) مدالیروں (MUDALIVAS.) ، اروا ویلموں (ARAVER
VELAMAS.) اور تامل بولنے والے برہمنوں کے مختلف فرقوں نے اپنا وطن چھوڑ کر مملکت کے شمالی
اضلاع کو اپنا مستقل مستقر بنالیا ۔

ادب کو وجے نگر کے رایوں کی خصوصی توجہ حاصل تھی ۔ حکمرانوں نے سنسکرت اور تیلگو ادب کی سرپرستی
کی روایات کے مطابق خود مملکت کا قیام عظیم درویش اور عالم و دیارنیا کے ظل حمایت میں عمل میں آیا تھا
ساین کو ، جو ہری ہر اول بکا اول ، اور ہری ہر دوم کے عہد میں تھا ، ویدوں کے شارح کی حیثیت سے
لافانی شہرت حاصل ہوئی ۔ وجے نگر کے تقریباً ہر بادشاہ کا دربار محققین کی جماعت سے آراستہ تھا ۔
کرشن دیورائے خود ، جیسا کہ پہلے ہی بتلایا جا چکا ہے ، ایک بڑا عالم اور تیلگو اور سنسکرت کی کتابوں کا مصنف
تھا ۔ اس کے دربار میں اللسانی (ALLASNI.) ، پدّن (PADDANA.) ، نندی (NANDI.) (ملکّم) ،
تمّن وغیرہ جیسے عظیم اور مشہور عالموں کو فروغ حاصل ہوا ۔ اس عہد میں کناری ادب بھی پھلا پھولا ۔ لیکن
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے اتنی سرپرستی حاصل نہ تھی جتنی کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے تحت سنسکرت اور
تیلگو کو حاصل تھی ۔

آرٹ اور فن تعمیر میں بھی وجے نگر نے کچھ کم کام نہیں کیا ۔ ان سلاطین نے بہت سی تعمیریں کرائیں
ان کے عہد میں فوجی اہمیت کے متعدد قلعے ، بڑے محل ، وسیع اور عریض مندر اور بلند و بالا مینار تعمیر
ہوئے جو نہ صرف اپنی زبردست جسامت کے اعتبار سے ممتاز تھے بلکہ اپنی تفصیل آرائش ، نقاشی اور
مصوری کے لحاظ سے بھی ان میں سے بہت سی عمارتیں فن کا مکمل نمونہ ہیں تینجور ضلع میں واقع کمبا کونم کے
راما سوامی مندر کے اندرونی پراکارا (PRAKARA.) کی دیواروں پر راماٗن سے ماخوذ مناظر کی تصاویر یقیناً
ہر اس شخص کو بے ساختہ تعریف پر مجبور کریں گی جو اس مقام کی زیارت کے لئے آئے گا سب سے
زیادہ متاثر کرنے والی عمارتیں ہمپی کے وہ رومانی کھنڈرات ہیں جو آج "ہندوؤں کی تاریخی تعمیرات
کا ایک کھلا ہوا میوزیم ہے " اور جو ایک زمانہ کے عظیم اور خوش حال شہر کی شان و شوکت کی یاد تازہ
کراتا ہے ۔ وہاں متعدد دوسری عمارتیں بھی ہیں جو مملکت وجے نگر کی دولت اور آسودگی کی کہانی

کہنے کے لئے اپنی شکستہ حالی کی مختلف منزلوں میں آج بھی کھڑی ہیں ان میں سے چند بینوگوندا، چندر گیری، ویلور اور جنجی کے قلعے، کال ہستی اور تیروونّا ملائی میں واقع ایک ہزار ایک سوستونوں والے منتپ، چدمبرم، تیروونّا ملائی اور مدورا کے مینار اور آخرالذکر مقام کے بڑے بڑے محل اور ہال ہیں عبدالرزاق اور پائز جیسے معاصر سیاحوں کے ان بیانات سے، جن میں وجے نگر کے شاہی دربار کی مصوری اور نقاشی کا ذکر کیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ رایوں کے زمانہ میں نقاشی اور مصوری کے مربوط فنون انتہائی کمال کو پہونچ گئے تھے۔

ہندوستان کے قدیم حملہ آوروں مثلاً یونانیوں اور بیکٹریوں (BACTRIANS) اور ہنوں (HUNS) کے برخلاف، جو ملکی باشندوں کے ساتھ آزادانہ طور پر خلط ملط ہوئے اور انھیں میں جذب ہو گئے۔ مسلمانوں نے ایک ممتاز فرقے کی حیثیت سے انھیں زیادہ پسند کیا اور اپنی پاکیزگی اور انفرادیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ہندوستانی معاشرے اور اداروں کو متاثر کیا ہے اور اسی طرح وہ خود بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ نوکدار محرابوں کا آغاز اور منیٹوں کی مسطح چھتوں کے بجائے، جو ڈرا وڑ طرز تعمیر کی ایک نمایاں خصوصیت تھی مدور چھتوں کے ساتھ تعمیر بڑی حد تک اسلامی آرٹ اور طرز تعمیر کے اثرات کا نتیجہ تھی۔ دیورائے دوم نے اپنی فوج کی تنظیم کے اصلاح کے لئے مسلمانوں کے انداز کی تقلید کی تھی۔

اس طرح وجے نگر کی انتظامی اور سماجی تاریخ بہت اہم ہے۔ بہر حال جنوبی ہندوستان اس حد تک اسلام سے متاثر نہیں ہوا ہے جتنا کہ شمالی ہندوستان ہوا ہے اور اس نے ہندوازم کی قدیم شکل کو جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔ بیرونی اثرات کو اس بات کی اجازت دیئے بغیر کہ وہ کسی بڑی حد تک اس پر اثر انداز ہو سکیں۔ ہندو مذہب، ادب اور فن کا یہ تحفظ، جو جنوبی ہندوستان کی ایک خصوصیت ہے اور جو شمال کی "زیادہ مانوس شکلوں سے بہت زیادہ مختلف ہے" محض مملکت وجے نگر کی وجہ سے ہے۔ مسلم حملوں کے مستقل خطرات کے باعث ہندو معاشرہ کی از سر نو تنظیم کرنی پڑی اور ہندو معاشرہ کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کے حقوق و فرائض پر بعض نوعیت کی سختیاں اور ان کی توضیح ضروری سمجھی گئی جیسا کہ ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اینگر نے بالکل بجا کہا ہے۔

"یہ بات اطمنان سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ خواہ اچھا ہو یا برا، جنوبی ہندوستان کے موجودہ ہندوازم نے اپنی وہی شکل برقرار رکھی ہے جو اسے وجے نگر کے زمانہ سے حاصل ہوئی تھی اور اس کے لئے اس کی

(وجے نگر کی) تعریف کرنی چاہیئے کہ اس نے ہندوازم کو اس صورت میں باقی رکھا جس میں کہ وہ اس وقت ہے"۔[5]

یہ تصنیف اپنے موضوع کے انتخاب اور اس کے تشفی بخش بیان کی بنا پر اپنے اس مقصد میں پوری اترے گی۔

اس موضوع پر مزید کام جاری ہے اور وجے نگر کی تاریخ کے مزید ماخذ کا معتدبہ مجموعہ زیر طبع ہے۔

کے۔ اے۔ این

مدراس یونیورسیٹی
1940-8-30

---

[5] 312 - ص SOME CONTRIBUTIONS OF SOUTH INDIA TO INDIAN CULTURE.

باب دوم

مرکزی حکومت

فصل اوّل

بادشاہ

شاہی طرز حکومت کا نظم و نسق بڑی حد تک حکمراں کی شخصیت پر منحصر ہوتا ہے۔ہندوستان میں طاقتور سلطنتوں نے طاقتور بادشاہوں کے زیر نگیں ہی فروغ پایا ہے اور کمزور بادشاہوں کی ماتحتی میں وہ زوال پذیر ہوئیں۔چندر گپت اور اشوک نے موریہ سلطنت کی بنیاد ڈالی لیکن برہدرتھ جیسے کمزور بادشاہوں کی جانشینی کے ساتھ ہی اس کے زوال کے عہد کا آغاز ہوگیا۔سمدر گپت اور چندر گپت دوم جیسے بادشاہوں کے زیر سایہ گپت سلطنت پروان چڑھی لیکن کمزور حکمرانوں کے عہد میں اس کا شیرازہ بکھر گیا۔سلطنت وجے نگر اس قانون سے مستثنیٰ نہ تھی۔ہری ہر اور بکا (دو) جو شیلے بھائیوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اسے مستحکم کیا اور دیو رائے دوم، سالو وانرسمہا اور کرشن دیو رائے نے یکے بعد دیگرے اس کے انتظام حکومت کو استقامت بخشی۔شاہی دستور کے تحت چلنے والی دوسری سلطنتوں کی طرح سلطنت وجے نگر میں بھی بادشاہ انتظامیہ کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔اور ریاست میں اعلیٰ ترین مقام کا حامل تھا۔حقیقت تو یہ ہے کہ بادشاہ نظام حکومت کا محور تھا۔

قدیم ہندو سیاسی مفکرین کے مطابق ریاست سات عناصر پر مشتمل ہوتی تھی۔جن میں بادشاہ سب سے اہم تھا۔ [1] ریاست کی فلاح و بہبود بڑی حد تک ان عناصر کے اتحاد کار اور رفاہ عامہ کے لئے ان کی مشترکہ کوششوں پر منحصر تھی۔ہمارے پاس کرشن دیو کی آمکتا مالیاد اس بات کے ثبوت کے لئے

---

[1] ریاست کے سات عناصر یہ ہیں:۔(۱) سوامین (بادشاہ (۲) امانیا (وزیر) (۳) جنپدا (خطہ ارض) (۴) درگ (قلعہ) (۵) کوش (خزانہ) (۶) ڈنڈ (فوج) اور (۷) متر (حلیف) مثلاً ملاحظہ ہو نتیا پران باب ۲۲۰ اشلوک 19۔

موجود ہے کہ سیاسی ڈھانچہ کے سات عناصر میں بادشاہ کی اہمیت سب سے زیادہ۔ شاہی شاعر اس بات پر زور دیتا ہے کہ بادشاہ (سارو بھوم SARVABHAUMA.) کے اندر اپنے احکامات کو نافذ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ [2]

اس بیان کی تصدیق سالو وانرسمہا کی شان میں کہے گئے اشعار کے ایک سلسلہ نورتن مولو اور سپٹان گپدھتی SAPTANGAPADHATI. سے ہو جاتی ہے۔ اب یہ تصنیفات صرف پراگندہ حالت میں دستیاب ہیں اور ان کے محض ایک سطحی مطالعہ سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ریاست وجے نگر میں بادشاہ کی شخصیت سب سے اہم تھی۔ [3]

'تاج پوشی' تمام ہندو سلطنتوں میں رسم تاج پوشی ایک اہم تقریب تھی۔ یہ ایک حکمران کے انتخاب کو قانونی توثیق بہم پہنچاتی اور اسے حکومت کرنے کا استحقاق بخشتی۔ قدیم ہندو بادشاہوں کے مانند وجے نگر کے بادشاہوں نے بھی اپنی تاج پوشی کی رسمیں باضابطہ طریقہ پر منائیں۔ ہم عصر غیر ملکی سیاح ان رسوم تاج پوشی کا تذکرہ کرتے ہیں اور متعدد کتبات سے ان کی توثیق بھی ہو جاتی ہے۔ بہرحال ہری ہر دوم کی موت پر اس کے تینوں بیٹوں، بکّا دوم، جو اپنے باپ کے دور حکومت میں ولی عہد (یوراج) تھا، ویرو پاکسا دوم اور دیو رائے اول میں سے ہر ایک نے سلطنت کے حصول کی کوشش کی، شاہی القاب اختیار کر لیے اور آزادانہ طور پر جاگیریں تقسیم کیں [4]

اس طرح وجے نگر کی افراتفری کے اس دور (۱۴۰۴-6ء) میں ان تینوں حکمرانوں میں سے ہر ایک کو تھوڑی بہت حمایت حاصل تھی۔ گو دستیاب شواہد سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ بکا دوم اور ویرو پاکسا اول ان بادشاہوں میں سے تھے جن کی تاج پوشی ہوئی تھی۔ بہرحال دیو رائے اول کی تاج پوشی کا واضح تذکرہ کتبوں میں ملتا ہے۔ تاہم ہم نہیں جانتے کہ بکّا اول کے مقابلہ میں جو یوراج کی حیثیت سے پہلے کام کر چکا تھا اور کچھ دنوں تک حکومت میں اپنے باپ کا شریک بھی رہا تھا، دیو رائے کی تاج پوشی کیوں کر ہو گئی۔

---

[2] آمکتا مالیاد۔ کھنڈ چہارم جلد ۲۰۶۔ ترجمہ از اے رنگا سوامی شعبہ کتبات مدراس، جرنل آف انڈین ہسٹری، (JOURNAL OF INDIAN HISTORY.) جلد ششم، حصہ دوم۔

[3] ملاحظہ ہو چٹو پدیمن امینجری (CATUPADYA MANIMANJARI.) از پربھاکر شاستری ص ص 34-41

[4] اپیگرافیا انڈیکا (EPIGRAPHIA INDICA.) ص ص 13-14 مدراس اپیگرافی رپورٹس (MADRA EPIGRAPHY REPORTS.) 1921ء، پیراگراف 46 اور 47۔

رسم تاج پوشی منانے کے لیے ایک خاص دربار منعقد کیا جاتا جس میں ماتحت بادشاہ اور سرداران قوم شریک ہوتے۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ کمار دھورجٹی کی کرشن رائے وجے مو (KRSNARA (VIJAYAMU) میں مذکور ہے، کرشن دیورائے کی رسم تاج پوشی میں مختلف جاگیردار سرداروں نے شرکت کی جن میں مندرجہ ذیل اہم تھے :۔ آراویتی بکاراجو، اور دوسری جگہوں کے علاوہ اوک، نندیلا اور ویلگوڈو کے سردار۔ 5ء

تقریب کی تفصیلات دلچسپ ہیں۔ برہمن پروہت بادشاہ کی پیشانی پر سونے کا ایک موباف رکھتے اور ضروری دعاؤں اور مناسب منتروں کے پڑھنے کے بعد بادشاہ پر ابھیسیکن ABHI SECANA پانی انڈیل دیتے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وینکٹ دوم کی رسم تاج پوشی بادشاہ کے گرو تاتیاریا اور دیگر برہمنوں نے انجام دی تھی۔ 6ء

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے انتخاب میں وزراء کو (بھی) کچھ دخل حاصل تھا اور اس طرح وہ اس کی تاج پوشی میں ایک اہم کردار ادا کرتے تھے یہی نہیں بلکہ ہمارے پاس تو کتبات کے ایسے ثبوت موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ تاج پوشی کی رسم کو وزراء ہی انجام دیا کرتے تھے۔ سالووانمانے، جو کرشن رائے کا طرفدار تھا، وزیر اعلیٰ کا کردار ادا کیا اور ویرنرسمہا کی موت پر اسی نے اسے تاج پہنایا۔ ریاست میسور کی ناگ منگلم (NAGHANGALAM.) تعلقہ کی ایک سنگی دستاویز ہمیں یہ دلچسپ اطلاع بہم پہونچاتی ہے کہ سداشیو مہارائے کو وزیر اعظم رام راج اور دیگر وزرائے اعلیٰ (اماتیا تلکیہ) (AMATYA. TILAKAIH.) نے بادشاہ کی حیثیت سے تاج پہنایا۔ 7ء

تاج پوشی ایک دستوری اہمیت رکھتی تھی۔ بادشاہت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہے۔ اس معاملہ میں قدیم ہندو بادشاہت اور عہد وسطیٰ کی شہنشاہیت کے تصور میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ ویدوں کے عہد میں بادشاہ حلف اٹھاتا تھا کہ وہ اپنے عوام پر منصفانہ طریقے پر اور، دھرم، کے قوانین کے مطابق حکومت کرے گا۔ اسی طرح وجے نگر کے بادشاہ

5ء سورسیز آف وجے نگر ہسٹری (SOURCES OF VIJAYANAGAR.) ص 129۔

6ء اپیگرافیا کرناٹیکا (EPIGRAPHIA CARNATICA.) 7، شی موگا (SHIMOGA.) 83

7ء اپیگرافیا کرناٹیکا 4، نگمن گالا (NAGUNGALA)۔

بھی حلف اٹھایا کرتے تھے۔ اس میں بھی وہی جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔ یہ موقع خوشی و مسرت کا ایک موقعہ ہوتا تھا۔ اور اس موقعہ پر بادشاہ مندروں اور برہمنوں کو بڑے بڑے عطیات دیتے تھے۔

یوراج (ولی عہد)۔ قدیم ہندوستان میں حکمران سلاطین عموماً اپنے ولی عہدوں کو نامزد کر دیا کرتے اور سلطنت ان کے لیے میراث میں چھوڑ جاتے۔ عموماً سب سے بڑا شہزادہ جانشین منتخب ہوتا اور اس کی غیر موجودگی میں نگاہ انتخاب کسی دوسرے فرد پر پڑتی جو اس شرف اور ذمہ داری کا اہل ہو۔ سلطنت وجے نگر میں بھی بادشاہوں نے اپنے جانشینوں کا تقرر کیا اور اپنی زندگی ہی میں یوراج کی حیثیت سے ان کی تاج پوشی کر دی۔ ہری ہر دوم کے ایک پیتل کی تختی کے عطیہ میں مذکور ہے کہ ہری ہر اول نے اپنے بھائی بکا راجا کا یوراج کی حیثیت سے تقرر کیا۔[8]

دیو رائے اوّل کا ذکر کرتے ہوئے ولسن (WILSON.) لکھتا ہے "اس کے عطیات اس کے پیشرو کے عطیات کے ختم ہونے کے تین سال پیشتر شروع ہو جاتے ہیں یہی صورت حال اس کے جانشین کے عہد میں پھر رونما ہوتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو تاریخ کے قدیم ادوار میں بادشاہ کے اپنے آخری دور حکومت میں اپنے بیٹے اور جانشین کو ولی عہد یا قیصر کی حیثیت سے حکومت سے وابستہ کر لینے کی عام رسم یہاں (وجے نگر میں) بھی رائج تھی۔"[9] ادبی ثبوت بھی اس طریقہ کے رواج کی توثیق کرتے ہیں۔ راج ناتھ دندم کی ابچیوت رائے ابھی ادیم (ACYU TARAYA) میں مذکور ہے کہ ابچیوت کی تاج پوشی کے ساتھ ہی اس کے بیٹے پنا وینکت آدری (PINA VIN KATADARI) کی ولی عہد کی حیثیت سے تقرر کی رسم ادا کی گئی۔[10]

عام طور پر یوراج پٹابھیسیکم (YUVARAJAPATTABHISEKAM.) کی تقریب اسی وقت منائی جاتی جب ولی عہد انتظام حکومت کی اصولی تعلیم حاصل کر لیتا لیکن مخصوص حالات میں کم سنی میں بھی یوراج کی حیثیت سے تقرر کر دیا جاتا۔ ایسا غالباً بادشاہ کے اس خدشہ کی بنا پر ہوتا تھا کہ ان کی موت کے بعد جانشین پر تنازعہ ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ کرشن رائے نے 1524ء میں اپنے بیٹے ترومل کو یوراج مقرر کر دیا حالانکہ اسوقت اس کی عمر صرف چھ سال کی تھی۔[11]

---

[8] ایپیگرافیا کرناٹیکا، CHANNARAYAPATNA 256

[9] ایشیاٹک ریسرچیز (ASIATIC RESEARCHES.) 22، ص ص 8-9

[10] ایس، کے، اینگر۔ ح، س۔ ص 158

اپنی تربیت کے دوران یوراج لایق و قابل اساتذہ کی نگرانی میں رکھا جاتا جو اسے شاستر کی تعلیم دیتے جس کا جاننا ایک بادشاہ کے لیے ضروری تھا۔ وہ علم اسلحہ جات مثلاً شرا،اسی (تلوار) استر (میزائل، ترکش تیر) گھوڑسواری اور ایسے ہی دوسرے فنون جو شہزادوں کے لیے ضروری تھے حاصل کرتا[12]۔ وہ فنون لطیفہ کی تعلیم بھی حاصل کرتا۔ مثال کے طور پر تنجور کا شہزادہ رگھوناتھ فن موسیقی کا ماہر اور (راگوں کا) مخترع تھا۔ جس نے کئی راگوں کو ایجاد کیا[13]۔

انتظام حکومت کے کٹھن کام کے لیے محض اصول و نظریات کا علم ایک حکمراں کو تشفی بخش طور پر حکومت کے قابل نہیں بنا سکتا اس لیے کچھ عرصہ کی عملی تربیت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ جب شہزادہ عمر کی اس پختگی کو پہنچ جاتا کہ اسے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سونپی جاسکیں تو اسے کسی صوبے کا وائسرائے یا گورنر مقرر کر دیا جاتا۔ یہ ایک ایسا عہدہ تھا جو ریاست کے مسائل سے اسے دوچار کرتا اور انتظام حکومت کی تربیت حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتا۔

اس سلسلہ میں ہم نام نہاد مشترک حکمراں (CO-RULERSHIP) کے نظام کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ وجے نگر کے دربار میں رائج تھا۔ یہ مسئلہ کسی حد تک دستوری اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ وہاں یوراج کے علاوہ ایک مشترک حکمراں ہوتا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی دستوری حیثیت کیا تھی؟ اور یوراج کے ساتھ اس کا کیا رشتہ تھا۔؟

بنگلور تعلقہ کے ایک کتبے میں مذکور ہے کہ بکا اول اپنے بھائی ہری ہر اول کا مشترک حکمراں تھا[14]۔ وجے

---

[11] نونیز کے بیان کے مطابق کرشن دیو تخت سے دست بردار ہوگیا اور اپنے بیٹے تروملا کو وجے نگر کے بادشاہ کی حیثیت سے (نہ کہ یوراج کی حیثیت سے) تخت پر بٹھا دیا۔ اور کرشن دیورائے بذات خود اپنے بیٹے کا وزیراعظم بن گیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے، کہ تروملا کو صرف یوراج بنایا گیا تھا۔ اور نونیز کہتا ہے کہ کرشن دیورائے نے جانشیں کی حیثیت سے اپنے بھائی اچیوت دیورائے کا تقرر کیا جس کی تصدیق اچیوت کی ایک پیتل کی تختی سے ہوتی ہے۔ (اپیگرافیا کرناٹیکا)

[12] مدھوراوجیم (MADHURA VIJAYAM) از گنگا دیوی کھنڈ سوم اشلوک 2 اور 3۔

[13] ساہتیہ رتناکرم (SAHETYARATNAKARAM.) از یجنا رائن دکشت کھنڈ پنجم۔

[14] اپیگرافیا کرناٹیکا۔ 9 متن کی عبارت یوں ہے۔

SRIMANU MAHAMANDATESVARAN SRI VIRA ARIYAPPA

VDAIYARAM BUKKANA UDAIYARUM PRTIAL RACCIYAM PANNA NIRKA.

اس نتیجہ پر پہنچتے (GOPINATH RAO.) گوپی ناتھ راؤ رائے کی مدت حکومت کو متعین کرتے ہوئے ہیں کہ غالباً اس نے صرف چھ[6] ماہ حکومت کی۔ ان کے نتائج مندرجہ ذیل ثبوت پر مبنی ہیں۔ دیورائے اوّل کا بظاہر 1422ء میں انتقال ہوگیا۔ دیورائے اول کے بیٹے ہری ہر سوم نے 1422ء میں ایک عطیہ (جاگیر) دیا تاکہ اس کا باپ "یقینی طور پر عالم فضیلت حاصل کرسکے[15]۔" وجے بھوپتی تخت پر بیٹھا لیکن چونکہ شاکھا 1345ء (1423ء) کے چند کتبات میں دیورائے دوم کا نام شاہی القاب کے ساتھ نظر آتا ہے لہٰذا وجے رائے یقیناً اس وقت تک مرچکا ہوگا[16]۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ دیورائے اول کے ایصالِ ثواب کے لیے عطیات 1422ء میں دیئے گئے ہیں۔ اور چونکہ 1423ء کی ابتدا میں ہی دیورائے دوم شاہی القاب کے ساتھ نظر آتا ہے لہٰذا یقیناً وجے رائے محض چھ[6] یا سات[7] ماہ تک تخت پر بیٹھا ہوگا[17]۔ لیکن دیورائے دوم کے شاہی القاب اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وجے رائے کا اس وقت تک انتقال ہوچکا تھا اس لیے کہ ہمیں وجے کے 1424-25ء کے چند کتبات ملتے ہیں[18]۔ وجے رائے اول خود مولوباگل راجیہ پر 1406ء میں اور 1416ء کے درمیان حکومت کررہا تھا۔ ان حقائق کی بنیاد پر وینکیا اور کرشن شاستری کا خیال ہے کہ وجے رائے اور دیورائے دوم علی الترتیب اپنے اپنے باپ کے زمانہ میں معاون نائب بادشاہ (CO-REGENTS.) تھے[19]۔ وینکیا اپنی دلیل کے اختتام پر یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ "یقیناً یہ بات فرض کی جاسکتی ہے کہ اپنے باپ کی زندگی اور دورِ حکومت ہی میں ویروجے ایک نامزد بادشاہ تھا۔ ممکن ہے کہ دیورائے کی حیثیت بھی ایسی ہی رہی ہو۔" بہرحال گوپی ناتھ راؤ اس بات پر زور دیتے کہ وجے نگر کے خاندان اول کی تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جس میں کسی شخص کی تاج پوشی اس کے پیشرو کی موت سے پہلے کردی گئی ہو[20]۔" لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دو خیالات میں بنیادی اختلاف

---

[15] ایپیگرافیا کرناٹیکا۔ 4

[16] ایپیگرافیا کرناٹیکا۔ 8، تیرتھ ہلی (TIRSHA HALLI.) 14 سورب (SORAB.) 565

[17] ایپیگرافیا انڈیکا (EPIGRAPHIA INDICA.) 15 ص 14۔

[18] TOPOGRAPHICAL LIST OF INSCRIPTIONS OF THE MODRAS. PRECIDENCY.
از وی رنگاچاریہ، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس۔

[19] 1907ء پیراگراف 54۔ (ARCHOCOLOGICAL SURVEY.) 1907-08ء ص 247 (REPORTS.)

[20] ایپیگرافیا انڈیکا۔ 15 ص 15۔

اس حقیقت کی بنیاد پر ہے کہ شاید ان کے خیال میں یوراج اور نائب بادشاہ دو الگ الگ شخصیتیں تھیں لیکن اس طرح کا مفروضہ خارج از بحث ہے۔ کیونکہ متعلقہ کتبات کی روشنی میں ہمیں یہ بات مان لینی پڑتی ہے کہ یہ یوراج ہی تھا جو اپنے پیشرو کے دور حکومت میں معاون حکمراں ہوا کرتا تھا۔ اور اسی دور میں وہ شاہی القاب اختیار کر لیا کرتا اور کم و بیش آزادانہ طریقے پر اپنے صوبے پر حکمرانی کرتا۔ اگرچہ بالعموم برسر اقتدار بادشاہ کے (تمام) لڑکے صوبوں کے وائسرائے بنا کر بھیج دیئے جاتے تھے۔ مگر ان میں سے صرف ایک ہی کو یوراج یا مشترک حکمراں نامزد کیا جاتا تھا اور وہی اپنے پیشرو کی موت کے بعد تخت نشیں ہوتا تھا[21]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے نمایاں اشخاص کو وارث کے انتخاب کے سلسلہ میں اپنی رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ سری رنگا اول اور اس کے بھائی رام کی موت پر، رام کے بیٹے ترومل کو نظر انداز کر کے "ہر طبقہ کے اتفاق رائے سے 1856ء میں وینکٹ دوم وجے نگر کے تخت پر بیٹھا۔ ایک یسوعی کے خط میں مذکور ہے کہ "اس شہزادے کے باپ کی موت کے بعد بادشاہت "ہر طبقہ کے اتفاق رائے" سے مرحوم کے بھائی (رام سوم) کے سپرد کر دی گئی۔ یعنی جو شخص اس وقت حکومت کر رہا ہے۔ اور مرحوم کے ان بچوں کے حقوق کو رد کر دیا گیا جو اپنی عمر کی بنا پر ملک پر حکومت کرنے کے لائق نہ تھے[22]۔ بہر حال یہ بات مشتبہ ہے کہ وہاں ووٹ دینے کا طریقہ رائج تھا اور تمام لوگ بادشاہ کے انتخاب میں حصّہ لیتے تھے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ جب بادشاہ کسی ایسے شخص کو نامزد کرتا ہوگا جو جانشینی کے عام قوانین کے تحت تخت پر نہیں آسکتا تھا تو ممکن ہے کہ اس وقت وہ مملکت کے چند ممتاز امراء سے مشورہ لیتا ہو اور ان کی حمایت حاصل کرتا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمراں کا انتخاب بالعموم وزراء اور امرا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ اس سلسلہ

---

[21] 1905-06ء کا چناپٹنا (CHENNAPATNA.) ، 6 ، سلیٹور ، (SALETORE.) کا بھی یہی خیال ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں مشترکہ حکومت کا طریقہ مروج ہوا۔ لیکن اس نظریہ کے ثبوت کے لیے زیادہ ٹھوس شہادت درکار رہے۔

[22] فادر این پیمنٹ FR.N.PIMENTA. کا خط جس کا حوالہ پادری ایچ ہراس (REV. H. HERAS.) نے آرو دو خاندان (ARAVIDU DYNASTY.) جلد اول، ص 301 میں دیا ہے۔

ہیں ہمارے پاس برّاداس (BARBARAS.) کی شہادت موجود ہے جو کہتا ہے کہ وینکٹ دوم نے اپنی موت کے صرف تین دن قبل اپنے "سرداروں" کی موجودگی میں اپنی وسیع وعریض سلطنت اپنے بھتیجے سری رنگا دوم، جو عام طور پر ککّا رائے کے نام سے مشہور ہے، کے سپرد کردی اور ککّا رائے نے موقعہ پر موجود چند "سرداروں" کے مشورہ پر بادشاہت قبول کرلی اگرچہ وہ خود تخت نشینی کا آرزومند نہ تھا۔ اس کے ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وینکٹ کی قانونی اولاد نہ تھی جو اس کی جانشینی کرسکے۔[24]

"دست برداری"۔ قدیم ہندوستان کی طرح وجے نگر کے چند بادشاہ بھی اپنی زندگی کے آخری حصّہ میں اپنے بیٹوں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گئے اور اپنی بقیہ زندگی یادالٰہی میں گذار دینے کے خاطر انھوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اس طرح راج ناتھ وندم (RAJNATHA DINDIMA.) کے بیان کے مطابق سالو وانرسمہا کے باپ گنڈا نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشیں بنایا اور خود ایک وان پرستھا (VANAPARASTHA.) کی حیثیت سے جنگل چلا گیا۔[24] اسی طرح تنجور کے نایک نے اپنے بیٹے کو تخت نشیں کردیا اور خود جنگل چلا گیا۔[25]

اس ضمن میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ دلی عہد کی رسم تاج پوشی کی حقیقی اہمیت کو تاریخ نگاروں اور غیر ملکی سیاحوں نے کبھی پورے طور پر نہیں سمجھا۔ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ برسرِ اقتدار بادشاہ کی دست برداری کی نشاندہی کرنی تھی انھیں میں سے ایک پرتگالی مورخ نونیز ہے جو کرشن دیو رائے کی نام نہاد دست برداری کا تذکرہ کرتا ہے۔ کہتا ہے "بادشاہ نے یہ خیال کرکے کہ اس کی عمر کافی ہوگئی ہے اور اپنے بوڑھاپے (؟) میں آرام کرنے کی غرض سے نیز اس خواہش سے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ ہو اس نے اپنی زندگی ہی میں اسے بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا حالانکہ لڑکے کی عمر چھ سال کی تھی اور بادشاہ اس بات سے ناواقف تھا کہ اس کے مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ لہٰذا وہ اپنے تخت اور تمام اختیارات و نام سے دست بردار ہوگیا ۔۔۔ کچھ اس نے اپنے لڑکے کے حوالہ کردیا اور خود اس کا وزیر بن گیا۔[26]

---

[23] سیویل (SEWELL.) ۔ ح۔س۔ ص ص 223-224

[24] ایس۔ کے۔ اینگر۔ ح۔س، ص ۹۰

[25] ایس۔ کے۔ اینگر۔ ص 273

[26] سیویل۔ ح۔س۔ ص 359

تارن، سال (1524ء عیسوی) کی چند دستاویزات کرشن رائے کے بیٹے تیروملائی دیو مہارائے کا تذکرہ برسراقتدار بادشاہ کی حیثیت سے کرتی ہیں[27]۔ لیکن ہمارے پاس اس بات کے ثبوت کے لئے کوئی کتباتی یا ادبی سند نہیں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہوگیا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ نونیز نے یوراج کی حیثیت سے ترومل کی تاج پوشی کی صحیح اہمیت نہیں سمجھی اور غلطی سے اس کو بادشاہ کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی سمجھ بیٹھا۔ نونیز کا بیان ہمیشہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتا کیوں کہ ایک مقام پر وہ کہتا ہے کہ کرشن دیو کی عمر 1509ء میں بیس سال سے زیادہ تھی اور دوسرے مقام پر اس کا بیان ہے کہ وہ 1524ء میں "ایک بوڑھا آدمی" تھا۔ ایک بادشاہ جس کی عمر 1509ء میں بیس سال سے کچھ زیادہ تھی 1524ء میں "بوڑھا" نہیں ہو سکتا۔ مزید یہ کہ اپنے بیٹے کے وزیر کی حیثیت اسے اس کے بڑھاپے میں آرام نہیں پہونچا سکتی تھی جس کی نونیز کے مطابق اسے خواہش تھی اس طرح دست برداری کی کہانی ناقابلِ یقین ہے۔ 1525ء اور 1530ء کی درمیانی مدت کے کتبات کی ایک بڑی تعداد جو مملکت کے مختلف حصوں سے حاصل ہوئے ہیں ظاہر کرتی ہے کہ کرشن دیو 1530ء تک بادشاہ رہا۔ کرشن دیو کے کتبات بھی جن پر 1246ء تارن وائے اور 1446ء تارن مارگ کی درمیانی تاریخیں مندرج ہیں، پوری مملکت میں کثرت سے پائے جاتے ہیں[28]۔ یہ (کتبات) ظاہر کرتے ہیں کہ کرشن دیو اس مدت کے دوران اپنے بیٹے کی معیت میں حکومت کر رہا تھا۔ اور اس طرح وہ تخت سے دست بردار نہیں ہوا تھا[29]۔

---

[27] اپیگرافیا کرناٹیکا ۹، مدگیر (MUDGIRE.) 6 اور 82، 1918ء کے 115، 116 اور 117، 1896ء کے 93، 1929-30ء کے 612 اور 605۔ ان کتبات میں قدیم ترین کتبات 13 وشاکھا شو کی تاریخ کے ہیں جبکہ جدید ترین 2 تارن مارگ شو کی تاریخ کے ہیں۔ 1929-30ء کا 605 اس کی تاریخ 1446ء ویائے کارتکا بتلاتا ہے۔ لیکن یہ تاریخ قطعاً غلط معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ویائے سال کا مطابق شاکھا سال 1448ء تھا۔

[28] ترومل کے دور حکومت میں کرشن رائے کے چند کتبات مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) 1897ء کا 188، ساؤتھ انڈین انسکرپشن (SOUTH INDIAN INSCRIPTION.) 6، 72 تارن آنی،

(2) اپیگرافیا کرناٹیکا 5، بیلور (BETUR.) 78 مورخہ 5 تارن شروان شو 5۔

(3) 1918ء کا 101، تارن سمہا۔

(4) اپیگرافیا کرناٹیکا ۹، بنگلور ۱۹، تارن مارگ شو ۱، جو 1918ء کے 117 کی تاریخ ہے۔

[29] اس سوال پر مصنف کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آف انڈین ہسٹری 17، جز اول ص ص 54-59

ترومل کے متعلق لکھتے ہوئے کرشن شاستری کا خیال ہے کہ وہ اپنے بیٹے شری رنگا اول کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گیا تھا[30]۔ اپنے قول کی تائید میں وہ وسوچرترمو (VASUCARITRAMU.) کا حوالہ دیتے ہیں لیکن اس تصنیف میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ترومل نے بحیثیت یوراج شری رنگا کا تقرر کیا تھا[31]۔ اس بات کی توثیق شروترنجنی (SRUTARNJANI.) نامی ایک دوسری تصنیف سے بھی ہوتی ہے جو گیتا گوندا پر خود ترومل راے کا ایک تبصرہ ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ شہنشاہ مصنف نے اپنی سلطنت کی انتظامیہ کو اپنے بیٹوں کے حوالہ کر دیا تھا اور خود اپنا وقت شعرا اور ادیبوں کے درمیان گذارا کرتا تھا[32]۔ اس بات سے بھی یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ ترومل اپنے تخت سے دست بردار ہو گیا تھا۔

اس طرح دستیاب ثبوت قطعی طور پر یہ واضح کر دیتا ہے کہ وجے نگر عہد میں، ماقبل چولا دور کی طرح بادشاہ اپنی زندگی ہی میں اپنی موت کے بعد تخت کی جانشینی کے سلسلہ میں تنازعات کے تدارک کی خاطر، یوراج کی حیثیت سے اپنے بیٹوں کی تاج پوشی کر دیا کرتے تھے۔ انھیں یوراج بنا کر انتظام حکومت کی باضابطہ تربیت دیتے تھے۔ یوراج کو مملکت کے ایک حصہ کی انتظامیہ کا انچارج بنا دیا جاتا اور بادشاہ دور سے یوراج کی حکومت کی نگرانی اور اسکی انتظامیہ کی رہنمائی کرتا تھا۔

نیابت۔ ایک اہم مسئلہ جس کا تعلق مرکزی حکومت سے تھا وہ "نیابت" کا تھا۔ اگر تخت کا مالک کوئی نابالغ ہوتا تو اس کا ایک نائب نامزد کر دیا جاتا اور کمسن حکمراں کے نام پر سلطنت کا نظم ونسق اسی کے سپرد کر دیا جاتا یہاں تک کہ موخرالذکر سن شعور کو پہونچ جاتا اور زمام حکومت خود اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔ نائبین ہوتے تھے لیکن تاریخ میں ایسے بہت سے لوگوں کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے اپنی نیابت کو اپنی ذاتی ترقی کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر اور قانونی حکمراں کے خلاف اپنی حیثیت مستحکم کرنے کے لیے ایک موقعہ کے طور پر استعمال کیا اور بالآخر تمام شاہی اختیارات کو غصب کر لیا نیز جائز حکمراں کو معزول اور قید کر دیا۔ جس طرح ویر نرسمہا اور رام راج نے نیابت کا ناجائز استعمال کیا اس طرح کی مثالوں سے وجے نگر کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ نونیز کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

---

[30] ارکیولوجیکل سروے رپورٹس، 12-1911ء ص 181

[31] ایس، کے، اینگر۔ ح۔ س، ص 217

[32] ایس، کے، اینگر، ص 213

سالو وانرسمہا نے اپنی موت کے وقت اپنی وسیع وعریض سلطنت کا نظم ونسق اس وقت تک کے لیے اپنے معتمد جرنل نرسا نایک کے سپرد کر دیا تھا جب تک کے شہزادے (اس کے لڑکے) حکومت کرنے کے لائق عمر کو نہ پہونچ جائیں[33]۔ مورخ کے اس بات کی توثیق ان کتبات کی ایک بڑی تعداد سے ہوتی ہے جن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ جب امدی نرسمہا سلطنت کا حاکم تھا اس وقت نرسا نایک ایک منتظم (ADMINSTRATOR.) تھا[34]۔ 1498-99ء[35] کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ نرسا نائنن گارو وجے نگر کی بادشاہت میں سالو وانرسمہا رائے کا "بمپو"[36]۔ نرسا کی موت کے بعد اس کے لڑکے ویر نرسمہا نے کچھ دنوں تک نائب کی حیثیت سے کام کیا۔ لیکن بعد میں اس نے تخت کو غصب کر لیا اور بادشاہوں کے تولووا (TALUVA.) سلسلہ کی بنیاد ڈالی جن میں عظیم ترین بادشاہ کرشن دیو رائے تھا۔

اگر پرتگالی مورخ کوٹو (COUTO.) پر یقین کر لیا جائے تو سداشیو کی عمر اس وقت صرف سولہ[16] سال کی تھی جس وقت وہ تخت نشین ہوا۔ چنانچہ بادشاہ کی جانب سے رام راج نے سلطنت کی دیکھ بھال کی۔ تقریباً 1550ء میں سداشیو قید کر لیا گیا اور رام راج نے اس وقت بادشاہ کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا۔ لیکن 1563ء سے وزیر تقریباً غاصب بن گیا اور ایک آزاد حکمراں کی حیثیت سے مملکت پر حکومت کرنے لگا اور تمام شاہی القاب اختیار کر لیے۔ ہمیں سیزر فریڈرک (CAESAR FREDERICK.)[37] سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ "تخت پر بیٹھتا تھا اور بادشاہ کہلاتا تھا"۔

---

[33] سیول SEWELL. ح، س، ص 308

[34] 1915ء کا 143، میسور آرکیولوجیکل سروے رپورٹس (MYSORE ARCHOCOLOGICAL SERVAY REPORTS.) 1916ء، پیراگراف 102، 1915ء 1918ء پیراگراف 108

[35] 1904ء کا 386، مدراس اپیگرافی رپورٹس۔ 1905ء پیراگراف 44، اپیگرافیا انڈیکا 7 ص 78۔

[36] سرکاری ماہر کتبات نے اس اصطلاح کا مطلب "ایک شریک کار" سے لیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ اگر صرف فعل کی حیثیت سے لیا جائے تو اس کا مطلب "بھیجنا" ہوتا ہے "بمپو" ایک اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو دوسرے ذریعہ بھیجا جاتا ہے یعنی ایک نمائندہ۔

[37] ہز پلگرمس (HIS PILGRIMS.) از پرکاز (PURCHAS.) دہم، ص 93۔

اس طرح رام راج بھی ایک غاصب ثابت ہوا۔ اس غصب کا ذکر کرتے ہوئے ہرس (HERAS.) اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ" وزیر اعلیٰ کے ذریعہ سداشیو کا قید کیا جانا اور سارے شاہی اختیارات کا غصب کرلیا جانا اس کی اپنی ہوس ملک رانی سے زیادہ کمسن اور کٹھ پتلے حکمراں کی نا اہلیت کی وجہ سے تھا" وہ مزید کہتا ہے کہ "اس لحاظ سے یہ غصب ملک کی فلاح و بہبود اور سلطنت کی حفاظت کی خاطر ذاتی ایثار و قربانی کے جذبہ کو روشن کرتا ہے"[38] لیکن کوئی شخص اس خیال سے متفق نہیں ہوسکتا۔ یہ دلیل کسی بھی لائق وزیر کے ذریعہ حکومت کے غصب کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے پیش کی جاسکتی ہے۔ اگر واقعی رام راج سلطنت کے نظم و نسق میں کارکردگی کو بہتر بنانا چاہتا تھا تو وہ اس مقصد کو ایک وزیر کی حیثیت سے بھی بحسن و خوبی انجام دے سکتا تھا۔

یہ مثالیں وجے نگر کی تاریخ میں "نیابت" کے نظام کے نقائص کو مکمل طور پر واضح کردیتی ہیں۔ سلطنت پر ان انقلابات کے اثرات مرتب ہوا کرتے اور مملکت میں عام طور پر بے اطمینانی پھیل جاتی۔ جب سلکم راجو ترومل نے 1542ء میں اپنے آقا وینکٹ اول کے خلاف "جرم کا ارتکاب کرکے" شاید اس کو قتل کرکے، تخت کو غصب کرلیا تو جنوبی ہندوستان میں ایک طویل خانہ جنگی چھڑ گئی۔ "نیابت" کا نظام شاہی دربار میں وزرا کے اثر و رسوخ کو عیاں کردیتا ہے۔ طاقتور بادشاہوں کی ماتحتی میں وہ مطیع و فرمانبردار رہتے تھے جبکہ کمزور بادشاہ کی ماتحتی میں وہ سارے شاہی اختیارات کو غصب کرلینے اور نام نہاد بادشاہ سے آزاد ہوکر بسا اوقات تو اس کی جگہ پر ملک پر حکمرانی کی کوشش کرتے۔

شاہی فرائض:۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ریاست کے فرائض اس کے سیاسی مفکرین کے تصور اور اس کے حکمرانوں کے خیال کے مطابق محض ایک سپاہی یا فوجی کے فرائض نہ تھے اگرچہ ہندوستان میں ریاست ان فرائض کی جانب کافی توجہ دیتی تھی لیکن اس کا حقیقی مقصد کچھ اور زیادہ ہی اعلیٰ و ارفع تھا۔ ہندو ریاست اپنے شہریوں کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے لیے کافی مواقع اور وسعتیں فراہم کرتی۔ سلطنت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہندوستان میں بادشاہ پر چند ایسے مخصوص فرائض و ذمہ داریاں عاید تھیں جو سماج کی ترقی میں معاون بن سکتی تھیں۔ اپنی توجہ ریاست وجے نگر ہی تک محدود رکھتے ہوئے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کا اولین فرض اپنی ساری رعایا

38ھ آرودو خاندان (ARAVIDU DYNASTY.) جلد اول ص ص 219 ـ 220

کے تحفظ کا انتظام، اور ان کی شکایات کا تدارک کرنا تھا۔ درحقیقت کسی بھی ریاست کے یہی بنیادی فرائض ہیں۔ صرف اسی سرزمین میں کسی طرح کی ترقی ممکن ہے۔ جہاں امن وسلامتی کا دور دورہ ہو۔ رکچھنم (RAKSHANAM.) (تحفظ) کا یہ بنیادی فریضہ بادشاہ پر دوہری ذمہ داری عاید کرتا تھا۔ پہلی ذمہ داری ملک کو غیر ملکیوں سے محفوظ رکھنے کی تھی۔ وجے نگر کی سلطنت کی بنیاد ہی مسلم حملوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے پڑی تھی۔ اور دوسری ذمہ داری ریاست میں ایک کارگذار پولیس تنظیم کا قیام اور ملک میں نظم وضبط، امن وامان کا برقرار رکھنا تھا۔ انھیں سے مربوط بادشاہ کا عوام کی شکایات کے تدارک کا فرض بھی تھا۔ کرشن دیو رائے چاہتا ہے کہ بادشاہوں کو اپنی رعایا کے تحفظ اور ان کی شکایات کے تدارک کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہیئے۔[39]

وجے نگر کی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں ہیں جو عوام پر صوبائی سرداروں کے مظالم کے خاتمہ کے لیے بادشاہوں کی مداخلت کا پتہ دیتی ہیں۔ یہاں ان میں سے دو کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

دو اہم سنگی دستاویزات جن میں سے ایک کیلور (KILUR.) اور دوسری ایلون آشور (ELAVAN ... TR.) سے۔ دونوں ہی (مقام) جنوبی ارکٹ کے ضلع میں ہیں، میں پائی گئی تھیں، چند دلچسپ حقائق کا انکشاف کرتی ہیں۔ ان کے مطابق ہر عہد حکومت کے آغاز میں وزرا، 'دائیں' اور 'بائیں' بازو، کے طبقوں سے زبردستی تحائف حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں غیر مطمئن رعایا غیر ممالک میں کوچ کر گئی۔ مندروں میں پوجا اور مذہبی تقریبات کا خاتمہ ہوگیا۔ ملک بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا اور بڑی تعداد میں لوگ مر گئے۔ چنانچہ بادشاہ نے مداخلت کی اور آئندہ کے لیے اس طرح کے جبری استحصال کو ممنوع قرار دیدیا اور حکم دیا کہ اس فرمان کو سارے ملک میں کندہ کرادیا جائے۔ لیکن اپنّا ادے یار نے جس کو یہ شاہی حکم دیا گیا تھا تمام مقامات کے بجائے صرف چند ہی مقامات پر اسے کندہ کرایا۔ چنانچہ ناگرس کے نام ایک فرمان جاری کیا گیا جس نے بادشاہ کے اس فرمان سے پورے ملک کو مطلع کیا۔ یہ دستاویزات یہ واضح کرتی ہیں کہ بادشاہ کو ایک باضابطہ حکومت سے عملی دلچسپی تھی۔[40]

---

[39] آمکتامالیاد۔ کھنڈ چہارم، اشلوک 205

[40] سنہ 1905ء کا 213 اور سنہ 1906ء کا 161، مدراس ایپیگرافی رپورٹس (MADRAS. EPIGRAPHY REPORTS.) سنہ 6-1905ء پیراگراف 55۔

ضلع سالم کے آرگل اور (.ARGALUR) مقام کا ایک دوسرا کتبہ راج اگرم کے ٠تنالم اور بادشاہ کی مداخلت کے متعلق بتلاتا ہے۔ اس میں درج ہے کہ پیرومال کریا ور (PERUMAL) (.KARI YAVAR) کے مندر کے تین استھانیکوں" کا ایک روز وجے نگر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے مندر سے متعلق ایک گاؤں 'دیوی یا کوریسی' (.DEVIYA KURICCI) میں تعنیات حاکموں (راج اگرم) کے ذریعہ کی جانے والی ناانصافیوں کی شکایات کی۔ سردارامر نتارس نے بادشاہ سے ان کا تعارف کرایا، ان کی شکایات کو رفع کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ہار، ایک ٹوپی، ایک گھوڑا اور ایک چھتری تحفہ میں دی نیز یون پرپّی اور دیوی یا کوریسی، میں واقع نم (زرخیز) زمین کا ٩٠٠ کولی کا علاقہ سروما نیا (.SARVAMANYA) کے طور پر عطا کیا۔[41]

اس ابتدائی فرض سے کہیں زیادہ اہم ریاست کا یہ فرض تھا کہ ویدوں کی ناقابلِ فراموش روایات اور سند پر مبنی اپنے سودھرم کی پیروی کا فرض عوام پہ نافذ کر کے سماجی یکجہتی کا تحفظ کرے۔ درویشوں کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کرشن رائے اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایک بادشاہ کو اپنی علم وادب کی پاسداری کی وجہ سے انھیں بڑی بڑی رقمیں اور گاؤں نہ دینا چاہئے (اس بنا پر کہ درویشوں اور جوگیوں کو تعلیم یافتہ سمجھا جاتا تھا) تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے ضروری انضباط سے منحرف ہو جائیں جس کے نتیجہ میں قحط سالی، بیماری اور شیر خوار بچوں کی اموات جیسی برائیوں کا ریاست میں اضافہ ہو جائے وہ مزید کہتا ہے کہ ایسی صورتوں میں اتنا ہی کافی ہوگا کہ بادشاہ ان کے لیے "بھگتی"، (عزت وعقیدت) کا اظہار کرے۔ وہ پھر زور دیتا ہے کہ ان درویشوں کی مدد نہ کرنے کی صورت میں جو برائی رونما ہو سکتی ہے وہ محض ان کی پریشان حالی ہوگی۔ لیکن بادشاہ پر اس کا کوئی گناہ لازم نہ آئے گا۔[42]

ہندوستان میں ریاست نے کسی بھی زمانہ میں شہریوں کی نجی زندگی میں اس قدر مداخلت نہیں کی جتنی کے عہد وسطیٰ میں وجے نگر کے بادشاہوں کا، ذاتوں کا برقرار رکھنے والا، کا لقب اختیار کرنا اور سمے آچاریوں کا تقرر کرنا ان کی اس مستعدی کی مکمل نشاندہی کرتا ہے۔ جس سے کام لے کر یہ بادشاہ ہندوستان کی مختلف ذاتوں اور فرقوں میں سودھرم کا نفاذ کیا کرتے تھے۔ وہ سلطنت میں متھوں کی کفالت کرتے اور انھیں مالی امداد بہم پہونچاتے۔ لیکن یہ تمام فرائض جن کی ادائیگی کی وہ

41ھ سنہ 1913ء کا 449،

42ھ آمکتامالیاد۔کھنڈچہارم، اشلوک 242

ذمہ داری لیتے تھے اس خیال کی تائید نہیں کرتے ہیں کہ بادشاہ مذہبی پیشوا ہوا کرتے تھے بلکہ وہ اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ بادشاہوں کو ملک کے سماجی اتحاد میں بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور وہ مملکت میں امن و خوش حالی برقرار رکھنے کے متمنی رہتے تھے۔ بلاشبہ وہاں عدم مساوات اور رنگارنگی تھی جس کو باقی رکھنے دیا گیا اور امتیازات و اختلافات کو ختم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی لیکن جیسا کہ ڈاکٹر بندی اپادھیائے (DR. BANDY OPADHYAYA.) کہتے ہیں کہ:۔ ان انوکھے خیالات و اعتقادات کے باوجود جو اس زمانہ کے لوگوں کے ذہنوں پر غالب تھے، ہندوستانی متفکرین کی نظر میں مساوات کبھی سیاسی ضرورت نہ بن سکی .... اور ان اختلافات کے درمیان تعاون و ترقی کی کافی گنجائش تھی۔ ایک مشترک سماجی ڈھانچہ میں اسکے تمام تہذیبی اور پیشہ ورانہ اختلافات کے باوجود جنھیں بآسانی دور نہیں کیا جا سکتا تھا یہی وہ سب کچھ تھا جس پر وہ نظر رکھ سکتے تھے اور جس کے لیے وہ کوشاں رہے[43]۔

وجے نگر کے بادشاہ عوام کی معاشی خوش حالی کی جانب سے غافل نہ تھے۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ عوام کی فلاح و بہبود بہت حد تک زراعتی ترقی اور ایک روز افزوں تجارت پر منحصر ہے۔ ان کے زمانے میں جنگلات صاف کیے گئے۔ نئے گاؤں بسائے گئے اور نئی زمینوں کو زیر کاشت لایا گیا جہاں یہ سب ممکن نہ تھا وہاں آب پاشی کی سہولتیں مہیا کی گئیں۔ ٹیکس کے بوجھ میں کمی کی گئی اور زمین کی مجموعی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ غیر ممالک کے ساتھ تجارت کی ہمت افزائی کی گئی، غیر ملکی مہاجرین کو ان کی قومیت کی مناسبت سے تحفظ بہم پہونچایا گیا[44]۔ راجدھانی میں آباد ہونے کے لیے غیر ملکی تاجرین کی مدد کی گئی۔ ان کے لیے گاؤں کا اور شہروں میں عمدہ مکانات کا اہتمام کیا گیا[45]۔ چند ایسی صنعتیں بھی تھیں جن کی ریاست کی جانب سے ہمت افزائی کی گئی۔ کان کنی ایک ایسی صنعت تھی جو اسی کے ذمہ تھی[46]۔

ایک اور کام جو بادشاہ کے ذمہ تھا وہ عدالت کا انتظام و انصرام تھا۔ وجے نگر کے بادشاہ اس

---

[43] کوٹیلیہ (K U T I L Y A.) ص 286

[44] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 245

[45] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 258

[46] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 245

بات سے بخوبی واقف تھے کہ سماج کا اتحاد ڈنڈ (سزا) پر منحصر ہے۔ وہ عوام کی شکایات کے دور کرنے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔ بادشاہ اعلیٰ عدالت مرافعہ (HIGHEST COURT OF APPEAL.) ہوتا تھا اور جب ماتحت عدالتیں مدعی کے ساتھ انصاف کرنے میں ناکام رہتیں تو مظلوم بادشاہ[47] کے پاس اپیل کرسکتا تھا جو اس کے ساتھ عدل گستری کرتا۔ سخت سزاؤں کو عموماً ناپسند کیا جاتا تھا[48]۔

بادشاہ کا ایک اور فریضہ ایک مستحکم اور موثر خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہونا تھا۔ بادشاہ کو دشمن پر حملہ کے لیے مناسب موقعہ کی تاک میں رہنا چاہیے۔ اگر دشمن کی سلطنت میں اس کے اندرونی مخالف موجود ہوتے تو بادشاہ اس ملک میں نفاق کا بیج بوتا اور اس طرح ریاست کو کمزور بنا دیتا تاکہ اس کے لیے اس سرزمین کا فتح کرلینا آسان ہوجائے۔ لیکن اگر فاصل ریاست کا حکمراں دشمن کا دوست اور[49] خود بادشاہ کا مخالف ہوجاتا جس نے اس کی تخلیق کی ہے تو ایسی فاصل ریاست کو ختم کردیا جاتا۔

شاہی اختیارات پر پابندیاں

سیاسی ڈھانچہ میں بادشاہ اگرچہ اہم ترین عضو کی حیثیت رکھتا تھا تاہم وہ مطلق انسان ہرگز نہ تھا عموماً کچھ مخصوص قواعد وآئین کے ذریعہ بادشاہ کے اختیارات کی تحدید کردی جاتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بادشاہ کی حرص وتشدد پر کوئی پابندی نہیں تھی لیکن انتظام حکومت آئینی قوانین کے مقابلہ میں روایات اور تجربات پر زیادہ منحصر تھا اور اس طرح مختلف عوامل بادشاہ کی مطلق العنانی میں حائل تھے۔

ہندوستان کے قدیم راجاؤں کی طرح وجے نگر کا راجہ بھی قانون نہیں بناتا تھا۔ قوانین پہلے ہی سے موجود تھے جن کی وہ خود پابندی کرتا تھا اور جن کو وہ نافذ کرتا تھا۔ کرشن دیورائے اس بات پر زور دیتا ہے کہ برسر اقتدار بادشاہوں کو دھرم (مذہب) کی سرپرستی کرنی چاہیئے۔ شاہی شاعر کہتا ہے: حکومت کرتے وقت تاجدار کی نگاہ ہمیشہ دھرم پر لگی ہونی چاہیے۔ "اندرا"، "ورونا"، "ویسراون"، "وایو"، اور

---

[47] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 252

[48] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 248

[49] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 266

"اگنی"، جیسے دیوتاؤں کا وجود انھیں تاجداروں کے افعال کا نتیجہ ہے۔ بھوہ، بھووہ، اور سووہ جیسی مختلف دنیاؤں کی حیثیت بھی دھرم ہی کی بنا پر ہے[50]۔

"دھرم" اور "شاہی فرائض" کے بارے میں بادشاہ کے اسی قسم کے بلند تصورات ہوتے تھے۔ ان قوانین کا منبع وید، اسمرتیاں اور دھرم شاستر تھے۔ دیگر بادشاہوں کی طرح وجے نگر کے بادشاہ بھی بلا شبہ اس کے دعویدار تھے کہ ان کا اقتدار خداداد ہے۔ لیکن ہندوستان میں بادشاہت کے آسمانی ہونے کا جو دعوٰی کیا گیا تھا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس دعوٰی سے کسی بھی طرح مماثل نہیں ہے۔ جو کہ انگلستان کے ابتدائی اسٹوارٹ (STUARTS.) بادشاہوں نے کیا تھا سترہویں صدی کے اوائل کے برطانوی بادشاہوں نے اپنی مطلق العنانی ثابت کرنے کی غرض سے اپنے اقتدار کے خداداد ہونے کا دعوٰی کیا تھا۔ لیکن ہندو نظریہ مطلق العنانی کا دعوٰی کرنے کے لیے نہیں پیش کیا گیا تھا بلکہ تصور یہ تھا کہ بادشاہ زمین پر خدا کا ایک اوتار ہے جو کہ انصاف کے ساتھ لوگوں پر حکومت کر کے ان کی حمایت کرنے کے لیے آیا ہے۔ کرشن رائے لکھتا ہے :۔ "منو" (MANU.) 'دند دھر' اور دوسرے رعایا کی خطاؤں کی تفتیش اور ان کو سزا دینے کی بنا پر ہی دھرم کے پیرو کار کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ایک سربراہ مملکت، جو کہ خدا کے برابر ہے اور جسے خدا (پرجاپتی) نے رعایا پر حکومت کرنے کی غرض سے مختلف روپ میں پیدا کیا ہے اسے مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے اور ویدوں میں اسے ویراٹ اور سمراٹ جیسے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے، اسے مشکلوں کا سامنا کرنے کے لائق ہونا چاہیے اور لوگوں کو مصائب و آلام سے نجات دلانا چاہیے[51]۔ ایسے بادشاہوں کی مطلق العنانی واقعی مشکل ہے کیونکہ اس بادشاہ کے تمام افعال کا محرک رعایا کی جانب اس کی اخلاقی جواب دہی کا گہرا احساس ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بادشاہ پر دوسری زیادہ واضح پابندیاں بھی تھیں۔ ان میں ایک تو خود "منظم قوم" ہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دور حاضر کے سیاسی نظریہ کی ایک خصوصیت ریاست کے خلاف اس کا ردعمل ہے اور اس کی ایک نمایاں سیاسی حقیقت ہے کہ گروہی زندگی ٹریڈ یونینوں، پیشہ وارانہ سوسائیٹیوں شہریوں کی تنظیموں اور پڑوسیوں کی انجمنوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی طاقت ہے۔ اس طرح کی گروہ بندیوں اور جماعتوں کا تصور ازمنۂ وسطیٰ اور عہد قدیم کے ہندوستان میں مفقود نہیں تھا۔ اس زمانے میں

---

[50] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 285

[51] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 285

"نانادیسیون، ناڈوں، ایاولے، اور دستکاروں جو اٹھانوے فرقوں پر مشتمل تھے، ہر ایک کی ایک باقاعدہ تنظیم تھی۔ وہ اپنے لیے خود قانون وضع کرتی تھیں اور ان کے عمل میں ریاست مداخلت نہیں کرتی تھی الّا یہ کہ ان میں باہم کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ مرکزی حکومت ان پر محض نگرانی کافی سمجھتی تھی جیسا کہ رادھا کمد موکرجی (RADHAKUMUD MOOKERJI) کا خیال ہے۔" یہ گروہی زندگی کے نیم فطری اصول اور روایات ہیں جن کو قانون کی شکل دی جاتی ہے نہ کہ ریاست کی کسی ایک مرکزی طاقت کا حکم اور فرمان۔ ان حالات کے تحت 'قانون' کوئی صنّاعی کی چیز نہیں ہے بلکہ رائے عامہ اور قومی زندگی کا ایک فطری ارتقاء ہے۔[52]

شمالی ارکٹ ضلع کے دیری نسی پورم مقام پر ایک دلچسپ کتبہ ملا ہے جس میں کچھ قواعد وضوابط کا تذکرہ ہے جو بعض فرقوں نے اپنے لیے وضع کیے تھے۔ "پدائی ویدو" سلطنت کے برھمن نمائندگان نے جن میں "کرناٹ" "تامل" "تیلگو" اور "لاٹ" برہمنوں کا نام لیا گیا ہے، ایک معاہدہ پر دستخط کیا جس کے تحت یہ پایا کہ آئندہ ان کے خاندانوں میں ہونے والی تمام شادیاں صرف "کنیا دان" کے ذریعہ انجام دی جائیں گی۔ یعنی یہ کہ باپ اپنی بیٹی کو بلا لین دین دولہا کے حوالہ کر دے گا اور یہ کہ وہ باپ جو روپئے لے گا اور وہ دولہا جو روپیہ ادا کرے گا، دونوں کو بادشاہ کی جانب سے سزا دی جائے گی اور اپنی برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔[53] اس طرح برادریاں اپنے قوانین خود وضع کرتیں اور بادشاہ صرف ان کو نافذ کرتا۔

شاہی اختیارات پر پابندی میں رسم ورواج اور رائے عامہ بھی اپنا رول ادا کرتے تھے۔ سلطنت کے مختلف حصّوں میں لوگوں کے طور طریقوں میں فرق کی وجہ وہاں کے مخصوص مقامی رسم ورواج ہوتے تھے۔ ٹیکسوں کا تعین کسی سائنٹیفک اصول کے بجائے رسم ورواج کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ سلطنت کے ناپ تول کے پیمانوں میں یکسانیت نہیں تھی۔ بادشاہ کے لیے یہ بہت دشوار تھا کہ وہ کوئی نئی چیز یا ایسا ضابطہ وضع کرے جو ان برادریوں کے مروجہ طریقوں سے ہٹ کر ہو جن میں وہ نیا طریقہ نافذ ہوتا ہے۔

---

[52] نیشنلزم ان ہندو کلچر (NATIONALISM IN HINDU CULTURE.)
ص ص۔ ۹۹ - ۱۰۰

[53] ملاحظہ ہو ساؤتھ انڈیا انسکرپشنس، I، نمبر 56

جنوبی ارکٹ ضلع کے "پنّادم" (PANADAM.) مقام سے دستیاب ایک غیر مورخہ دستاویز، جو بظاہر پندرہویں صدی کا معلوم ہوتا ہے میں درج ہے کہ جو کوئی موای رونکول (MURAYIRA - VAN KOL -) (لمبائی ناپنے کا پیمانہ جو ایک پتھر پر تقریباً پندرہ[15] فٹ کے فاصلہ پر دو نشان لگا کر بنایا گیا تھا) کے علاوہ کسی اور ناپنے کی چھڑ کو رواج دینے یا اس کو استعمال کرنے کی کوشش کریگا۔ اسی کو وہی سزا ملے گی جو شیوودروہوں (SIVADROHINS.) گرام ادروہوں (GRAMADROHINS.) اور ناٹو ادروہوں (NATTUDROHINS.) کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے مختلف حصوں میں ناپنے کی مختلف چھڑیں استعمال کی جاتی تھیں۔ ان پیمانوں کو معیاری شکل دینے کی کوشش کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا کسی مقام پر رائج وہاں کے معیاری پیمانوں میں کسی قسم کی جدت کی تجویز کو اس قدر گھناؤنا جرم تصور کیا جاتا تھا کہ اسے ناٹوودروہم (NATTUDROHAM.) کا درجہ دیا جاتا تھا[54]۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے ٹیکسوں کی طویل فہرست کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر رسم ورواج پر مبنی تھے۔ فرمانروا کو لگان دار یا رعایا، جو ٹیکس ادا کرتی تھی، وہ زیادہ تر روایتی ٹیکس تھے۔ اراضی کی خرید وفروخت بھی رسم ورواج کے ماتحت تھی۔ فروخت شدہ زمین کے ساتھ ہی رائج الوقت ٹیکسوں اور وقتاً فوقتاً عاید کردہ جبری لگانوں کو بھی خریدنے والے کے حوالے کردیا جاتا تھا اور ریاست ان معاملات میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔

اتنی ہی اہم ایک دوسری چیز جو شاہی اختیارات پر پابندی عاید کرتی تھی وہ رائے عامہ تھی۔ بڑی سے بڑی مطلق العنان حکومت بھی رائے عامہ کو نظر انداز نہیں کرسکتی تھی۔ انتہائی طاقت ور بادشاہوں کو بھی اپنے کسی نئے اقدام یا پالیسی کے لیے اپنی رعایا کی عام یا درپردہ اخلاقی حمایت کی ضرورت ہوتی تھی ہندوستان میں اس رائے کا اظہار حکومت کے کاموں میں کوئی آئینی رکاوٹ کھڑی کرکے نہیں کیا جاتا تھا بلکہ خاموشی اور پرامن طریقے سے اسکے علاقوں کو خالی کرکے کیا جاتا تھا۔ نئے ٹیکسوں کے نفاذ کی مخالفت لوگ اسی طرح کرتے تھے۔ سلطنت وجے نگر کی تاریخ میں اس طور پر گاؤں کو چھوڑ کر چلے جانے کے واقعات کم نہیں ہیں۔ بالخصوص سلطنت کے جنوبی حصہ پر کنٹرول[55] والے[55] (KANNADIAYAS.) کے

---

[54] 1928ء کا 249، رپورٹ، پیراگراف 79

[55] ایس۔ کے۔ اینگر کے خیال میں وہ لوگ "ہوئے سالا" تھے لیکن غالباً وہ تولووے (TALUVAS.) تھے

باقی ص20 پر

قبضہ کو عوام نے ناپسند کیا تھا۔

جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو وناّئی نلّور (TIRUVENNAINUTTUR.) مقام سے دستیاب ایک نامکمل دستاویز میں درج ہے کہ تیروودی شرمائی (TIRUVADI SIRMAI) مندر کے مویشیوں کے چرواہے سڑک کڑوائی (SADAK KADAIMAI) ٹیکس ادا کرنے سے قاصر تھے لہٰذا وہ دوسری جگہوں کو کوچ کر گئے چنانچہ "نرسا نایک" کے ایجنٹ" ارمولرتا نائے نار (ARAMVALARTTA NAYANAR.) نے ان کے ٹیکسوں کو کم کرکے ½ 1 پنم فی سال فی پائیر (PAYER.) جو کہ یہاں کا مخصوص رقبہ تھا، کر دیا۔[56] روشن دماغ بادشاہ کرشن رائے نے شادی ٹیکس جو ایک لڑکی کی شادی کے وقت دولہا اور دولہن کو ادا کرنا ہوتا تھا یہ جاننے کے بعد منسوخ کر دیا کہ رائے عامہ اس کے جاری رکھے جانے کے حق میں نہیں ہے۔ بہت سی ایسی دستاویزات موجود ہیں جن میں اس ٹیکس کی منسوخی کے لیے نہ صرف بادشاہ کی بلکہ مقامی با اثر لوگوں کی بھی تعریفیں کی گئی ہیں۔[57]

شاہی اختیارات پر ایک اہم پابندی شاہی کونسل تھی۔ بادشاہ کبھی بھی بغیر اس کونسل کے نہیں رہے یہ کونسل انھیں ریاستی معاملات میں مشورے دیتی تھی اور وہ ریاستی معاملات اور پالیسیوں پر ان سے رائے لیتے۔ کونسل ہی بادشاہ کی رسم تاج پوشی انجام دیتی تھی اور یہی ملک کا نظم ونسق چلاتی تھی۔ کمزور بادشاہوں کے زمانہ میں اس کے اثرات اور طاقت بہت بڑھ جاتی تھی۔ اس کونسل پر ایک طاقت ور وزیر پردھانی حاوی ہوتا تھا۔ سداشیو کے دربار میں رام راج کے اثرات کو ان تفاصیل میں دیکھا جا سکتا ہے جس کا انکشاف سنگی دستاویزوں سے ہوتا ہے جس میں درج ہے کہ اس نے وزراء سے سداشیو کی تاج پوشی کروائی۔ اس بات کا ثبوت کہ کرشن دیورائے جیسے طاقت ور بادشاہوں نے بھی کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے کونسل سے مشورہ لیا کرشن رائے وجے مو (KRSNRAY VIJAYAMU.) سے ملتا ہے جس میں درج ہے کہ اپنی تاج پوشی کے فوراً بعد کرشن رائے نے اپنے وزراء سے شاہی خزانے کی مقدار اور اپنی فوج کی قوت کے بارے میں معلومات طلب کی۔ اور انہوں نے

بقیہ حاشیہ ۱۹ سے آگے :۔ جن کے بارے میں خیال ہے کہ نرسا نایک کے پوتے تمّا (TIMMA) کے ساتھ مشرق کی جانب کوچ کر گئے تھے اور سالووُں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

56 سنہ 1921ء کا 450

57 سنہ 1904ء کا 387 ایپیگرافیا کرناٹیکا، 12۔

اسے ضروری معلومات بہم پہونچائیں[58]۔ اسی دستاویز کے مطابق بادشاہ نے مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد سالو واتمّا سے مسلم علاقوں میں مزید داخلہ کے لیے صلاح لی اور جب وزیر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ یہ نا سمجھی کا کام نہ کرے تو بادشاہ نے اس کا مشورہ قبول کر لیا[59]۔

حکومت وجے نگر کی انتظامیہ کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے وینسنٹ اسمتھ (VINCENT SMITH) نے لکھا ہے کہ "وجے نگر کا بادشاہ اتنا مطلق العنان ہوتا تھا جتنا کہ کسی بادشاہ کے لیے مطلق العنان ہونا ممکن ہے۔ اس پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی عاید نہیں تھی[60]"۔ ایشوری پرشاد نے اسے مطلق العنان حکومت بتایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ سلطنت کی ضروریات حکومت کے کردار کا تعین کرتے ہیں[61]۔ لیکن ہم کسی انتظامیہ کے کردار کا اندازہ اس وقت کی ضروریات سے نہیں لگا سکتے یہ صحیح ہے کہ وجے نگر دور میں ایک طاقتور اور مستعد فوج کی ضرورت تھی جو کہ مسلمانوں کے حملہ کو روک سکے اور سرکش جاگیرداروں کی شورشوں کو فرو کر سکے۔ اسی وجہ سے وجے نگر کے بادشاہ سلطنت کی فوجی تنظیم کی اصلاح کے لیے کوشاں تھے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ وہ فوج میں براہ راست خود بھرتی کرتے، جاگیرداروں سے فوجی ٹکڑیاں لیتے اور مسلمانوں کے طرز پر اپنی فوجی تنظیم میں اصلاحات کرتے۔ لیکن اس قسم کی پالیسی سے، جو فوجی تنظیم و صلاحیت کی بہتری کے لیے اختیار کی گئی ہو، کسی طرح بھی حکومت کا کردار متاثر نہیں ہوتا۔ وہ قدیم اور روایتی تصور کی حکومت جو رعایا کی فلاح کے لیے ہوتی ہے اس وقت بھی وجے نگر کے بادشاہوں کے مقاصد اور پالیسی کا اصل محرک رہی۔ ان کے اندر اپنی رعایا کے سلسلہ میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک پدرانہ تصور ہوتا تھا۔ ممکن ہے بعض ایسے بادشاہ بھی ہوئے ہوں جنہیں رعایا کی بھلائی کی زیادہ فکر نہ رہی ہو مگر وہ صرف چند تھے اور غیر مقبول رہے۔ ہری ہر دوم کے ایک کتبہ سے تو حقیقتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف ذاتوں کے رسم و رواج کا لحاظ کرتا تھا اور اپنی ساری رعایا کا اس طرح تحفظ کرتا تھا گویا کہ وہ اس کے بچے ہیں[62]۔ کرشن رائے بھی عوام کے سلسلہ میں ایک بادشاہ اور اس کی حکومت کے فرائض کے اس پدرانہ تصور

58۔ سورسیز، از ایس، کے، اینگر، ص 130

59۔ سورسیز، از ایس، کے، اینگر، ص 131

60۔ اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا (OXFORD HISTORY OF INDIA.) ص 311

61۔ میڈیول انڈیا (MEDIEVAL INDIA.) ص 423

62۔ ایپیگرافیا انڈیکا، 5،

سے متاثر تھا اور ان کے مصائب و آلام کے دور کرنے اور ان کے تدارک کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ رعایا کے لیے بادشاہ کے فرائض کے بارے میں اس کے نظریات ہمیں اس کی تصنیف آمکتا مالیادسے معلوم ہوتے ہیں جس میں وہ کہتا ہے کہ "اپنی رعایا کی حفاظت میں ہمیشہ مصروف رہو .... کسی ملک کے عوام اسی بادشاہ کی بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ جو ملک کی خوشحالی اور ترقی کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔"[63] انھیں خیالات کا اظہار کرشن رائے کے درباری شاعر الّسانی پدّن (ALLASANI PEDDANA.) نے سوارو سیکچھا منو (SUAROCISA MANA) جو اس کی منوچرتمو (MANU-CARITAMU.) کا ہیرو ہے، کی مثالی بادشاہت کا تذکرہ کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ بادشاہ سوارو سیکچھامنو (SUAROCISA MANU) نے اپنی رعایا پر اس نرمی کے ساتھ حکومت کی گویا کہ وہ اس کے بچّے تھے[64]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس نے اپنے سرپرست کرشن رائے کی حکومت کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ عبارت ہمیں اشوک کی ایک (BORDERER'S EDIET.) یاد دلاتی ہے۔ جہاں وہ عظیم شہنشاہ کہتا ہے "تمام لوگ میرے بچّے ہیں اور جس طرح اپنے بچّوں کے متعلق میری خواہش ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کے بعد آنے والی دوسری دنیا دونوں میں ہر طرح کی مسرتوں اور خوشحالیوں سے لطف اندوز ہوں اسی طرح میں تمام لوگوں کے لیے یکساں شادمانی اور خوشحالی کا خواہاں ہوں"۔ وجے نگر کے بادشاہ بھی اپنی رعایا کے لیے انھیں قسم کے احساسات رکھتے تھے۔ وہ اپنی رعایا کے فلاح و بہبود کے دل سے خواہاں تھے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر طرح کی زحمت اٹھاتے تھے۔ اگر حکومت کی مشین محض ایک مقصد فلاح عامہ کے حصول کا ایک ذریعہ ہے تو وجے نگر کی حکومت بھی فرائض کے پدرانہ تصور سے متاثر ہو کر لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے مصروف عمل تھی۔

فصل دوم

شاہی کونسل

کسی ملک کے قدیم انتظامی اداروں کے مطالعہ میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً

---

[63] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 205، 206

[64] منوچرتمو، کھنڈ چہارم، اشلوک 117

جب ہم وجے نگر کی شاہی کونسل کے بارے میں غور کرنا شروع کرتے ہیں تو بعض حل طلب مسائل سامنے آتے ہیں۔شاہی کونسل کے اجزائے ترکیبی، اس کی نوعیت، اس کی رکنیت وراثت سے ملتی تھی یا بذریعہ انتخاب۔ اراکین میں کن کن قابلیتوں کا ہونا ضروری تھا۔بادشاہ کونسل کے فیصلوں کا کس حد تک پابند تھا ؟۔ یہ سوالات ان مسائل کے چند نمونے ہیں۔

وزراء کی اس کونسل کے علاوہ، جو ریاستی معاملات میں بادشاہ کو مشورہ دیتی تھی۔ایک دوسری کونسل کے وجود کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کونسل بادشاہ کو مشورہ دینے کے لیے ہمیشہ اس کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ وجے نگر کی سلطنت بہت سی صوبائی اکائیوں پر مشتمل تھی۔ ان میں ہر صوبہ ایک نایک کے تحت ہوا کرتا تھا جسے بادشاہ جاگیردارانہ نظام کے تحت اختیارات تفویض کر دیتا تھا۔یہ بات درست اور مناسب تھی کہ باجگذار سردار کم ازکم تقریبات کے موقعوں پر شاہی دربار میں موجود رہیں۔ ان کے علاوہ مذہبی پیشوا، بڑے بڑے فاضل، گویّے، ناچنے والے، مصور اور دوسرے بھی جو ریاست کی سرپرستی میں تھے اور جنھیں اعزاز دینا پڑتا تھا۔سلطنت کے سرحدی علاقوں کے نیم آزاد حکمرانوں کے جذبات کا احترام بھی کرنا پڑتا تھا۔ ممکن ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کی بڑی کونسل انھیں لوگوں پر مشتمل ہو۔[65] منوچرتمو میں کرشن رائے کے ایک اجتماع کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں امرنایکوں اور ان کے نمائندوں ماتحت علاقوں کے سرداروں، شہزادوں، دلوایوں، تجار اور بیرونی بادشاہوں کے سفراء نے شرکت کی تھی۔[66] کرشن رائے نے بھی ایک ایسی ہی مجلس کا تذکرہ کیا ہے جس میں بیرونی ممالک کے سفرا بھی شریک ہوئے تھے۔[67]

لیکن اس کی سائز اتنی بڑی تھی کہ عملی مقاصد کے لیے اس پر قابو ممکن نہ رہا ہوگا اور نہ ہی اس میں ایسے لوگ ہوں گے جو ریاست کے معاملات میں بادشاہ کو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔یہ ایک ایسا ایوان تھا جس کی رکنیت اس کے ممبروں کے لیے وقار و منزلت کا باعث تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح انگلستان میں آج تک پریوی کونسل کی رکنیت سے بڑا وقار حاصل ہوتا ہے۔ وجے نگر کے

---

[65] جرنل آف دی تیلگو اکاڈمی (JOURNAL OF THE TELAGU ACADEMY.) سوم، ص 13

[66] آمکتا، کھنڈ اول، اشلوک 12-13

[67] آمکتا، کھنڈ اول، (اشلوک) 18-4-459

بادشاہوں کے ایوان اور انگلستان کے نارمن بادشاہوں کی 'کمیون کونسلیم (COMMUNE COUNCILIAM.) میں تھوڑی سی مماثلت ہے۔ اس شاہی ایوان میں باجگذار سرداروں کی موجودگی بادشاہ کی قوت میں اضافہ کرتی تھی۔ یہ موجودگی شاہی خاندان کے تئیں سردار کی وفاداری اور شاہی مفاد کے لیے اس کی حمایت کے عہد کو یقینی بنا دیتی۔

اس وسیع تر ایوان کے علاوہ ایک مختصر کونسل بھی تھی جس سے بادشاہ کو سلطنت کے نظم و نسق کے لیے اکثر مشورہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک مستقل کونسل تھی جو بادشاہ کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ اپنی تشکیل اور اختیارات کے لحاظ سے یہ کوٹلیہ (KAUTALYA) کی "منتری پریشد" کے مماثل تھی۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کونسل کی نشستیں عموماً ایک مخصوص کمرے میں منعقد ہوتیں۔ اچیوت رائے ابھی ادیم (ACYUTARAYABHYUDAYAM) کے مطابق کونسل کی نشست ایک ہال میں منعقد ہوتی تھی جس کا نام "وینکت ولاس منڈپ" (VENKATAVILASAMANTAPA.) تھا۔ غالباً یہی وہ عمارت ہے جس کا تذکرہ پائز نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے: "وہاں سے وہ (بادشاہ) ایک عمارت میں جاتا تھا جو کہ دیواروں کے بغیر ایک برساتی کی شکل میں بنی ہوئی تھی اس میں بہت سے ستون تھے جن میں نیچے سے اوپر تک کپڑے لٹکے ہوئے تھے اور کمرے بڑی خوبصورتی سے رنگے ہوئے تھے۔ اس طرح کی عمارت میں وہ اپنی سلطنت کے عہدیداروں اور شہروں کے حکمرانوں کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا تھا اور اس کے مقربین اس سے گفتگو کرتے تھے[69]۔ بربوسا (BARBOSA) نے بھی ایک کونسل خانہ کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ بادشاہ مذکور کے پاس ایک مخصوص عمارت تھی جس کی حیثیت "ایوان باریابی" کی سی تھی جہاں وہ مخصوص دنوں میں اپنے گورنروں اور حکام کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ مراسلوں کو سنتا ہے اور سلطنت کے انتظامی معاملات سے نمٹتا ہے[70]۔"

کونسل کے ممبروں کی تعداد کا تعین مشکل ہے۔ وقتاً فوقتاً اس میں کمی و زیادتی ہوتی رہتی ہوگی۔ نونیز ہمیں بتاتا ہے کہ دیو رائے دوم کا بھتیجہ بادشاہ کے بیس[20] وزراء میں سے ایک تھا۔

---

[68] سورسیز، از ایس۔ کے۔ اینگر، ص 162

[69] سیول، ح، س، ص 250

[70] ڈیمس، بربوسا، اول، ص ص 208-209

نونیز کے مبہم بیان سے[71] ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے قریبی رشتہ دار بھی وزارتی کونسل کے ممبر ہوا کرتے تھے۔ وہ انتظامیہ کے کسی شعبہ کے انچارج تو بن سکتے ہوں گے البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کے ساتھ خونی رشتہ کی بنیاد پر اس (کونسل) میں موجود رہتے ہوں گے۔ وزراء کی تعداد یقینی طور پر معلوم نہیں ہے لیکن قدیم اور زمانہ وسطی کی ہندو حکومتوں میں یہ معمول تھا کہ ان کی تعداد آٹھ یا دس تک مقرر ہوتی تھی۔ اسی روایتی اصول کی پیروی کرتے ہوئے شیواجی کی آشٹا پردھان کونسل تشکیل پائی تھی۔

وزراء کا خود اپنا سرکاری لقب ہوا کرتا تھا۔ اس دور کے کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حسب ذیل حکام ریاست وجے نگر کے بعض اہم ترین حکام تھے جو بادشاہ کے وزراء کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ پردھانی جس کو بسا اوقات مہا سیرا پردھانی بھی کہا جاتا تھا، اپ پردھانی[73]، دلا دھیکاری، یا دان نایک[74]، سامنت ادھیکاری، اور چند دوسرے، یہ وزراء تھے، انتظامیہ کے بعض شعبوں کے سربراہ بھی وزارتی کونسل میں شامل ہونے تھے، شاعر چندر کوی (CANDRA KAVI.) نے اپنی ویروپاکچھ استھان (VIRUPAKSASTHANA.) میں ایک کپو کا تذکرہ کیا ہے جو دیوناویروپاکچھ کے دربار کی کیفیت بیان کرتا ہے کہ گرورائے جورائے بھنڈاری نارائن (شاہی خزانچی، نارائن) کے نام سے معروف تھا، بادشاہ کا ایک وزیر تھا[76]۔ اس بات کی تائید کہ کونسل میں چند بااثر وزرا ہوتے تھے اور بعض کم اہمیت کے سداشیو رائے کی ان تختیوں سے ہوتی ہے جو کرشن پورم (KRSNAPURAM.) میں برآمد ہوئی ہیں۔ اس میں درج ہے کہ رام راج اور چند دیگر وزرا اعلیٰ مانیہ تلکاہ نے سداشیو کی تاجپوشی کی رسم انجام دی تھی[77]۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کونسل میں دو قسم کے مشیر ہوتے تھے۔ (الف) وزیر اعظم اور شعبہ جات کے

71۔ سیول، ح، س، ص 303

72۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا، 3 تیرومکدل نرسی پور (TIRUMAKADAL NARSIPUR.) 120

73۔ 1922ء کا 689

74۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا، 12 تمکور (TUMKUR) 71۔

75۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا، 9، ڈی وی 29 (DV. 29)

76۔ نرسمہا اچاریہ، کرناٹک کوی کرپتی دوم، ص 81

پیپیگرافیا انڈیکا، 9، ص 334، 1، 71۔

کے دیگر سربراہ (ب) بادشاہ کے چند رشتہ دار اگر ریاستی کونسل میں ان دو قسم کے اراکین کے لیے نشستیں ہوتی تھیں تو نونیز کا یہ اندازہ کہ بادشاہ کے بتیس وزراء تھے غلط نہیں ہو سکتا۔[20]

قدیم ہندوستانی نیتی کے مصنفین کابینہ کے مختصر رکھے جانے پر زور دیتے ہیں مثلاً کوٹلیہ کہتا ہے کہ کونسل میں مشیروں کی تعداد تین یا چار سے زائد نہیں ہونی چاہیئے[78]۔ جنگ کے موقعوں پر جب غور و فکر سے زیادہ عمل کی اہمیت ہوتی ہے کونسل کو جس قدر ممکن ہو مختصر رکھنا چاہیے۔

لیکن پروہت، جس کا قدیم ہندوستان میں بادشاہ کی وزارتی کونسل میں ایک اہم مقام ہوتا تھا اور جسے بڑا احترام حاصل تھا[79]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ وسطیٰ کے ہندوستان میں اتنا زیادہ بااثر اور طاقت ور نہیں رہا تھا وہ بیش از بیش بادشاہ کا مذہبی گرو (معلم) بنتا چلا گیا اور وہ انتظامیہ اور سلطنت کی پالیسی میں زیادہ دلچسپی نہ لیتا۔

اس منتری پریشد کا ایک صدر سبھا نایک ہوتا تھا جو اس کے مباحثوں کی صدارت کرتا تھا۔ غالباً کونسل کا صدر وزیر اعظم ہوا کرتا تھا۔ اس کی نشاندہی ایک سنگی دستاویز سے ہوتی ہے جس میں درج ہے کہ تپڈا ناگنا (TIPPAD NAGANNA.) جو کہ بکا اول کا ایک نمایاں وزیر تھا کونسل کا سربراہ (سبھا نایک) تھا[80]۔ ہمیں صحیح علم نہیں کہ اس کونسل کی نشستوں اور اس کے مباحثوں سے بادشاہ کا کیا ربط تھا۔ آیا وہ خود اس کی نشستیں بلواتا تھا یا اس کے علم و اجازت سے وزیر اعظم۔ دستیاب دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ مخصوص مسائل پر گفتگو کے لیے خود ہی میٹنگیں بلاتا تھا دیو رائے کا وجے نگر کی فوج کی اصلاح سے متعلق اقدامات کے سلسلہ میں صلاح و مشورہ کے لیے اپنے امراء اور اہم برہمنوں کی کونسل کا طلب کرنا اور کرشن رائے کا گجپتی کے خلاف اپنی جنگوں سے قبل اپنے وزراء سے مشورہ کرنا اس طریقہ کار کی عمدہ مثالیں ہیں[81]۔ ممکن ہے کہ کونسل کے سربراہ (سبھا نایک) نے بادشاہ کی عدم موجودگی میں اس کی صدارت کی ہو۔

کابینہ کی کارروائیوں کے سلسلہ میں سخت رازداری برتی جاتی تھی۔ کوٹلیہ کے مطابق جہاں کابینہ کی میٹنگ ہوتی تھی اس کے قریب طوطے، کتے اور ہرن جیسے چرند و پرند کو بھی پھٹکنے کی اجازت نہ

78۔ ارتھ شاستر، جلد اول باب 15۔

79۔ ارتھ شاستر، جلد اول، باب 9۔

80۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا، 6 مدگیر (MUDGIRE.)، 25۔

دی جاتی تھی[83]۔ آمکتا مالیادنے بھی کابینہ کے فیصلوں اور اس کی کارروائیوں کے سلسلہ میں رازداری برتے جانے کے اصول پر زور دیا ہے[83]۔

وزیر اعلیٰ کا اعلیٰ قابلیت کا حامل ہونا ضروری تھا۔ ایک وزیر کا صاحب علم، ادھرم (لامذہبیت) سے ڈرنے والا، راج نیتی سے اچھی طرح واقف، پچاس اور ستر برس کی عمر کے درمیان اور جسمانی لحاظ سے صحت مند ہونا ضروری تھا۔ نیز یہ کہ بادشاہ سے اس کا تعلق سابقہ پشتوں سے چلا آرہا ہو، اور یہ کہ اس میں خود بینی نہ ہو۔ کرشن رائے اس کا یقین دلاتا ہے کہ ان صفات سے متصف وزیر کی موجودگی میں بادشاہ کے انگ (بادشاہت کے اجزائے ترکیبی) یوم واحد میں بڑھ جائیں گے[84]۔ نورتن مولو میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ کے پاس ایک ہمہ گیر شخصیت کا حامل وزیر ہونا چاہیے۔ اگر اس کے پاس ایسا وزیر ہوگا تو وہ اس کی تلوار اور اس کے عمل کے لیے مواقع نکال لے گا[85]۔ وجے نگر کے بادشاہوں کے وزراء کے بارے میں معلوم حقائق کے پیشِ نظر ہم اس بات کو حکمرانوں کا محض خیالی آدرش قرار دے کر مسترد نہیں کر سکتے ہیں۔ سلطنت وجے نگر کی تاریخ میں ہمیں ایسے کامیاب اور باصلاحیت وزراء کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے جنھوں اس دور میں ترقی پائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزراء کے انتخاب کے سلسلہ میں وراثتی اصول، کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ عموماً وزراء کا انتخاب بادشاہ ہی کرتا تھا اور اس انتخاب میں ان کے شاہی دربار سے سابقہ روابط کو مدنظر رکھتا تھا۔ کرشن دیو بر سر اقتدار بادشاہ کے اسلاف کے ساتھ وزراء کے سابقہ تعلقات پر کافی زور دیتا تھا[86]۔ شاہی شاعر یہ بھی کہتا ہے کہ ایک بادشاہ کو اپنی خفیہ نشستوں میں ایسے افسر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہئے جسے حال ہی میں سردار بنایا گیا ہو تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اوپر ہونے والی عنایات پر مغرور ہو جائے اور ریاست کے رازوں کا افشا کرنے لگے[87]۔ وجے نگر کے بہت سے وزراء یکے بعد دیگرے

---

[82] دی رائز (THE RISE.) دوم، ص 430، ہیول، ح، س، ص ص 324-325

[83] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 252

[84] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 211

[85] چاٹ اپدیمن ایمنجری (CATUPADYA MANIPARIJARI.) ص 36،

میسور گزٹ نیا ایڈیشن، جلد دوم، حصہ سوم۔ ص 1712

[86] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 211

[87] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 260

ہونے والے بادشاہوں کے دورِ حکومت میں عہدوں پر برقرار رہے مدّاڈنڈ ناتھ، بکّا اول اور ہری ہر دوم دونوں ہی کا وزیر اعظم رہا[88]۔ موخرالذکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے باپ سے وراثت میں سلطنت اور شہروں کی دولت کے ساتھ مدّاڈنڈ ناتھ بھی ملا[89]۔ اسی طرح سایَن[90] (SAYANA.) بکّا اول اور ہری ہر دوم[91] دونوں ہی کا وزیر رہا۔ ناگپا دنایک (NAGAPPA DANNAYAKA.) جو کہ دیورائے اوّل[92] کا وزیر رہا تھا۔

دیورائے دوم کا بھی وزیر برقرار رہا[93]۔ اس طرح کی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن میں ایک ہی شخص یکے بعد دیگرے ہونے والے بادشاہوں کے تحت وزیر رہا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وزراء اور بادشاہوں میں ہمیشہ دوستانہ روابط رہے۔ کرشن دیورائے نے غصّہ کے جنون میں نہ صرف یہ کہ اپنے ایک معتمد وزیر سالوو اتما (SALUVA TIMMA) کو بلکہ اپنے لڑکے تمن دن نایک اور بھائی گوندراج کو اس شبہ میں اندھا کر دیا اور جیل میں ڈال دیا کہ انھوں نے اس کے جوان بیٹے تیرو مل کو قتل کر دیا ہے۔

وزارتی کونسل ایک مضبوط اور بااثر انجمن ہوتی تھی۔ کونسل میں متضاد مفادات موجود ہوتے جس کی وجہ سے بادشاہ کو اس میں ہونے والے مباحث اور فیصلوں پر گہری نظر رکھنی ہوتی تھی۔ آمکتا مالیاد کے مطابق اگر بعض وزراء کسی وزیر کی تجویز کی مخالفت بغض وعناد کی بنیاد پر کرتے تو بادشاہ کونسل کو برخاست کر دیتا اور اسی وزیر کی بات مان لیتا جس کی تجویز کی کونسل میں مخالفت کی گئی تھی[94]۔ بادشاہ سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سلطنت کا انتظام خود اپنی صواب دید سے کرے گا بجائے اس کے کہ وہ ان ناپسندیدہ وزراء سے صلاح لے، جو خوبیوں سے بے بہرہ تھے۔ اور (بادشاہ کے لئے) اسی طرح سبب زحمت تھے

88۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا، 5، چنّاپٹنا (CHENNAPATNA.)، 256

89۔ ایپیگرافیا، بیلور (BELUR)، 75

90۔ انڈین اینٹکوئری (INDIAN ANTIQUARY.)، 45، ص 22

91۔ ایضاً

92۔ 1905ء کا 345

93۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا۔ DV. 11 29

94۔ آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 227

جس طرح کدّو کی جسامت کے موتی کو گلے کا ہار بنا لیا جائے۔[95]

کوٹیلہ کی طرح کرشن رائے کی بھی یہی رائے ہے کہ بادشاہ کو اپنے اپنے سراغرسانوں کے ذریعہ اپنے وزراء پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس خوش فہمی میں پڑکر کہ وہ بادشاہ کے پسندیدہ ہیں کوئی غیر ضروری اور بے سود کام کر بیٹھیں۔[96]

کونسل کے اراکین بادشاہ کے راج تلک لگاتے[97] اور انتظامیہ کی رہنمائی کرتے تھے۔ بسااوقات طاقتور بادشاہ اپنی حاوی شخصیت اور مضبوط قوتِ ارادی کی بنا پر کونسل کے اختیارات اور اس کی آزادی میں تخفیف کر دیتے۔ لیکن کمزور بادشاہوں کے دورِ حکومت میں ان کے اختیارات اور اثرات کافی ہوتے تھے۔ اور ریاست کی پالیسی پر ان کا مکمل کنٹرول ہوتا حتیٰ کہ کرشن رائے جیسے طاقتور اور راہل بادشاہ نے بھی محسوس کیا تھا کہ کونسل بہت زیادہ بااختیار ہے۔ اور بادشاہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ وہ اپنے وزراء کے ہاتھوں میں کھلونا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنی خود کلامی میں کہا تھا کہ "میں تخت پر بیٹھتا ہوں لیکن مملکت پر حکومت وزراء کرتے ہیں۔ کون ہے جو میرے الفاظ پر کان دھرتا ہے؟"[98]

یہ جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کونسل کے فیصلوں یا مشوروں کا بادشاہ کسی حد تک پابند تھا۔ بادشاہ سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ریاست کے تمام اہم معاملات میں کونسل سے مشورہ لے گا۔ لیکن سب بادشاہ کونسل سے مشورہ نہیں لیتے تھے اور بعضوں نے تو کونسل کو اپنے طرزِ فکر کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اگر نونیز صحیح ہے تو کرشن رائے نے یدل کاؤ کے علاقہ پر چڑھائی کے متعلق اپنی کونسل کے مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا جب "کونسل کے امراء" نے بادشاہ سے کہا کہ بیجاپور پر حملہ کی وجوہ بہت معمولی ہیں نیز یہ کہ "اسے سوچنا چاہیے کہ دنیا بھر میں کیا چرچا ہوگا۔" تو بادشاہ نے کوئی اعتناء نہ کی۔ چنانچہ جب کونسل کے ممبران نے دیکھا کہ وہ اپنے فیصلہ جنگ پر اٹل ہے۔" تو انھوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور (اس مہم میں) بادشاہ جن راستوں کو اختیار کرنے والا تھا اس کے سلسلہ میں چند مشورہ دینے پر

95۔ آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 212 اور 213

96۔ آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک۔ 365

97۔ ایپیگرافیا انڈیکا، 9، ص ص 334 - 340

98۔ جرنل آف دی تیلگو اکاڈمی از رائے وکچو (RAYA VACAKAHU.) سوم، ص 30

اکتفا کیا[99]۔ اس قسم کی مثال سے ہم بجا طور پر یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر بادشاہ اپنے ارادہ میں پختہ اور مقصد میں اٹل ہوتا تھا تو وہ اپنے ایسی کر لیتا تھا اور کونسل کو اپنی مرضی پر جھکا لیتا تھا۔

دوسرا سوال جو ہمارے لیے دلچسپی کا باعث ہے وہ وزرا کی عہدہ داری کی میعاد ہے۔ وزیر اعظم اس وقت تک اپنے عہدہ پر فائز رہتا جب تک بادشاہ کو اس پر اعتماد رہتا۔ ایسی کوئی متعین مدت نہیں تھی جس کے دوران ہی کوئی بادشاہ کا وزیر رہ سکتا تھا۔ ہر چیز کا انحصار متعلقہ شخص کی صلاحیت پر تھا مزید برآں ان وزرا میں سے بہت سے صوبائی گورنر بھی مقرر کر دیئے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر دیورائے دوم کا سر برآوردہ وزیر لکنّا دنایک اپنے دورِ عہدہ داری میں کسی نہ کسی صوبے کا گورنر بھی تھا۔

وجے نگر کے بعض کتبات میں ہمیں بعض سرکاری القاب کا حوالہ ملتا ہے۔ جیسے اپ پردھانی[100] پردھانی[101]، مہا پردھانی، سیرا پردھانی اور سرواشیرا پردھانی بظاہر یہ سب وزارتی عہدوں کی درجہ وار ترتیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پردھانی اور ریاست کے بعض دوسرے اعلیٰ افسران کو ڈنڈ نایک کا خطاب بھی ملتا تھا۔ لفظ ڈنڈ نایک کی دو توضیحیں ہو سکتی ہیں (۱) فوجوں کا قائد اور (۲) انتظامیہ کا سردار[104 الف]۔ ریاست کے بڑے حکام کا ڈنڈ نایک کا سرکاری خطاب اختیار کرنے کا رواج گپت سلطنت کے زمانہ سے پایا جاتا ہے۔ گپت زمانہ کے ڈنڈ نایک کا تذکرہ کرتے ہوئے فلیٹ (FLEET) نے اسے فوج کے قائد کا نام دیا ہے[105]۔ لیکن

---

[99] سیول، ر، س، ص ص 324-325

[100] سنہ 1922ء کا 689

[101] سنہ 1922ء کا 681

[102] سنہ 1901ء کا 117

[103] ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۹،

اور ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۹، نن جن گد (NENGAN GUD.) 88

[104] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 3، تیرومکدل نرسی پور۔

[104 الف] ڈنڈ کے معنیٰ ایک فوج اور ایک عدالتی جرمانہ دونوں ہی ہیں۔

[105] کورپس انسکرپشن انڈیکرم (CORPUS INSCRIPTIONUM INDICATUM.)

، 3، ص 16۔

جیسوال (JAYASWAL) نے واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ توضیح غلط ہے اور یہ کہ اس لفظ کے معنیٰ ہیں "انتظامیہ کا سردار"۔ کیونکہ کتبات میں جن وزراء کو ان القاب سے ملقب پایا گیا ہے وہ سب انتظامیہ کے حکام تھے جیسا کہ ان کے دیگر خطابات سے ثابت ہوتا ہے[106]۔

یہی توضیح وجے نگر کے ڈنڈ نایک پر بھی لاگو ہوگی۔ اس زمانہ میں وجے نگر میں پردھانیوں کو ریاستی حکام کے علاوہ ڈنڈ نایک کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ لیکن اس خطاب کو دیکھکر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے حاملین فوج کے قائد تھے۔ کیوں کہ وہ لوگ بظاہر انتظامیہ کے سردار معلوم ہوتے ہیں۔ وجے نگر کے زمانہ میں قدیم ہندوستان کے سیناپتی کے لیے ڈالدا ادھیکاری یا دل وائے کا خطاب ہوا کرتا تھا[107]۔ کبھی کبھی اسے سروسینادھیپتی (تمام افواج کا کمانڈر انچیف) بھی کہا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک کتبہ میں ناگنّادن نایک کو شری ویر پرتاپ دیورائے مہارائے، کا مہاپردھان اور دیچم نرپال، کو اسی بادشاہ کی تمام افواج کا کمانڈر انچیف (سروسینا ادھیکاری) کہا گیا ہے[108]۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ لحاظ ہے کہ مہاپردھانی کا تذکرہ، جو ایک ڈنڈ نایک (بھی) تھا، ایک علیٰحدہ افسر کی حیثیت سے کیا گیا ہے جس کا غالباً فوجی تنظیم سے کوئی براہِ راست واسطہ نہیں تھا، اور دوسرے افسر جس کا نام چم نرپال تھا سلطنت کی فوجوں کا کمانڈر انچیف بتایا گیا ہے۔ مہاپردھانی اور سروسینا ادھیکاری کے درمیان یہ تفریق غیر مبہم طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ اول الذکر یعنی ڈنڈ نایک ایک انتظامی افسر اور بادشاہ کا وزیرِ اعظم ہوتا تھا جب کہ موخر الذکر ایک فوجی سربراہ تھا جو کہ فوج کا انچارج ہوتا تھا۔ پھر عبدالرزاق ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دنّایک (ڈنڈ نایک) ہی تھا جو شاہی صدر مقاموں میں جج ہوتا تھا[109]۔ اگر فلیٹ کی طرح ہم بھی اس لفظ کے معنیٰ لیں تو یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ڈنڈ نایک جج بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر واقعی ایسا تھا تو وجے نگر کی سلطنت میں کوئی انصاف نہیں تھا بلکہ محض فوجی استبداد تھا[110]۔ اس طرح پردھانی جسے عموماً ڈنڈ نایک کو خطاب دیا جاتا تھا۔ ایک انتظامی افسر ہوتا تھا جو سلطنت کے عام نظم و نسق کا انچارج

---

[106] ہندو پولیٹی (HINDU POLITY) حصّہ دوم، ص 149

[107] اپیگرافیا کرناٹیکا، 12 تمکور (TUMKUR.) 71

[108] اپیگرافیا کر ۱۰ٹ کا ۱۱۰،

[109] ہسٹری آف انڈیا، از ایلیٹ، چہارم، ص 108

[110] قانون اور انصاف کے باب کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

ہوتا تھا۔ اس بات کی تائید بعض دوسرے خطابات سے بھی ہوتی ہے جن سے وہ عام طور پر جانا جاتا تھا مثلاً ایک کتبہ میں سالوواتما، کو بڑا وزیر تنتر نایک کہا گیا ہے[111]۔ اس خطاب کا مطلب 'حکومت کا سربراہ' معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تنتر کے معنی حکومت (نفاذ) ہے۔ برخلاف منتر کے جس کے معنی غوروفکر ہے۔ بہت سے پردھانیوں کو کاری کرتا[112]، یا کارتیو کو کدور[113]، کاری تو کو کرتار[114]، یا راجیہ بھار دھر ندھر (سلطنت کا بوجھ اٹھانے والا[115]) بھی کہا جاتا تھا۔ اس طرح کے خطابات سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ پردھانی جسے عموماً ڈنڈ نایک کہا جاتا تھا ایک انتظامی افسر ہوتا تھا۔ جو کہ سلطنت کے تمام نظم ونسق کا انچارج ہوتا تھا[116]۔

لیکن پھر وزیراعظم نے جو فوجی ذمہ داریاں اور فرائض انجام دیئے ان کی توجیہہ ہم کس طرح کریں؟ ۹۔ دیورائے دوم کے وزیر لکانا دنایک، نے لنکا پر حملہ کے لیے ایک مہم کی قیادت کی۔ کرشن دیورائے نے جنگیں لڑیں۔ ان میں سالوواتما نے ایک اہم رول ادا کیا۔ نونیز کے بیان سے ہمیں

---

[111] ایپیگرافیا انڈیکا، 13،

[112] ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۱۰

[113] ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۹، چناپٹنا، 5

[114] ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۹، مگڑی (MAGADI.)

[115] 1913ء کا 245

[116] نیلسن نے مدورا کے نایکوں کی انتظامیہ کو بیان کرتے ہوئے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بادشاہ کی پردھانی اور دلوائے کے دونوں عہدے ابتداً الگ تھے مگر بعد میں ایک ہوگئے تھے۔ انڈین اینٹکویری ازوی رنگاچاری جلد ۴۴ ص 113 اور دی نایکس آف مدورا (THE NAYAHS OF MADARA.) ازآر ستیہ ناتھ ایر (R. SATYANATHA AYYAR. ص 235،)

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں نیلسن کی اس بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے کہ پردھانی اور دلوائے کے فرائض کو باہم اس لئے مدغم کردیا گیا تھا کہ انتظامیہ میں فوج کی کارکردگی کو بڑھایا جاسکے۔ یہ درست ہے کہ نیلسن نے اپنی اس رائے کا اظہار صرف مدورا کے نایکوں کے تحت چلنے والی انتظامیہ کے لیے کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہاں کی انتظامیہ قریب قریب مکمل طور پر وجے نگر کی انتظامیہ کی نقل تھی اس لیے اس کے تبصرے کا انطباق وجے نگر کی انتظامیہ پر بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ مدورا کے نایکوں پر۔

معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر وزیر جنگوں میں بادشاہ کے ساتھ رہا اور اس میں اس نے نمایاں حصہ لیا نیز یہ کہ رائچور کی مہم میں اس کی فوج ساٹھ ہزار پیادوں، تین ہزار پانچ سو سواروں اور تیس ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ اس طرح کی فوجی ذمہ داریاں محض وزیر اعظم ہی کی نہیں تھیں بلکہ سلطنت میں ریاست کے تمام اہم افسروں کو اسی طرح کی ذمہ داریاں انجام دینی ہوتی تھیں۔ ریاست کے ان بڑے افسروں کو نقد تنخواہ کے بجائے اضلاع یا چھوٹے چھوٹے علاقے دیئے جاتے تھے۔ جن پر وہ بادشاہ کی طرف سے حکومت کرتے تھے۔ جو رقوم وہ رعایا سے وصول کرتے تھے اور اس میں کچھ تو وہ بطور خراج یا پیشکش شاہی خزانہ میں جمع کر دیتے تھے جو رقم بچ جاتی تھی وہی ان کی تنخواہ ہوتی تھی۔ ان کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ بادشاہ کے لیے ایک مقررہ تعداد میں فوج کا انتظام رکھیں۔

یہ رواج کسی حد تک مغلیہ دور کے منصب داری نظام سے ملتا جلتا ہے۔ مغل بادشاہوں کے دور میں ریاست کے اعلیٰ حکام کی دوہری ذمہ داریاں ہوا کرتی تھیں۔ انتظامی۔ اور۔ فوجی منصب دار کے عام معنیٰ 'عہدے والے'، کے ہیں۔ منصب دار عربی لفظ منصب (عہدہ) سے بنا ہے اور ترکستان اور ایران سے ہندوستان آیا۔ ہر منصب دار کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ بادشاہ کو فوج کا ایک مخصوص حصہ مہیا کرے۔ ریاست میں کسی شخص کے عہدے کی اہمیت اسی تناسب سے گھٹتی بڑھتی تھی کہ وہ ریاست کے لیے کتنی تعداد میں سوار اور پیادوں کا انتظام رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے ملتا جلتا نظام ریاست وجے نگر میں بھی رائج تھا۔

پردھانی، مراٹھا پیشوا کا 'پیش رو' (FORE-RUNNER) ریاست میں بہت اہم مقام کا حامل تھا۔ کرشن رائے کے سربرآوردہ وزیر سالو واتما کے بارے میں لکھتے ہوئے پائیز رقمطراز ہے "وہ پورے محل پر حاوی تھا اور تمام اعلیٰ امراء اس کے حکم کی اس طرح بجاآوری کرتے تھے جیسے بادشاہ کے حکم کی بجاآوری کی جاتی ہے"[118]۔ اور نونیز کی رائے ہے کہ 'سالو واتما، سلطنت کا سربراہ تھا[119]۔ سالم ضلع کے پروتی پلی، مقام سے دستیاب ایک کتبہ میں ترسن نایک اُدے یار، کو بادشاہ دھرم رائے مہارائے کا نائب کہا گیا ہے اور لکھا ہے کہ دراصل وہی اس کے لیے حکومت کرتا تھا

---

[117] اکبر (AKBAR.) از وی، اے اسمتھ (V.A.SMITH.) ، ص 362

[118] سیول، ح، س، ص۔ 250

[119] سیول، ص 322

(پرتھوی راجیم پنّم)[120] (PR. THVIRAJYAM PANNUH) جب کہ باپٹلا سے دستیاب ایک دوسرے کتبے میں سالوو اتما کو خود کرشن دیو رائے ہی کی شخصیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ دھرن ایوراھا (DHARANAVARAHA) کے لقب سے ملقب تھا۔[121] پردھانی ٹیکس معاف کرتا تھا اور صوبوں پر گورنروں کی تقرری کرتا تھا۔ دیو رائے دوم کے مہا پردھانی پیرو مالی دیو دنّا ایک اودے یار (PERUMALIDEVA DANNAYAKAUDAIYAR) نے کلوائی پرّو (KALAVAIPARRU) میں آولی (AVALI.) مقام کی اراضی پر سے بعض ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا تاکہ ایک مندر میں بعض تقریبات انجام دی جا سکیں۔[122] جنوبی کناڈا ضلع میں شنکر نرائن کے مقام سے دستیاب ہری ہر دوم کے ایک دستاویز سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بسونّا ادے یار (BASAVANNA UDAYAR.) مہا پردھانی گوپیا دنّایک[123] کے حکم سے بارکورو راجیہ (BARAKURA RAJYA.) پر حکومت کرتا تھا۔ اس وسیع و عریض سلطنت کے انتظام میں ایک اپ پردھانی، مہا پردھانی کی مدد کرتا تھا۔ مثلاً سوم رس (SOMARASA.) نامی ایک شخص اس وقت اپ پردھانی تھا جب سالوو اتما کرشن رائے کا وزیر اعظم تھا۔[124] شاکھا ۱۴۵۰ (1528-29ء) کے ایک دوسرے کتبہ میں تلووکولائینڈم بھٹر (TALUVAKKULAINDAM BHATTER.) کے لڑکے ویر نرسمہا رائے کو اُپ پردھانی بتایا گیا ہے۔[125]

فصل سوم

دفاتر

وجے نگر جیسی وسیع سلطنت کو ایک بادشاہ محض ایک کونسل کی مدد سے نہیں چلا سکتا تھا۔

---

[120] 1915ء کا 143

[121] 1897ء کا 186، ساؤتھ انڈین انسکرپشن، 6، نمبر 146

[122] 1926ء کا 497 [123] 1927-28ء کا 400

[124] 1897ء کا 186، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 6، نمبر 146، دوسرے حوالہ کے لیے 1922ء کا 689 بھی ملاحظہ ہو۔

[125] 1901ء کا 233، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 1908-9ء ص 184، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 7، نمبر 447

نظم ونسق کی غیر دلچسپ تفصیلات کی انجام دہی کے لیے ایک باصلاحیت دفتری عملہ ضرور رہا ہوگا۔ دفتر مختلف محکموں میں منقسم رہا ہوگا جس کے ہر شعبہ کے ذمہ انتظامیہ کا ایک حصّہ ہوگا۔ لیکن اس سلسلہ میں اس زمانہ کے کتبات ہمیں زیادہ معلومات فراہم نہیں کرتے گو کہیں کہیں ہمیں فوج اور مالیات کے ایسے محکموں کا ذکر ملتا ہے پھر بھی ہم اس قسم کے محکموں کی واقعی تعداد اور ان کے باہمی تعلق کو نہیں جان سکے۔ عبدالرزاق، جس نے سلطنت کے صدر مقاموں پر دفتر کی کارکردگی کا مشاہدہ کیا تھا، وہ ان کے بارے میں صرف چند جملے لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے "سلطان (وجے نگر کے بادشاہ) کے محل کے داہنی جانب دیوان خانہ یا وزیر کا دفتر ہے جو بہت وسیع ہے اور چہل ستون یا چالیس ستونوں والے ہال سا نظر آتا ہے۔ اس کے مقابل ایک بلند گیلری ہے انسان کے قد سے زیادہ بلند، تیئس[30] گز لمبی اور چھ گز چوڑی۔ یہاں کاغذات رکھے جاتے ہیں اور محرّر بیٹھتے ہیں[126]"۔ معلوم ہوتا ہے کہ کرشن دیو رائے بھی ایک بڑے دفتر کی اہمیت سے واقف تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنی آمکتا مالیادمیں کہتا ہے "جب کسی ایک (ماتحت) افسر کے کام کو متعدد افراد کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے دوستوں کی مدد حاصل ہوتی ہے تو ریاست کے امور بآسانی انجام پاتے ہیں۔ ان کی تعداد میں کمی وزیادتی کے ساتھ ہی بادشاہ سے) ان کی خوشی و اطمینان میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔ کوئی بھی چیز مستند افسروں کے رضا کارانہ تعاون کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔ انہیں مستعد اور فرمانبردار رکھنے کے لیے تحمل اور درشتی سے پرہیز اور سچائی کا رویہ مفید ہوتا ہے[127]۔

'رائے سم'، (RAYASAM.) نام کے ایک دفتر اور اس کے عہدیداروں کا تذکرہ کتبات میں اکثر ملتا ہے۔ رائے سم، ورائے سم (VARAYASAM.) سے مشتق ایک عام لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ پیشۂ محرّری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر میں اس نام کا ایک دفتر موجود تھا اور دفتر کے ملازمین عموماً اپنے نام کے شروع میں دفتر کا نام جوڑ دیتے تھے۔ جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کا خطاب بن گیا۔ رائے سم کوندا مرسیّا (KONDAMARASAYYA.) اور اس کے بیٹے اور پوتے تمّارسیّا اور سیّاپرسیّا (TIMMARASAYYA SAYYAPARA SAYYA.) نے اسی طرح

---

[126] ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ چہارم، ص 107

[127] کھنڈ چہارم، اشلوک 214-215

[128] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 13، ص 69

رائے سم کی اصطلاح کو خاندانی نام کی حیثیت سے اپنا لیا۔ ایک افسر جو رائے سسوامی (RAYASASVAMI.) کہا جاتا تھا، جس کا ذکر میسور کے ایک کتبہ میں ہے، بظاہر اس (دفتر) کا سربراہ تھا سلطنت کی انتظامیہ میں رائے سم کی حیثیت قطعی طور پر متعین کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ دفتر غالباً ایک ایسا دفتر تھا جو بادشاہ کی ذات سے منسلک تھا۔ جو لوگ اس شعبہ سے متعلق رہے انہوں نے اعلیٰ مقام حاصل کیے اور ریاست کے وزیر بنے[129]۔ نونیز، جوان رائے سموں کا تذکرہ معتمدین (SECRETARIES.) کی حیثیت سے کرتا ہے ان کے فرائض کی تفصیل بھی بتاتا ہے۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے اپنے گورنروں یا ملازموں کے نام تحریری احکام کبھی نہیں بھیجے اور نہ ہی انھوں نے لکھ کر جاگیریں دیں۔ لیکن ان کے اپنے معتمدین ہوتے تھے جو وہ تمام چیزیں لکھ لیا کرتے تھے جو بادشاہ کہتا تھا یا کسی کو عطا کرتا تھا۔ نونیز اس کا ایک واضح بیان پیش کرتا ہے کہ بادشاہوں کے احکام کی تعمیل کس طرح کی جاتی تھی۔ وہ کہتا ہے۔ "جب وہ (بادشاہ) کسی کو کسی عطیہ سے نوازتا ہے تو وہ اس کے معتمدین کے رجسٹروں میں قلمبند کر لیا جاتا ہے۔ لیکن بادشاہ عطیہ پانے والے کو اپنی ان انگوٹھیوں میں سے ایک سے"، جو وزیر کے پاس رہتی ہے، لاکھ پر ثبت کردہ ایک مہر دیتا ہے اور یہی مہر سند کا کام دیتی ہے[130]"۔ یہ معتمدین جو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتے اور اس کے قول و فعل کو تحریر کر لیتے تھے، کولا کے کتبات میں مذکور تیرو وائے کیل وِیوں (TIRUVAYKE-LVIS.) کے مماثل ہیں جنھیں اس طرح کے فرائض ادا کرنے پڑتے تھے۔ کتبات وجے نگر میں اس عمل کے رواج کی تصدیق کرتے ہیں جنوبی ارکٹ ضلع کے تیرو کوئیلور (TIRUKOYILUR) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ مدراس گاؤں (تیرو کوئیلور) کے بارہ ساحلی علاقوں میں سے تین ساحلی علاقوں کی کچھ اراضی لگان داروں نے ٹیکس ادا کرنے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے تیرو ویدائی کلی نائے نار (TIREVIDAIKALINAYANAR.) کے مندر کو ... پر فروخت کر دی اور جب امدی ترسانایک دواد شی (DVADASI.) کے دن مندر آیا تو اس نے ان اراضیوں کو ٹیکس سے بری

---

[129] 1915ء کا 336، سوریئز از ایس، کے، اینگر، ص 230

[130] سیول، ر، س، ص 375

[131] ملاحظہ ہو جنوبی ہند کے ہندو انتظامی ادارے (HINDU ADMINI STRATIVE INSTITUTIONS OF SOUTH INDIA.) از ایس، کے، اینگر، ص 253
(THE COLAS.) از کے، اے، نیل کانت شاستری، جلد 2، ص 235

کردیا اور حکم دیا کہ اس کی آمدنی ہر ماہ مخصوص ایام میں چڑھاوے اور پوجا پر صرف کیجائے۔

امدی نرسیا دیو اور رویرامرسیا پلّوراس کا تذکرہ بادشاہ کے ان معتمدین کی حیثیت سے کیا گیا ہے جنھیں مذکورہ بالا زبانی احکامات دیئے گئے تھے۔ کرنکم (KARANIKKAM) دوسرا دفتر ہے جس کا تذکرہ وجے نگر کے کتبات میں کثرت سے ملتا ہے۔ لفظ کرنکم کے معنیٰ محاسب ACCOUNTANT. کے ہوتے ہیں۔ وجے نگر میں شاید ہی کوئی ادارہ یا دفتر رہا ہوگا جس میں کرنکم کا عملہ نہ ہو حتیٰ کہ رائے کے حرم سے متعلق آفس کا بھی ایک کرنکم ہوتا تھا شمالی ارکٹ ضلع کے چند کتبات میں منگرسیّا (MONGARASAYA) کو امدی نرسمہا اور کرشن رائے کا واشل کرنکم (VASAL KARANIKKAM) کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واشل کرنکم کا کچھ تعلق جس کا تعین فی الحال مشکل ہے، صوبائی حکومت سے بھی تھا۔

بادشاہ کے دفتر (ESTABLISHMENT.) میں افسران کی ایک بڑی تعداد تھی جن میں سے ہر ایک کو محل کا کوئی کام سپرد تھا۔ ان میں سب سے اہم سرونایک (SARVANAYAKA.) تھا۔ بعض کتبات میں اسے منیا پردھان (MANEYAPARDHANA) (وزیر محل) کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ بادشاہ کے محل کی ضروریات اور آسائش کا خیال رکھنا تھا اور وہ محل کے دفتر (PALACE ESTABLESHMENT.) پر کنٹرول رکھتا تھا۔ اس کے ماتحت بہت سے ملازمین تھے۔ مثلاً پان بردار وغیرہ، جن کی مدد سے وہ اپنے فرائض انجام دیتا تھا[133]۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سرونایک کا یہی عہدہ بعض ہندوستانی ریاستوں میں اب بھی موجود ہے اگرچہ عہدیدار کے نام میں کچھ تبدیلی

---

132 ۔ ۱۹۲۱ء کا 33

133 ۔ ۱۹۲۳ء کا 84، ۱۸۸۷ء کا 52، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۴، نمبر 52، جلد پنجم، ص ص 1515-1516

134 ۔ ایپیگرافیا کرناٹیکا چہارم، ننگ منگل (NAGAMANGALA.) 59

135 ۔ محل کے ان ملازمین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا تعلق محل کے دفتر اور خانہ داری (DOMESTIC ESTABLISHMENT.) سے تھا اور وہ بھی جو بادشاہ کی شان و عظمت کی برقراری کے لیے رکھے گئے تھے۔ اول الذکر طبقہ میں کپڑوں اور پوشاکوں کے انچارج، روشنی کی دیکھ بھال کرنے والے، باغباں، درزی، جھاڑو دینے والے اور دیگر لوگ شامل تھے جبکہ موخر الذکر طبقہ میں شاہی نشانات اٹھانے والے مثلاً چتر بردار، مشعل بردار اور عصا بردار شامل تھے۔ اس طبقہ میں وہ اشخاص بھی شامل تھے جو جلوسوں کے موقعہ پر شاہی ساز و سامان (PARAPHERNAL) مثلاً جھنڈا اور جے بھیری (JAYABHERI.) (نقارہ فتح) لے کر چلتے۔ چند اشخاص وہ بھی تھے جو ریاست کے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے نگراں تھے۔ اسی طبقہ میں بادشاہ کے ذاتی ملازمین بھی آتے ہیں مثلاً نعلین بردار اور کاوری (CAURE.) اور کامرم (CAMARAM.) کے نشانات اٹھانے والے۔ ملاحظہ ہو "پودو کوتائی اسٹیٹ مینوئل" (THE PADU KKOTTAI STATE MANNUAL.) ص 446

آگئی ہے۔

سولھویں صدی کے اواخر کے مدورا نایکوں کی ایک دستاویز میں "نرومندیراولائی نائے گم" (TIRABANDIRA OLAINAYAGAN) نامی ایک افسر کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس کے علاوہ وجے نگر کے زمانہ میں اس افسر کا تذکرہ نہیں ملتا۔ غالباً مدورا نایکوں نے، جو خود کو پانڈوں کا جانشیں تصور کرتے تھے، پانڈے بادشاہوں کے زمانہ میں رائج ایک قدیم عہدے کا دوبارہ آغاز کیا ہوگا۔

شاہی مہر کا انچارج ریاست کا ایک اعلیٰ عہدیدار ہوتا تھا اور لازمی طور پر ایسا شخص جسے بادشاہ کا اعتماد حاصل ہو۔ کنڑ میں وہ مدرے (MUDRE.) افسر یا مدراکرتا (MUDRA KARTA.) کے نام سے معروف ہے۔[137] اسی گروہ سے دوسرے دو افسر بھی متعلق تھے جو اجنادھارک (AJNADHARAKA.) اور اجناپریپالک (AJNAPRIPALAKA.) یعنی بادشاہ کے احکامات کو عمل لانے والے کے خطابوں سے معروف تھے۔[138]

محل کا دوسرا اہم افسر واشل (VASAL) یا واشل کاریم (VASALKARIYAM.) تھا۔[139] یہ عہدہ بڑی قدر و منزلت کا حامل تھا۔ جو لوگ بادشاہ کے سامنے باریابی کے یا داخلے کے خواہاں ہوتے انھیں اسی افسر سے اجازت لینی پڑتی تھی جو محل کے دروازوں کی حفاظت کے لیے اپنے آدمی متعین کرتا تھا۔ پائز اور نونیز دونوں اسے "محافظ دستہ کے سردار" کا نام دیتے ہیں۔[140] میدانِ جنگ میں وہ فوج کے ایک حصّہ کی قیادت کرتا تھا۔ مثال کے طور پر کرشن رائے کے محافظ دستہ کے سردار کام نایک نے رائچور کی مہم میں تیس ہزار پیادوں، تیر اندازوں، ڈھال برداروں، بندوقچیوں، نیزہ بازوں، ایک ہزار گھوڑوں اور چھ ہاتھیوں پر مشتمل شاہی مقدمۃ الجیش کی قیادت کی تھی۔[141] روایت کے مطابق مدورا کا فاتح "کمپن اودے یار" (KAMPANA UDAIYAR) ہوے سالا، بادشاہوں کے زمانہ میں ایک ایسا ہی دربان تھا۔[142] ہوئے سالا اور وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ کا یہ اہم عہدہ ہمیں قدیم ہندو درباروں "دوارکا" (DAUVARIKA) عہدہ کی یاد دلاتا ہے۔

---

136 ۔ 1895ء کا 187، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 751

137 ۔ 1917ء کا 1، اپیگرافیا کرناٹیکا 4، یلندور (YELANDUR.) 45 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1926ء، نمبر 24

138 ۔ اپیگرافیا کرناٹیکا، 4، چنارائے پٹنا 145 اپیگرافیا کرناٹیکا، تیرومکدل نرسی پور، 85

139 ۔ 1922ء کا 182، 1928-29ء کا ، 140 ۔ سیول، ح، س، ص ص 263 اور 326

141 ۔ سیول، ص ص 326 اور 329

142 ۔ دی نایکس آف مدورا از ستیہ ناتھ ایر، ص 374

باب سوم

مالیات کا نظم ونسق

فصل اوّل
آمدنی کے ذرائع

جنوبی ہند کے مالیاتی نظام شمالی ہند کے مالیاتی نظاموں سے عمومی مماثلت رکھتے ہوئے بھی بہت سی امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں اور یہی خصوصیات اس کے متقاضی ہیں کہ ان پر آزادانہ گفتگو کی جائے۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے مالیات کے نظام کے مطالعہ کے لیے ہمارے اصل ماخذ کتبات ہیں وجے نگر کے تقریباً ہر کتبے میں اراضی کی تفویض، ٹیکسوں کی معافی، اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی، نئے ٹیکسوں کا حصول یا متروک ٹیکسوں کے دوبارہ نفاذ سے متعلق کچھ نہ کچھ تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ اگرچہ اس موضوع سے متعلق کتبات کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان سے استفادہ بہت دشوار ہے۔ بہت سے کتبات تو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور کتباتی رپورٹوں (EPIGRAPHY REPORTS.) میں محض ان کا ایک خلاصہ ملتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ رپورٹوں کے یہ خلاصے اور ان سے متعلق تبصرے بہت قیمتی ہیں لیکن کتبات کے متون کی غیر موجودگی ایک طالب علم کو بڑی حد تک بے دست و پا کردیتی ہے مزید یہ کہ کتبات کے مطبوعہ متون کے مطالعہ میں بھی ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے کہ ان میں سے ایسے اصطلاحی الفاظ ہیں کہ جن کی وضاحت ابھی نہیں ہوسکی ہے۔ دوسری مشکل متعدد قسم کی ایسی اصطلاحات کا استعمال ہے جن کے معنی تقریباً یکساں ہیں یا جن کی محض جزوی تفصیلات میں کچھ فرق ہے جس کا سمجھنا آج مشکل ہے۔ کتبات میں استعمال ہونے والے اس قسم کے الفاظ میں سے

چند اہم یہ ہیں ۔ کدمئی (KADAMAI.) ، مگمئی (MAGAMAI.) کانکی (KANI-KKAI.) کٹنم (KATNAM.) ، وری (VARI.) ، پاٹم (PATTAM) ، ایری (IRAI.) کٹایم (KATTAYAM.) وغیرہ ایک اور دقت جو ہمیں پیش آتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ ہمیں ایک کتبہ میں صرف ان مختلف ٹیکسوں اور محصولوں ہی کا ذکر نہیں ملتا جنھیں ایک فرد یا ایک ادارہ حکومت کو ادا کرتا تھا بلکہ اس میں بعض مخصوص سماجی مقاصد کے لیے فرقہ وارانہ چندوں ، کچھ مخصوص مقامی اخراجات کے لیے بعض مقامی ٹیکسوں اور ان ادائیگیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جنھیں ایک کرایہ داران مالکان زمین کو دیتا تھا جن کی زمین اس کے پاس ہوتی تھی ۔ لہٰذا جب مختلف اشخاص کو دیے جانے والے یہ مختلف ٹیکس ایک کتبہ میں خلط ملط ہوں تو مختلف مدوں میں ان کا تجزیہ ہمارے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے ۔ مزید یہ کہ ان میں سے بیشتر محصول روایتی نوعیت کے ہوتے تھے ۔ اور چونکہ بسا اوقات ہمیں ان کے ناموں کے علاوہ کوئی اور ذکر نہیں ملتا لہٰذا ان ٹیکسوں کی صحیح نوعیت کا بیان آسان نہیں ہے ۔

اس دور کے کتبات کے علاوہ ہمارے پاس ان غیر ملکی سیاحوں کی تحریریں ہیں جنہوں نے وجے نگر کے بادشاہوں کے مالی نظم ونسق پر اپنے بیانات قلمبند کئے ہیں ۔ ان بیانات میں عبدالرزاق ، نونیز اور پائنر کے بیانات کو کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ۔ بالخصوص نونیز ریاست وجے نگر کے محصولوں کا ذکر کرتا ہے ، اور بتاتا ہے کس طرح سرداروں (CAPTAINS.) کے توسط سے ان کی وصولی ہوتی تھی ۔ اور وجے نگر کے بادشاہوں کی مالی پالیسی رعایا پر کس حد تک بوجھ بنتی تھی ۔ لیکن یہاں جو حقیقت قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ غیر ملکی مصنفین نے ، جو دیہی زندگی کی حقیقی نوعیت ، دیہی تنظیم اور دیہاتوں سے موصول ہونے والے ٹیکسوں سے ناواقف تھے محض ایک شہر سے دوسرے شہر کو درآمد یا برآمد کی جانے والی تجارتی اشیا پر عاید راہ داری ، آبکاری اور دیگر ٹیکسوں کو نمایاں طور پر ذکر کرنے پر اکتفا کیا ۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق زمین کی لگان کے متعلق کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ صرف کسٹم اور قحبہ گیری پر عاید ٹیکسوں کے متعلق بتاتا ہے ۔ جنھوں نے اس کو زیادہ متاثر کیا ۔ اسی بنا پر ان لوگوں نے ریاست کے تمام ذرائع آمدنی ، شاہی اور مقامی ٹیکسوں کے فرق اور ریاست کے مالی نظام سے متعلق دیگر سوالات کی تحقیق نہیں کی ۔

سہولت بیان کے پیش نظر ہم وجے نگر کے ذرائع آمدنی کو چند عام مدوں کے تحت رکھ سکتے ہیں وہ یہ ہیں ۔

(۱) لگان ۔

(2) جائداد کا ٹیکس

(3) تجارتی ٹیکس

(4) پیشہ ورانہ ٹیکس

(5) صنعتی ٹیکس

(6) فوجی چندے

(7) سماجی اور فرقہ وارانہ ٹیکس

(8) عدالتی جرمانے اور اسی طرح کے دوسرے محاصل۔ اور

(9) آمدنی کے متفرق ذرائع۔

ا۔ لگان:۔ ذرائع آمدنی کا اہم ترین ذریعہ لگان تھا جس پر آج بھی ہندوستانی مالیات کا دارومدار ہے۔ ہم ریاست کے اس ذریعہ آمدنی کا تجزیہ مندرجہ ذیل مدوں میں کر سکتے ہیں۔

(الف) تر فصلوں پر ٹیکس:۔ حکومت ہر طرح کی تر فصلوں (سبزیوں) پر ٹیکس لگاتی تھی۔ اراضی پر ٹیکس لگانے کے وقت بعض باتوں کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ مثلاً گاؤں کی نوعیت، ملکیت کی نوعیت، مٹی کی صلاحیت اور اس زمین میں پیدا کی جانے والی فصل کی قسم۔ مثال کے طور پر زمین کے کسی خاص قطعہ ارض پر ٹیکس لگانے سے قبل حکومت اس بات کو دیکھتی تھی کہ آیا یہ دیو دان (DEVADANA.) (کسی مندر کی مملوکہ زمین) ہے یا برہمادیا (BRAHMADEYA.) (برہمنوں کی مملوکہ زمین) ہے یا یہ کسی دلوائے اگرہار (DALVAYAGRAHARA.) (فوجی حکومت کے عوض دیئے گئے گاؤں) میں واقع زمین ہے اور یا ایک کرگرام (KARAGRAMA.) محصولی گاؤں میں واقع زمین ہے۔ کارپاشانم (KARAPASANAM.) زمین اور پُن پایر (PUNPAYER.) زمینوں کے درمیان فرق کیا جاتا تھا۔ اور ٹیکس ان پر ہونے والی فصلوں کی نوعیت کے مطابق وصول کیا جاتا تھا۔ کارپاشانم زمین میں بھی ان آراضیوں کا شمار نہیں کیا جاتا تھا جن کی فصلیں کاشت کے وقت ہی سوکھ جائیں نٹوپال (NATTUPAL)، اور جن کے فصلوں کو پالا مار دیتا (شاوی) (SAVI.)، اور یا وہ جو کسی اور طرح سے برباد ہو جائیں (الیوو) (ALIVA.) قابل ٹیکس لگائی جانے والی زمینوں میں بھی دھان کے کھیتوں، غیر مزروعہ (حال ہی میں زیر کاشت لائی گئی) اراضی، قابل کاشت بنائے گئے جنگلات اور کدیپو (KADAIPPU.) اراضی (ایسی اراضی جس میں صرف آخری فصل پیدا ہوتی ہے) اور ایسی اراضی جن کو سینچا گیا ہو، کے درمیان فرق کیا جاتا تھا۔ حکومت اس بات کا بھی لحاظ رکھتی تھی کہ آیا وہ

نم زمینیں ہیں جن میں کیلے اور گنے کی کاشت کی گئی ہے یا پدوگیتاکو (PADUGAITTAKKU.)
(دریاؤں کے کنارے) ہیں جہاں ان کی پیداوار ہوتی ہے یا وہ دلدلی زمینیں ہیں جہاں سرخ کنول
اگائے گئے ہیں یا ایسی زمینیں ہیں جہاں بیگن (ولودیالی) (VALUDILAI.) ، لوکی، ہلدی،
ادرک، پیاز، لہسن، نیلوپروتی (NELLUPARUTTI.) ، اینڈی کے بیج، ورگوپروتی (VARA
GUPARUTTI) ، سرسوں، بنگالی چنا، گیہوں کو شم بئی (KUSAMBAI.) (رنگائی کے کام میں
آنے والا کیسر) ایری وائے (ERIVAY) تانگل وائے (TANGALVAY.) اور پلودی
(PULUDI.) اور (ایسی زمینیں جہاں) چنا (کانم) (KANAM) دھان اور شامبلادی
(SAMBALADI) اور دوسری بہت سی فصلوں کی پیداوار ہوتی ہے[5]۔ نم اراضی پر اگائی
گئی تر فصلوں اور خشک اراضی پر اگائی گئی تر فصلوں کے درمیان بھی تھوڑا سا فرق کیا جاتا تھا[6]۔

(ب) خشک فصلوں پر ٹیکس:۔ اسی طرح خشک فصلوں اور کھائی جانے والی سبزیوں (مل بریا)
(MALABARYA.) پر بھی ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا[6الف]۔ یہاں بھی خشک اراضی پر ہونے والی خشک
فصلوں اور نم اراضی (نن جائی) (NANJAI.) پر ہونے والی خشک فصلوں کے درمیان فرق کیا جاتا
اس کے علاوہ خشک زمین پر پیدا ہونے والی مختلف فصلوں کے درمیان بھی فرق کیا جاتا۔ پن پایر
(PUNPAYIR.) (خشک فصلوں) کی پال (PAL) شاوی (SAVI.) اور الیوو (ALIVU)
(فصلوں) کو شمار نہیں کیا جاتا جیسا کہ تر فصلوں کے سلسلہ میں تھا۔ سپاری (مکوکو) (KAMUKU)
ناریل، کٹھل کے پیڑ[8]، کرنو (KARNNU) وپیو (VAIPPU) نیم، کولندو (KOLUNDU.)
والائی (VALAI.) (کیلے کے پیڑ)، کرمبو (KARAMBU) (گنا) منجل (ہلدی) انجی (INJI)
(ادرک)، شین کلونیر (SENKALUNIR.) (پھول) اور دیگروان پایر (VANPAYIR) (چھوٹی
موٹی کاشتوں) پر بھی ٹیکس لیا جاتا تھا[9]۔ تیرووتی نلّور (TIRUVETTI NALLUR) سے دستیاب
[illegible] ۱۳۱۱ء کی ایک دستاویز کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹاپرو و (TOTTAPURAVU.)
(باغات کی اراضی سے حاصل ہونے والا) ٹیکس بھی لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا[10]۔ مذکورہ بالا فہرستوں سے
بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ٹیکس لگانے کے سلسلہ میں اگائی گئی فصلوں اور مزروع زمین کی نوعیت کو
حکومت کس حد تک ملحوظ رکھتی تھی۔

(ج) مربوط محاصل:۔ (ALLIED CHARGES.) اس فہرست میں ہم حکومت کے
بعض ان ذرائع آمدنی کو شامل کر سکتے ہیں جو مالکان زمین پر عاید کردہ ٹیکسوں سے مربوط ہوتے تھے۔ ایک

ٹیکس گلہ بانوں سے 'چرائی' کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے قریب بعض حصّوں کو مویشیوں کے چرنے کے لیے علٰحدہ کر دیا جاتا تھا چند کتبات میں اس ٹیکس کا تذکرہ ملتا ہے۔

مکانوں اور مکانات کی تعمیر کی جگہوں (منئی) (MANAI.) پر واشل پنم[12] (VASAL PANAM.) نامی ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا[13] مکانات پر ٹیکس لگاتے وقت ان باتوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ آیا مکان چھت دار[14] ہے یا ادائیوتّالوو[15] (ADAIPPUTTALVU) (چھوٹی راہداریوں والا؟) ایک منزلہ ہے یا اندرونی برآمدہ والا[16]۔

(د) ان محصولات کے علاوہ لوگوں سے بعض اور رقوم بھی وصول کی جاتی تھیں جن کا مقصد دیہی افسران اور سرکاری صدر مقاموں سے آنے والے پیغام رسانوں کی تنخواہوں اور ان کے قیام و طعام کے اخراجات کو پورا کرنا ہوتا تھا۔ اس قسم کی رقموں میں کرنکّا جوڑی[18] (KARANIKKAJODI) تلی آرکم (TALAIYARIKKAM) ، ناٹّو کنکّوری (NATTU KANAKKUVARI) رائے سورتّنائی (RAYASAVARATTANAI.) اوسرورتّنائی (AVASARAVATTANAI.) ادھیکارورتّنائی (ADHIKARAVARDTTANAI.) ، نوتّاورتّنائی[20] (NOTTEVARATHANAI) نیرو پچم بلم[21] (NIRAPACCEMBALAM.) (نیروپا) (NIRUPA.) یا شاہی فرمان رسانوں کی تنخواہ) آلوک کونیر پتّم[22] (ALAKKUNIRPATTAM.) (کھیتوں میں آب رسانی کے نظم کے لیے مقرر شخص کے اخراجات کے لیے ایک ٹیکس) اور پادی کاول[23] (PADIKAVEL.) (پولیس ٹیکس یا پولیس برقرار رکھنے کے لیے اخراجات) ہیں۔

(ہ) عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں مندر، دھرم شالے اور دیگر عوامی ادارے اپنے قیام و اخراجات کے لیے عوام سے کچھ رقمیں وصول کرتے تھے اسی مندرجہ ذیل ٹیکسوں کو اسی مد کے تحت رکھا جاسکتا ہے مگ مئی[24]۔ چندہ جو پہلے تاجرین اور کاشتکاروں سے کسی مندر کے لیے وصول کیا جاتا تھا لیکن جو اب رضاکارانہ طور پر دیا جاتا ہے)۔ پیداری وری[25] (PIDARIVARI.) (گاؤں کی دیوی کے مندر کو دیا جانے والا چندہ)، (وی بھوتی کانکی[26] (VIBHUTI KANIKKAI.) جس کی وصولی ریاست[27] کی جانب سے ہوتی تھی۔ آدی پکّائی (ADIPACCAI.) اور کارتّ ٹیکائی پکّائی (KARTTIGAI PACCAI.) ، کارتّ ٹیکائی کانکی[28] (KARTTIGAIKANIKKAI.) اور تیرو پودی یدو[29] (TIPUDIYIDU) (شروع کے مقدس پھل) اور پرشاد کانکی[30]۔ (PRASADAKANIKKAI.

یہ تمام ٹیکس شاہی حکومت کی جانب سے مقامی حکام وصول کیا کرتے تھے اور متعلقہ مندروں کو ادا کر دیئے جاتے تھے، یا بعض موقعوں پر مندر خود یہ ٹیکس عوام سے براہ راست وصول کر لیتے تھے۔

محصول کی (شرح) کے تعین کا طریقہ۔

اس عہد کے کتبات کے بغور مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ٹیکس کی شرح کے تعین کے سلسلہ میں وجے نگر کے بادشاہوں نے جو اصول اپنایا تھا وہ جس مخصوص قطعہ ارض پر فصل پیدا کی گئی اس کے اور مملکت کے جس حصّہ میں فصل کی پیداوار ہوئی ہے اسی کے مطابق بدلتا رہتا تھا۔ اس لیے کہ ٹیکس کی شرح کے تعین کا انحصار زمین کے محل وقوع اور زرخیزی پر تھا۔ لیکن ایک بات واضح ہے کہ کسی قطعہ ارض پر ٹیکس کی شرح کا تعین اس کی مجموعی پیداوار پر منحصر ہوتا تھا۔ اس عام رواج کی نشاندھی 1673-74ء کی عطیہ زمین کی ایک پیتل کی تختی سے ہوتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فصل کی ہر کلم پر ایک نالی کی شرح سے ملگئی ٹیکس لگایا جاتا تھا[31]۔ ریاست پودوکوتائی کے آلنگودی (ALANGUDI) تعلقہ میں تیروکٹ ٹلائی (TIRUKKATTALAI) مقام کے ایک کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حکومت خشک و نم اراضی کی کل پیداوار کے دس حصّوں میں سے پانچ حصّے وصول کرتی تھی جو کہ اودے یار تیروکٹ ٹلائی، ایشورم اودے یا نائے نار[32] (UDAIYAR TIRUKKATTALAI ISVARAM (UDAIYA NAYNAR) چنانچہ زمین پر ٹیکس کی شرح کے تعین کی ایک بنیاد زمین کی پیداوار تھی[33]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ نہ تو پوری مملکت میں عام تھا اور نہ ہی خشک و تر فصلوں کے جملہ معاملات پر لاگو۔

نم زمین پر ٹیکس کی شرح کے تعین کی دوسری بنیاد ایک قطعہ زمین میں تر فصلوں کی تخم ریزی کی مقدار تھی۔ کتبات میں چند پیمائشوں کا ذکر بھی ملتا ہے جیسے کولگا (KOLAGAS) یا پوٹی (PUTTIS) جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قطعہ اراضی میں تخم ریزی کے لیے کتنے کولگاؤں یا پوٹیوں کی ضرورت ہے مثال کے طور پر ہمیں یہ ذکر ملتا ہے کہ زمین کے ایک توم (TUM) (تیلگو علاقہ کا ایک مکعب پیمانہ) کا ٹیکس آٹھ وراہ (VARAHAS) ہوتا تھا۔ اس کا واقعی مطلب یہ ہوا کہ اس قطعہ زمین پر جس میں تخم ریزی کے لیے ایک توم بیج کی ضرورت ہوتی تھی، آٹھ وراہ کا ٹیکس لگایا جاتا تھا[34]۔ اس طرح ٹیکس کی تعین کے سلسلہ میں کسی مخصوص قطعہ زمین پر فصلوں کی کاشت کے لیے کس قدر بیجوں کی ضرورت ہوتی تھی ریاست اس مقدار کو بھی ملحوظ رکھتی تھی۔

جب کہ یہ اصول نم اراضی پر ٹیکس کی تعین کے سلسلہ میں تھا خشک اراضی پر ٹیکس کے تعین

کے لیے اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ زمین کو جوتنے کے لیے کتنے ہلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
ترچناپلی ضلع کے آدوتورائی (ADUTURAI) مقام سے دستیاب ایک کتبہ میں خشک زمین کے ہر ہل پر ٹیکس کی ایک تدریجی شرح کے تعین کا ذکر ملتا ہے[35]۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خشک زمین پر ٹیکس کے تعین کے سلسلہ میں بس یہی ایک اصول تھا۔ اس لئے کہ نم اراضی پر ٹیکس کے تعین کے لیے جو اصول اپنایا گیا تھا وہی کبھی کبھی خشک اراضی پر بھی لاگو کر دیا جاتا تھا۔ کولار (KOLAR) ضلع کے اسی نام کے تعلقہ سے دستیاب ایک کتبہ میں خشک زمین کے ایک کھندوگ (KHANDUGA) کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ زمین میں ایک کھندوگ تخم ریزی کی گنجائش تھی ایک رواج کے مطابق جس کو بکنن (BUCHANAN) نے اپنی کتاب میسور، جنوبی کناڑا اور کورگ (GOURNEY THROUGH MYSORE, SOUTH CANARA AND COURG) میں شامل کیا ہے کہ کرشن دیو رائے نے ٹیکس کے تعین کے لیے اپنی پوری مملکت کا مکمل سروے کرایا تھا اور ٹیکسوں کی شرحیں مقرر کر دی تھیں اس رواج کی توثیق خود کرشن دیو رائے کے عہد کے ایک کتبہ سے بھی ہوتی ہے میسور ضلع کے 1513ء کی ایک دستاویز میں ایک گاؤں کو اس کی تمام خشک و تر اراضی کے ساتھ قدیم پیمائش کے مطابق، عطیہ میں دیئے جانے کا ذکر ہے[37]۔ اس کتبہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع میں بلکہ شاید پوری مملکت میں، دو قسم کے پیمانے ہوا کرتے تھے۔ ایک قدیم پیمانہ تھا جس کے مطابق یہ مخصوص عطیہ دیا گیا تھا اور دوسرا جدید جو غالباً اس مخصوص کتبہ کے وقت بھی موجود تھا۔ اس ثبوت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ٹیکس کی شرح کے تعین مقصد سے کرشن دیو رائے کے زمانہ میں اراضی کی باقاعدہ پیمائش ہوتی تھی۔ میکنزی کے مخطوطات کے بغور مطالعہ کے بعد رائس (RICE) بھی اسی نتیجہ پر پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرشن رائے اور اچیوت رائے کے زمانہ میں ریاست وجے نگر کے محاصل کو پہلی بار ایک باضابطہ احکامات کے ذریعہ ان کو قابو میں کیا گیا اور حساب و کتاب اور نظم و نسق کا آغاز کیا گیا تا کہ عوام کو سختیوں میں مبتلا کئے بغیر مملکت کی سالانہ آمدنی میں تدریجاً اضافہ کیا جا سکے[38]۔

زمین کی پیمائش کے سلسلہ میں مقامی اختلافات پائے جاتے تھے اور پوری مملکت میں کوئی ایک اعلیٰ پیمائش نہ تھا۔ اس عہد کے کتبات میں پیمائش کے ان بہت سے آلات کا ذکر ملتا ہے جو اس زمانہ میں رائج تھے[39]۔ حتیٰ کہ ایک ہی جگہ پر تقریباً ایک ہی وقت میں دو قسم کے پیمانوں کا استعمال نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر تیروپوکولی (TIRUPAKALI) کے کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے

کہ وہاں دو قسم کے پیمانے مستعمل تھے۔ ایک نادلی وو کول (NADALVU KOL) جو 1365ء[40]
میں اور دوسرا راج وبھادن کول (RAJAVIBHADAN KOL) جو 1374ء اور 1438-39ء[41]
میں مستعمل تھا۔ نیز اسی ضلع کے تیروپالائی ونم (TIRUPPALAIVANAM) مقام
(کے کتبات) سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہاں 1390ء میں پیمائش کا ایک آلہ رائج تھا جس کا نام
گندرائے گندن کول (GUNDRAYAGANDAN KOL) تھا۔[42] بہرحال وجے نگر کی حکومت
نے پیمائش کے رائج آلوں میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے کچھ اصلاحات کی کوششیں کیں۔ جنوبی
آرکٹ ضلع کے کوگائی یور (KUGAIYUR) کے ایک کتبہ کے مطابق نو ور دھا کلم
(VRIDDHACALAM) کے قرب وجوار کے باشندے ایک مرتبہ اس مقام سے کوچ کر
جانے تک پر آمادہ ہو گئے تھے۔ صرف اس بنا پر کہ حکومت نے اس مقام کے آلۂ پیمائش میں کوئی
تبدیلی نہ کی تھی۔ اس سنگی دستاویز میں متعین کیا۔ مگدائی مندلم (MAGADAI MANDALAM)
کے عوام کے نام واسو دیو نایکر تیرو ملائی نایکر (VASUDEVA NAYAKKAR TIRUMALAI NAYAKKAR)
کا ایک فرمان درج ہے جس میں 1447ء تک' جو کتبہ کی تاریخ ہے "مگدا مندلم کی اراضی کی پیمائش
اٹھارہ فٹ لمبے ایک چھڑ سے ہوتی تھی اور اسی شرح سے اس پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ چونکہ اس طریقۂ
کار سے راج گرام (RAJAGRAM) متاثر ہو رہا تھا اور اس سے چوری اور بربادی کو راہ مل رہی
تھی لہٰذا یہ سوچا گیا کہ اگر قدیم آلۂ پیمائش میں دو فٹ کا مزید اضافہ کر دیا جائے تو ٹیکسوں کی ادائیگی
میں آسانی پیدا ہو جائے گی، کاشتکار خوش حال ہو جائیں گے اور راج گرام کے تقاضوں کو پورا
کر سکیں گے۔ اس خیال کے تحت حکم دیا گیا کہ قدیم آلۂ پیمائش کی لمبائی میں دو فٹ کا اضافہ کر کے
چھڑ کی لمبائی بیس فٹ مقرر کر دی جائے۔ نئے آلۂ پیمائش سے خشک وتر دونوں ہی قسم کی اراضی
کی از سر نو پیمائش کی جائے اور جو تبدیلیاں واقع ہوں انھیں کھاتوں میں درج کر لیا جائے۔"[43]

لیکن شری موسنم (SRIMUSNAM) (جنوبی آرکٹ) میں 1504-05ء کے قریب
ہمیں 34 فٹ لمبی ایک چھڑ کا استعمال ملتا ہے جسے معیاری آلۂ پیمائش کہا گیا ہے۔[44] اس طرح لمبائی
کی پیمائش کی اکائیوں میں مقامی اختلافات تھے۔ ہر مقام کا اپنا ایک پیمائشی آلہ تھا۔ چنانچہ پوری
مملکت کے لیے ایک عام اور یکساں آلہ پیمائش کی اس کمی کے باعث حکومت کو مملکت کے تمام حصوں
میں زمین پر ٹیکس کی ایک یکساں شرح کے تعین میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ٹیکس کی سرحدیں

قدیم ترین رواج کے مطابق کسی متعلقہ زمین کی پیداوار میں 1/6 حصہ حکومت کا، 1/20 حصہ برہمن کا اور 1/30 حصہ مندر کا ہوتا تھا۔ اس میں سے ہر ایک کی ادائیگی یا تو جنس کی شکل میں یا اس کے مساوی نقد رقم کی شکل میں کی جاتی تھی۔ بقیہ تین چوتھائیوں میں سے ایک چوتھائی کاشتکار اپنے حصہ کے طور پر رکھ لیتا اور مجموعی پیداوار کا بقیہ حصہ کاشتکاری کے اخراجات میں صرف ہو جاتے۔ وکس (WILKS) اس سوال پر گفتگو کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وجے نگر خاندان کے ابتدائی دور میں ہری ہر کے وزیر ودیارنیا (VIDYARANYA) نے ریاست کے افسروں کے استعمال کے لیے پراشر (PARASARA) کے متن پر مبنی ایک کتاب تفصیلی تبصرے کے ساتھ شائع کرائی تھی جس میں ٹیکس کے تعین اور محصول کے غلّہ (GRAIN REVENUE) کی روپیے میں تبدیلی پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مختصراً اس نے شاستر (SASTRA) ہی کی شرح یعنی فصل کے 1/6 کو حکومت کا حصہ قرار دیا ہے اور اس مفروضہ پر کہ اوسطاً پیداوار بوئے گئے بیجوں کی بارہ گنا ہوتی ہے، اس نے زمین کی 2 1/2 کٹیوں (KUTTIS) کی پیداوار 30 کٹی (KUTTIS) دھان کو اس طرح تقسیم کیا۔

مالک زمین	1/4	7 1/2
کاشتکار	1/2	15
سرکار	1/6	5
مندروں	1/30	1
برہمنوں	1/20	1 1/2
جمع ..		30 کٹیاں

مندروں اور برہمنوں کے حصوں کی وصولی اور ادائیگی حکومت کرتی تھی۔ لہٰذا مالک زمین کو مجموعی پیداوار کا حقیقتاً 1/4 حصہ ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ وِکس کے مطابق یہی وہ طریقہ تھا جس کی سفارش ودیارنیا نے راجہ ہری ہر اوّل اور اس کے افسروں کی رہنمائی کے لیے چودھویں صدی کے شروع میں کی تھی۔ لیکن ہری ہر نے ان مشکلات کے پیشِ نظر جو ان سفارشات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں پیش آئی تھیں، اس نظام میں چند تبدیلیاں کیں۔ اس نے حکومت کے حصہ کو جنس کی شکل میں ادا کرنے کے

طریقہ کو ختم کر دیا اور اس بات پر زور دیا کہ ادائیگی ایک خاص شرح کے مطابق صرف نقد ہو۔ جنس اور نقد کی ادائیگیوں کا یہ تبادلہ "زمین کی مقدار، مطلوبہ بیج، پیداوار میں اوسطاً اضافہ اور غلّہ کی قدر و قیمت" پر مبنی تھا۔[47] پھر جہاں تک خود ٹیکس کے تعین کا تعلق ہے اس نے اس کی شرح میں اضافہ کر دیا۔ اس طرح "ہری ہر نے شاستروں کے قانون کا سہارا لیا، جو خواہ انھیں کسی بھی طرح سے پڑھا جائے، اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ کاشتکار پر مختلف قسم کے پریشان کن ٹیکسوں کے ذریعہ حملہ کرے جو اسے اس بات پر مجبور کر دیں کہ وہ زمین پر لگائے گئے ٹیکس میں رضاکارانہ طور پر ایک اضافہ کو قبول کر کے ان دیگر ٹیکسوں کی منسوخی کے لیے ایک سمجھوتہ کرنے پر تیار ہو جائیں۔ ایسا کر کے اس نے حقیقتاً اس میں بیس 20 فیصد کا اضافہ کر دیا۔ اور اس کے لیے اس نے حسابات میں اپنی ہوشیاری سے کام لیا۔ جس کی تعبیر بمبئی کے ہائی کورٹ نے "ایک باریک نقاب والی قانون شکنی" سے کی ہے۔[48]

لیکن یہاں ہمیں اس بات کی تحقیق کرنی ہے کہ وکس کے بیان کی توثیق کس حد تک کتبات سے ہوتی ہے جو وجے نگر عہد میں ٹیکس کی شرح کے مسئلہ پر اطلاع کے واحد ماخذ ہیں، اس لیے کہ پراشر مادھویا (PARASARAMADHAVIYA) پراشر اسمرتی (PARASARASMIRTI) کی ایک تفصیلی شرح ہونے کی وجہ سے ٹیکس کے عملی پہلو سے زیادہ اس کے نظریاتی پہلو سے بحث کرتی ہے۔

برنل (BURNELL) کا خیال ہے کہ جنوبی ہندوستان میں زمین کی پیداوار میں ریاست کا حصّہ عموماً $\frac{1}{2}$ ہوا کرتا تھا اگرچہ شمالی ہندوستان میں ریاست کا حصّہ عام طور پر $\frac{1}{6}$ ہوتا تھا وہ کہتا ہے کہ اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ منو (MANU) کی $\frac{1}{6}$ حصّہ کی تجویز پر کبھی عمل نہیں ہوا نیز یہ کہ زمین کا ٹیکس جو نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو حکمرانوں نے بھی وصول کیا وہ مجموعی پیداوار کا پورا پورا $\frac{1}{2}$ ہوتا تھا۔[49] ہے ودن راؤ (HAYAVADENRAO) متعلقہ اعداد و شمار کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ٹیکس بہت زیادہ تھے اور کہتا ہے "ایسا معلوم ہوتا ہے .... کہ وجے نگر میں ٹیکس کی شرح (حکومت) برطانیہ کے مقابلہ میں سات گنا تھی یا (مجموعی پیداوار کا) تقریباً 42 فی صد تھی۔ یہ تخمینہ اس استنباط سے مطابقت رکھتا ہے کہ وجے نگر کے بعد کے بادشاہوں نے مادھو (MADHAVA) کی اس تاکید کو قطعی نظر انداز کر دیا کہ مجموعی پیداوار کا $\frac{1}{6}$ نقد کی شکل میں لیا جائے اور عملاً وہ اس کی پچاس فی صد لیا کرتے تھے۔[50] شری نیواس رگھوا اینگر (SRINIVASA RAGHAVA-AIYANGAR) برنل کے خیال سے کسی قدر متفق ہیں۔[51] ایلس (ELLIS) کی رائے کچھ زیادہ ہی

محتاط ہے وہ صرف یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہے کہ ٹیکس $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{4}$ سے ہمیشہ زیادہ ہی ہوا کرتا تھا جس کی سنسکرت کے قانون دانوں نے اجازت دی ہے۔

جہاں تک ریاست کی کل آمدنی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں رائس کا خیال ہے کہ وہ 18 کروڑ او کوٹی ٹکرا (AVAKOTI CAKRAS) یا پگوڈا (PAGODES)[53] تھی۔ اس تخمینہ پر وہ کرنل میکنزی کے جمع کردہ مخطوطات کے مطالعہ کے بعد پہونچا تھا۔ کرناٹک راجا کل سوستارا چرترم (CARNATAKA RAJAKKAL SAVISTARA CARITRAM) (A GENERAL HISTORY OF THE INDIAN PENINSULA) میں مذکور ہے کہ کرشن دیورائے کے زمانہ میں مشرقی کرناٹک کو (میسور وغیرہ کو الگ کر کے ______) مالگذاری کی جو رقم شاہی خزانے میں جمع کرنی پڑتی تھی اس کی مقدار تین کروڑ روپیے ہوتی تھی[54]۔ وجے نگر کے بادشاہوں کی آمدنی کا ذکر کرتے ہوئے ورتھما (VARTHEMA) کہتا ہے کہ نرسنگا (NARSINGA) کا یہ بادشاہ ان تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ مالدار ہے جن کا تذکرہ میں نے اب تک سنا ہے۔" اور دوسری جگہ لکھتا ہے کہ "اس کے برہمن یعنی اس کے مذہبی پیشوا کہتے ہیں کہ اس کی آمدنی بارہ ہزار پردائی (PARDAI) یومیہ ہے[55]۔" پائز جو 1520ء میں وجے نگر آیا تھا، کہتا ہے کہ کرشن رائے اپنے اور اپنی بیویوں کے جو اس کے پاس بارہ ہزار کی تعداد میں تھیں گھروں کے لیے کافی رقمیں الگ کر لینے کے بعد ہر سال ایک کروڑ پرداؤ (PARDAOS) اپنے خزانے میں داخل کرتا تھا[56]۔ نونیز کا خیال ہے کہ وجے نگر کی مملکت کے جاگیردار ہر سال ساٹھ لاکھ پرداؤ خراج کی حیثیت سے بادشاہ کو ادا کرتے تھے۔ جو ان جاگیرداروں کے ماتحت اراضی سے حاصل ہونے والی مجموعی آمدنی کا نصف تھا (120 لاکھ پرداؤ)[57] برھان معاصر، کے مطابق، کافر ملعون، سداشیو رائے کی آمدنی 12 کروڑ ہون (HONS) تھی[58]۔ 1611ء میں بھی وجے نگر کی آمدنی اچھی خاصی تھی مثلاً انٹوین ویکو (ANTOINE VICO) لکھتا ہے کہ "مدورا (MADURA) تنجور اور جنجی (GINJE) کے عظیم نایک بذات خود بسنگر (BISNAGAR) کے باجگذار ہیں۔ جسے وہ ساٹھ لاکھ سے لیکر ایک کروڑ فرانک (FRANCS) تک کا سالانہ خراج دیتے ہیں یا انھیں ادا کرنا پڑتا ہے[59]۔" اس کے علاوہ بادشاہوں کو کچھ آمدنی خالصہ آراضیوں سے بھی ہوتی تھی۔

بہر کیف معاصر کتبات اس عہد میں ٹیکس کی شرح پر زیادہ روشنی نہیں ڈالتے اگرچہ ان میں سے بعض ٹیکس کی اس رقم کا ذکر کرتے ہیں جو آراضی پر وصول کی جاتی تھی۔ لیکن دوسرے صرف اتنا بتلاتے

ہیں کہ ٹیکس جنس اور نقد دونوں شکلوں میں وصول کئے جاتے تھے ۔مزید یہ کہ ہمیں اس کا بھی علم نہیں کہ آیا کسی مخصوص علاقہ میں ٹیکس کی شرح وہی ہوتی تھی جو مملکت کے دوسرے حصوں میں تھی بہر حال مندرجہ ذیل دستیاب تفصیلات قابل توجہ ہیں[59]:-

1429-30ء کے ایک قیمتی کتبہ میں جو تنجور ضلع کے تیرووئیگ اوور (TIRUVAIGAVUR) مقام سے حاصل ہوا ہے "اس فیصلہ کا اندراج ہے جو پران تکنادو (PARANTAKANADU) کے باشندوں، ولنگائی (VALANGAI) کے 98 فرقوں اور ایدن گائی (IDANGAI) کے 98 فرقوں نے حکومت راج گرام ایرائی مورائی مائی (RAJAGRAMIRAIMURAIMAI) سے مندر کو ادا کیے جانے والے مختلف ٹیکسوں کے سلسلہ میں کیا تھا جس طرح ولودلم بتّو اوشا ودی (VALUDALAM BATTU VSAVADI) کے دیگر نادووں (NADUS) کے باشندے اس سے قبل اس طرح کا فیصلہ کر چکے تھے . . . . فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ پران تکنادو کے ضلع کی چند مخصوص اراضی میں، جو لگان سے مستثنیٰ تھیں، کوئی مداخلت نہ کی جائے اور ان کی تقسیم اس طرح کر دی گئی ۔پنڈاروادائی (PANDARAVADAI) (وہ اراضی جو ریاست کی ملکیت ہیں، شاہی اراضی) ۔جیوتیاپرو (GIVITAPARRU) ، ادایپّو (ADAIPPU) (اجارہ پر دی گئی اراضی) ، اوٹی (OTTI) (مرہون) ، گوت تگائی (GUTTAGAI) (اجارہ میں دی گئی) اور شیروائی (SERVAI) (خدمت کا انعام)"۔ ٹیکس کی شرحیں بھی متعین کر دی گئی تھیں[60]۔

اراضی کی قسم

ویلی (VELI) ہر ویلی پر دیگر ٹیکس مثلاً ارشوپیرو، ARASUPERU کانکائی (KANIKKAI) ، ایلکائی (ILAKKAI) ، شتمادم، (SAMMADAM) وغیرہ کو شامل پٹاوٹم (PATTAVATTAM) کر کے ٹیکس کی شرح دھان کی شکل میں، کانی کولی (KANIKOLI) وغیرہ

1- دھان کے کھیت :- 50 کلم (KALAMS) دھان ، 20 پنم (PANAM) اور 1/4 پنم (PANAM)

2- غیر مزروعہ اراضی (جسے حال ہی میں زیر کاشت لایا گیا ہو) 40 کلم دھان 18 پنم

3- کاشت کے قابل بنایا گیا جنگل، 20 کلم دھان - 2 پنم

4- کداپّو (KADAIPPU) اراضی اور ایسی اراضی جنھیں پانی پٹا کر سینچا 20 کلم دھان 10 پنم جاتا ہو

(ب)

5۔ ترارا ضی میں کیلے اور گنے کے باغات . . . . 60 پنم، ارشو بیرو، کانسکائی وغیرہ کو شامل کرکے

6۔ پڑوگا ٹکو (PADUGAITTAKKU)

(ساحون) میں لگے کیلے اور گنے کے باغات . . . . 50 پنم

7۔ دلدلی زمین جس میں سرخ کنول پیدا ہوتے ہیں . . . . 40 پنم

8۔ ایسی اراضی جن میں ہلدی، ادرک،

پیاز، لہسن، وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہو . . . . 25 پنم

9۔ بیگن پیدا کرنے والی اراضی،

(ولو دیلائی (VALUDILAI) . . . . 30 پنم

10۔ ایسی اراضی جن میں نیلو پرتی (NELLUPARUTTE)

رینڈی کے بیج، ورگو پرتی (VARAGAPARUTTI) سرسوں،

بنگالی چنا اور کوشم بائی (KUSUMBAI)

(رنگائی کے کام میں آنے والا کیسر)،

ایری وائے (IRIVAY) ، تان گل وائے (TANGALVAI) 20 پنم (ارشو پیرو) اور نیرولائی

اور پولودی (PULUDI) (چنا پیدا کرنے والی اراضی) (NIROLAI) وغیرہ کو شامل کرکے)

کانم (KANAM) ، اور شام بلادی (SAMBALADI)

(دھان پیدا کرنے والی آراضی) ہو۔

11۔ چنا، سبز مٹر، تنی پرتی (TANIPARUTTI)،

تنی آمن اکو (TANI AMANAKKU)

تینائی (TINAI) تنی ورگو (TANIVARAGU) - - - - - - - - - - - - 1 پنم

شامائی (SAMAI) وغیرہ پیدا کرنے والی اراضی

فی ویلی پر ہر ویلی پر دیگر ٹیکس مثلاً ارشو پیرو، ایلگائی، کانکائی، شمادم وغیرہ کو شامل کرکے، ٹیکس پٹاوٹم، کانی کولی وغیرہ کی شرح دھان کی شکل میں۔

اراضی کی قسم

12۔ تل پیدا کرنے والی اراضی (پہلی فصل پر ٹیکس لگایا جاتا تھا) . . . . $\frac{3}{4}$ پنم

13۔ ویدی کولوندو (VEDIKOLUNDU) پیدا کرنے والے اراضی . . . . . . 200 پنم

14۔ اولی مودوکولوندو (OLIMUDUKOLUNDU)

پیدا کرنے والی اراضی (جس کی پہلی فصل پر ٹیکس لگایا جاتا تھا) . . . . 100 پنم

(ج)

خشک فصلیں (وان پاییرو) (VANPAYIRU)

1۔ سپاری کے ہر پانچ درخت جن کی پیداوار

فی درخت 1500 سپاری ہو۔ . . . . 1 پنم (ارشو پیرو کو شامل کرکے)

2۔ ناریل کے ہر درخت جن کی پیداوار

فی درخت 40 پھل سے کم نہ ہو . . . . $\frac{1}{2}$ پنم

نوٹ :۔ چھوٹے درخت جن میں پھل نہ آئے ہوں، بغیر پھل والے

درخت اور گھروں کے احاطوں میں لگے درخت مستثنیٰ ہیں۔

3۔ کٹہل کے ہر درخت جن کی پیداوار فی درخت

20 پھل سے کم نہ ہو۔ . . . . گم ہوگیا۔[61]

نوٹ :۔ گرد و پیش کے (یعنی دیگر) درختوں پر ٹیکس عاید نہ تھے۔

جنوبی آرکٹ ضلع کے وردھا کلم مقام سے دستیاب مورخہ 31-1430ء کی ایک دوسری دستاویز میں ان ٹیکسوں کی شرح کا ذکر ہے جو اناج اور رقم کی شکل میں کیکولر (KAIKKOLAR) ، ٹینتری مار (TANTIRIMAR) اور دیگر ذاتوں سے وصول کئے جاتے تھے۔

اراضی	ٹیکس
1۔ تر اراضی، جن پر خشک فصلوں کی کاشت ہوتی تھی اور خشک آراضی پر، جن پر تر فصلوں کی کاشت ہوتی تھی، کیلے اور گنّے کی کاشت کو شامل کرکے۔	ہر ما (MA) پر دھان کا ایک کلم
2۔ تر اراضی پر کاشت کردہ خشک فصلوں پر خشک اراضی پر " " "	ہر ما پر دو تونی (TUNI) غلہ ہر ما[62]، پر ایک تونی اور ایک پدکو (PADAKKU)

1433ء کے لگ بھگ چتوڑ ضلع کے تیرو ملائی (TIRUMALAI) مقام میں راج بھنڈارم (RAJABHANDARAM) اپنے نصف حصّہ کے طور پر دو سو پنم لیتا تھا اور شیٹکوتائی[63] (SITTUKKUTTAI) کے تیرو ویدائی یاتم (TIRUVIDAIYATTAM) گاؤں میں شری بھنڈارم (SRI BHANDARAM) آمدنی کا دوسرا نصف لے لیا کرتا تھا۔ تری چینو پولی (TRICHINOPOLY) ضلع کے آدو تورائی (ADUTURAI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1450ء میں ٹیکسوں کا یہ ضابطہ درج ہے کہ ٹیکس خشک زمین کے ہر ہل پر پہلے سال 5 پنم اور دوسرے سال ۱۰ پنم۔ اور تر زمین کے ہر سو کولی پر 8 پنم۔[64]

اس سلسلہ میں پودوکوتائی ریاست کے دو کتبات نہایت قیمتی ہیں۔ ایک جو تیروک کتلائی (TIRUKKATTALAI) مقام سے دستیاب ہوا ہے اور جو مورخہ 1462ء کا ہے، بتاتا ہے کہ دیودانم (DEVADANAM) کی اراضی کا ٹیکس جو صوبائی سرداروں کو دیا جاتا، پیداوار کا پانچ عشر ہوا کرتا تھا۔[65] دوسرا جو پلن کرائی (PALANKARAI) سے دستیاب ہوا ہے اور 1481ء کا ہے کودی ننگا دیودانم (KUDININGADEVADANAM) کے طور پر ایک درویش (تپسوی) کو دی گئی آراضی اور تالابوں کا ذکر کرتا ہے اور ٹیکس کی مندرجہ ذیل شرحوں کا تعین کرتا ہے۔

موسم سرما کے دوران کوروائی (KURUVAI) پر پیداوار کا $\frac{1}{3}$، تل ایلّو (ELLU) اور راگی (RAGI) کیل ورگو (KELVARAGU) پر $\frac{1}{4}$،

باجرہ ورگو (VARAGU) شامائی (SAMAI) ، کمبو (KAMBU) اور دیگر فصلوں پر جن کی کاشت خشک اراضی پر ہوتی ہے۔ $\frac{1}{6}$

تل، گھوڑے کے استعمال کے چنے، پیاز وغیرہ پر $\frac{1}{4}$[66]

جنوبی آرکٹ ضلع کے شری موسنم (SRIMUSNAM) مقام کا ایک کتبہ مورخہ 05-1504ء ان ٹیکسوں کی ایک نئی شرح کا ذکر کرتا ہے جو ملک پر کنڑوں (KANNADIYAS) کی حکمرانی کے زمانہ میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، نظر ثانی کے بعد حکم دیا گیا کہ ہر سال، 34 فٹ کے ایک معیاری آلۂ پیمائش سے اراضی کی پیمائش کی جائے، نیز خشک زمین کے ایک "ما" پر (ٹیکس کے تمام مدوں کو شامل کر کے) 15 پنم اور تر زمین کے ایک "ما" پر 20 پنم وصول کیا جائے نیز یہ کہ ارشو پیرو کے سلسلہ میں ہر پٹہ دار سے $\frac{1}{8}$ پنم وصول کیا جائے۔[67]

تنّی ویلی ضلع کے شیر مادیوی (SERMADEVI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 51-1550ء

میں مذکور ہے کہ رام راج وتل دیو مہاراج کے ایجنٹ وشوناتھ نایکر نے ٹیکسوں کی ایک نئی شرح مقرر کی تھی۔ اس نے تمام ٹیکسوں کو (جس میں اول وو (ULAVA) اور پنداروادائی (PANDARAVADAI) بھی شامل تھے۔ معاف کردیا تھا کیونکہ کودی (KUDI) اور پدائی (PADAI) لوگوں نے شیرون مادیوی (SERAVANNADEVI) کے آس پاس کے بہت سے گاؤں میں دیودانا اور برھما دیا (DEVADANA AND BRAHMADEYA) اراضیوں کو چھوڑ دیا تھا۔ نئی شرح کے مطابق فی "ما" اراضی پر صرف ایک کانی (KANI) وصول کیا جاتا تھا۔[68]

مذکورہ بالا فہرست سے ہمیں وجے نگر کے زمانہ میں آراضیات پر عاید ٹیکسوں کی شرح کا ایک اندازہ ہو جاتا ہے۔ چند کتبات ایسے بھی ہیں جن میں کسی ایک دیہات یا دیہاتوں کے ایک حلقہ ریاست کو حاصل ہونے والی کل آمدنی کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن چونکہ اس طرح کی مجموعی رقم آمدنی کے مختلف ذرائع کو ظاہر کرتی ہے۔ جن میں سے زمین کا ٹیکس صرف ایک تھا لہٰذا اس سے ہر گاؤں میں آراضی پر ٹیکس کی شرح کا متعین کرنا مشکل ہے۔

میسور کے کدور (KADUR) ضلع کے ایک گاؤں سے دستیاب مورخہ ۱۶۰۵ء کی ایک سنگی دستاویز میں مذکور ہے کہ سان تلیج ناد (SANTALIGE NAD) کے ہلموت تور (HALAMUTTUR) گاؤں میں ٹیکس کی شرح، مع اس کے چھوٹے چھوٹے قریوں (جن کے نام مذکور ہیں) اور میدانی علاقوں کے، ۸۴ ہون اور $1\frac{3}{4}$ ہن (HANA) تھی۔[69] اسی ضلع کے شیموگا (SHIMOGA) تعلقہ کے ایک گاؤں سے دستیاب ایک کتبہ میں درج ہے کہ آرگوینتھ (ARAGAVENITHE) کے پانچ دیہاتوں سے حاصل ہونے والی آمدنی ۲۱۰ (؟) تھی۔[70] جنوبی آرکٹ ضلع کے چیدم برم (CIDAMBARAM) مقام کے ایک کتبہ میں، جو اچیوت رائے کے زمانہ کا ہے، مذکور ہے کہ چیدم برم کے قرب و جوار کے چار گاؤں سے حاصل ہونے والی آمدنی 500 پون (PON) تھی۔[71] لیکن اس طرح کی اطلاع اتنی مکمل نہیں ہے کہ ہم ریاست کو حاصل ہونے والی کل آمدنی کا حساب لگا سکیں۔ رائس (RICE) کا تخمینہ کہ اس کی مالیت 18 کروڑ اوکوٹی ککرا (AVAKOTICAKRAS) یا پگوڈا تھی، چند ایسے قدیم مخطوطات کی سند پر مبنی ہے جن کی صحت مشکوک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مالیت مبالغہ آمیز ہے اس لیے کہ اس بات پر یقین کر لینا حقیقتاً مشکل ہے کہ دریائے کرشنا کے جنوب کے خطہ سے اس قدر ٹیکس حاصل ہو سکتا تھا۔[72]

2 ۔ جائداد کا ٹیکس :۔ عہد قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں، عصر حاضر کے ہندوستان

کی طرح ،منقولہ اور غیر منقولہ دونوں ہی طرح کی تمام جائداد پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ لیکن جائداد پر ٹیکس عاید کرنے کے سلسلہ میں عہد وسطیٰ اور موجودہ عہد کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ جب کہ موجودہ ہندوستان میں ٹیکسوں کے عاید کرنے کے سلسلہ میں جائداد کی سالانہ آمدنی یا اس سے مل سکنے والے کرایہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، عہد وسطیٰ میں ٹیکس عاید کرنے کے سلسلہ میں اس طرح کا کوئی اصول نہ تھا۔ بلکہ خود جائداد پر بحیثیت ایک اکائی ٹیکس عاید کیا جاتا تھا۔ یہی اصول لگانوں، مکان کی تعمیر کی جگہوں، زمینی خزانوں گائے، بیل اور بھیڑ وغیرہ پر ٹیکس عاید کرنے کے سلسلہ میں اپنایا گیا تھا۔

جائداد پر عاید ٹیکس کی شرح سے متعلق کوئی اندازہ قائم کرنا ہمارے لیے دو اسباب کی بنا پر مشکل ہے۔ اول تو یہ کہ ہمیں محض چند ہی کتبات ایسے ملتے ہیں جو اس سلسلہ میں ہمیں کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ چند کتبات بھی مملکت کے مختلف حصّوں میں منتشر ملتے ہیں۔ اس طرح مثال کے طور پر ہم یہ نہیں جانتے کہ آیا مملکت کے کسی مخصوص حصّہ میں مکان پر عاید کسی مخصوص ٹیکس کی شرح وہی ہوتی تھی جو مملکت کے دوسرے حصّہ میں ویسے ہی کسی مکان کی شرح تھی۔ بہر حال مندرجہ شرحیں قابلِ ذکر ہیں۔

بامنزلہ مکان (STORIED HOUSE) . . . . 2 پنم [72]
اندرونی برامدہ والے مکان . . . . 1 پنم

کنجی ورم (CONJEEVARAM) خوردہ، ضلع چنگل پٹ
ایک دیہاتی (ناٹّار کا مکان) (ویلائی) (VILAI) ،
آشم دی (ASHMDI) واشل پنم، وغیرہ کو شامل کرکے) 3 پنم
ایک تنیتری مار کا مکان . . . . $1\frac{1}{2}$ پنم [73]
ایک مکّل (MAKKAL) کا مکان . . . . $1\frac{1}{2}$ پنم
ڈھلوان چھت والے برآمدے (VERANDAHS)
(تیرو وائیگاوور، ضلع تنجور) . . . . $\frac{3}{4}$ پنم

ایک ویشیا (VAISYA) کا مکان (بنگلور) . . . . . . 1 پنم [74]
ویتی (VETTIS) کی ہر کوتّل (KOTTIL) (وردّا کلم، جنوبی آرکٹ) $\frac{1}{8}$ پنم [75]
ہر واشل ۔ (تیرو کوئی لور، (جنوبی آرکٹ) 1 پنم
ڈیوڑھی (یلندور) (YELANDUR) اگدیانا (GADYANA) [76]

جائے تعمیر مکان
(شیر کاڈ (SHIRKAD) ، شمالی آرکٹ
گائے

(C. NAGAR) میسور

۱ پنم[78]
½ گدیانا[79]

دوسرے کتبات ایسے ہیں جو جائداد پر عاید ٹیکس کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن ٹیکس کی شرح کا نہیں۔ ان میں وہ ٹیکس ہے جو ادپ پوتال وو (ODAPPUTTALUU) (چھوٹے دروازوں[80]، پوشیدہ خزانوں، زمین دوز گوداموں[81]، وغیرہ اوتاپ پاٹم (UTTAPPATTAM) (فواروں اور چشموں[82]) پجاریوں کے گھروں اور دوسری مقدس عمارتوں[83]، واشل پنم، مینکولی[84] (MANAIKULI) نر اور مادہ بھینسوں، گھوڑوں اور بیلوں وغیرہ[85]، بھیڑوں[86]، چھکڑوں اور ناریل کے پیڑوں[87] پر عاید ہوتے تھے۔

ریاست میسور کے سرونا بیل گولا (SRAVANA BELGOLA) مقام سے دستیاب بکّا اول کے زمانہ کے ایک کتبہ میں مندرجہ ذیل فیصلے کا تذکرہ ملتا ہے۔

تاتیا تیرومل (TATAYYA TIRUMALA) پوری مملکت کے مقدس لوگوں (جین مذہب کے پیروکاروں) کی اجازت سے اس رقم سے، جیسے ویس نوا (لوگ) (VAISNAVAS) پوری مملکت کے جینیوں (JAINS) سے بیل گولا کے مقدس مقام پر محافظ دستہ کی تقرری کے لیے دروازے کے مطابق فی مکان ایک ہن (HANA) سالانہ کی شرح سے وصول کیا کرتے ہیں، دیوتا کے دستہ کے طور پر ۲۰ ملازمین کا تقرر کرے گا اور باقی ماندہ رقم سے شکستہ حال جینالیاؤں[88] (JINALAYAS) (یا جینا مندروں) میں سفیدی کرائیگا خالی مکانات ٹیکسوں سے بری تھے[89]۔

3۔ تجارتی ٹیکس:۔ تجارت اور تجارتی لین دین پر عاید محاصل ریاستی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ تھے۔ کسٹم اور چنگیاں متعین شرحوں کے مطابق خشکی و تری دونوں ہی طرح کے ذرائع مواصلات پر وصول کی جاتی تھیں۔ مزید براں کتبات میں نئے نئے میلوں کے آغاز کا بھی تذکرہ ملتا ہے جن سے حکومت کو آمدنی ہوتی تھی۔

رائسن محاصل کو تین مختلف عنوانات کے تحت رکھتا ہے۔ استھلادایم، (STHALADAYEM) مارگادایم (MARGADAYEM) اور ماموُلادایم (MAHULADAYEM)

پہلے عنوان کے تحت وہ محاصل آتے ہیں جو کسی ایک مقام پر فروخت کی جانے والی درآمدات پر لگائے جاتے تھے، دوسرے کے تحت وہ ٹیکس آتے ہیں جو کسی ضلع سے ہوکر گذرنے والی اشیاء پر لگائے جاتے تھے، اور تیسرے کے تحت وہ ٹیکس آتے ہیں جو غیر ممالک کو برآمد کی جانے والی اشیاء پر لگائے جاتے تھے۔" شیشے کی چوڑیوں، پیتل کے پیالوں اور صابن کے گولوں کو مستثنیٰ کرکے دوسری تمام قسم کی اشیاء پر یہ ٹیکس ادا کیئے جاتے تھے حتیٰ کہ ایندھن کی لکڑیوں اور پھوس پر بھی۔[90] دوکانوں،[91] ولے کا تم بکری[92] (SALES) ویرپنم (VERPANAM) اور کیویلائی کانم ([illegible]) (نقد قیمت پر بکری کا حصہ[93])، کپڑوں کے تھان، مویشیوں غلّوں اور انڈوں کی ٹوکریوں پر[94] چنگیاں وصول کی جاتی تھیں۔ پانوں کے بوجھ پر[95] راہداری اور بوجھوں پر نیز تیل اور ماستی[97] (MASTI) پر چنگیاں وصول کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ ادیکاشو ([illegible]) (بازاروں میں اسٹال لگانے پر ٹیکس[98]) اور رشندائی مودل ([illegible]) (بازار کی فیس[99]) بھی ہوتا تھا۔ نیز داغے ہوئے مویشیوں[100]، عورتوں کے کپڑوں اور دیگر خوبصورت اشیاء کی[101] فروخت پر بھی ٹیکس عاید تھے۔ کاودیوں ([illegible]) باربردار گھوڑوں، بیلوں، گدھوں اور سر پر اٹھائے جانے والے بوجھوں[102] پر نیز پانی سے بچاؤ کرنے والے چھپروں ([illegible]) شہری منڈیوں اور ان تمام سامانوں پر مختلف شرحوں سے چنگیاں وصول کی جاتی تھیں جو زیارت گاہوں کو جانے والی سڑکوں سے ہوکر گذرتے تھے۔[103] اس کے علاوہ پاشی ویلائی ([illegible]) (مچھلی کی قیمت فروخت پر ٹیکس[104])، اڈگداشون کم ([illegible]) (بھیڑوں کو فروخت کرنے والوں سے وصول کیا جانے والا ایک ٹیکس[105]) اور مولاویشابدی[106] ([illegible]) (نامی ٹیکس) بھی تھے۔

بیلّاری (BELLARY) ضلع کے روپن گودی ([illegible]) مقام سے دستیاب اچیوت رائے کے زمانہ کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ یلیپیا شیمے ([illegible]) میں واقع روپل گودیا تھانیا ([illegible]) سے ہوکر گذرنے والے غلّوں پر راہداری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔[107] تیلگو کے علاقہ میں 1520ء کے لگ بھگ وسنت گردوں (VASANTA GARUVUS) (ڈاک بنگلوں) سایہ بانوں، نمک کے میدانوں، شہری منڈیوں اور گذرگاہوں پر ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔[108]

1379ء کے ایک کتبہ میں شہروں اور دوکانوں پر لگائے گیے ٹیکسوں کی مندرجہ

ذیل شہروں کا تذکرہ ملتا ہے :-

پرانا شہر، ایک "گا" (GA) 240

چھوٹا شہر، پانچ "ما" (MA) 241

گاؤں، تین "ما" (MA) 242

ایک دوکان جو کسی تہوار کے موقع پر لگائی گئی ہو، ایک "ما"[109]

چند کتبات میں اشیاء پر عاید ٹیکسوں کی شرحیں درج ہیں۔ کرشن دیورائے کا کوندو یدو MONDAVIDU ایک ایسا ہی کتبہ ہے اور اس میں مندرجہ ذیل تفصیلات درج ہیں۔

نمبر	اشیاء	مقدار جن پر ٹیکس لگتا تھا	شرح
1	بڑا باجرہ	فی بورا (BAG)	½ پیکم (PAIKAM)
2	باجرہ	//	//
3	نمک	//	//
4	آم	//	//
5	آنولا (MYROBALAN)	//	//
6	پھل	//	//
7	بینگن	//	//
8	جنگلی بادام	//	//
9	ماوین (MAVINE) عشبہ (SARASAPARALLA) کی طرح ایک خوشبودار جڑ۔	فی بورا (BAG)	1 پیکم (PAIKAM)
10	سبز چنا	//	//
11	سیاہ چنا	//	//
12	بنگالی چنا	//	//
13	گھوڑے کے استعمال کا چنا	//	//
14	سرخ چنا	//	//

نمبر	اشیاء	مقدار جن پر ٹیکس لگتا تھا	شرح
15-	گیہوں	فی بورا	پیکم
16-	تل	"	"
17-	تلہن	"	"
18-	سیاہ مٹر	"	"
19-	انومولا (ANUMBLA)	"	"
20-	کپاس	"	"
21-	املی	"	"
22-	مازوپھل (GALL NUTS)	"	"
23-	ہڑ (انولا) کے بیج	"	"
24-	سوت	"	"
25-	چاما (CAMA)	"	"
26-	چیروگدم (CIRUGADAM) (جڑ)	"	"
27-	پیاز	"	دمّا (DAMMA.
28-	ہلدی	"	"
29-	ڈمّر (DAMMER)	"	"
30-	میتھی	"	"
31-	زیرہ	"	"
32-	سرسوں	"	"
33-	سن نئے بورے	فی شلج (SALAGE)	
34-	ھری ادرک	فی بورا	
35-	لیموں	"	
36-	ناریل	"	2- دمّا
37-	گڑ	"	"
38-	صاف کی ہوئی روئی	"	"

نمبر	اشیاء	مقدار جن پر ٹیکس لگتا تھا	شرح
39-	گھی	〃	〃
40-	ریںڈی کا تیل	〃	〃
41-	سنگادی (SANGADIMUTS)	〃	〃
42-	خشک ادرک	〃	〃
43-	لوہا	〃	〃
44-	فولاد	〃	〃
45-	چھینی	〃	〃
46-	شکر	〃	4 دمّا
47-	سپاری	〃	〃
48-	سوتی دھاگا	〃	〃
49-	پان کے پتے فی بورام دمّا	〃	〃
50-	لمبی مرچ	〃	6 دمّا
51-	سیاہ مرچ	〃	〃
52-	صندل	〃	〃
53-	لونگ	〃	〃
54-	جائفل	〃	〃
55-	جائفل کے پوست	〃	〃
56-	سیسہ	〃	〃
57-	بٹن	〃	〃
58-	تانبا	〃	〃
59-	زنانہ ملبوسات	دو بیلوں کے بوجھ برابر	اکویلا (CAVELA) [110]

مذکورہ بالا فہرست سے تجارتی اشیاء اور تجارتی لین دین پر عاید ٹیکسوں کی کثرت پوری طرح واضح ہے۔ ان محاصل سے جو مملکت کے مختلف اہم مقامات سے گذرنے والی اشیاء پر عاید تھے بہت کافی آمدنی تھی۔

نونیز کے مطابق صرف ناگلاپورا (NAGALAPURA) شہر کی آمدنی ان اشیاء کے محاصل سے، جو وہاں آتی تھیں، 42 ہزار پرداؤ (PARADOS) تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "اس سرزمین کے محاصل زبردست ہوں گے (ہیں) کیونکہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جو شہر میں داخل ہوتی ہو اور اس پر ٹیکس نہ لیا جاتا ہو۔ حتیٰ کہ مرد و عورت نیز سروں پر اٹھائے جانے والے بوجھ اور تجارتی سامان بھی[111]۔ اگر تنہا اس شہر سے اس قدر آمدنی تھی تو اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس ذریعہ سے حاصل والی مجموعی آمدنی بہت زیادہ ہوگی۔ مملکت میں تجارتی مراکز بڑی تعداد میں تھے۔ ایک کتبہ میں، جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، تقریباً 26 اہم شہروں کا تذکرہ ملتا ہے[112]۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ۔۔ محاصل صرف ان اشیاء پر عاید کئے جاتے تھے جو فروخت کی جاتی تھیں نہ کہ ان تمام اشیاء پر جو فروخت کے لیے لائی جاتیں۔ لیکن یہ بظاہر رائس (RICE) کی تقسیم کردہ استھلادایم (STHALADAYAEM) کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حکومت کو ادا کئے جانے والے ٹیکسوں کی وصولی براہ راست حکومت نہیں کرتی تھی بلکہ ان کا اجارہ مقامی لوگوں کو دے دیا جاتا تھا، جو حکومت کو ایک متعین رقم ادا کر دیتے تھے اس بات کا انکشاف کہ اس طرح کے ٹیکس بولی بولنے والوں کو اجارہ پر دی جاتی تھیں، ریاست میسور کے موجودہ ضلع شیموگا کے ایک کتبہ سے ہوتا ہے[113]۔ ٹیکسوں کی شرحیں مختلف جگہوں پر مختلف ہوتی تھیں کیونکہ اجارہ دار اکثر و بیشتر دوسروں کے مفاد کے خلاف اپنے اپنے چوکیوں (CHUKKAS) کی آمدنیوں میں اضافہ کے لیے مختلف قسم کی تدبیریں اختیار کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ کچھ تاجروں کو پیشگی رقمیں دے دیں گے اور ان سے خواہش کرتے کہ جو دوسرے ادا کرتے ہیں وہ اس کا صرف نصف ہی ادا کریں۔ اس طور پر وہ ان تاجروں کی ہمّت افزائی کرتے تھے کہ وہ انھیں کی کٹّیوں (چنگی خانوں KATTES) سے ہو کر آئیں جہاں انھیں کم چنگیاں ادا کرنی پڑتی ہیں اور دوسروں کو لالچ دیتے کہ وہ بھی یہی راستہ اختیار کریں۔ درآمد شدہ اشیاء پر کسٹم کی مخصوص شرح کا تعین کرنا ممکن ہے۔ اگر ایک اجارہ دار سو بوجھوں پر دس پگودا کا مطالبہ کرتا تو دوسرا صرف دو ہی پگودا لیتا۔ اور ان کی شرحیں مختلف مقاموں پر بہت زیادہ مختلف ہوا کرتی تھیں۔ یہ اجارہ داران محاصل سے جو وہ مختلف قسم کی چیزوں اور تجارت سے ٹیکس کی شکل میں وصول کرتے، سرکار کو اجارہ کے طے شدہ رقم دے دیتے اور جو بچتی وہ اپنے پاس رکھ لیتے جو حالات کے مطابق کم و بیش اچھی خاصی رقم ہوتی[114]۔ نونیز محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے نظام پر چند دلچسپ تبصرے کرتا ہے۔

وجے نگر کے ایک خاص دروازے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "اس دروازے کو ہر سال بارہ ہزار پرداؤ پر اجارہ میں دیدیا جاتا ہے اور کوئی شخص مقامی یا غیر مقامی، اتنا ادا کیے بغیر جتنا کہ اجارہ دار اس سے مطالبہ کرتا ہے، اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں شہروں میں کسی طرح کی ضروریات یا تجارتی اشیاء نہیں پائی جاتیں چنانچہ ساری چیزیں باہر سے بیلوں پر لاد کر آتی ہیں۔ اس لیے کہ اس ملک میں لوگ سامان اٹھانے کے لیے ہمیشہ جانوروں کا استعمال کرتے ہیں ان دروازوں سے روزانہ دو ہزار بیل داخل ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک تین ونیتیاں (VENTEES) ادا کرتا ہے۔ البتہ بعض بغیر سینگ والے بیل اس سے مستثنیٰ ہیں جو مملکت کے کسی حصہ میں کبھی کچھ نہیں ادا کرتے[115]۔

نمک بنانے اور تاڑی کشید کرنے پر ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ نمک کی صنعت پر ٹیکس کے تعین کے مقدار نمک کا طشت ہوتا تھا[116] لیکن جہاں تک دواؤں کا تعلق ہے ہمیں اس مقدار کا علم نہیں جس پر ٹیکس عاید ہوتا تھا۔ لیکن چند کتبات میں اس قسم کی دواؤں پر ٹیکس کا تذکرہ ملتا ہے[117]۔

۴۔ پیشہ ٹیکس:۔ پیشوں پر عاید شدہ ٹیکس ریاست کی آمدنی کا ایک معقول حصہ ہوتا تھا۔ اس ٹیکس کو عاید کرنے کا اصول نہیں معلوم ہوتا کہ اس آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے جو ایک شخص کسی پیشہ کے ذریعہ پیدا کرتا ہے۔

بلکہ اس شخص پر اس حیثیت سے ٹیکس لگایا جاتا تھا کہ وہ ایک خاص فرقہ یا ذات میں پیدا ہوا ہے اور اس طرح وہ وہی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے یا توقع کی جاتی تھی کہ وہ وہی پیشہ اختیار کرے گا۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ان ٹیکسوں کی واقعی شرحوں کو معلوم کر سکیں جو پوری مملکت میں مختلف پیشوں کے اپنانے والوں پر عاید کی جاتی تھیں۔ تاہم اس زمانہ کے چند کتبات میں مندرج تفصیلات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ چند پیشوں کو اپنانے والوں پر ٹیکسوں کی شرحیں مندرجہ ذیل تھیں۔

ہر شالیہ (SALIYA) بنکر پر فی کرگھا	۹ پنم
ہر لوہار، بڑھئی اور سونار پر	کوتو (KOTTU) 5 پنم
	(کرّو (KIRRU) ارشو بیرو اور کانکائی کو شامل کرکے)
ہر بڑے کمہار پر	5 پنم (تیری گائی ایم (TIRIGAIAYAM) کو شامل کرکے)

ہر بڑے حجام پر 4 پنم (کریوی آئیم (KARIVIAYAM) کو شامل کرکے)
ہر بڑے دھوبی پر 4 پنم (کل لایم (KALLAYAM) کو شامل کرکے)
ہر کنک کانن (KANNAKKENAN) ٹھٹھیرے پر 6 پنم
ہر بڑے تیلی (OILMONGER) پر 20 پنم (کروآیم (KARUAYAM) کو شامل کرکے)
(تنجور ضلع کے تیروواڈیگاوور مقام میں[118])

ہر مودلی (MUDALI) ، بکونک کارر (KAIVINAKKARAR) اور دیگر باشندوں پر ا پنم

شمالی آرکوٹ ضلع میں تیرووناملائی (TIRUVANNAMALAI)
کے سات پٹائی (PETTAIS) میں) ہر کیکوّر پر $\frac{1}{2}$ پنم فی کرگھا
ہر سینیک کودیار (SENATKKUDAIYAR) پر $\frac{1}{2}$ پنم
ہر مچھیرے پر $\frac{1}{2}$ پنم
ہر گڈرے پر $\frac{1}{2}$ پنم فی کودی (KUDI)
ہر تیلی پر (وردھاکلم) جنوبی ارکٹ) $\frac{1}{2}$ پنم[120]
ہر شیٹی، کیکوّلر اور وانین (VANYAN) پر 2 پنم
(چنگل پت ضلع کے پولیپ پر کوئیل (PULIPPARAKOIL) مقام)[121]
ہر ککدّوانیر (KACCADAVARIYER) (خاندان) پر 3 پنم
ہر شین بدور (SENBADAVAR) خاندان پر 3 پنم
(چنگل پت ضلع کے پولیپ پر کوئیل مقام میں)[122]

حکومت کے بعض افسران پر بھی ٹیکس عاید تھے :۔

ہر جج (نیائے اتار) (NIYAYAATTAR) پر 5 پنم
دیہی کونسل کے ہر ممبر (منرادی) (MANRADI) پر $\frac{1}{2}$ پنم
شیٹی کے ہر مالک پر پنم (ارشوپیرو، وتم، اور گانکائی کو شامل کرکے۔
محصول راہداری کے ہر بڑے محصل پر 4 پنم
(تنجور ضلع کے تیروویگاوور مقام)[123]

اس عنوان کے تحت مختلف قسم کے دوسرے ان پیشوں اور ذاتوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جن پر ٹیکس عاید تھے۔ (اس ضمن میں) اس ٹیکس کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو ایسے دوکاندار پر عاید تھا۔[124] جس نے اپنی دوکان اپنے گھر (MANIKKADAI YAR) پر کھول رکھی ہو، جو 3 پنم ہوتا تھا، اور پورک کودی (PURAKKODI) (کھیت پر کام کرنے والے ملازمین) پر لگایا جانے والا ٹیکس جو ایک پنم تھا۔

علاوہ ازیں وہ ٹیکس تھے جو گاؤں کے سردار منی یم (MANIYAM)[125] شریک کدمائی گڈریوں پر ٹیکس[126] (SADUKKADMAI) ، بڑھیوں، دھوبیوں اور کمہاروں[127]، او وچنوں[128]، (UVACCANS) جوتا بنانے والوں[129]، موسیقاروں، پاداوری (PADAVARI) (۹) پادگوری[130] (PADOGARARI) بیدبینوگو (BEDABINUGU) یعنی تماشہ دکھانے والی نازنینیں[131]، ملمع سازوں[132]، تاڑی کشید کرنے والوں اور مصوروں[133]، سناروں[134]، غلاموں[135]، اور پولروں[136] (PULAVARS) پر عاید تھے۔ ان بہت سی ذاتوں میں، جن پر ٹیکس عاید تھا، برہمن تھے، جن کی آمدنی پر ٹیکس لگایا جاتا تھا، پریہ (PARIAH)[137] ذات کے لوگ تھے، جن میں سے ہر ایک پر ½ پنم ٹیکس عاید تھا اگرچہ ان سے بعض کو مخصوص حالات میں مستثنیٰ بھی کر دیا جاتا تھا[138]، اور مدیگا (MADIGES) اور ونیا (VANNIYARS) تھے[139]۔ کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پلی پورنادو (PULLI-IYARNADU) میں ٹوٹی گن (TOTTOGAN) ذات کے لوگوں کو (اپنے) گاؤں پر ایک پنم ادا کرنا پڑتا تھا[140]۔ کودی مسکل کے چھ طبقوں میں سے ہر طبقہ پر ½ پنم ٹیکس عاید تھا[141]۔ حتیٰ کہ پردیسیوں (عارضی طور پر مقیم لوگوں) کو بھی ٹیکس سے چھٹکارا حاصل نہ تھا[141الف]۔ پلائی وری[142]، (PULLAIVARI) آلوری (ALVARI) (نفری ٹیکس)[143] اور پیرکدمائی[144] (PERKADMAI) تین دیگر ٹیکس تھے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے چند مخصوص طبقوں سے وصول کیے جاتے تھے۔ نوٹورتنائی (NATTAVARTANAI) نام کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا جو صرافوں کو بطور معاوضہ دیا جاتا[145] طوائفین بھی ٹیکس سے مستثنیٰ نہ تھیں۔

مختلف پیشوں کو اپنانے والے لوگوں میں حجام سداشیو کے عہد میں سب سے زیادہ خوش نصیب نظر آتے ہیں کیونکہ اس کے زمانہ میں ان پر سے ہر طرح کے ٹیکسوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔ کتبات کی ایک بڑی تعداد میں حجاموں پر سے ٹیکس اٹھا لیے جانے کا سہرا رام راج کے سر باندھا گیا ہے[147]۔ بعض دوسرے کتبات میں مذکور رہے کہ بادشاہ سداشیو نے کوندوجو (KONDOJU)

حجام کی درخواست اور الیارام پیا (ALIYA RAMAPPAYYA) کی خواہش پر ٹیکسوں کو معاف کردیا تھا۔ اس معافی کا تذکرہ کرنے والے بہت سے کتبات میں حجام کے اوزاروں مثلاً استرا، استرا تیز کرنے کا چمڑا، آئینہ اور قینچیوں کی تصویریں بھی ان کے پہلو میں کندہ ہیں[148]۔ ایک کتبہ کے مطابق ٹیکس، جبری محنت، متعینہ کرایہ، زمین کا لگان، مہانومی (MAHANAIMMI) مشعلیں، بیراد (BORADA) وغیرہ کو، جو حجام ادا کیا کرتے تھے، معاف کردیا گیا تھا[149]۔

پیشوں پر عاید ٹیکسوں کی ادائیگی بظاہر صرف نقد ہوتی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادائیگیاں صرف سالانہ تھیں اس لیے کہ اگر یہ ٹیکس ماہانہ ہوتے تو یہ عوام پر بہت بڑا بوجھ ہوتے۔ یہ بات کہ یہ ادائیگیاں سال میں کی جاتی تھیں ایک کتبہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جس میں درج ہے کہ ویر بکّن اُدے یار (VIRA BUKKANA UDAIYAR) (بکّا دوم) نے 1326ء شاکھا میں پولپ پر کوٹیل میں واقع مندر کے احاطہ میں مقیم شیٹیو (SETTIS) کیک کولاؤں اور وانیاؤں پر واجب الادا ٹیکسوں کی شرح ہر فرد پر سالانہ ڈیڑھ پنم مقرر کی تھی۔

صنعتی ٹیکس :۔ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں تمام صنعتوں پر ٹیکس عاید تھے۔ اس معاملہ میں ٹیکس کے تعین کی بنیاد وہ خالص منافع تھا جو مالک کو اس کی صنعت سے متوقع ہوتا تھا۔ اسی اصول پر چند صنعت کاروں پر ٹیکس لگایا گیا تھا۔ یہاں ضمناً یہ ذکر کردینا مناسب ہے کہ صنعتوں سے ہماری مراد ایسی بڑی بڑی فیکٹریاں نہیں ہیں جیسی ہم موجودہ دور میں پاتے ہیں بلکہ محض گھریلو صنعتیں ہیں جن میں سے ہر ایک محض ایک یا دو افراد کو روزگار فراہم کرتی تھیں۔ یہاں صنعتوں اور پیشہ ور لوگوں پر عاید ٹیکسوں کے درمیان فرق کرلینا ضروری ہے کسی ایک صنعت کار ایک پیشہ ور شخص سے اس حیثیت سے مختلف تھا کہ اول الذکر کی حیثیت ایک سرمایہ دار کی ہوتی تھی جو تجارتی بنیاد پر صنعت کو چلاتا اور عوام کی ضروریات کو فراہم کرتا۔ لیکن پیشہ ور وہ ہوتا تھا جو آزادانہ طور پر روزی کماتا تھا۔ وہ اپنے روپیے اس کام کے عوض حاصل کرتا جو وہ کرتا تھا نہ کہ اس صنعت کے بدلے جسے وہ چلاتا تھا۔ چنانچہ ٹیکس بھی اسی اعتبار سے عاید کیے جاتے تھے۔ پیشہ ٹیکس ایک ایسا ٹیکس تھا جو مزدوروں اور عمال پر عاید کیا جاتا تھا جبکہ صنعتی ٹیکس ایک ایسا ٹیکس تھا جو صنعتوں پر عاید کیا جاتا تھا۔

ٹیکس کی شرحیں مندرجہ ذیل تھیں :۔

کیک کولا (KAIKKOLA) بھر جس کے پاس ایک چالو کرگھا ہو ¼ پنم

بنکر (WEAVER) پر جس کے پاس چالو کرگھا نہ ہو (ادیتری) (ADAITARI) 2 پنم

شالیا (SALIYA) (بنکر) پر فی کرگھا 9 پنم

جالی بننے والے اس کرگھے پر جو کام کے لائق ہو 3 پنم

جالی بننے والے اس کرگھے پر جو کام کے لائق نہ ہو $1\frac{1}{2}$ پنم

(تنجور ضلع کے تیرو ویگاوور مقام میں)[151]

پرائیہ (PARAIAHS) لوگوں کے ہر کرگھے پر $\frac{1}{4}$ پنم

(جنوبی ارکٹ ضلع کے وردا کلم مقام میں)

چنگلی پٹ ضلع میں پوپ پر کوٹیل مقام کے کرگھے پر[153] 2 پنم

اسی ضلع میں وایلور (VAYALUR) مقام کے کرگھے پر[154] 3 پنم

امتیازی ٹیکس (DIFFERENTIAL TAXATION) اس زمانہ میں غیر معروف نہ تھے اس کا اندازہ چند صنعتوں پر عاید ٹیکسوں کی مندرجہ ذیل شرحوں سے ہوتا ہے۔

ان باشندوں کے کرگھے پر جو اراضی کے مالک تھے۔ ۴ پنم کی ایک کدمائی اور 2 پنم کا ایک آیم (AYAM)

نو آباد لوگوں کے کرگھوں پر 3 پنم کی ایک کدمائی اور $\frac{1}{2}$ ۱ پنم کی ایک آیم۔[155]

لیکن دوسری صنعتوں پر عاید ٹیکس کی واقعی شرحیں ہمیں معلوم نہیں ہوسکی ہیں۔ کرگھوں (تریک کدمائی (TARIKKADMAI)[156] "تیل کی ملوں (شیک کو کدمائی (SEKKUKADMAI)[157] آری شی کانم (ARISIKANAM)[158] ، سونے (پون وری (PONVARI)[159] اور اعلیٰ قسم کے سونے (شیم پون وری (SEMPONVARI)[160] چارہ تیار کرنے (پول وری (PULVARI)[161] اور بھیڑوں کے گلے۔[162] اور دھاگے نولایم MULAYAM ، ریشمی دھاگے (پٹا دینولایم PATTADAINULAYAM)[164] کشتی رانی (مرک کلم (MURAKKALAM)[165] اور ساحلی کشتی سے حاصل ہونے والی آمدنیوں پر ٹیکس عاید تھے۔[166] کرگھوں کے لیے مہریں STAMPS بنانے کی صنعت پر بھی ٹیکس عاید تھا۔[167] یہاں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سرکاری کرگھوں کو بھی ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔[168] جنگل کی زمین نیلام میں حصہ لینے والوں کو اجارہ پر دے دی جاتی تھی۔[169] ایک اور ٹیکس تھا جو بھٹی کا ٹیکس (FURNACE TAX) کہلاتا تھا۔ رائس بظاہر اس ٹیکس کو پیش نظر رکھ کر لکھتا ہے کہ "موسم سرما میں ایک مخصوص طبقہ پہاڑوں سے نکلنے والی نہروں سے

سیاہ بالو اور مٹی اکٹھا کرتا تھا جس سے وہ لوہا نکال لیتا تھا جو زراعتی اور دیگر ضرورتوں میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ کچا لوہا ایک قسم کی بھٹی یا ایک بڑے چولہے پر جسے ہومل (HOMMAL) کہا جاتا تھا، پگھلایا جاتا تھا۔ تارکول کے حصول کے لیے جنگل کی لکڑیاں کاٹنے اور دھات کی کھدائی کی اجازت حاصل کرنے کے لیے انھیں ہوم لگوتا (HOMLAGUTTA) نامی ایک سالانہ مالگذاری ادا کرنی پڑتی تھی جو اس ضلع میں تیار کیے جانے والے لوہے کی مقدار کے تناسب سے ہوتی[171]۔

اتنی ہی اہمیت کی حامل ایک دوسری صنعت، جس پر ٹیکس عاید تھا، ہیروں کی صنعت تھی۔ ادپنائق (ADAPANAYQUE) کو، جو وجے نگر کے اس دروازہ کا مالک تھا جس سے ہوکر ہیرے آتے تھے، بادشاہ کو سالانہ ۴۰ ہزار پرداؤ ادا کرنے ہوتے تھے، اس شرط کے ساتھ کہ جو ہیرے وزن میں بیس[20] من گیلن (MANGELINS) سے زیادہ کے ہوں گے وہ بادشاہ کو اس کے خزانے کے لیے دیدیئے جائیں گے۔ اس طرح اگرچہ کان کنی کی صنعت ادپنائق کے ہاتھوں میں تھی لیکن اعلیٰ قسم کے تمام ہیرے اس کو بادشاہ کے حوالے کر دینے پڑتے تھے[172]۔

۶۔ فوجی محاصل (MILITORY CONTRIBUTIONS) مملکت کی فوج اور قلعوں کی رکھوالی کے لیے عوام پر بعض ٹیکس عاید تھے۔ اس طرح کے ٹیکسوں میں یہ ٹیکس تھے۔ دلویلی (DALAVILI) فوجی ٹیکس[173] اور دنّائے کسوامیا (DANNAYAKASVAMYA) دنّائے کر مگمائی (DANNAYA KARMAGHAI) (سپہ سالاروں کو دیا جانے والا ٹیکس)[174] پدائیک کانکائی (PADAIKKANIKKAI) (فوج رکھنے کے لیے دیا جانے والا ٹیکس)[175]۔ اور سن آیا (SANAYA) سین آیا؟ (SENAYA)، جو غالباً فوج رکھنے ہی کے لیے دیا جانے والا ایک ٹیکس تھا[176]، مقامی قلعوں کے اخراجات کے لیے کوتّائی مگمائی (KOTTAIMAGAMAI) (قلعہ کو دیا جانے والا ٹیکس) وصول کیا جاتا تھا[177]۔ میلور پیٹ کے ایک کتبہ میں بیرنجی (BIRANGI) ٹیکس (توپ کا ٹیکس) کا تذکرہ ملتا ہے[178]۔ کوتّائی پنم (KOTTAIPANAM) یا کوتائپ پدی وو (KOTTAIPPADIVU) نامی ایک اور ٹیکس تھا۔ جو اس زمانہ میں تینی ویلی ضلع میں اور موجودہ ٹراونکور ریاست میں وصول کیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ فی کوتائی ایک سو پچیس پنم زبردستی وصول کیا کرتے تھے۔ بظاہر یہ بھی ایک فوجی ٹیکس تھا جو قلعہ بندی اور دفاعی دیواروں کی دیکھ بھال کے لیے وصول کیا جاتا تھا[179]۔

ایک ٹیکس مفتوحہ ملک کی دفاع کے لیے وصول کیا جاتا تھا[180]۔ تین ٹیکس اور تھے جو عوام سے وصول کیے جاتے تھے ان کے نام پٹائے کانکائی[181] ویل وری (VELVARI)[182] اور شول وری (SULAVARI)[183]

تھے۔ پہلا تلوار یا فوج کے لیے ایک ٹیکس تھا شاید یہ ایسا ٹیکس تھا جو یا تو حکومت کے ذریعے فوج رکھنے کے لیے لیا جاتا تھا یا غالباً یہ تلوار رکھنے کی لائسنس فیس تھی۔ دوسرا ٹیکس غالباً ایک کمان رکھنے کی لائسنس فیس تھی۔ اور غالباً تیسرا ٹیکس بھی ترشول کی لائسنس فیس تھی۔

7۔ سماجی اور فرقہ وارانہ ٹیکس۔ کچھ سماجی ٹیکس عوام اور ان کی تنظیموں سے وصول کیے جاتے تھے۔ یہ ٹیکس یا تو حکومت کے ذریعہ وصول کیے جاتے تھے اور اس کی اپنی دیگر آمدنیوں میں شامل کر لیے جاتے تھے یا پھر انھیں عوامی یا سماجی اداروں مثلاً مندروں یا اسکولوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض مخصوص فرقوں کی بہبود کے لیے مقامی حکام وصول کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک ٹیکس ڈومبری پنّو[184] (DOMBARIAPANNU) تھا، جو ملک میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے والے عوام کے ایک فرقہ ڈومّر (DOMMARA) کی فلاح و بہبود کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔ چند دیگر ٹیکس شادی بیاہ جیسے رسمی تقریبوں پر عاید کیے جاتے تھے جبکہ بعض دوسرے ٹیکس (مگمائی) مقامی مندروں میں ہونے والے تہواروں پر وصول کئے جاتے تھے۔ آخیر میں کچھ پیشکشیں تھیں جو جاگیردارانہ نوعیت کی تھیں۔ جنھیں جاگیردار کچھ موقعوں پر بادشاہ کو دیا کرتے پائز لکھتا ہے کہ "جب کبھی اس بادشاہ (کرشن دیورائے) کے یہاں بیٹا یا بیٹی پیدا ہوتی ہے تو مملکت کے سارے امرا اسے بڑے بڑے تحائف نقد یا قیمتی جواہرات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ ایسا ہی یہ لوگ ہر سال اس کی پیدائش کے دن کرتے ہیں۔[185]

شادی بیاہ پر عاید ٹیکس کے پیچھے ایک طویل تاریخ تھی اور اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ چولا (COLA) عہد ہی سے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا رہا ہے جیسا کہ ان کتبات سے ظاہر ہوتا ہے جن میں کل لانا کانکائی (KALLANAKANIKKAI) کا ذکر ہے۔ ٹیکسوں کی شرحیں شادی کی قسموں کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھیں۔ ایک کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے ٹیکس مندرجہ ذیل شرحوں کے مطابق وصول کیے جاتے تھے۔

ایک لڑکی کی باقاعدہ شادی پر،	ا۔ بگیلوون (BEGILEVANA) (دروازے کا ہن) اور ایک دیورہن (DEVORAHANA) (خدا کا ہن)
ایک عورت کی کودیک (KUDIKE) شادی پر،	مذکورہ بالا رقم کا نصف[186]

شادی کی باراتوں[187]۔ پنڈالوں[188]۔ صندل کے سفوف کے چھڑکاؤ کی رسم اور پالکی کے جلوس پر بھی[189] ٹیکس وصول کئے جاتے تھے۔

ریاست کی سماجی تنظیمیں بھی حکومت کو چند ٹیکس ادا کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح کے ٹیکس ایدن گائی (IDANGAI) اور ولنگائی (VALANGAI) فرقوں پر[190]۔ اور جنگموں (JANGAMAS) اور مدیگاؤں (MADIGAS) اور جیاروں[191] (JIYURS) پر عاید تھے۔ گنکارور (GANACARADERA) نامی ایک فیس بھیکاریوں سے وصول کی جاتی تھی[192]۔ اس کے علاوہ جلسوں پر بھی ٹیکس عاید تھے[193]۔ پٹی رائی (PATTIRAI) (؟) پٹارائی (PATTARAI) (انجمنوں پر ٹیکس عاید تھے[193] اور سمادم (SAMIADAM) (اٹھارہ ذاتوں کے ذریعہ ادا کیا جانے والا ایک ٹیکس[194]) بھی قابل ذکر ہیں۔ ہمیں ایک ٹیکس انگشالائی وری (ANGASALAI VARI) کا بھی حوالہ ملتا ہے جو غالباً تفریحات پر ایک ٹیکس تھا[195]۔

گاؤں کے محافظ دیوتا (GUARDIAN DEITY) کے مندر کی دیکھ بھال کے لیے پیداوار پوری[196] (PIDARIVARI) نام کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اور مندروں کی بعض تقریبات منانے کے لیے ایک مقامی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ ایک کتبہ کی نقل سے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تمکور (TUNKUR) ضلع کے مداگیری (MADDAGIRI) تعلقہ کا ہے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوی کالیکا کامتیشور درگا مہن کالی (GODDESS KALIKA KAMATE SVARA DURGA MAHANKALI) پر اپنے ذاتی چڑھاوے اور چراغاں کے لیے لوگوں سے مندرجہ ذیل شرحوں پر ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ پانچ آیا پنچالاؤں (AYAPANCALAS) سے فی مکان 3 پن (PANAS) کا ایک سالانہ، ان کے یہاں کی ہر شادی پر ایک ہن (HANA)، حجامت پر 2 ہن، (کسی) مبارک رسم پر ایک ہن، نام رکھنے کی رسم پر ½ ہن، کاتک کے مہینہ میں چراغوں کے لیے تیل پر ½ مان (MANA)، اس بڑھئی سے چونگنے کی مل کا پیچ (SPIRAL) بناتا ہے ½ ہن نعلیسر سے ½ ہن، تمام ہلی بیکا (HALIBAIKA) دیہاتوں سے ایک سالانہ خراج (یہاں پر دیہاتوں کے نام اور ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ ادا کی جانے والی شرح کا تذکرہ ہے) نگرتاؤں اور بھیریوں (NAGAR TAI AND BHERIS) سے ایک بیل، تیلیوں، دیوانگاؤں (DEVANGAS) اور دوسرے سے فی مکان ایک ہن اور وقتاً فوقتاً ہونے والے تہواروں پر (جن کے نام مذکور ہیں) چنگیوں کے محاصل پر ¼ سیر تیل، ایک ناریل، لوبان، سپاری، پان، ہلدی اور زعفران کا 2 دو DU اور درگا مہیشوری کے جشن رتھ (FESTIVAL) کے لیے کورتیگرے (KORATAGERE) کے ہر گھر سے 2 دو کا ایک ٹیکس[197] ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کے

مقامی ٹیکس سماجی مقاصد اور مقامی تقریبوں کے لیے وصول کیے جاتے تھے۔

ان ٹیکسوں میں سب سے زیادہ غیر مقبول شادیوں پر عاید ٹیکس تھے۔ یہ ٹیکس عموماً شادی کے موقعوں پر ہر ذات کے دولہا اور دولہن دونوں ہی ادا کرتے تھے۔ وجے نگر کے کئی صوبوں میں شادیوں پر عاید ٹیکسوں کو معاف کر دیئے جانے کا سہرا اس دور کے کتبات کرشن دیورائے کے سر باندھتے ہیں[198]۔ ایک دستاویز کے مطابق سالوو اتمّا پیا (SALUVA TIMMAPPAYYA) سالوو اگووندیا (SULUVA GOVINDAYYA) اور ادپینائے ننگارو (ADAPINA YANINGARU) نے، جو اہم وزراء میں سے تھے، عوام کے لیے اس معافی کے حصول میں اہم رول ادا کیا تھا[199]۔ اسی طرح وہ ٹیکس جو باراتی شادیوں میں جانے کے وقت ادا کرتے تھے، سلتی ناد (SALINAD) کے عوام کے حق میں معاف کر دیا گیا[200]۔

جہاں تک ٹیکسوں کی نوعیت اور ان مواقع کا تعلق ہے جن میں انھیں وصول کیا جاتا تھا، ان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ ٹیکس عوام پر زیادہ گراں نہ گذرتے ہوں گے۔ لیکن اس طرح کے چند ٹیکسوں کی منسوخی عوام کے لیے زبردست سکون و اطمنان کا باعث ہوتی ہوگی۔ اس طرح کی منسوخی پر عوام کا عام اطمنان غالباً اس بنا پر تھا کہ عوام مختلف قسم کے سماجی جلسوں پر اس طرح کے پریشان کن ٹیکسوں کے عاید کیے جانے کے اصول کے مخالف تھی اور اس مخالفت کا تعلق ان پر عاید کیے جانے والے ٹیکسوں کے بوجھ یا دوسری باتوں سے نہ تھا۔

8 ـ عدالتی آمدنی اور جرمانے:۔ ریاستی آمدنی کا ایک حصہ جرمانے تھے۔ یہ جرمانے غلطیوں، ایذا رسانی، چوری، زنا اور زیادتی پر عاید کیے جاتے تھے[201]۔ اس کے علاوہ ایک مویشی خانہ کی فیس تھی جو حکومت آوارہ مویشیوں پر وصول کیا کرتی تھی[202]۔ اس کے علاوہ ڈنڈ کے سلسلہ میں، بھی خراج وصول کیے جاتے تھے[203]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوبائی حکمراں یا کسی ذات کے سردار کو حکومت کی طرف سے انصاف کرنے کا حق دے دیا جاتا تھا۔ جس کے لیے اسے ریاست کو ایک مقررہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ غلط کام کرنے والوں سے اپنے عاید کردہ جرمانے وصول کر سکتا تھا اور اس مد کے تحت مقررہ رقم حکومت کو ادا کرنے کے بعد منافع کو اپنے تصرف میں لا سکتا تھا۔ رائس (RICE) نے اس نظام کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "حکومت مختلف قسم کے پست طبقوں کے کچھ عمر رسیدہ لوگوں کو اپنی اپنی ذات میں سردار مقرر کر دیتی تھی تاکہ وہ انصاف کا نفاذ کر سکیں یہ سردار اپنے عوام کے خلاف کسی شکایت پر اس کی چھان بین کرتے اور اگر انھیں قصوروار پاتے تو ان پر جرمانہ

عاید کرتے ۔ یہ جرمانہ یا سزا قانون اور مقدمہ کی نوعیت کے مناسبت سے ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک شوہر کو جو اپنی بیوی پر زنا کا الزام ثابت کر دیتا، اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اسے اپنے ہی ذات کے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے اور قیمت کو اپنے تصرف میں لائے۔ یہ سردار ماتحت عمل کی حیثیت سے داشریون (DESARIS) کا تقرر کرتے تاکہ وہ پست ذاتوں کی مذہبی رسومات کا انتظام کریں۔ رسومات کے آغاز سے قبل مذہبی امور کے اسی وزیر کو رسمی ٹیکس یا بخشش دی جاتی اس کے بعد انھیں تقریب منانے کی آزادی ہوتی خواہ وہ شادی کا ہو یا کسی اور سلسلہ کی۔ لیکن اگر جماعتیں مقررہ تحائف سے بے توجہی برتتیں تو داشری ناراض ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے اور کوئی دوسرا داشری اس فرض کو انجام نہ دیتا کیونکہ مداخلت کی بنا پر وہ سزا کا مستحق سمجھا جاتا ان طریقوں سے یہ سردار اپنی اپنی ذات کے لوگوں سے جرمانے، حقوق اور تحائف حاصل کرتے جس میں سے ایک سالانہ ٹیکس وہ حکومت کو ادا کر دیتے۔ ٹیکس کی اس شاخ کو سمے آچارم (SAMAYACHARAM) کہا جاتا تھا اور انھیں جمع بندی کھاتے میں جمع کیا جاتا تھا[204]، ناٹو شیکم، (NATTULSIKKAM) نامی ایک ــــــ اور ٹیکس لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو غالباً صوبائی قید خانے کے انتظام و انصرام کے لیے تھا[205]۔

۹ - مروجہ ادائیگیاں:۔ ان کے علاوہ چند مروجہ ادائیگیاں (CUSTOMARY PAYMENTS) تھیں سال کے بعض اہم اوقات یا مخصوص مواقع پر ادا کی جاتی تھیں۔ ان میں سے چند یہ تھے۔ کتی گائی اوسرم (KATTIGAI AVASARAM)، تورن کانکائی[206] (TORA-NAKANIKKAI) درشن کانکائی (DARSANA KANIKKAI) معزز اشخاص سے ملاقات کے وقت ادا کی جانے والی فیس[207]، چڑھاوے پر ٹیکس[208]، چوکیداروں کے لیئے کھانا[209]، کال واشی (KALVASI) (1/4) حصہ، انوورتنائی (ANUVARATTANAI) کووے۔ ورتنائی (KOVAIVARATTANAI) ادھیکارورتنائی (ADHIKARA VARATTANAI) تتائے کول (TATTAYAKOL) اپوروتم (PURAVATTAM) دشوندم (DASVANDAM) ورپرو (VARAPPARRI) وغیرہ۔

اس زمانہ میں ریاستی کاموں کے لیے لوگوں سے لازمی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ کتبات میں مذکور اولیم[210] (ULIYAM) یا آل منجی (ALAMANJI) اسی لازمی محنت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس طرح کی خدمات جھیلوں کو گہرا بنانے (ایری کولی ونا) (ERI KULI VETTA)

سینچائی کے لیے دریاؤں سے پانی لانے کی خاطر چھوٹی اور بڑی نہروں کی تعمیر، اور پہاڑوں پر کام کرنے مندر کی دیواروں کی تعمیر، اور معمولی محنت کے کاموں مثلاً بوجھ لے جانے (کارو[215] یا شوماتی[216] - KARU (KAOR SUMAI) کے لیے حاصل کی جاتی تھیں۔ بادشاہ کے خیموں کے لیے لکڑیوں کے بندوبست کے لیے جبری محنت لی جاتی تھی۔ اس طرح کی خدمات کو ویٹی (VETTI)، مٹی (MUTTI) ویگاری[217] (VEGARU)، ویٹی موتیال[218] (VETTIMUTTAIYAL) اور آل توائی[219] (ALTEVAI) کا نام بھی دیا جاتا تھا۔ جن اشخاص سے قلعوں کی مرمت اور وہاں تک ذخیروں کو پہنچانے کے لیے بلا اجرت جبری محنت نہیں لی جا سکتی تھی، ان پر ایک ٹیکس لگایا جاتا تھا جسے کوٹج[220] (KOTTAGE) کہا جاتا تھا۔ تنجور ضلع میں تیـــرو کچھن کاتان گودی (TIRUCCENIKATTANGUDI) مقام کے ایک قیمتی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اس حد تک عوام کی اس بلا اجرت محنت (ویٹی وری) پر منحصر تھی۔ اس کتبہ میں مذکور ہے کہ ایک مندر کو تقریباً ۴۰ سے 45 تک مختلف قسم کے ٹیکس بطور عطیہ دیئے گئے تھے، جو غالباً اس زمانہ میں عام طور پر محل کے ذریعہ وصول کیے جاتے تھے۔ چونکہ اس طرح کے ٹیکسوں کی ایک بڑی تعداد مندر کو عطا کر دی جاتی تھی اس لیے تنہا ویٹی وری ہی بادشاہ کے پاس باقی بچ رہتا۔[221]

۱۰۔ متفرق ذرائع۔ (MISCELLANEOUS SOURCES) مذکورہ بالا نقد، غلّے اور خدمات کی صورت میں دیئے جانے والے محاصل کے علاوہ جو حکومت یا مقامی سردار، جو حکومت کی آمدنیوں کا اجارہ دار ہوا کرتا تھا، کو دیئے جاتے تھے، بہت سے مروجہ (CUSTOMARY) ٹیکس ہوا کرتے تھے جو عوام سے لیے جاتے تھے۔ یہ مختلف نوعیت کے تھے۔ نقد غلے یا خدمات کی شکل میں طلب کیا جاتا تھا اور جنھیں مذکورہ بالا عنوانات میں سے کسی کے تحت نہیں رکھا جا سکتا۔ ان میں سے بعض کا تو مطلب سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اس طرح کے مختلف ٹیکسوں اور خدمات میں یہاں ان ٹیکسوں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ان مارتم (UNMARATTAM) ، اشرایم (SIRRAYAM) منفرق ذرائع سے حاصل ہونے والی معمولی آمدنی)، نرپو[223] (TARAPPU) ، تیرو[224] (TAYIRU) آشوپودو (ASUPODU) مکل پیرال کولوم ولیا شیرو (MAKKAL PERAL KOLLAM VILAIYA SERU) مانا یت ناراتی[225] (MANAVITTARAI) ، متاتوونی یوگم[226] (MATTUVINIYOGAM) مادورتی[227] (MADAVIRATTI) ، وشیش آدایم[228] (VISESADAYAM) ویری موتو (VIRIMUTTU) ، من دائیکان ویرم (MANDAI KANDERRAM)

ملائی نگمائی (MALLAYI MAGAMAI) ، کوروکل ویشسس آیم (KURUKULAVI SESAYAM)
پلدی[230] (PALADALI) ، موگم پاروائی[231] (MUGAMPARVAI)
پوروویپادو (PUDUVIPPADU) ، ادائی وری (IDAIVARI) ، ناپ تول کے پیمانوں پر ٹیکس[233] پیروری[234] (PIRAVARI) ، مانگ نیک[235] (MANAGANIKE) ، راج لگوتا (RAJALAGUTTA) ، ٹیکس[236] ، شالج (SALAGE) ، کودی رائی ولادم — KUDIRAI (VILADAM) ، اوشی واشی[238] (USEVASE) ، چار ٹیکس[239] ، کسی فاضل ماہ کے دوسرے دن پر ٹیکس[240] من کوتا (HANAKOTTA) ، کول یتا[241] (KOLAYATTA) اور بہت سے دوسرے ٹیکس ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ ذاتوں کے ان افراد کی جائدادیں جن کو کوئی اولاد نہ ہوتی تھی (اپتر کا) ریاست کو منتقل ہوجاتی تھیں اگرچہ لوگ اس کو انتہائی ناگوار مانتے تھے[242] ۔

قدیم ہندوستان میں بعض موقعوں پر شاید جب حکومت فنڈ کی کمی کے باعث کسی بڑے کام کو عملی جامہ پہنانے میں مشکلات میں پڑجاتی یا جب ریاست پر کوئی مصیبت نازل ہوجاتی تو لوگوں سے رقمیں طلب کی جاتیں ۔ لیکن اس طرح کے لازمی مطالبات وجے نگر کے مالیاتی نظام کی ایک مستقل خصوصیت تھی ، ہمیں اس قسم کے ٹیکسوں کے متعدد حوالے ملتے ہیں[243] ۔ میسور ضلع کے گنگا وادی مقام کے ایک کتبہ مورخہ ۱۴۱۹ ء (۹) میں بیدیج (BENEINENCCBEDIGE) ، وصول کرنے اور اس رقم کو نن جناتھ (NANJANATHA) دیوتا کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کے اس حق کا تذکرہ ملتا ہے جسے نن جیر سوا ادے یار (NANJARASAVA UDAIYAR) نے دیا تھا[244] ۔ حسن ضلع کے منجر آباد تعلقہ کی ایک دوسری دستاویز میں درج ہے کہ یر کرشن اپا نایک (YERKRSNAPPA NAYAK) نے اسرولی (YSRAVALI) میں بیدیج اور چند دیگر ٹیکسوں کو وینکٹپا نایک (VENKATAPPANAYAK) کی خاطر معاف کردیا تھا[245] ۔ تامل کے کتبات میں مذکور کتایم (KATTAYAM) اسی قسم کے ایک دوسرے ٹیکس کا نام تھا[246] ۔ مثال کے طور پر دیو رائے دوم نے حکم دیا تھا کہ بعض دوسرے ٹیکسوں کے علاوہ تیروورّی یور (TIRIUVORRIUR) کے مندر کے حکام اس ٹیکس کو وصول کرسکتے ہیں[247] ۔

ریاست وجے نگر کے نظام کا جائزہ ہمارے سامنے حکومت کے ذریعہ مختلف مقاصد کے لیے وصول کیے جانے والے بے شمار ٹیکسوں کا ایک خاکہ پیش کردیتا ہے ۔ لیکن ریاست کے محاصل

میں اور بھی اضافہ کیا جا سکتا تھا۔ کرشن دیورائے اپنی آمکتا مالیادمیں بتاتا ہے کہ ریاست کے مالی ذرائع کو کس طرح بڑھایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔ ریاست کے مالی ذرائع کو بڑھانے کے لیے اس کے رقبہ کو بڑھانا ضروری ہے لیکن اگر اس کا رقبہ بہت چھوٹا ہو اور اس کا بڑھانا ممکن نہ ہو تو اگر اس کے تالابوں اور نہروں میں اضافہ کر دیا جائے اور کھیتی کرنے والی رعایا کو کاشت کاری اور پیداوار کی تقسیم دونوں میں رعایتیں بہم پہونچا کر اس کے ذرائع کو ترقی دینے میں اسکی مدد کی جائے تو یہ بات ریاست کی خوشحالی اور اس کی دولت دونوں ہی کے اضافہ میں معاون بنے گی۔[23] کرشن دیورائے نے زراعتی مقاصد کی خاطر پانی مہیا کرنے کے لئے اپنے دارالسلطنت کے قریب ایک جھیل بنوائی تھی۔ نونیز ہمیں بتاتا ہے کہ اس عمل سے ریاست کی سالانہ آمدنی میں بیس ہزار پرداؤ (PARADAOS) کا اضافہ ہو گیا تھا۔[24] کرشن رائے بلاشبہ محض ایک نظریہ پرست نہ تھا۔

اسی طرح چنگلی پٹ ضلع کے شری پیروم بودور (SRIPERUMBUDUR) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1565ء میں مذکور ہے کہ ایک مہامنڈلیشور (MAHAMANDALESVARA) نے (جس کا نام بدقسمتی سے کتبہ میں محو ہو گیا ہے) شری پیروم بودور کے سینچائی کرنے والے تالاب کی مرمت پر اور اس کی وسعت میں اضافہ کی خاطر ۱۵۰ پنم خرچ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ وسیع کردہ تالاب آئے کوٹ (AYACUT) کی فاضل آمدنی کو دیوتا آدی کیشو پیرومان (ADIKESAVAPERUMAN) اور امبرومانار (EMBERUMANAR) پر چڑھاوے کے لیے استعمال کیا جائے۔[25]

فصل دوم

وصولی کا طریقہ

عہد وسطی کے جنوبی ہندوستان میں ٹیکسوں کی ادائیگی عموماً نقد اور جنس دونوں ہی شکلوں میں ہوا کرتی تھی۔ گاؤں اور چھوٹے چھوٹے شہروں میں مقامی غلّے کے گودام ہوا کرتے تھے جہاں ریاست کا وہ حصّہ جو جنس کی شکل میں وصول ہوتا تھا ذخیرہ کیا جاتا تھا۔[25] کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ریاست کی آمدنی سکل سورن ادایم (SAKALASVARANADAYAM) اور سکل بھگت ادایم (SAKALABHAKTADAYAM) یا نلمودل (NELMUDAL) اور پون

مودل (PONOMUDAL) پر مشتمل ہوتی تھی[252]۔ چولا عہد کے کتبات میں آمدنی کے ان دو ذرائع کے لیے جو واقعی اصطلاح استعمال کی گئی ہے وہ غالباً نیل لایم (NELLAYAM) اور کاشایم (KASAYAM) ہے[253]۔ پودوکوتائی ریاست کے بعض وجے نگری دستاویزات میں نیل مودل (NELMUDAL) اور پون مودل (PONMUDAL) کے الفاظ کو علی الترتیب غلّہ اور جنس کی شکل میں وصول ہونے والی ریاست کی آمدنیوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے[254]۔ چنگلی پٹ ضلع کے کنجی ورم مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1374ء میں نیل لایم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال وجے نگر کے زمانہ میں بھی جاری رہا۔ شمالی ارکٹ ضلع کے دیوکایورم مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1529ء میں بھی "سونے اور غلّے کی شکل میں وصول ہونے والے ٹیکسوں" کا تذکرہ ملتا ہے[256]۔ اس طرح ہمارے پاس کتبات کے ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے محاصل کی وصولی جنس اور نقد دونوں ہی صورتوں میں ہوتی تھی اور جیسا کہ سر تھومس منرو (THOMAS MUNRO) کہتے ہیں، غالباً قیمتوں کی شرح کے مطابق پہلی یا دوسری جو صورت بہتر ہوتی[257]۔

ہری ہر رائے چاہتا تھا کہ جنس کی شکل میں ادائیگی کو نقد ادائیگی میں تبدیل کر دے اس تبدیلی کے لیے "زمین کی مقدار، مطلوبہ بیج اور غلہ میں اوسط اضافہ اور اس کی قدر و قیمت پر مبنی ضوابط متعین کیے گیے۔" زمین کی اوسط پیداوار کو بوئے گئے بیج کا بارہ گنا قرار دیا گیا۔ لیکن جیسا کہ ساؤتھ کنارا مینوئل (SOUTH CANARA MANUAL) کے مصنف اسٹروک (STURROCK) کا خیال ہے کہ "مذکورہ بالا طریقہ کار کے مطابق روپیے کی شکل میں ٹیکسوں کی ایک ایسی شرح کے تعین کے لیے جو ضلع کی مجموعی پیداوار کے کسی معین تناسب کی حامل ہو، تین باتوں کو قطعی طور پر جان لینا ضروری ہے :۔ اول بیج کے مقابلہ میں فصل کا تناسب، دوم کاشت کردہ زمین کی مقدار، سوم غلہ کی قیمت[258]۔" جہاں تک پہلے مسئلہ کا سوال ہے، فصل اور بیج کے درمیان 12 : 1 کا مفروضہ تناسب بہت سے معاملات میں درست نہ تھا، چند معاملات میں یہ اس سے کم تھا جتنا مالکان زمین سے عام حالات میں طلب کیا جا سکتا تھا[259]۔ دوسرے ٹیکس کی شرح کے تعین کے لیے زمین کی کوئی مستقل اور منظم پیمائش نہیں ہوتی تھی[260]۔ اب رہی تیسری بات تو جیسا کہ اسٹروک (STURROCK) کہتا ہے یہ سمجھ لینا درست نہیں کہ جو اطلاعات [اس وقت] تھیں وہ تمام تر درست تھیں[261]۔

لیکن لگان تقریباً ۱۴۰۰ء تک نقد اور جنس کی شکل میں وصول کی جاتی رہی۔ دیو رائے دوم

کے زمانہ کی شری رنگم کی تختیاں بتاتی ہیں کہ ریاست کو اس کے محاصل سونے اور غلّے دونوں ہی شکلوں میں وصول ہوتے تھے۔ جنوبی ارکٹ ضلع کے شری موسنم (SRIMUSNAM) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق کدمائی، کانکائی، کودی، مادوک کانکائی (MADUKKANIKKAI)، پوروری (PURVARI) اور وینی یوگم (VINIYOGAM) کے لیے ریاست روپیے وصول کرتی تھی۔[263]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لگان ریاست جنس کی شکل میں وصول کیا کرتی تھی جب کہ اراضی پر عاید ضمنی ٹیکس نقد وصول کیے جاتے تھے وہ سدھایا (SIDHAYA) "یا وصول کردہ" محصول، کے نام سے معروف تھے۔ جنس کی شکل میں ادائیگی کے نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے سر تھومس منرو لکھتے ہیں پیداوار کے ایک حصہّ کو حکومت کے ٹیکس کی حیثیت سے جنس کی شکل میں ادا کرنے کا طریقہ بھی حالات کے مطابق نہایت موزوں ہے کیونکہ رعایا سے پیداوار کا نصف یا جو بھی اس کا حصہ ہو، اس کا تعین ہوتا ہے۔ خواہ فصل کم ہو یا زیادہ اور اس لئے بھی کہ رعیت کو بھی اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اگر فصل مکمل طور پر ناکام ہو گئی اور وہ ادائیگی کے قابل نہ رہا تو اس سے لگان کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ اس طرح کا نظام رعیت کو ایسے مطالبات کے ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کے لیے جنھیں وہ ادا نہ کر سکے، زیادہ موزوں ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے دولت مند بنانے کی کوشش کی جائے (فصل کی) تباہی کے موقع پر محاصل کی ادائیگی سے رعیت کا تحفظ ہی غالباً اس نظام کا واحد مفید پہلو تھا لیکن یہ ایک ایسا فائدہ ہے جس کی ضرورت محض ایک ناقابل تبدیل نظام ہی میں پڑ سکتی تھی۔ ٹیکس کی شرح کے تعین کے کسی زیادہ لچکدار نظام میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔[264]

سنہ ۱۷۰۰ء میں ریاست کے محاصل کی وصولی کے طریقہ کار میں ایک تبدیلی لائی گئی۔ ٹیکسوں کی نقد وصولی میں جو دقت تھی اس پر تنجور ضلع کے تیرونکوتائی (TIRUNAKKOTTAI) مقام کا ایک کتبہ واضح طور پر روشنی ڈالتا ہے اس میں پلائیور عرف بھوپتی رائے سمدرم کے مہاجنوں کے نام یہ حکم درج ہے کہ نقد اور غلّے کی شکل میں ٹیکس وصول کیے جانے کے مروجہ طریقہ کے بجائے غلّہ کی شکل میں ٹیکسوں کی وصولی کے پرانے طریقے کو جاری کیا جائے جس میں ملک کا تحفظ ہے[265]۔ جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کا خیال ہے کتبہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ ایک زمانہ میں نقد اور جنس دونوں ہی شکلوں میں ٹیکس کی وصولیابی کے طریقہ کو اختیار کیا گیا تھا لیکن جب اول الذکر طریقہ سے وصولی میں دشواری محسوس کی گئی تو اسے ترک کر دیا گیا۔[266]

بہر حال خشک اراضی کا معاملہ قطعی مختلف تھا۔ ان کے محاصل صرف نقد ہی وصول کیے جاتے

تھے۔ہمیں کوئی کتبہ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ خشک اراضی پر ریاستی ٹیکس جنس کی شکل میں وصول کیے جاتے تھے۔ایک کتبہ میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اراضی پر ٹیکسوں کو نقد اور جنس دونوں ہی شکلوں میں لیے جانے کا ذکر ہے وہیں خشک فصلوں کے ٹیکسوں کو صرف نقد ادا کرنے کو کہا گیا ہے مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ تنجور ضلع کے تیرو وائیگادور مقام سے دستیاب دیو رائے دوم کے ایک کتبہ میں تر زمین کے لیے ریاست کو دیئے جانے والے ٹیکسوں کی شرح کا ذکر جنس اور نقد دونوں ہی شکلوں میں کیا گیا ہے جب کہ خشک اراضی اور فصلوں پر صرف نقد کی شکل میں ٹیکس لگائے جاتے تھے، کیلا، گنا، بنگالی چنا، سپاری اور کٹہل کے درخت تمام کے تمام اسی فہرست میں آتے تھے۔

جہاں تک خود ٹیکس کی وصولی کا تعلق ہے اس کے لیے چار مختلف طریقوں کو اپنایا گیا تھا۔ پہلا طریقہ وہ تھا جس میں محاصل کی وصولی کے لیے حکومت خود اپنے ملازمین مقرر کرتی تھی۔دوسرے میں حکومت اپنے محاصل کو نیلام میں حصہ لینے والے افراد کو اجارہ پر دیدیا کرتی تھی۔تیسرے میں حکومت گاؤں کے لوگوں کی اس جماعت یا گروہ کے ساتھ معاملہ کرتی تھی جو اس دیہات یا کئی دیہاتو کے مجموعہ کے محاصل کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی اور چوتھی صورت میں حکومت فوجی خدمت اور حکومت کو ایک مقررہ خراج کی ادائیگی کے عوض مملکت کے حصوں کو بعض اشخاص کے سپرد کر دیتی تھی جنھیں نایک کہا جاتا تھا۔

(۱) کتبات کی ایک بڑی تعداد میں گاؤں کے چند ایسے حکام کا تذکرہ ملتا ہے جو عطیات (GRANTS) دیتے تھے یا ٹیکسوں کو معاف کر دیتے تھے۔یہ لوگ عموماً حکومت کے ذریعہ مقرر کئے جاتے تھے اور ریاست کے محاصل کی وصولی کی نگرانی کرتے تھے۔یہاں یہ تفریق ضروری ہے جو ایک معمولی گاؤں کے درمیان جس کی اراضی عموماً رعیت واری بنیاد پر باشندگان کے قبضہ میں ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے گاؤں والوں کا اپنے معاملات میں حکومت کے ساتھ کوئی مشترکہ معاملہ نہ تھا اور ایک مشترک گاؤں کے درمیان تھی جس اراضی مشترک قبضہ میں ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے ان پر مشترکہ کاشت کی جاتی تھی۔یا کم از کم ان کی پیداوار کو ہر ایک کے حصہ میں آنے والی زمین کے تناسب سے مالکان زمین کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موخرالذکر صورت میں گاؤں والے حکومت کے ساتھ اپنے معاملات اجتماعی طور پر کرتے تھے۔لیکن رعیت داری گاؤں میں ریاست کے محاصل کی وصولی کے لیے بادشاہوں کو زیادہ تر خود اپنے افسر مقرر کرنے ہوتے تھے ۱۵۰۶ء کے ایک کتبہ میں ہمیں میدیور (MEYDEVAR) نامی ایک افسر کا تذکرہ ملتا ہے، جو پولی ناد

(PULINAD) ٹیکسوں کا انچارج تھا اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ مملکت میں کسٹم افسران (شون گدا۔ ادھیکاری) ہوا کرتے تھے۔ جن دیہاتوں میں ان افسران کا تقرر ہوتا تھا ان کے بارے میں ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یا تو وہ افسران رعیت داری ہوا کرتے تھے جس کی واحد خصوصیت اراضی کی انفرادی اور جداگانہ ملکیت تھی یا وہ شاہی خالصہ کے گاؤں تھے جہاں حکومت کے افسران ٹیکس وصول کرتے اور انھیں خزانہ میں داخل کر دیتے تھے۔ اس طرح شاہی اراضی کی حیثیت سے بادشاہوں کی ملکیت میں بڑی بڑی آراضیاں تھیں جن کی لگان کی وصولی خود ان کے افسران کیا کرتے تھے۔

(۲) محاصل کی وصولی کا دوسرا طریقہ اجارہ کا تھا جس کے مطابق کسی خاص علاقے یا صوبے کے محاصل کو سب سے زیادہ رقم دینے والے کو اجارہ پر دیدیا جاتا تھا وہی اس علاقے کے محاصل کی وصولی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مملکت وجے نگر کے اس نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے مورلینڈ لکھتا ہے" یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ سترہویں صدی میں سرزمین وجے نگر کا زرعی نظام گولکنڈا کی مسلم مملکت کے نظام کے مماثل تھا یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے کہ اول الذکر نے موخر الذکر سے ایک نئے نظام کو حاصل کیا ہو۔ زیادہ قرین قیاس یہ نتیجہ ہے کہ تیرہویں صدی کے اواخر تک اجارہ داری جنوبی ہندوستان میں ہندو زرعی نظام کی بنیاد کی حیثیت حاصل کر چکا تھا"، نیز یہ کہ جب علاء الدین خلجی نے (دکن میں) نئے علاقے حاصل کیے جو بعد میں دکنی سلطنتیں بن گئیں تو اس نے اس نظام کو اپنا لیا[27]۔ اور وجے نگر کی ہندو مملکت میں پھر اجارہ داری کے شرائط پر صوبائی گورنروں کی تقرری کا طریقہ رائج رہا اور یہ ممکن ہے کہ اجارہ داری کا نظام صوبوں سے مملکت کے گاؤں تک پھیلا رہا ہو جیسا کہ مملکت کے سقوط کے بعد یقیناً تھا[271]۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مورلینڈ دو نظاموں کے درمیانی فرق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک وہ جس کے ذریعہ محاصل کو بولی بولنے والوں کو اجارہ پر دیدیا جاتا تھا اور دوسرا وہ جس کے ذریعہ اراضی کو ایک مقررہ خراج اور جنگ کے موقعوں پر ایک فوجی دستے کے عوض کچھ افراد کو دیدیا جاتا تھا۔ حقیقتاً ایک (نظام) دوسرے سے مختلف ہے۔ پہلے (نظام) کے مطابق جس کے ذریعہ محاصل کو بولی بولنے والوں کو اجارہ پر دیدیا جاتا تھا۔ ٹھیکہ داروں (CONTRACTORS) یا کرایہ داروں (RENTERS) کا جیسا کہ وہ اسی نام سے پکارے جانے لگے تھے، بادشاہ کی فوجی خدمت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نہ ہی وہ اپنی زیر نگرانی جاگیر کا انتظام و انصرام کرتے تھے۔ وہ حکومت کو محض ایک مقررہ رقم ادا کرنے کے پابند تھے۔

یہ بات کہ حکومت کے محاصل کو اجارہ پر دے دیا جاتا تھا اس عہد کے ادب اور کتبات دونوں

ہی طرح کے شواہد سے ظاہر ہوتی ہے ۔ یہ کہا گیا ہے کہ نونیز وجے نگر کے اصل دروازے کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اسے ہر سال بارہ ہزار پرداؤ پر کرایہ میں دیدیا جاتا تھا[273]۔ اس زمانہ کے کتبات میں کتو گوتگائی (KATTUGUTTAGAI) اور گوتیج (GUTTEGE) نظاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جس کا مطلب ٹھیکہ کا نظام ہی ہے ان ٹیکسوں اور لگانوں کو جو نقد کی بنیاد پر ٹھیکہ پر دیئے جاتے تھے بسا اوقات سدھایا کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ہری ہرادے یا رنے یہ اصول (DHARMA) بنایا تھا کہ آرگا (ARAGA) شہر کی مقررہ لگان (سدھایا) اور مجموعی ٹیکس 100 سو وراہ (VARAHAS) ہونا چاہیئے چنگی اور نگرانی کرنے والوں کے ٹیکس گذشتہ شرح کے مطابق ہوں۔ اتنا ہم جاری رکھیں گے"۔ ہری ہر کے اس دھرم شاسن کو سداشیو نایک اور رام رائے نے جاری رکھا اور 1567ء میں آرگا کے بنکپا شیٹی (BENAKAPPASETTI) اور بعض دوسرے افراد کو عطا کر دیا۔ ماہی گیری کے مقامات کو بھی ٹھیکہ پر دیا جاتا تھا۔ شمالی آرکٹ ضلع کے کودن گلور (KODUNGALUR) مقام کے ایک کتبے مورخہ 1522ء میں مذکور ہے کہ دلوائے شوپا نایک (DALAVAY SEVAPPA NAYAK) نے کودن گلور کے تالاب کی ماہی گیری کے ٹھیکہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بادشاہ کے نمائندہ تیرو ملائی نایک کو تالاب کو گہرا کرنے کے لیے بطور انعام دے دی تھی۔ بسا اوقات حکومت کسی خاص مقام پر عاید تمام ٹیکسوں کے بدلے یکمشت رقم وصول کر لیا کرتی تھی۔

ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے اس نظام سے متعلق بچنن (BUCHANAN) چند باتیں لکھتا ہے۔ گاؤں کے بڑے گودا (GAUDA) کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جو گاؤں کا سب سے بڑا اجارہ دار بھی تھا وہ لکھتا ہے کہ "وہ حکومت کے سارے ٹیکسوں کو وصول کرتا تھا۔ اور ایک رقم حکومت کو ادا کرنے پر تیار رہتا تھا اور گاؤں کے اصول وضوابط کے مطابق جتنا وہ بنا سکتا تھا، بنا لیتا تھا[275]۔ گودا (لگان دار) کا یہ عہدہ عام طور پر موروثی ہوا کرتا تھا۔ اپنی اس آمدنی کے علاوہ جو اسے وصول کردہ محاصل کی رقم اور حکومت کو ادا کردہ رقم کے درمیانی فرق سے حاصل ہوتی تھی وہ گاؤں کی تر فصلوں کے ایک حصہ کا بھی حقدار ہوا کرتا تھا۔ گودا گاؤں کی ان قربانیوں کو بھی انجام دیتا تھا جو کناڑا کے اضلاع میں گاؤں کے دیوتا کی مورتی کو میاپتوں (CUMBAPITTUN) کے لیے دی جاتی تھیں[276]"۔ لیکن اس بیان میں غالباً ایک نہایت چھوٹے لگان دار کی طرف اشارہ ہے۔ درحقیقت مملکت میں اس سے بڑے کاشتکار ہوا کرتے تھے جو وسیع علاقوں کے محاصل کے

انچارج ہوا کرتے تھے۔

اگرچہ حکومت کی محاصل کی وصولی کی ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے یہ نظام نہایت ہی آسان تھا۔ لیکن عوام پر اس کا سخت بوجھ رہا ہوگا۔ جہاں ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دے دیا جاتا تھا وہاں حکومت ان طریقوں میں مداخلت نہیں کرسکتی تھی جنھیں اجارہ دار عوام سے ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں اپناتے تھے۔ جب تک وہ حکومت کو واجب الادا رقم مناسب اوقات پر ادا کرتے رہتے تھے۔ ان معاملات میں دخل اندازی نہیں کی جاتی تھی۔ لہٰذا وہ رعایا کے ساتھ بلا خوف سزا جو چاہتے کرسکتے تھے۔ جیساکہ مورلینڈ بجا طور پر کہتا ہے "مرکزی محاصل، جو بادشاہ اور اس کے وزراء کے اختیار میں ہوتی تھی۔ سب سے بڑے اجارہ دار (FARMER IN CHIEF) کی ادائیگیوں پر مشتمل ہوتی تھی جبکہ اپنے علاقہ (GOVERNMENT) یا ضلع کے اندر یہ بڑا اجارہ دار ریاستی محاصل میں سے کسی ایک کو اجارہ پر دے سکتا تھا اور اجارہ کی رقم کو ادا کرنے کے بعد وصول کی ہوئی بقیہ رقم اپنے پاس رکھتا تھا۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد گورنر وہ تمام رقم اپنے پاس رکھ لیتا جو ضروری اخراجات کے بعد بچ جاتی اور اس کا اصل مقصد یہ ہوتا کہ وصولی میں جتنا ممکن ہو اضافہ کیا جائے۔ اس طرح جنوبی ہندوستان کا مالیاتی نظام غالباً انتہائی سادہ اور آسان تھا جیساکہ وہ اتنا ہی متشددانہ بھی تھا جتنا کہ امکاناً وضع کیا جاسکتا تھا"[277]

اگرچہ مورلینڈ یہاں ایک گورنر کو محاصل کے اجارہ دار (REVENUE FARMER) سے مشابہ کررہا ہے تاہم اس نظام کے متعلق اس کا اندازہ صحیح و درست ہے۔

(3) وجے نگر کے کتبات کی ایک بڑی تعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی اسمبلیوں نادو (NADU) اور سبھا (SABHA) کو، جو گاؤں اور دیہی علاقوں کے انتظامیہ کی نگراں ہوا کرتی تھیں، اپنے اپنے حلقوں میں حکومت کے محاصل کی وصولی کا ذمہ دار بنا دیا گیا تھا۔ اور جہاں جہاں یہ ادارے ہوتے تھے وہاں حکومت محض ان ہی سے معاملہ رکھتی تھی۔ شاہی حکومت یا اعلیٰ مقامی افسران کے ذریعہ ٹیکسوں کی معافی محض ان مقامی اداروں (گاؤں کی اسمبلیوں اور کارپوریشن جیسے تاجروں کی انجمن وغیرہ) کی منظوری ہی سے کی جاسکتی تھی۔ جو پوری توجہ سے لوگوں کے مفادات کی حفاظت کیا کرتی تھیں[278]۔ گاؤں کی یہ اسمبلیاں نہ صرف ٹیکسوں کی وصولی کا حق رکھتی تھیں بلکہ انھیں معاف کرنے کا بھی۔ مثال کے طور پر جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو ورتورائی (TIRUVORATTURAI) ، کی ایک دستاویز مورخہ 1385ء شاکھا میں تن کرائی شیرو کودلور (TENKARAI SIRU MUDELUR)

کی اراضی کے ٹیکسوں کو تیر وور تورائی نیلوئے (NELVAY) میں واقع تیر وور تورائی ادیا، نائینار کے کے مندر کی پوجا و مرمت کے لیئے کرائپو کوندو (KARAIPPO KKUNADU) کی اسمبلی اور تنتری مار (TANTRIMAR) کے ذریعہ عطیہ میں دیئے جانے کا تذکرہ ملتا ہے[279]۔ اسی مقام سے دستیاب ایک دوسرے کتبہ میں جو 1365ء شاکھا کا ہے۔ پدنیتو پرّو (PADINETTUPARRU) کے نلتار اور تنتریمار کے ذریعہ ان ٹیکسوں کی تفویض کا تذکرہ ملتا ہے جو ان سڑکوں پر مقیم لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو پنا گدم (PANNAGADAM) میں واقع تیروتوں گانائی مادم (TRIVUTTUNGANAIMADAM) ادیا نائے نار اور وڑی روندا پیرومل اور تیرو ور تورائی میں واقع تیرو موتین شو یگائی (TIRUMUTTINSIVIGAI) کو دترّدیا (KULUTTARULIYA) نایانار نیز تمار پنادی (TIMMARAMPADI) میں واقع داگن تی (ر) (DAGAN-TI) ترولیا نائے نار (TIRARULIYA NAYANAR) کے مندروں کی مملکت تھیں تاکہ پیری ین اتّان۔ سندی (PERIYANATTAN-SANDI) نامی پوجا کے زمانہ میں ہر مندر کے دیوتاؤں کے لیے چڑھاوے کا انتظام کیا جاسکے[280]۔ گاؤں کی اسمبلیاں یا مندر اگر ریاستی محاصل میں سے کوئی عطیہ دینا چاہتے تو انھیں پہلے حکومت سے اس کی اجازت لینی پڑتی تھی۔ مثلاً وجے بھوپتی اُدیّار (دیو رائے اوّل کے لڑکے) کے عہد حکومت میں پولپاگور کوئل (PULIPPAGARAR KOIL) کے استھانتار مندر کے منتظمین کے بارے میں بتلایا جاتا ہے کہ انھوں نے چندرگری (CANDARAGIRI) کے حکام مال سے مشورہ کے بعد ۶ پنم کی معافی عطا کردی تھی جسے وہ بالائی طور پر واشل پنم کی حیثیت سے کٹے کولاؤں سے لیا کرتے تھے لیکن پہلے کی طرح ہر ککداوانی یار (KACCAD VANIYAR) کتبہ پر 3 پنم، شنّی ون پداور (SIVANPADAVAR) سواداور (SEMVADAVAR) کے ہر کتبہ سے 3 پنم کپڑوں پر ۲ پنم اور کاتی گائیگا نکّائی (KATTIGAIKANIKKI) پر ۲ پنم وصول کیا کرتے تھے۔

(۴) آخیر میں ہم ناین کرا (NAYANKARA) نظام پر آتے ہیں۔ بادشاہ چند اشخاص کو اس شرط پر اراضیاں دیتے تھے کہ وہ بادشاہ کو ایک سالانہ خراج ادا کریں گے اور فوجی خدمت انجام دیں گے۔ اس نظام کو دونوں پرتگالی تاریخ نویس، پائیر اور نونیز نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ اول الذکر لکھتا ہے کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس بادشاہ کی آمدنی کیا ہے اور اس کے پاس کتنا خزانہ ہے جس میں سے وہ اتنے زیادہ فوجیوں کو تنخواہ دیتا ہے درآنحالیکہ اس کی مملکت میں اتنے زیادہ اور اتنے بڑے بڑے

سردار ہیں جن میں سے بیشتر بذات خود محاصل کے مالک ہیں تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ "یہ سردار جنھیں اس نے اپنے فوجیوں پر متعین کر رکھا ہے اس کی مملکت کے امرا ہیں . . . ان میں سے ایسے ایسے سردار ہیں جن کے محاصل کی مقدار دس لاکھ اور پندرہ لاکھ پرداؤ ہے بعضوں کی ایک لاکھ پرداؤ، نیز چند دیگر کی دو لاکھ، تین لاکھ یا پانچ لاکھ پرداؤ ہے . . . . . . ان فوجیوں کی کفالت کے علاوہ ہر سردار بادشاہ کو ایک سالانہ رقم بھی دیتا ہے[282]۔ وجے نگر کے بادشاہوں کی آمدنیوں کے متعلق نونیز بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ بادشاہ کے چند ایسے افسران کا ذکر کرتا ہے جو نہ صرف چند عسکری فرائض ہی کے حامل نہ تھے۔ بلکہ ان پر چند مالی ذمہ داریاں بھی عاید تھیں۔ اور آخر میں لکھتا ہے کہ "اس طرح بسنگا (BESNAGA) کی مملکت دو سو سے زائد سرداروں میں منقسم ہے۔ جو سارے کے سارے خدا کے منکر ہیں اور جو آراضی اور محاصل ان کے پاس ہیں اس کے مطابق بادشاہوں نے ان فوجی دستوں کی تعداد متعین کر دی ہے جن کا رکھنا ان کے لیے ضروری ہے اور وہ محصول جو انھیں بادشاہ کو ادا کرنا ہے[283]۔

ان صورتوں میں سرکاری محاصل کی وصولی کے نقطۂ نظر سے، ہم دیکھتے ہیں کہ دو نظاموں کو متحد کر دیا گیا تھا، یعنی خدمات پیش کرنے کے صلہ میں زمین کی تفویض کا نظام اور حکومت کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کا نظام۔ مثال کے طور پر سالونایک جو اچیوت رائے کا وزیر اعظم تھا۔ وہ چرماڈول (CHARAMAODEL) اور نگپتاؤ (NAGAPATAO) اور تمگور (TAMGOR) کا نیز بوم گرین (BOMGARIN) دپٹاؤ (DAPATAO) ترگویل (TRUGIVEL) اور کالم (CAULLIM) کا جاگیر دار تھا۔ اس کی آمدنی سونے کے گیارہ لاکھ پرداؤ تھی۔ جس میں سے ایک تہائی اس کو بادشاہ کو ادا کرنے ہوتے تھے[284]۔ اس کے علاوہ اس پر چند فوجی فرائض بھی عاید تھے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مخصوص خدمت کے صلہ میں زمین کی تفویض اور حکومت کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے نظام کو متحد کر دیا گیا تھا۔

اس طرح ریاست کے محاصل کی وصولی کے لیے چار مختلف طریقے اپنائے گئے تھے۔ لیکن یہاں ضمناً یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح گاؤں کے اسمبلیوں کی اہمیت و حیثیت اپنے اپنے گاؤں میں رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی۔ گاؤں کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کا اصول ان گاؤں پر لاگو ہو رہا تھا اور بعد میں حکومت نے خود اسے اپنے اختیار میں لے لیا اور محاصل کی وصولی کے لیے دیہاتوں میں اپنے حکام کا تقرر کیا۔ لیکن ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے اور انعام، جاگیر یا

عطا کرنے کا نظام جو اپنے ساتھ چند مالی ذمہ داریوں کا بھی حامل تھا، جنوبی ہند میں برطانوی اقتدار کے مستقل قیام تک رائج رہا۔[285]

فصل سوم

رعایتیں اور معافیاں

حکومت رعایا کے حالات کا پوری طرح خیال رکھتی تھی جہاں بارش ناسازگار ہوتی یا ناگہانی واقعات زمین کی عام پیداوار کو متاثر کر دیتے، وہاں کاشتکار کو ٹیکس کے بوجھ سے نجات دیدی جاتی تھی۔ سخت حالات میں رعایتیں کی جاتیں۔ متعدد کتبات سختی میں مبتلا رعایا کے لیے ریاست کے تردد اور فکرمندی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر تنجور ضلع کے ولوور (VALUVUR) مقام کی 1452-53ء کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ بعض اراضی (پرّو) کو، جو کاویری کے سیلاب میں غرق اور (فصل) برباد ہو گئی تھی، زمین کو زیر کاشت لایا گیا اور پٹہ داروں کو ٹیکسوں کی ادائیگی میں رعایتیں بہم پہونچائی گئیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ولوور کے قرب و جوار کے بعض گاؤں (پرّو) اس زمانہ سے غیر مزروعہ پڑے تھے جب سے دریائے کاویری نے اپنے کناروں پر طغیانی کر کے کھیتوں کے درمیان حد بندی کرنے والی منڈیروں کو بہا دیا تھا اور سینچائی کرنے والی نہروں کو ریتوں سے پاٹ دیا تھا اور نتیجتاً پٹہ داروں نے ایک طویل عرصہ سے کھیتوں کو ترک کر دیا تھا۔ اب انھیں دوبارہ زیر کاشت لایا گیا نہروں کو بحال کیا گیا، کناروں کی مرمت کی گئی اور چند بہتر شرائط پر دوبارہ آباد کیا گیا۔ ان شرائط کو کتبہ میں اس طرح گنایا گیا ہے (۱) زمین کے حصول کے پہلے سال کار KAR اور پاشنم (PASANAM) دونوں ہی کے لیے کاشت کردہ اراضی پر عمومی ٹیکس کا نصف اور بعد میں وصول کی جانے والی رقم میں سے $\frac{3}{4}$ وصول کیا جائے گا۔ (2) کودی مائی (KUDIMAI) اور کانکائی کو نین گل (NINGAL) قرار دے دیا گیا اور پلوری (PALAVARI) اور پودووری (PULUVARI) کا صرف نصف وصول کیا جائے گا۔ (3) پٹہ داروں سے بھی کدمائی، ارشوپیرو (ARASUPERU) واشل پنم (VASALPANAM) ، آیم (AYAM) ، پول وری (PULVARI) اور اس طرح

کے دیگر ٹیکس پہلے سال شرح کا نصف اور بعد میں 3/4 کی شرح سے ادائیگی کا مطالبہ کیا جائیگا سوائے پول وری کے جس کا معاملہ ویسا ہی رہے گا ۔ (۷) مگمائی اور کا نکائی کی بھی یہی صورت رہے گی اور (۵) ان آرضیات کے ساتھ بھی یہی رعایتیں برتی جائیں گی جو مندروں اور برہمنوں کی ملکیت میں کمبن گودائی یار (KAMBAN GUDAIYAR) نامی شخص کو جو ان آراضیات کو زیر کاشت لانے کا واقعی ذمہ دار تھا، ان تمام پٹہ داروں سے جو اس کی رہنمائی میں ان زمینوں کو زیر کاشت لائے تھے ۔ کدمائی وصول کرنے کی مخصوص اجازت (۹) دی گئی ۔ پہلے سال ٹیکسوں کو نصف شرح پر وصول کرنے کی یہ رعایت ان دوسری آراضیات پر بھی لاگو ہوتی تھی جنھیں اسی نہج پر سال بہ سال زیر کاشت لایا گیا ہو۔[286]

ترچناپلی (TRICHINOPOLE) ضلع کے ادوتورائی (ADUTURAI) مقام کی ایک دستاویز (1450ء) میں مذکور ہے کہ اوگلور کورمبر وائے شیرمائی (UGALUR KURAM BARVAY SIRMAI) کے بارہ گاؤں کے پٹہ دار (کودی) غالباً بھاری ٹیکسوں کی بنا پر گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔ لہٰذا ویرامرسر (VIRAMARASAR) کے ایک گماشتہ نے خشک زمین کے ہر ہل پر پہلے سال ۵ اور دوسرے سال ۱۰ پنم ، اور تر زمین کے ہر سو کولی (KULI) پر 8 پنم کی شرح سے ٹیکس مقرر کیے۔[287]

بعض مخصوص حالات میں حکومت اراضی کو ایک مخصوص مدت کے لیے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ بھی کر دیتی تھی اور اس کے بعد، لوگوں کی سہولت کی خاطر، ٹیکسوں کی تدریجی شرحیں مقرر کر دیتی تھی تاکہ لوگ نئی اراضی زیر کاشت لا سکیں اور زمین کو بہتر بنا سکیں ۔ اس بڑی جھیل کے استعمال کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جس کی تعمیر کرشن دیو رائے نے کی تھی ۔ نونیز کہتا ہے کہ اس پانی کے ذریعہ لوگوں نے شہر میں کافی اصلاحات کیں اور اس مقصد سے کہ لوگ اپنی آراضیات کو بہتر کر سکیں (کرشن دیو رائے) نے لوگوں کو ایسی اراضیاں دیں جن کی آب پاشی نو سال تک اس پانی سے مفت کی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ لوگ اصلاحات مکمل کر لیں چنانچہ محاصل کی رقم پہلے ہی بیس ہزار پرداؤ تک پہنچ چکی ہے ۔[288]

1379ء میں نوندی گولی نادو (NONDIGULINADU) کے منتظم مہاسامنت ادھیپتی MAHASAMANTADHIPATI سون نائیا نایک (SONNAIYA NAYAK) کے بیٹے انکیا نایک (ANIKAYA NAYAK) ، اور بعض دوسرے لوگوں نے

اپنے اپنے زیر انتظام علاقہ کی بعض اراضی کو دو سال کے لیے ٹیکسو کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔[289] اگرچہ بسا اوقات کسی خاص مدّت کے لیے زمینوں کو ٹیکس سے مکمل طور پر بری نہیں کیا جاتا تھا تاہم ٹیکسوں کی شرح کا تعین درجہ وار طور پر کیا جاتا تھا چنانچہ جب 15-1514ء میں نمشی رایا نایک (NAMASSIRAYA NAYAKA) کو شیمبیامنگلم (SEMBIYAMANGALAM) کا گاؤں الوو کنیا کاسی (ULAVU-KANIYA KASI) کے طور پر ملا۔ تو پہلے سال اس سے دس پنم اور دس کلم دھان ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن پانچویں سال اس (مقدار) کو بڑھا کر 50 پنم اور 50 کلم دھان کر دیا گیا۔

کرشن رائے کے زمانہ میں ایک حکم جاری کیا گیا تھا جس کے ذریعہ ارشر کوئل (ARASAR — KOIL) میں آباد ہونے والے پٹہ داروں کو ایک سال کے لیے تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا اور دوسرے سال سے وصول کیے جانے والے بعض ٹیکسوں کی شرحوں کو متعین کر دیا گیا تھا۔[291] شمالی آرکٹ ضلع کے پولوور تعلقہ کے نرتم پونڈی (NARATTAMPUNDI) مقام کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ انّا ملایار (ANNAMALAYAR) کے مندر کو ایک نو آباد گاؤں کو عطیہ میں دیا گیا جس کا نام مہامنڈلیشور (MAHAMANDALESVARA) رام پیا دیو مہارامشین (RAMAPPAYASDENA MAHARAMASAYYAM) کے بیٹے کمارکسرن امراشین (KUMARA KSRN- AMARASAYYAN) کے نام پر رکھا گیا تھا گاؤں میں مقیم لوگوں کو پہلے چھ سالوں تک کے لیے ٹیکسوں سے معاف رکھا گیا تھا۔ عوام کے ناگہانی مصائب مثلاً لوٹ مار، حملہ یا گاؤں کی بدحالی کا مناسب لحاظ کیا جاتا تھا اور ان حالات سے متاثر رعایا سے ٹیکسوں کی وصولی میں رعایت برتی جاتی تھی۔ شری رنگا کے زمانہ میں بادشاہ کے کارندہ (KARYAKARTA) ناگپّا نایک نے امرتلورو (AMRTALURU) میں واقع شری رنگا رائے پورا کے تاجروں اور جلاہوں وغیرہ سے ایک سمجھوتہ کیا جس میں ان پر واجب الادا ٹیکسوں کو پہلے تین سالوں کے لیے معاف کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ لوگ لوٹ مار کا شکار ہو چکے تھے۔[293] کنک ویدو (KANAI-KAVIDU) کے گاؤں کی خستہ حالی کی وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ وہاں کے گوداؤں (GAUDAS) اور عوام کو ۹۰ وارہ کانک (KANIKKE) کی معافی عطا کر کے انھیں ایک کول (COWL) عطا کیا جائے تاکہ انھیں گاؤں میں از سرِ نو آباد ہونے پر آمادہ کیا جا سکے۔[294]

ٹیکس ادا کرنے والوں کے ساتھ کی جانے والی رعایتوں کی مذکورہ بالا تفصیل سے ہمیں

رعایا کی بھلائی کے لیے ریاست کے خیال کا واضح اندازہ ہو جاتا ہے سخت مواقع پر ریاست ضروری رعایتیں اور معافیاں عطا کیا کرتی تھی۔ زیر کاشت زمین کا غیر معمولی سیلاب میں غرقاب ہو جانا جو ان علاقوں کی معاشی تباہی کا باعث بن جاتے تھے اور عوام کا لوٹ لیا جانا اور اسی طرح کے دوسرے ناگہانی آفات ریاست کو ان رعایتوں کے لیے مواقع فراہم کرتے تھے۔

فصل چہارم

محکمۂ محاصل

محاصل کا محکمہ اتھونا (ATHAVANA)[295] کے نام سے معروف تھا اور وزیر محاصل اس کا صدر ہوا کرتا تھا۔ مختلف اضلاع اور ذرائع سے حاصل ہونے والی حکومت کی آمدنی کا باضابطہ حساب و کتاب رکھنے کے لیے دارالسلطنت میں کلرکوں کا ایک بڑا عملہ اس کی مدد کرتا تھا۔ بظاہر اس شعبہ کا انتظام بہت سے چھوٹے چھوٹے شعبہ جات میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کا ایک نگراں ہوتا تھا۔ ہر ضلع کے محاصل کا انچارج ایک افسر ہوتا تھا جس کی تقرری حکومت کرتی تھی ٹیکسوں کی معافی یا نئے ٹیکسوں کو عاید کرنے والے احکامات اس تک پہونچائے جاتے۔ کمپن ادے یار کے مہاپردھانی سومپا ادے یار اور خزانچی وتپ پرشر (VITTAPPARA SARA) نے پولی نادو کے (ایک گاؤں) کورومَوی (KURUMAVI) میں واقع ادیرکوندپیرومال (EDIRKONDAPERUMAL) کے مندر کے لیے (روزانہ) پھولوں کا ایک ہار اور چراغ مہیا کرنے کے لیے محاصل کا ایک عطیہ دیا تھا۔ یہ فرمان میدیور (MEYDEVOR) کے نام جاری کیا گیا تھا جو پولی نادو کے ٹیکسوں کا انچارج تھا۔[296] بنگلور ضلع کے ہوس کوٹ تعلقہ سے دستیاب ایک دوسرے کتبہ میں ایرومورائی نادو (ERUMURAINADU) کے محصلین ٹیکس اور مولووائے نادو (MULUVAY NADU) کے کسٹم کے افسران کا تذکرہ ملتا ہے۔[297] اسی طرح شری پیرم بودور (SRIPERUMBUDUR (G)) کے ایک کتبہ میں ہمیں ایک افسر کا حوالہ ملتا ہے جسے محاصل کا منتظم (CONTROLLER) کہا جاتا تھا جس کے نام شری گری ناتھ نے فرمان جاری کیا تھا کہ وہ بادشاہ کی جانب سے تیرومدائی ویلاگم (TIRUMADAIVILAGAM)

کے ہر کرگھے پر ایک پنم کا ایک محصول وصول کرے۔

شاہی فرمان مقامی گورنروں کو بھیجے جاتے تھے اور اسے چار رجسٹروں میں درج کرلیا جاتا تھا لیکن اگر عطیات اور معافی کا تعلق کسی اور فریق سے ہوتا تو بادشاہ کا اصل فرمان متعلقہ فریق کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر دیو رائے دوم نے گیری کے شری گیری ناتھ کے نام ایک فرمان جاری کیا تھا جس میں اسے اجازت دی تھی کہ وہ جودی (GIDI) کے ۱۳ پون (وراہن) اور ½ ۶ پنم یافی پون ۱۰ پنم کے حساب سے ½ ۱۶ ۱۳ پنم کو معاف کر دے جو گیری راجیہ کے حق میں تیرو پُوکولی (TIRUPPUKKULI (G)) پر واجب الادا تھا تاکہ اس رقم کو اس مقام کے پورّری پیرومال کے مندر کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ فرمان میں وائسرائے سے یہ بھی خواہش کی گئی تھی کہ وہ گاؤں کے استھانی گاؤں کے پاس اپنا تیرو وکستو (TIRUVAC CITTU) بھیجے تاکہ وہ بادشاہ کے فرمان رائے سا (RAYASA) کو چاروں رجسٹروں میں درج کرلیں اور اصل دستاویز کو ساسن (SASANA) کی حیثیت سے استھانی گاؤں کے حوالے کر دیں۔ بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل میں شری گیری ناتھ نے تیرو پُوکولی کے استھانی گاؤں کے نام تیرو وکسیتو جاری کیا[299]۔ اس سلسلہ میں مندر کے حق میں ٹیکسوں کی معافی کا وہ فرمان جسے مندر کے استھانی گاؤں کے سپرد کیا گیا تھا ان کے لیے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا تھا۔

لیکن جن مقامات پر حکومت کے محاصل کی ذمہ داری ناتور (ضلع اسمبلی) پر ہوتی تھی۔ وہاں اطلاع انھیں کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ اس طرح کی معافیوں کے موقع پر اسمبلی، جو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کا باضابطہ حساب وکتاب رکھتی تھی، شاہی افسروں کے ذریعہ اس طرح کی معاف کردہ رقم کو ٹیکس رجسٹر اور گاؤں کے کھاتہ دونوں ہی میں گھٹا دیا کرتی تھی۔ پودوکوتائی ریاست کے پیرائیور (PERAIYUR) مقام کے ایک قیمتی کتبہ میں اس ضابطہ کا تذکرہ ملتا ہے اس میں مذکور ہے کہ شورائیکو (SURAIKKUDI) کے تیرومینی الگیار (TERUMENI ALAGWYAR) نامی ایک شخص نے ۱۵۰ والا ولی تیرندان کولی شائی پنم (VALAVALI TERANDAM KULISAIPANAM) کی رقم کو جو دیوتا پر اس پوجا کے سلسلہ میں جو اس کے نام سے کی جاتی تھی چڑھاوے کے لیے پکائی پنم کی حیثیت سے سالانہ مندر پر واجب الادا ہوتی تھی۔ علاحدہ کر دیا تھا نیز یہ کہ ناتور (NATTAVAR) (ضلع اسمبلی) نے مذکورہ بالا رقم گھٹا دی اور اس کا اندراج ٹیکس رجسٹر اور گاؤں کے کھاتہ میں کر دیا[300]۔ یہ کتبہ پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ کہ ناڈو میں ٹیکسوں کی وصولی

کے ذمہ دار ناتو رہوا کرتی تھی اور اس لیے وہ ٹیکس رجسٹر اور گاؤں کا کھاتہ رکھتی تھیں۔ لیکن چونکہ بعد میں گاؤں اور ناد (NAD) اسمبلیاں زوال اور انتشار کا شکار ہوگئیں لہٰذا رفتہ رفتہ انھیں ٹیکسوں کی وصولی کی ذمہ داری سے الگ کر دیا گیا اور ان کی جگہوں پر محصلین محاصل اور اجارہ داروں کی تقرری ہوئی جنھیں حکومت کے ٹیکسوں کی وصولی کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔[30]

ہمیں بعض عوامی اداروں مثلاً مندر یا مٹھ کے لیے شاہی اور مقامی دونوں ہی حکومتیں ٹیکس معاف کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کیا صوبائی گورنر یا مقامی اسمبلی مرکزی حکومت کی اجازت کے بغیر ٹیکسوں کو معاف کر سکتی تھی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی افسران کو بعض مخصوص ٹیکسوں کو معاف کر دینے کی اجازت تھی جبکہ بقیہ ٹیکسوں کو معاف کرنے کا اختیار شاہی حکومت کے لیے ہی مخصوص تھا اس لیے کہ ٹیکسوں کو معاف کرنے کا اختیار محاصل کی نوعیت اور مقامی شاہی خزانوں کے درمیان ٹیکسوں کی تقسیم پر منحصر تھا جو ٹیکس شاہی حکومت کو ادا کئے جاتے تھے، ان مقامی حکام شاہی توثیق اور منظوری کے بعد ہی معاف کر سکتے تھے جب کہ مقامی ٹیکس وہ شاہی منظوری کے بغیر بھی معاف کر سکتے تھے۔ نئے مقامی ٹیکسوں کو عاید کرنے یا انھیں معاف کرنے کے سلسلہ میں شاہی حکومت کے فرمان کی نوعیت تعمیلی سے زیادہ مشورانہ ہوا کرتی تھی۔ مثال کے طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی پر عاید ٹیکس محض ایک مقامی ٹیکس تھا۔ عام طور پر شادیوں پر ٹیکس کی معافی کا سہرا کرشن دیو رائے کے سر باندھا جاتا ہے لیکن اچیوت رائے کے زمانہ میں بھی یہ ٹیکس وصول کیا جاتا رہا جیسا کہ اس کے زمانہ کے چند کتبات سے ظاہر ہے اگر یہ شاہی ٹیکس ہوتا تو روشن خیال بادشاہ کی ایک جنبش قلم سے اس ٹیکس کا رواج ہی ختم ہو گیا ہوتا۔ چیتل درگ ضلع کے ہولکر تعلقہ کے ایک کتبہ مورخہ ۱۵۴۰ء میں اس مقام کے لوگ ایجنٹوں ہبرّو واؤن (SIME HEBBARUVAS) گوداؤن (GAUDES) شین بھوواؤں (SENABHOVAS) شیئون پٹن سوامیوں اور نانا دیشیوں کے دونوں فرقوں کے تمام لوگوں کے لیے جو اس سال شادی پر عاید ٹیکسوں کی معافی کے ذمہ دار تھے خوشحالی کی دعا کرتے ہیں۔ اس ٹیکس کی معافی پر اس مقام کے سربرآوردہ لوگوں کے لیے لوگوں کا یہ اظہار تشکر صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک مقامی ٹیکس تھا۔ اسی طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دستکاروں پر عاید محصول بھی محض ایک مقامی ٹیکس تھا۔ ان سے وصول کیا جانے والا یہ ٹیکس یکساں نہ تھا۔ اننت پور ضلع کے دھرم ورم تعلقہ کے کنگانی پلی (KANGANIPALLI) مقام میں ایک کتبہ ملا ہے جو اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالتا ہے اس میں واکتی تمپانائینی وارو (VAKTI TIMMAPPA NAYANIVARU)

کے ایجنٹ ایشوریا (ISVARAYYA) کے ایک فرمان کا اندراج ہے جو کنگانی پلی کے بھووی ریڈی سیتما (BHUVI REDDI CANNAMA) اور کرنم چناے (KAINAM CINNAYA) اور بعض دوسرے لوگوں کے نام جاری کیا گیا تھا کہ وہ کنگا پلی کی دستکار ذاتوں (پانکالم ہرارو) پر عاید ان متعدد ٹیکسوں کو معاف کردیں جن سے یہ ذاتیں پہلے ہی سے مستثنیٰ چلی آرہی تھیں لیکن تمیا نانڈو کے زمانہ میں انھیں عاید کردیا گیا تھا جس کے نتیجہ میں پان کالم وارو (PAN CALAM VARU) ترک وطن کرکے شیمے سے کوندریپی شیمے (KUNDARAPISIME) اور پاکل شیمے (PAKALA SIME) چلے گئے تھے[303]۔ وہ مقامات جہاں دستکار ترک وطن کرکے چلے گئے تھے ان کے اصل مقام سے زیادہ دور نہ تھے۔ ان کا شیمے کے قرب وجوار میں ترک وطن کرکے چلے جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس مقام پر پانکالوؤں سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا اور اگر ان پر کچھ ٹیکس عاید بھی تھے تو وہ ٹیکس نہایت معمولی تھے۔ ایک مقام کے ٹیکس کے نظام کا اپنے بالکل قریب کے ایک دوسرے مقام سے اس طرح مختلف ہونا اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس طرح کے بیشتر ٹیکس عموماً مقامی نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔

لیکن شاہی ٹیکس کا معاملہ بالکل مختلف تھا اس کو صرف شاہی حکومت ہی معاف کرسکتی تھی۔ جنوبی کناڑا ضلع کے شالی گرام (SALAGRAM) مقام کا ایک کتبہ اس مسئلہ پر کچھ قابل قدر روشنی ڈالتا ہے اس میں درج ہے کہ کوٹ (KOTA) کے ادھیواسیوں (ADHIVASES) مہاجگتوں (MAHAJAGATS) اور ہگڈوں (HAGGADS) (سرداروں) کے ایک وفد نے شاکھا[1390] میں بادشاہ ویروپاکسا دوم سے اس کے دارالسلطنت وجے نگر میں ملاقات کی اور تین سو دراہوں کی ایک معافی حاصل کرلی جو سدھایا کا ایک حصہ تھی جو انھیں ادا کرنا پڑتا تھا[304]۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مقامی گورنر ویتھرسا (VITTHARASA) کا ان ٹیکسوں کے معاف کرنے یا انھیں عاید کرنے سے کوئی تعلق نہ تھا جو شاہی خزانے میں جاتے تھے۔ اسی ضلع کے شنکرنارائن مقام سے دستیاب ایک دوسری دستاویز میں 1521 ہونو (HONNU) کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جسے دیورا سے مہارائے کے کہنے پر بارکوروراجیہ (BARAKURURAJYA) کے گورنر بھنپا ادیا (BHANAPPA ODEYA) نے دن میں دو بار بھوگ پاتر (BHOGAPATRA) انجام دینے کے لیے دیا تھا کتبہ میں بتایا گیا ہے کہ بادشاہ نے یہ حکم دیا تھا کہ یہ رقم سدھایا ٹیکس سے لی جائے[305]۔ اس طرح ان دونوں دستاویزات کے جائزہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سدھایا ٹیکس شاہی خزانے کو ادا

کیا جانے والا ٹیکس تھا اور اس کی تقسیم یا معافی صرف بادشاہ یا شاہی حکومت کے ذریعہ ہی ہو سکتی تھی
ان نایکوں کے سلسلہ میں جن کے قبضہ میں بادشاہ کی اراضیاں جاگیرداری کی بنیاد پر ہوتی تھیں ۔ ان
کے ذریعہ معاف کیے جانے والے ٹیکسوں کا شاہی خزانے کو دیئے جانے والے مقررہ ادائیگیوں سے کوئی
تعلق نہ تھا ۔ ان کی معافیاں ان کے متعینہ ادائیگیوں کو متاثر نہ کرتی تھیں ۔ لیکن مرکزی حکومت کے ذریعہ
دی گئی معافیوں کے سلسلہ کے احکام انھیں لوگوں کو بھیجے جاتے تھے جو شاہی محاصل کی وصولی کے
ذمہ دار ہوتے تھے تاکہ محاصل کی وصولی کے وقت حوالہ کے لیے وہ اپنے کھاتوں میں ان معافیوں کا
اندراج کر لیں ۔ ان کھاتوں میں جو پٹہ کے نام سے معروف تھے ، پٹہ داروں کا اور ٹیکس کی اس رقم کا
اندراج ہوتا تھا جو انھیں ادا کرنی پڑتی تھی ۔

بسا اوقات بعض ٹیکسوں کو ایک مجموعی رقم کے بدلے میں معاف کر دیا جاتا تھا ۔ شاید اس
لیے کہ محاصل کی مدّات متعدد اور جزوی تفصیلات کی ہوا کرتی تھیں ۔ یہ انتظام غالباً اس لیے
کیا گیا تھا کہ کھاتوں میں اتنی زیادہ مدّات کے اندراج کی شکل کو کم کیا جا سکے ۔ مثال کے طور پر جنوبی
آرکوٹ ضلع کے تیرو واماتور مقام میں واقع الجیا نائے نار (ALAGIA NAYANAR)
کے مندر کے منتظمین نے مختلف ٹیکسوں کو مقامی کیکولاؤں (جلاہوں) کو اس شرط پر اجارہ پر دیدیا
تھا کہ وہ انھیں فی کرگھا چھ پنم کے حساب سے سالانہ یکمشت رقم ادا کیا کریں گے ۔[306] جنوبی آرکٹ ضلع
میں ناریا نایکر (NARAYYANAYAKKAR) نے مگدئی منڈلا کے عوام کے نام ایک فرمان
جاری کیا جس میں وہ اپنے زیر اقتدار پورے پرّو میں وروس نکائی (VARUSA KANKKAI)
کی وصولی کے حق سے دست بردار ہو گیا اس لیے کہ جیسا کہ اس نے خود کتبہ
میں بیان کیا ہے ، گلائی منڈلا ، نادو (ناتور) کے باشندوں کو دیدیا گیا ہے اور اس سال امداد
کے طور پر تھوڑی سی رقم یکمشت (کانکائی) وصول کی جائے گی لیکن آئندہ سالوں میں کانکائی کی
وصولی غیر قانونی ہوگی ۔[307] دوسری جگہ ویرپکن ادیا یعنی بکّا دوم (II) نے شاکھا 1326 میں ان شیٹون
کیلولاؤں اور وانیار [illegible] پرجو پولیپرکوئل (PULLIPPARAKOIL) کے مندر میں رہ رہے
تھے ، واجب الادا ٹیکس کی شرح ہر فرد پر دو پنم اور ہر کرگھے پر دو پنم کے حساب سے مقرر کر دی تھی
بظاہر اس رقم میں ان پر واجب الادا تمام ٹیکس یعنی پٹہ دائنولیم (PATTADAINULAYAM)
اتائی شمادم (ATTAISAMIADAM) پیرایا یکسمدم (PERAYACEEMHADAM)
کاٹرپو (KAIYERPU) مادویرتی (MADVIRATTI) اور دنائے کرگمائی (DANNAYAKAR

(MAGANAI) شامل تھے۔ اسی طرح ملّولی (MALAVALLI) تعلقہ کے بوپسندر
(BOPPASANDARA) مقام کی 1388ء کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ بھٹہ بھاچیپا
(BHATTA BHACI YAPPA) کے بیٹے بکّن جو تلاؤں (TILLAS) کی نسل کا تھا، بوپّا
سمدر (BOPPASAMUDRA) کا گاؤں جو ہدراواگیلو (HADRAVAGILU) کا ایک چھوٹا
سا دیہات تھا تمام حقوق اور ٹیکسوں کے ساتھ جن کے نام مذکور تھے، ہر طرح کی محاصل سے آزاد
کر کے تحفہ میں دیا تھا۔ یہ ان عطیات کے علاوہ تھا جنھیں گوڈا کے عہدہ کے لیے اور کیپن چوودپا
(CAVUDAPPA) اور دیگر گاؤں کے دیوتاؤں کے لیے اس شرط پر دیا گیا تھا کہ ان پر
۱۰ وراہوں کا ایک سالانہ لگان ادا کیا جائے گا ٹیکسوں میں جن کے نام مذکور تھے یہ ہیں: کھلیان
مکان اور گاڑیوں پر عاید ٹیکس، کیروکیلا، بیدبینوگو (BEDABINUGU) ، گرام گدیانا
(GRAMAGADYANA) ، میڈیدر (MEDIDERE) دلویلی (DALAVILI)
ہادرا (HADRA) ، ہومبلی (HOMBALI) ، دنّائےکسوامیا (DANNAYAKASVAMYA)
نوٹا (NOTA) نینپو (NENAPU) ، مال برائے (MALABRAYA)
بہترین بیل، میلندیج (MALLENDIGE) ، کولو (KULU) کوٹیج (KOTTIGE) سولیج
(SOLLEGE) اور (MALLIGE) اسی طرح نقد ادائیگی کو جنس میں ادائیگی میں تبدیل کر دیا جاتا
تھا جیسا کہ یہ بات رام ند (RAMANAD) تیروکلکودی (TIRUKKALAKUDI)
مقام کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کتبہ میں الگیامنوالاپیرومل
(ALAGIYAMANAVALAPERUMAL) تونڈائیمانار (TODAIMANAR) کے ایک فرمان
کا ذکر ہے جو اس نے ناٹّن منگلم (NATTINMANGLAM) کے ایک باشندہ کے
نام جاری کیا گیا تھا کہ وہ آگتیشوراموداپا (AGATTISURAMUDAIYA) مائنار کے
مندر کے چند اراضیوں کے سلسلہ میں جو ٹیکس اس پر واجب الادا ہیں ان کے عوض متعینہ مقدار
میں دھان تول دے[310]۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے تبادلے کم نہ تھے۔

نونیز بتلاتا ہے کہ بادشاہ اس رقم کی کوئی رسید نہیں دیتا تھا جو وہ اپنے کپتانوں سے وصول
کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے" وہ بادشاہ، انھیں کبھی کوئی رسید نہیں دیتا تھا۔ البتہ وہ ادائیگی نہ کرتے تو
انھیں سخت ترین سزا دی جاتی انھیں تباہ کر دیا جاتا تھا اور ان کی جائدادوں کو ضبط کر لیا جاتا تھا[311]
لیکن یہ مشتبہ ہے کہ ہم نونیز کی باتوں پر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ حکومت کی

اتنی بڑی انتظامیہ دی ہوئی رقوم یا حاصل کردہ آمدنی کی رسید کے بغیر چلائی جاتی ہوگی۔

وجے نگر کے دور میں مالی سال ستمبر۔ اکتوبر میں شروع ہوتا تھا۔ جب نو دنوں کے لیے مہانومی (MAHANAVAMI) منائی جاتی تھی۔ پائز کہتا ہے کہ اس کا آغاز 12 ستمبر سے ہوتا تھا۔[313] اور لکھتا ہے کہ نیا سال اکتوبر سے شروع ہوتا تھا۔" اکتوبر کے مہینہ کے آغاز میں جب اس کے گیارہ دن گذر جاتے . . . . اس دن ان کا سال شروع ہوتا ہے یہ ان کا "نوروز" ہے . . . . وہ اس مہینہ میں سال کا آغاز نئے چاند کے ساتھ کرتے ہیں اور مہینوں کا شمار ہمیشہ چاند سے کرتے ہیں۔[314]" اس طرح نیا سال ستمبر اکتوبر میں شروع ہوتا تھا اور اس کے بعد حسابات صاف کیے جاتے تھے۔ ان نو دنوں کے اندر بادشاہ کو وہ تمام لگان ادا کر دی جاتی تھی جو اس کی مملکت پر واجب الادا ہوتی تھی۔[315] نونیز کہتا ہے "آراضیات اور ان پر عاید محاصل کے مطابق بادشاہ ان کے لیے ستمبر کے پہلے نو دنوں کے دوران متعین کر دیتا ہے . . . . کہ ہر ماہ انھیں اسے کتنا ادا کرنا ہوگا۔[316]" اس (نونیز) کے مطابق شاہی حکومت کے محاصل ہر ماہ ادا کیے جاتے تھے۔ اس شرح کے مطابق جو ہر سال ستمبر میں متعین کر دی جاتی تھی۔

فصل پنجم

ٹیکس کا بوجھ

اس بات کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں اس بات کا بھی جائزہ لینا ہے کہ عوام محاصل کا بار کس طرح محسوس کرتے تھے۔ سر تھومس منرو ایک مکتوب میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں "ہندوستانی ٹیکس ان کے استادوں کی کتابوں میں خواہ کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہو،

چھٹا یا پانچواں (حصہ)، لیکن عملاً یہ ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ کوئی شخص جو ہندوستانی ٹیکس سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس بات کو نہیں مان سکتا کہ رعایا، اگر اس پر متعینہ ٹیکس مجموعی پیداوار کا صرف ½ یا ⅓ ہی ہو، برے یا بھلے ہر سال اسے کسی دشواری کے بغیر ادا نہ کر دے گی۔ یہی نہیں کہ وہ ایسا کرے گی بلکہ اس تحت وہ اتنی خوشحال ہو جائے گی جتنی اس سے قبل کبھی نہ رہی ہوگی . . . . میں اس مفروضہ کے لیے کہ ہندو شرح ٹیکس میں اضافہ مسلم فتوحات

ہوا تھا، یا یہ ماننے کے لیے کہ ٹیکس کی وہ شرح جسے ہم پاتے ہیں اس عہد سے پیشتر نہیں پائی جاتی تھی . . . . . کوئی بنیاد نہ پاسکا۔ چند ناقص دستاویزات جو آخری بڑی ہندو ریاست وجے نگر کے محاصل کے متعلق ہم تک پہونچی ہیں ان سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ اس حکومت میں ٹیکس کی شرح اپنے مسلم جانشینوں کے مقابلہ میں کم تھی۔[317] اس عہد کے کتبات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وجے نگر کی تاریخ کے بعض ادوار میں ٹیکس بھاری تھے۔ لوگ ان بھاری ٹیکسوں کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس لیے بسا اوقات وہ حکومت کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے اپنی آراضیات کو فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ رام ناد ضلع کے تیروکلکودی (TIRUKKOLAKKUDI) مقام کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ ویلنگودی (VELANGUDI) کے مرواؤن (MARAVAS) نے اپنی اراضیوں پر عاید ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے تیروکلکودی کے مندر کے ہاتھوں زمین فروخت کی تھی۔ آراضیاں نہایت مجبوری کے حالات فروخت کی گئی تھیں۔ کیونکہ مرواؤن کے پاس حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔[318] 1519ء میں موجودہ پودوکوتائی ریاست میں واقع تیرووننگولم اور اس کے اطراف کی آراضیوں اور پادی کاول (PADIKAVAL) حقوق کے مالکوں کو مجبوراً اپنی آراضیاں اس قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت کردینی پڑیں جو انہوں نے مندر کے خزانہ سے بعض محاصل مثلاً ویندوگول (VENDUGOL) وینی یوگم (VINIYOGAM) ایرکورو (ERCORU) کورّالیشی (KURRAISI) اور روِیتی موتایال (VITTAMUTTAIYAL) بے باق کرنے کے لیے لیا تھا۔ انھیں اپنی زمینیں اس لیے بیچنی پڑیں کہ وہ ان مطالبات کو جو سوامی نرسانایکم (SVAMI NARASA NAYAKKAM) نے اپنے حکومت کی طرف سے کیے تھے کسی اور طریقہ پر ادا نہیں کر سکتے تھے۔[319]

کبھی کبھی ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں لوگ حکام کی مخالفت بھی کرتے تھے مقامی تنظیمیں مثلاً دیہی اسمبلی اور ولنگائی اور رایدنگائی کے 98 فرقے ایک ساتھ متحد ہو گئے اور راجیہ گرام کی مخالفت کی۔ چند مواقع پر کافی غور و خوض کے بعد وہ خود ان ٹیکسوں کی کوئی شرح مقرر کر دیتے جنھیں وہ حکومت کو ادا کرتے تھے۔ 1429ء میں تنجور ضلع کے تیرووائی گاوور (TIRUVAIGAVUR) مقام میں مجتمع پران تکنادو (PRANATAKNADU) کے باشندوں اور ولن گائی فرقوں نے بادشاہ کو اپنے ٹیکس ادا کرنے کے سلسلہ میں ایک فیصلہ کیا اپنے اس فیصلہ کے دیباچہ میں انھوں

نے ان اسباب پر روشنی ڈالی جن کی بنا پر انہوں نے اس طریقہ کو اپنایا اور کہا کنیڑوں (ہوئے شالوں)
کے زمانہ سے اس ضلع کو (مندر کے) ملازمین کا جی وی تا پرّو (JIVIRA PARRU) قرار
دیا جا چکا تھا۔ ٹیکس تنہا کوئی ایک شخص وصول نہیں کرتا تھا، اراضیاں دوسرے اشخاص کو اجارہ
(ادوولائی ADAMOLAI) پر دے دی جاتی تھیں اور پوروری (PURVARI) ٹیکس
وصول کیئے جاتے تھے اس طرح پورا ضلع برباد ہوگیا۔" اس دیباچہ میں عوام کی ان مشکلات کو بیان کرنے
کے بعد جو انھیں ان پر عاید بھاری ٹیکسوں کی بنا پر برداشت کرنی پڑتی تھیں، انھوں نے آراضیوں پر
قبضہ کی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر ان ٹیکسوں کی شرحوں کو مقرر کر دیا جو ان کی اراضیوں سے وصول کیا جاتا
تھا۔ آخر میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی شخص فہرست میں شامل لوگوں کے ماسوا کوئی بھی لوگوں کی
اکٹھا جماعت (منڈلا) (MANDALA) کی منظوری کے بغیر ٹیکسوں کو وصول نہیں کر سکتا۔[320]

جنوبی آرکٹ ضلع کے وردھاکلم مقام کے ولن گائی اور رایدن گائی فرقوں نے ایک قدم اور آگے
بڑھکر یہ فیصلہ کیا کہ وہ حکومت کے ساتھ اجتماعی مزاحمت کریں گے "بادشاہ کے افسران (RAJANYA)
اور جیو نیاؤں (JIVILAS) کے مالکان لوگوں پر سختیاں کیا کرتے تھے . . . . .
. . . اور کانیالن (KANIYALAN) اور برہمن راجیہ گرام (محاصل) لے لیا کرتے تھے۔
لہٰذا ان دونوں ذاتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کو نہ پناہ دینی چاہیے، نہ ان کے لیے حساب وکتاب لکھنا
چاہیے اور نہ ان کی تجاویز سے اتفاق کرنا چاہیئے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص (سمجھوتہ کی خلاف ورزی کرکے)
ملک کا غدار ثابت ہوگا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔"[321] وہ کتبہ جس میں یہ بات مذکور ہے اگرچہ نامکمل ہے مگر اس
سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ بادشاہ کے افسران ٹیکسوں کو عاید کرنے اور وصول کرنے میں سخت
مظالم ڈھاتے تھے۔ تنجور ضلع کے کوروکائی (KORUKKAI) مقام کی ایک دستاویز میں ایک
سمجھوتہ کا ذکر ملتا ہے جو ولن گائی اور رایدن گائی فرقہ کے لوگوں میں ہوا تھا۔ انھوں نے خراب اور جابر
حکومت کے خلاف اجتماعی مزاحمت کے لیے خود کو ایک منظم جماعت کی شکل دی اور یہ فیصلہ کیا کہ
چونکہ وہ ہم پر فصل کی پیداوار کے مطابق محصول عاید نہیں کرتے بلکہ غیر منصفانہ طور پر محاصل وصول
کرتے تھے، قریب تھا کہ ہم بھاگ جائیں۔ اس وقت ہماری سمجھ میں یہ بات آئی کہ چونکہ ہم پورے
ملک کے لوگ (MANDALAM) ایک جماعت کی شکل میں متحد نہیں ہیں لہٰذا ہمارے
ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کیا جاتا ہے . . . . آئندہ ہم صرف اتنا ہی ادا کریں گے
جتنا جائز اور فصلوں کی پیداوار کے مطابق ہے۔ اور ہم کوئی چیز جو غیر قانونی طور پر وصول کی جارہی ہے

ادا نہ کریں۔" اس کے بعد انھوں نے خشک و تر اراضی اور درختوں کی پیداوار مثلاً کٹھل، سپاری، پنکھیا کھجور، کیلا، گنا، سرخ کنول، افنتین (ARTENESIA) رینڈی کے پودے، تل، ہلدی، ادرک وغیرہ پر اور ماہی گیروں، کمہاروں، جلاہوں، حجاموں، دھوبیوں، تیلیوں، تاڑی کشید کرنے والوں اور رنگ سازوں کے پیشوں پر ادا کیے جانے والے ٹیکسوں کی شرحیں مقرر کردیں۔[322]

اسی طرح جنوبی آرکوٹ ضلع کے پنادم مقام میں انھیں ولن گائی اور ایدن گائی فرقوں نے حکومت کے افسران کے جبر و تشدد کی مخالفت کے لیے اپنی ایک جماعت بنائی۔ دو دستاویزات جن میں اس (مذکورہ بالا) بات کا تذکرہ ہے، بتلاتی ہیں کہ ان فرقوں کے 98 ذیلی فرقے، جو کاویری دریا کے شمالی کنارے پر آباد اضلاع ویرودراجھین کرول نادو (VIRUDARAJYABI - HAYAN KARAVALLANDU) پرکنا دو اور ایرون گول پاندی ولنادو (IRUNGOALA PANDI VALANADU) کے 18 پرد وغیرہ میں مقیم تھے۔ پوری تعداد میں پنادم معروف بنام مودی کوندشولا (MODIKUNDASOLA) کتورویدی منگلم (KATURVEDIMANGALAM) کے مندر میں جمع ہوئے اور انھوں نے اتحاد کا ایک معاہدہ تیار کیا کہ اگر پردھانی ونیتر (PRADHANI VANNIYAR) جیوتکارر (JIVITAKARAR) نے ان کے خلاف کوئی سختی کی، اگر برہمنوں یا ولالاؤں (VELLALAS) میں سے کسی جاگیردار نے افسران محاصل کے ذریعہ انھیں کوئی تکلیف پہنچائی، اگر ان میں سے کسی نے غیر منفصانہ ٹیکسوں کو تسلیم کر لیا یا غلط افواہیں پھیلائیں یا دستاویزات کو (شاید وہ جن میں ان کے فرقہ وارانہ حقوق کا ذکر تھا) نقصان پہونچایا، اگر منڈلم میں سے کسی شخص نے محاسب (ACC - OUNTANT) کی حیثیت سے ملازمت قبول کی، یا ناتُودروہم (NATHUDROHAM) کا مرتکب ہوا۔ تو ان فرقوں کی جماعتیں آج کی طرح اکٹھا ہوں گی اور قانون شکنوں کو دی جانے والی سزا کا فیصلہ کریں گی۔[323]

یہی نہیں، بلکہ مملکت کے بعض علاقوں میں جہاں لوگ اجتماعی مزاحمت کے لیے باقاعدہ متحد نہ تھے، وہاں انھوں نے اپنے اصل گھروں کو چھوڑ دیا اور کہیں اور منتقل ہو گئے۔ اس ترک وطن کو روکنے کے لیے یا جو لوگ ترک وطن کر چکے تھے ان کو اپنے قدیم دیہاتوں میں واپس لانے کے لیے حکومت کو ٹیکسوں میں کمی کرنی پڑی۔ کرشن دیورائے اپنی آمکتا مالیاد میں درست ہی کہتا ہے کہ "وہ بادشاہ کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا خواہ وہ ساتوں دیوپیاؤں (DVIPAS) پر فتح ہی کیوں نہ حاصل کرلے جس

کے پاس ایسا افسر ہو جو رعایا کو، جب وہ پریشانیوں کی بنا پر ریاست کو چھوڑ دیتی ہے، تو واپس نہ بلا وے۔[324]

اسی طرح ویروپن اُدیّار کے زمانہ میں پیرونگر کے جلاہوں نے بھاری محاصل کی وجہ سے اپنے اضلاع کو چھوڑ دیا اور حکومت کے ٹیکسوں کو ادا کیے بغیر دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے۔ اسی وجہ سے ریاست نے ان پر واجب الادا بعض ٹیکسوں میں کمی کر دی اور انھیں دوبارہ اپنے اپنے علاقوں میں بسنے پر راضی کیا۔[325]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1246ء کے قریب مملکت کے بعض حصوں کے لوگوں پر محاصل کا کافی بوجھ پڑا تھا۔ جنوبی آرکوٹ ضلع کے تیروویدی مقام کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ چونکہ والن گائی اور ایدن گائی فرقوں سے وصول کئے جانے والے انیاوری (INAVARI) اور ایدن گائیوری (IDA - NGAIVARI) کے محصول بہت زیادہ تھے۔ گاؤں مفلسی کا شکار تھا، لوگ دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے تھے اور ملک غیر آباد ہو گیا تھا لہٰذا بادشاہ نے ناگرسا اودیّار (NAGAR - SAUDAIYAR) کے نام ایک فرمان جاری کیا جس میں اسے یہ اختیار دیا کہ وہ ان تمام ٹیکسوں کو منسوخ کر دے۔[326] سالم سولہویں صدی کے آغاز میں سالم ضلع کے لوگ بھاری ٹیکسوں میں دبے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے مگ دائی منڈلم کے اضلاع (NATTAR) کے باشندوں نے ملک چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا اس ترک وطن کی روک تھام کے لیے تیاگن نایک نے جو شاید مقامی سردار تھا لوگوں سے ایک عہد (آدائی ولائی (ADAUOLAI) کیا۔[327]

سولہویں صدی کے آغاز میں جنوبی آرکوٹ ضلع میں، حکومت کی دوسری سختیوں کے علاوہ محاصل بھی بہت زیادہ تھے۔ لہٰذا شری موسنم (SROMUSNVAM) کے علاقہ کے گورنر پالی گونڈا پیرومال کا کچھیرایر (PALLIGONDA DPUMAL KACCIRAYAR) کے بیٹے ترینی ترناتھ (TRINETABNATH) کا کچھیرایر نے ٹیکسوں کی ان شرحوں پر نظر ثانی کی جو اس زمانہ میں کافی زیادہ ہو گئی تھیں۔ جب ملک پر کنڑوں (KANNADAYAS) کا تسلط تھا ظلم و ستم کی بنا پر باشندے بھاگ گئے تھے اور سوروپا (SVARUPA) (؟) منتشر ہو گیا تھا (لہٰذا) اس نے حکم دیا کہ (1) اراضی کی سال بہ سال 34 فیٹ کی جریب سے پیمائش کی جائے (2) ٹیکسوں کی تمام مدوں کو شامل کر کے، خشک زمین کے ایک ما (MA) پر 5 پنم اور تر زمین کے ایک ما پر 20 پنم وصول کیا جائے (3) ارشوپیرو (ARASUPIRU) کی مد میں ہر پٹہ دار سے $\frac{1}{8}$ پنم، شیٹوں کے ہر کرگھے

پر 3 پنم کمّال (KANMALA) کے کاشتکاروں پر 2 پنم کیکولا (KAIKKOLA) کے
جلاہوں پر 3 پنم وصول کیا جائے۔ (4) ابدی تورائی (IDAITURAI) کے لیے 8 بھیڑوں
پر ½ پنم وصول کیا جائے۔[328] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نئے انتظام نے بھی لوگوں پر کافی بوجھ ڈالا
اس وجہ سے وہ دوبارہ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ لہٰذا واشل ادییپہ نایک
(VASAL ADIYAPPA NAYAKA) کے بھائی شنپہ نایکر (SINNAPPA NAYAKKAR)
نے شاکھا 1235 (1513-14 سنہ) میں ٹیکس کی مناسب شرحیں مقرر کیں۔ نئے
انتظام کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔ کدمائی، کانکائی، کودی، کادو، کانکائی، پوروری اور وینی یوگم
(VINIYOGAM) کا بندوبست استمراری (PERMANENT SETTLEMENT) اضلاع
میں مقیم باشندوں کے لیے تر اراضی پر 8 پنم اور خشک اراضی پر 2 پنم اور ان لوگوں کے لیے جو آتے
جاتے رہتے تھے تر اراضی پر 2 پنم اور خشک اراضی پر 15 پنم اور ان لوگوں کے لیے جو باہر رہ رہے تھے
تر اراضی پر 15 اور خشک اراضی پر 10 پنم طے کر دیا گیا۔[329] تنجور کے چینپا نایک (CIMAPPA NAYAKA)
نے سو بھانو (SVABHANU) کے سال کام مالر (KAMMALAR)
کی پانچ ذاتوں، لوہاروں، بڑھیوں، سوناروں، معماروں اور پیتل کا کام کرنے والوں کو کانکائی، کتایم
(KATTAYAM) پاک کوکتایم (PAKKUKATTAYAM) اور تلائیارکم (TALAI-
YARIKKAM) کے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اس لیے کہ انھوں نے طے کر لیا تھا کہ
اگر انھیں ادائیگی پر مجبور کیا گیا تو ادائیگی سے اپنی نااہلیت کی بنا پر وہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے۔[330]
اچیوت رائے کے دورِ حکومت میں بھی مدینی ودپرّا (MADIYANI VADAPARRU) کے عوام
پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے تھے اور ان ٹیکسوں کی وصولی ایک افسر جو رایپّا نایکر
(RAYAPPA NAYAKKAR) کے نام سے معروف تھا، تیروپتّور (TIRUPPATTUR)
میں واقع اپنے کیمپ سے نہایت سختی سے کرتا تھا۔ (چونکہ) باشندگان کدمائی اور کانکائی کے
ٹیکسوں کو، جو ان کے گاؤں پر واجب الادا تھا، ادا کرنے کے قابل نہ تھے۔ لہٰذا ان میں سے بعض
نے اپنی آراضیاں تیروپووالائی کودی ادیانائے نار (TIRUPUVALOI KUDI UDAIYA NAYANAR)
کے مندر کے عہدیداروں کے ہاتھ فروخت کر دیں جبکہ دوسرے متعدد خاندانوں نے گاؤں چھوڑ دیا
اس لیے کہ وہ اپنا ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔[331]
اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کے شمالی مشرقی حصہ پر افسران نے سختیاں کی تھیں اسی وجہ

سے کوت الدا شیمے (KAVATALADA SIME) کے گَوداؤں (GAVUDAS) اور دوسرے
لوگ جو حکومت کے افسروں کی زیادتیوں کو برداشت نہ کر سکے توسویا شیمے (MASAVAYA SIME)
منتقل ہو گئے۔ لہٰذا منڈ لیشور سلکیا دیوسیکا، تیرو مل راجہ مہاارشو۔ (MAHAMANDA LESVARA SALAK-
AYADEVA CIKA TIRUMALARAJAMAHA ARASU) شاکھا 1454ء میں آدوانی (ADAVANI) آیا
اور عوام کی تالیف قلب کی اور کاشتکاری اور پیشے کی مناسب شرطوں کی پیشکش کر کے انھیں کوتالا
(KAVATALA) ضلع میں دوبارہ آبسنے کے لیے آمادہ کیا۔[332] 1533-34ء میں کنگنی پلّے شیمے
(KANGANIPALLE SIME) کی محرفہ ذاتیں بھاری ٹیکسوں کی بنا پر ایک جماعت کی شکل میں
اپنی اصل جائدادوں سے منتقل ہو کر پاکل شیمے (PAKALA SIME) اور کندیری پی شیمے
(KUNDIRIPI SIME) چلی گئیں۔ حکومت نے اس سلسلہ فوری مداخلت کی اور ٹیکسوں کو
معاف کر دیا۔[333]

وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانے میں تحصیل محاصل کی نوعیت کے بارے میں نونیز چند
باتیں کہتا ہے وہ کہتا ہے "اس وجہ سے آراضیات پر قابض لوگوں کے ظالم و جابر ہونے کی بنا پر عوام کو کافی
سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں . . . . . جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ تمام آراضیاں
بادشاہ کی ملکیت ہیں اور اسی کے ہاتھوں سے یہ سرداروں کے قبضہ میں آتی ہیں۔ یہ لوگ انھیں ایسے
کاشتکاروں کے حوالے کر دیتے ہیں جو اپنے مالک کو $\frac{9}{10}$ دیتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی کوئی زمینیں نہیں
ہوتی۔ اس لیے کہ ساری مملکت بادشاہ کی ملکیت ہے۔"[334] نونیز اپنے اس اندازہ اور بیان کہ تمام اراضیاں
بادشاہ کی ملکیت ہوتی تھیں، دونوں ہی میں غلط ہو سکتا ہے۔ مورخ کے اس بیان پر سیول یون
تبصرہ کرتا ہے "یہ بیان خواہ درست ہو یا نہ ہو اس لیے کہ یہ ایک بیرونی ذریعہ سے ملا ہے، لیکن یہ
بیان اس عام خیال کی زبردست تائید کرتا ہے کہ ہندو اقتدار کے زمانہ میں امراء جنوبی ہندوستان
کی رعایا پر بڑی سختیاں کر رہے تھے۔ یہ دونوں کتابیں جو ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ لکھی
گئیں، ان کی بعض عبارتیں یہاں پر کئے گئے اس دعویٰ کی توثیق کرتی ہیں کہ عوام کو بلیس ڈالا گیا
تھا اور وہ انتہائی غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے۔"[335]

سیول کا تبصرہ مبالغہ آمیز ہے۔ اگرچہ ہمارے پاس ادب و کتبات کے ٹھوس شواہد موجود ہیں
جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ادوار میں ٹیکس بہت زیادہ تھے اور اس زمانہ میں لوگوں نے

سخت مصیبتیں جھیلیں، لیکن ہمارا یہ سمجھ لینا درست نہ ہوگا کہ حکومت کی یہ زیادتیاں مستقل ہمہ گیر تھیں۔ بھاری ٹیکسوں اور افسران کے ظلم وستم کے خلاف شکایت کی وجہ، جیسا کہ خود کتبات میں مذکور ہے کنڑوں (KANNADAYAS) کا تسلط تھا۔ سالوُں کا زمانہ عوام کی کلفت و پریشانی کا زمانہ تھا جب ٹیکس زیادہ تھے اور اس کے ساتھ شاید وصولی بھی سخت تھی۔ بعد میں بھی خود شاہی حکومت سے زیادہ گورنروں کے ذریعہ عوام پر سختیاں کی گئیں۔ یہ سختیاں خود محاصل کی اپنی نوعیت کی بہ نسبت اس طریقہ کار کی وجہ سے زیادہ محسوس کی گئیں جو محاصل کی وصولی کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔

یہ بات اس عہد کے چند کتبات سے واضح ہے۔ جنوبی آرکوٹ ضلع کے تیرووا ماتور (TIRUVAMATTUR) مقام کا ایک کتبہ دیودانا (DEVADANA) گاؤں سے وصول کیے جانے والے مختلف محاصل کی تفصیل پیش کرتا ہے اور مزید بتلاتا ہے کہ ان مختلف ٹیکسوں کی مجموعی سالانہ رقم صرف 2 پون تھی۔ جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کہتا ہے "اگر اس (رقم) کو اوسط مان لیا جائے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ نقد اور جنس کی شکل میں مختلف محاصل کی شرحیں بہت کم ہوتی ہوں گی۔"[336]

چنگل پت ضلع کے پیرونگر مقام کے ایک کتبہ مورخہ 15-1414ء میں جلاہوں، تیلیوں، اور دیگر تاجروں سے ان کے مقامی مندر میں ایک مستقل چراغ جلانے کے عوض لیے جانے والے ٹیکسوں کی ایک مجموعی رقم کے تعین کا ذکر ہے۔[337]

میسور ریاست میں کولار ضلع کے ولباگل تعلقہ کے ایک دوسرے کتبہ میں مذکور ہے کہ مولوای ہری یپا (MULUVAYI HARIYAPPA) نے ایک تاجر سن کپ سیٹی (SAN KAPA SETTI) کو ایک فرمان (SASANA) دیا جس میں اس کے ذریعہ دیئے جانے والے مختلف محاصل کے علاوہ 2 ہن کی مقررہ لگان کو اس شرط پر معاف کر دیا کہ وہ مولوائی کے مندر کو روزانہ دو پان بطور نذرانہ پیش کرے گا، یہ کتبات یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دیتے ہیں کہ جنس اور نقد کی شکل میں ادا کیے جانے والے محاصل کی مدّات گرچہ زیادہ تھیں لیکن محاصل کا بوجھ زیادہ نہ تھا اس لیے کہ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف قسم کے رسمی اور دوسرے محاصل کو پابندی کے ساتھ نسبتاً معمولی معاوضوں میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ کتبات ہیں، جن میں بھاری ٹیکسوں اور اس کے نتیجہ میں عوام کو ہونے والی دشواریوں کا ذکر ہے جنہوں نے انھیں اس حد تک مجبور کر دیا تھا

کہ یا تو وہ حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے اپنی آراضیاں فروخت کردیں یا جہاں وہ کچھ منتظم تھے، حکومت کے ساتھ اجتماعی مزاحمت کریں، یا جہاں لوگ اچھی طرح منتظم نہ تھے وہاں اس ضلع سے کسی دوسری جگہ منتقل ہوجائیں مگر انھیں کتبات کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے کتبات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کی حکومت میں محاصل اتنے زیادہ سخت نہ تھے البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وجے نگر کے محاصل ½ کے قدیم تناسب کے مطابق ہوں گے اس لیے کہ متعدد بادشاہوں نے ہر موقع سے فائدہ اٹھاکر ریاست کے محاصل بڑھائے اور اپنا حصہ انتہائی سختی سے وصول کیا۔ لیکن عوام پر عاید ٹیکسوں کی سختی کو مبالغہ سے بیان کرنا ایک رواج سا رہا ہے۔ درحقیقت عوام وصولی کے طریقہ کے مخالف تھے نہ کہ محاصل کی مدّات یا ان کے بوجھ کے اس لیے کہ یہ وصولی کا طریقہ ہی ہے جو عوام کو بڑی حد تک محسوس کراتا ہے کہ محاصل سخت ہیں یا ہلکے۔

فصل ششم

اخراجات

تمام ہندو مملکتوں میں انتظامیہ پر حکومت کے نقد اخراجات کافی حد تک کم ہوا کرتے تھے۔ حکومت کی انتظامیہ روایتی انداز پر کام کرتی تھی اور ریاست کے تمام حکام کو نقد ادائیگی کی ضرورت نہ تھی۔ انھیں تنخواہ عموماً سرومان یمون (SARVANAN YAMS) کے عطیات کی شکل میں دی جاتی تھی جن سے وہ حکومت کو کوئی محصول دئے بغیر فائدہ اٹھاتے تھے یا بعض محاصل ان کے حوالے کردئے جاتے تھے۔ اسی طرح حکومت کے ادنیٰ ملازمین کو انعامات خدمت اور مانیم (MANYAMS) عطا کردیئے جاتے تھے جن سے یہ لوگ بھی محصول سے مستثنیٰ رہکر اپنی خدمات کے معاوضہ کے طور پر مستفید ہوتے تھے۔ وجے نگر کے بادشاہوں نے ایک بڑی بحری فوج رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر وہ اس کا انتظام کرتے تو ان کے مالی ذرائع کا ایک بڑا حصہ اس پر صرف ہوجاتا۔ امن عامہ (پادی کاول۔ PADIKAVAL) کا اختیار عموماً مقامی لوگوں کو اجارہ پر دے دیا جاتا تھا جو اس حق کی حصولی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سے حکومت کو ملک میں نظم وضبط برقرار رکھنے کی اپنی ذمہ داری اور اس پر صرف ہونے والے کثیر اخراجات سے کسی حد تک چھٹکارا مل جاتا تھا۔ عدل وانصاف کا تعلق بھی، کم از کم

عملاً مستقل طور پر حکومت ہی سے نہ تھا۔ دیوانی اور فوجداری دونوں ہی قسم کے جھگڑے عموماً مقامی طور پر برادری اور گاؤں کے سرداروں کے ذریعے طے پا جاتے تھے اور شاذو نادر ہی شاہی عدالت تک پہنچتے تھے۔ چنانچہ حکومت کے خرچ پر قائم عدالتوں کی کوئی باضابطہ درجہ بندی نہ تھی۔ موجودہ زمانہ کے عہد وسطیٰ میں تعلیم بڑی حد تک ایک نجی معاملہ تھا۔ ریاست نے عوام میں تعلیم کی ترویج کے لیے کوئی تفصیلی اقدام نہیں اٹھایا۔ مزید یہ کہ اس زمانہ میں تعلیم عامہ ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی اس لیے کہ پیشہ کا انتخاب ذات پات پر منحصر تھا۔ اس طرح ان چیزوں پر حکومت کے اخراجات زیادہ نہ تھے۔

اخراجات کی چند مدات، خصوصاً فوج، جس پر آمدنی کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا تھا، قابل توجہ ہیں آمکتا مالیا د میں درج ہے کہ "وہ رقوم جو ہاتھی اور گھوڑوں کی خرید اور ان کی غذا، سپاہیوں کی ضروریات، دیوتاؤں اور برہمنوں کی پوجا اور خود اپنے تلذذات پر صرف کی جاتی ہیں۔ انہیں اخراجات کا نام کبھی نہیں دیا جاسکتا"[339]۔ کچھ تو بہمنی سلاطین کے ساتھ جنگوں کے مستقل اندیشہ کے سبب، کچھ ریاستوں میں موجود سرکش جاگیرداروں کی نافرمانی اور بغاوتوں کی وجہ سے اور کچھ ہر چہار جانب مملکت کی توسیع کی وجہ سے وجے نگر کی حکومت کے عسکری اخراجات بہت زیادہ تھے۔ نونیز لکھتا ہے کہ "اس ساٹھ لاکھ میں سے جو بادشاہ کو ہر سال محاصل سے ملتا ہے۔ وہ 25 لاکھ سے زیادہ نہیں لے پاتا، اس لیے کہ بقیہ رقم اس کے گھوڑوں، ہاتھیوں، پیادہ اور سوار فوجوں پر صرف ہو جاتی ہے جسے وہ پورا کرتا ہے"[340]۔ مثال کے طور پر کرشن دیورائے نے اپنی فوج کو طاقت ور بنانے کے لیے زیادہ قیمتیں دیکر عربوں سے گھوڑے خریدے۔ وجے نگر کے سلاطین دارالسلطنت میں ایک مستقل فوج رکھتے تھے۔ جو ہمیشہ جنگ کے لیے تیار رہتی تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ تنہا یہ مد پر متوالی اخراجات کی کتنی بڑی رقم درکار ہوگی۔ لیکن یہاں ضمناً یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بادشاہوں کی یہ مستقل فوج ان زبردست افواج کا محض ایک حصہ ہوتی تھی جنھیں جنگ کے زمانہ میں اکٹھا کیا جاتا تھا کیونکہ موخرالذکر کی تشکیل میں صرف — یہ باضابطہ مستقل فوج ہی نہیں، بلکہ جاگیرداروں سے لیے جانے والے رسالے بھی شامل ہوتے تھے۔

سرکاری اخراجات کی دوسری بڑی مد وہ تھی جو عوامی اوقاف اور خیرات پر صرف ہوتی تھی۔ کوئی مندر بادشاہوں کی توجہ سے بچتا نہ تھا، اور کوئی عوامی ادارہ ان کی نظر عنایت سے محروم نہ تھا۔ پورے جنوبی ہندوستان میں ایسے کتبات بکھرے پڑے ہیں جن میں وجے نگر کے بادشاہوں کی خیر خیرات کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے نئے مندروں کی تعمیر کی، بہت سے پرانے مندروں کو درست کرایا، پرانے عطیات کی تجدید کی اور مندروں میں تقریبات

اور پوجا کا آغاز کرایا۔ بسا اوقات مندروں کی ضروریات اور مرمت کے لیے ٹیکسوں کو ان کے حق میں معاف کردیا گیا۔ نونیز کے بیان کے مطابق ملّی کارجونا نے اپنی مملکت کے محاصل کا پانچواں حصّہ مندروں کو عطا کردیا تھا[341]۔ اگرچہ بادشاہ بذاتِ خود ہمیشہ اتنے تعلیم یافتہ نہ ہوتے تھے جتنا کہ کرشن دیورائے تھا، لیکن وہ تعلیم اور تعلیم یافتہ لوگوں کی قدر کرتے تھے یہ شاہی دربار ہی تھے جہاں مختلف نظریات کے محققین پیچیدہ فلسفیانہ موضوعات پر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے جمع ہوتے اور مباحث قائم کرتے تھے حکمران بادشاہ ان مذاکروں میں دلچسپی لیتے اور صاحبانِ علم کی بیش قیمت تحائف اور محاصل سے مستثنیٰ گاؤں کے عطایا سے عزت افزائی کرتے تھے۔

وجے نگر کے مالیات پر دوسرا بار آب پاشی اور تعمیرات عامہ کا تھا وجے نگر کا دورِ اقتدار تالابوں اور جھیلوں کی تعمیر اور زراعتی مقاصد کے لیے سینچائی کے بڑے بڑے کاموں کے لیے ممتاز تھا۔ بادشاہ مفاد عامہ کے ان بڑے بڑے کاموں کا بیڑا اٹھانے اور انھیں مکمل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے متعلقہ فنون، عمارت سازی، سنگ تراشی اور مصوری کی بھی انھوں نے کافی ہمّت افزائی کی۔

ریاست کی مالیات کا ایک بڑا حصّہ بادشاہوں کے حرم پر صرف ہوجاتا تھا تقریبًا تمام غیر ملکی سیام جو وجے نگر آئے، وہ حرم کی تعداد اور اس کے مال و متاع پر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ شاہی محل میں عورتوں کی تعداد کے متعلق ہمیں مبالغہ آمیز بیانات ملتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح کے حرم رکھنے کے اخراجات بلاشبہ بہت زیادہ ہوں گے۔ مزید یہ کہ یہ عہد ظاہری طمطراق اور نمائش کا تھا کافی رقم لباس، مشروبات، عورتوں اور بادشاہوں کے ذوق کی تسکین کے لیے بہت سے دوسرے غیر منفعت بخش مصارف پر برباد کرتی جاتی تھی۔ جس کے نتیجہ میں عوامی خزانہ ہمیشہ خالی رہتا۔

موجودہ زمانہ میں نظام زر (MONETERY SYSTEMS) کی ترقی اور بینک کی سہولتوں میں اضافہ کی بنا پر قیمتی دھاتوں بالخصوص سونے کی ذخیرہ اندوزی کی ضرورت کم ہوتی جارہی ہے۔ لیکن عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں چونکہ نظام زر ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا۔ لہٰذا ان ادوار میں نہ صرف عوام بلکہ حکومت بھی قیمتی دھاتوں کی ذخیرہ اندوزی کرتی تھی۔ کرشن دیورائے اپنی آمکتا مالیادا میں بادشاہ کی آمدنی کو چار حصّوں میں منقسم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک حصّہ وسیع پیمانہ پر خیرات کے کاموں اور تفریح پر اور دو حصّے ایک مضبوط و مستحکم فوج کے قیام پر خرچ کیا جانا چاہئے اور ایک حصّہ خزانے میں داخل کیا جانا چاہئے[342]۔

یہ کہ وجے نگر کے بادشاہوں نے ایک بڑا خزانہ جمع کر رکھا تھا اس کی تصدیق پائس کے ذریعہ بھی ہوتی

ہے جو یہ بتاتا ہے کہ بادشاہ کس طرح دولت جمع کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے "یہاں کے سابق بادشاہوں نے گذشتہ بہت سالوں سے ایک خزانہ قائم کرنے کا رواج بنا لیا ہے۔ اس خزانہ کو ہر (بادشاہ) کے مرنے کے بعد اس طرح مقفل اور سربمہر کر کے رکھ دیا جاتا ہے کہ نہ کوئی اسے دیکھ سکتا ہے اور نہ کھول سکتا ہے نہ ہی مملکت میں تخت نشیں ہونے والے بادشاہ انھیں کھول سکتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں۔ کہ ان میں کیا ہے۔ انھیں اس وقت تک نہیں کھولا جاتا ہے جب تک بادشاہوں کو شدید ضرورت نہ پڑ جائے۔ اس طرح اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مملکت کے پاس کافی وسائل موجود رہتے ہیں۔ اس بادشاہ (کرشن دیو رائے) نے اپنا خزانہ سابق بادشاہوں سے مختلف انداز پر قائم کیا ہے اور وہ اس میں ہر سال ایک کروڑ پرداؤ جمع کرتا ہے اور اس میں سے وہ اپنے گھر کے اخراجات کے لیے جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے ایک پرداؤ زیادہ بھی نہیں لیتا۔ علاوہ ان اخراجات کے اور ان کے جو اس کی بیویوں کے گھروں پر صرف ہوتے تھے، جن کے بارے میں ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ تقریباً بارہ ہزار عورتیں اس کے پاس تھیں بقیہ رقم اس کے پاس باقی رہ جاتی ہے۔ ان (تفصیلات) سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس مملکت میں کتنی زیادہ دولت ہے اور اس بادشاہ نے کتنا بڑا خزانہ جمع کر رکھا ہے[343]" اس زمانہ میں خزانہ اکٹھا کرنا ضروری تھا تاکہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بڑی بڑی غیر متوقع ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ کبھی کبھی ناخوشگوار حالات میں عوام کی مشکلات کم کرنے کے لیے بھی اقدامات کرنے پڑتے تھے۔ اس طرح یہ رقم صرف قومی مقاصد پر صرف کی جاتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خزانے کے علاوہ جس میں سکّے اور روپیے جمع کیے جاتے تھے، دو اور خزانے بھی تھے۔ ایک خزانۂ طلا تھا جس میں غالباً سونا جمع کیا جاتا تھا[344] اور دوسرا خزانۂ جواہر[345] جہاں ہیرے جواہرات اکٹھے کیے جاتے تھے۔

حواشی
باب سوم

1. گوشل، ہندو ریونیو سسٹم (HINDU REVENUE SYSTEM)، ص 165
2. ایپی گرافیا کرناٹیکا، جلد 3، SR.6
3. 1914ء کا 54، رپورٹ 1915ء پیراگراف 44
4. 1914ء کا 54، رپورٹ 1915ء پیراگراف 44
5. 1914ء کا 54، رپورٹ 1915ء پیراگراف 44
6. 1918ء کا 91، رپورٹ پیراگراف 68

6 الف۔ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1920ء پیراگراف 79

ملاحظہ ہو (GLOSSARY) از ولسن (WILSON)، تحت لفظ مالا (MALA)

7. 1918ء کا 91، رپورٹ، پیراگراف 68
8. 1914ء کا 59، رپورٹ، 1915 پیراگراف 44 اور
9. ایپی گرافیا کرناٹیکا، 18، ص 139
10. 1921ء کا 510، رپورٹ، پیراگراف 43
11. 1921ء کا 321، مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1913ء، رپورٹ، پیراگراف 56، ایپی گرافیا کرناٹیکا، 4،
12. 1911ء کا 324، رپورٹ، پیراگراف 49، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محصول ایسے گھروں پر وصول کیا جاتا تھا جن میں احاطہ ہو۔
13. 1921ء کا 203، رپورٹ، پیراگراف۔ 41۔
14. ایپی گرافیا کرناٹیکا، 11، چترورگا (CHITRADURGA) 2۔

15؎ ایپی گرافیا انڈیکا، 8، ص 304 جلد 2، 133-134

16؎ 1919ء کا 585،

17؎ 1888ء کا 73، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 2 نمبر 23

18؎ 1897ء کا 55، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 6 نمبر 4

19؎ ایپی گرافیا انڈیکا، 18، ص ص 139۔ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920ء، پیراگراف۔ 79،

20؎ 1918ء کا 103

21؎ 1921ء کا 510، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 2 نمبر 23

22؎ ایپی گرافیا انڈیکا، 17، ص 112

23؎ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 681، 1914ء کا 244، رپورٹ 1915ء، پیراگراف

24؎ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس۔ 1916ء، پیراگراف 96

25؎ 1897ء کا 117، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 6 نمبر 71

26؎ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 1911ء کا 389، جلد 10

27؎ ایپی گرافیا کرناٹیکا، جلد 8، ص 304

28؎ 1910ء کا 294

29؎ 1887ء کا 35۔ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس جلد 1 نمبر 55

30؎ 1897ء کا 118، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس جلد 6 نمبر 72

31؎ 1923-24ء

32؎ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 711، پلن کرائی (PALANKARU)، جو پودوکوٹائی ریاست ہی میں ہے۔ کے ایک قیمتی کتبہ میں شورائی دیور (SURAIYADEVAR) معروف بہ کل شیکھر توندائی مانار (KULASEKHARA TONDAIMANAR) اوراس کے آدمیوں کا ایک حکم درج ہے جو اس نے اپنے باپ پکائی توندئی مانار (POCCAI TONDAIMANAR) کے حکم کی پیروی میں پالئی یورنادو (PALAIYURNADU) کے باشندگان کے نام جاری کیا تھا۔ اس میں ان لوگوں سے وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کی شرح متعین کی گئی تھی۔ یہاں یہ فقرہ "ٹیکس اسی زمین پر جس پر فصل کاٹی گئی ہے۔"

بہت زیادہ اہم ہے اور ہمارے لیے دلچسپ ہے اس لیے کہ اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ
زمین کا ٹیکس زمین کی اسی حد پر وصول کیا جاتا تھا جس پر فصل کاٹی گئی ہو دانسکر پسنشن آف دی پودوکوتائی
اسٹیٹ 784) لیکن یہاں کرایہ کا ذکر ہے نہ کہ ٹیکس کا۔

33ھ اسی طرح حکومت تجارتی اشیاء کی اس مقدار پر ٹیکس کا مطالبہ کرتی تھی جو درحقیقت فروخت ہو چکی ہوں
مثال کے طور پر عبدالرزاق کہتا ہے کہ "شعبۂ ٹیکس کے افسران اشیاء پر ۱/۴ ٹیکس عاید کرتے ہیں" "جب
ان کی بکری ہو چکی ہے "لیکن اگر ان کی بکری نہیں ہو پاتی تو وہ ان پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس وصول
نہیں کرتے۔"

34ھ 1927-28ء کا 21،

35ھ 1913ء کا 36

36ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، کولر، 39، اس اصطلاح کے مختلف معنوں کے لیے ملاحظہ ہو:
(AKISANWAR GLOSSARY) از نرسنگ راؤ الل (NARSINGA RAO
(ULLAL ، ص ص 164-165، شوشل اینڈ پولیٹیکل (SOCIAL AND POLITICAL
از سیلیٹور (لائف اِن وجے نگرامپائر) (LIFE IN VIJAYANAGAR
(EMPIRE ، 2، ص 442-

37ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، نن جن گود (NANJANGUD) ، 195-

38ھ میسور گزٹ، جلد 1، ص 578

39ھ اس طرح کے چند اہم پیمائش آلات یہ تھے:۔ چنگلی پٹ ضلع میں تیروپوکولی (TIRUPPAKULI)
کا نادل ودکول (NADAL VUKOL) 1899ء کا 18، 1365ء
اسی ضلع میں تیروپوکولی اور میلوتی واکم (MELITTAVAKKAM) مقام کا راج
ویبھادن کول (RAJA VIBHADAN KOL) 1922ء کا 107، 1374ء
1916ء کا 193، 39-1438ء، پودوکوتائی ریاست میں تیرومیّم (TIRUMAYYAM)
تعلقے کا 13 فٹ لمبی لکڑی پینی رندی کول (PANIRANDADI KOL)۔
انسکرپسنشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 685، 1388ء چنگلی پت ضلع میں تیروپالائی ونم
(TIRUPPALAIVANAM) کا اور اُس کے قرب و جوار کا گندراتے گندن کول
(GANDARAYOGANDAN KOL) (1928-29ء، 357، 390ء)، نیلور

ضلع میں پرکور (PARACUR) مقام کا ماندیاس (MANDYAS .) (نیلور ڈسٹرک انسکرپشنز (NELLORE DISTRICT INSCRIPTIONS) ،1390-91ء پودکوتائی ریاست میں کنان دار کویل (KUNNANDAR KOYIL) مقام کا 16 فٹ لمبی لکڑی، پدی ناردی کول (PADINARADI KOL) انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 687، 92-1391، تنجور ضلع میں تیروائی یارو (TIRUVAIYARU) مقام کا راج ویبھادن آلپدی نتدی کول (RAJA VIRHADAN ALAPA - DINATTADI KOL) (1894 کا 255،) ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 554، 1429ء، کوئمبتور (COIMBATORE) ضلع میں کولن جووادی (KOLUNJUVADI) کا اور اس کے قرب وجوار کا (اونجل پارائی شری وتدی (UNJALPARAI SARIVUTADI) (1893 کا 583)، جنوبی آرکٹ ضلع میں 30 اور 20 فٹ کا ایک پیمائشی آلہ (1916 کا 212)، چنگل پٹ ضلع میں تیروپوکولی (TIRUPPUKKULI) مقام کا گندرگندن کول (GANDARAGANDAR KOL) (1916 کا 212)، جنوبی آرکٹ ضلع میں 15 فٹ لمبا مووایرون کول (MUVAYIRAVAN KOL) 29-1928 کا 249، پندرہویں صدی، پودوکوتائی ریاست میں کارائی یور (KARAIYUR) مقام اور اس کے اطراف میں مستعمل ایک نشان سے نشان زدہ تدی (TADI) (انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 715، 1477ء) جنوبی آرکٹ ضلع کا 34 فٹ لمبا معیاری آلۂ پیمائش (1916 کا 237، 1504ء)، نیلور ضلع میں مستعمل 32 فٹ لمبا ایک لکڑی (نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنس، چناپٹنا، 16، 1515ء)، 24 فٹ کا ایک پیمائشی لکڑی (1887 کا 51، (ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 4، 5 میں نمبر 50، ص 54، 1535ء)

سنہ40 1899 کا 18،

سنہ41 1923 کا 107، 1916 کا 193

سنہ42 29-1928 کا 357

سنہ43 1918 کا 97، رپورٹ، 1918، پیراگراف 69

سنہ44 1916 247، رپورٹ، پیراگراف 64

سنہ45 ملاحظہ ہو ہسٹوریکل اسکیچز آف میسور۔ (HISTORICAL SKETECH OF MYSORE) ،

جلد ا، ص 95،

46ھ ساؤتھ کنارا مینوئل (SOUTH CANARA MANUAL) ص ص 94-96

47ھ ساؤتھ کنارا مینوئل، ص 95

48ھ SOUTH CANARA LAND ASSESSMENT CASE MANUAL ص 84، 96 میں نقل کیا گیا ہے۔

49ھ ساؤتھ انڈین پالیوگرافی (SOUTH INDIAN PALEOGRAPHY) ص 112

50ھ REPORT ON FORTY YEARS PROGRESS IN BRITISH INDIA، ص 10

51ھ REPLIES TO SEVENTEEN QUESTIONS، از الیف ڈبلو ایلس، ص 4،

52ھ ECONOMIC CONDITIONS IN SOUTHERN INDIA. (1000-1500ء)، از اے اپاڈورائی (A. APPADORAI)، 2، ص 674۔

53ھ میسور گزٹ (MYSORE GAZETT) 11، ص 578

54ھ تفصیلی کیٹلاگ (CATALOGUE RAISONNE) از ٹیلر (TAYLOR) جلد 3، ص 39

55ھ ورتھما (VARTHEMA) از جونس (GONES)، ص 129

56ھ سیول، ح، س، ص 282۔

57ھ ایضاً، ص 373

58ھ انڈین اینٹیکوئری، ایل، ص 143۔

59ھ الف نایکس آف مدورا، از آرستیہ ناتھ ایّر، ص 293۔

59ھ (ب) قرنی سال (CYCLIE YEAR) دُندھوبھی (DUNDHUBHI) کے ایک شکستہ کتبہ کے مطابق، جس کی صحیح تاریخ، ہمیں نہیں معلوم ہو سکی، اس بات پر اتفاق کیا گیا تھا کوڈگتّور (KODAGATTUR) کے علاقہ میں تالابوں کے نشیب میں پڑنے والی آراضی کے کاشتکار شری وارم (SORI VARAM) (یعنی مالک زمین کو پیداوار کا مساوی حصہ) دیا کریں گے اور تالاب کے باندھوں کو پتھروں اور مٹی سے مضبوط کرنے کے لیے ایک

مقررہ فیس ادا کیا کریں گے ۔ (۱۹۱۰ء کا ۱۹۷) لیکن اس کتبہ میں پٹہ داروں کے ذریعہ مالک زمین کو ادا کیے جانے والی لگان کا تذکرہ ہے لہٰذا اگر ہم اس کتبہ کو وجے نگر کے عہد کا مان بھی لیں تو بھی یہ کتبہ ریاست کے ذریعہ وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کی شرح کے تعین کے سلسلہ میں کسی بڑی اہمیت کا حامل نہیں۔ اسی طرح 56-1555 میں اوبل رائے (AUBALA RAYA) نامی ایک شخص کو بعض اراضی کی پیداوار کے $\frac{2}{3}$ سے استفادہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور اس سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ بقیہ حصہ کو یقیناً میل وارم (MELVARAM) کی حیثیت سے، اس مندر کو دے دے جس کے ذریعہ اس نے آل مورو (ALAMURU) میں اراضی خریدی تھی (1915 کا 66) ۔ یہاں بھی زمین کی لگان کا ہی ذکر ہے اور کتبہ میں ٹیکسوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ۔

حٰ60 ۱۹۱۴ کا 59، رپورٹ 1915، پیراگراف ۴۴، اگرچہ یہاں دیگر ٹیکسوں کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً گاؤں، پیشوں اور کارخانوں کے ٹیکس، لیکن ہم نے صرف زمین کے ٹیکسوں کی شرحوں کے جائزہ تک ہی خود کو محدود رکھا ہے اور دیگر ٹیکسوں پر بحث آیندہ فصل میں کی ہے ۔

حٰ61 مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1915ء، ص ۴۴، کارپاشن (KARPASANA) (یعنی تر) اراضی میں سے جو آراضی تخم ریزی کے دوران مرجاتی ہو (نٹوپال) (NATTUPAL) جن اراضی کی فصلوں میں پالے پڑجاتے (شاوی SAVI)، اور جن کی فصلوں کو کسی طرح سے نقصان پہنچتا (الیوو ALMU) کو شمار نہیں کیا جاتا تھا اسی طرح پن پائیر (PUNPAYIR) (یعنی خشک اراضی) میں سے بھی پال، شاوی اور الیوو کو شمار نہیں کیا جاتا تھا اور بقیہ اراضی پر $8\frac{1}{2}$ تا ۱۰ کی رعایتی شرح سے ٹیکس لگایا جاتا تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مستثنیٰ آراضیات میں سے جن اراضی کو معائنہ کے وقت فصل کا $\frac{1}{4}$ حصہ پیدا کرتے ہوئے پایا جاتا۔ ہر ایک کے مالک سے پیداوار کا ایک تہائی وارم (VARAM) کی حیثیت سے وصول کیا جاتا۔

حٰ62 1918 کا 91 ۔

حٰ63 تیرو ملائی تیروپتی دیوا استھنم انسکرپشنس (TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPTIONS)، نمبر 201 ۔

چونکہ نقد ادائیگیوں کے سلسلہ میں کتبہ مذکورہ بالا گاؤں سیتکوتائی جو عام طور پر شری نیواس گرام

(SRINIVASAGRAMAM) کے نام سے معروف ہے، کے تروتری کوٹگائی (SROTRIKUTTAGAI) کا ذکر کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کدمائی ٹیکس کا ایک حصّہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ پیداوار کا۔ اگر یہ موخر الذکر ہوتا تو نقد ادائیگی کا کوئی تذکرہ نہ ہوتا۔ نہ ہی یہ فرض کر لینا درست ہوگا کہ صرف نقد آمدنی کی ہی نہیں بلکہ غلّہ کی پیداوار کی بھی تقسیم ہوتی تھی۔

64ء 1913ء کا 36۔

65ء انسکرپشنس آف دی پودوکوٹائی اسٹیٹ (INSCRIPTIONS OF THE PUDUKKOTTAI STATE.) 711۔

66ء ایضاً، 819۔

67ء 1916 کا 247، رپورٹ، پیراگراف 64۔

68ء 1916 کا 721۔

69ء اپی گرافیا کرناٹیکا۔

70ء اپی گرافیا کرناٹیکا۔

71ء 1913 کا 272

72ء 1919 کا 585

73ء 1914 کا 59، رپورٹ، 1915 پیراگراف 44۔

74ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 9، بنگلور، 96۔

75ء 1918 کا 91، رپورٹ 1918، پیراگراف 69۔

76ء 1921 کا 335۔

77ء اپی گرافیا کرناٹیکا، یلندر، 62۔

78ء 1921 203، رپورٹ 1922، پیراگراف 41

79ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، چنّارائے پٹنا (CHENNARAYAPATNA) 97۔

80ء اپی گرافیا انڈیکا، 8 ص 304

81ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شکارپور، 241

82ء 1916 کا 373، رپورٹ 1917، پیراگراف 47

83ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 18 کولر (KOLAR) 94

84ء 1889 کا 89، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 4، نمبر 318، 1921 کا 335

85ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شی موگا (SHIMOGA)، 30۔

86ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 11، جگ لور (JAGALUR)، 2-1

87ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1920 پیراگراف 79، 7، شی موگا 30۔

88ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 2، سورب (SORAB)، 344

89ء 1914 کا 59، رپورٹ 1915، پیراگراف 44

90ء میسور گزٹ از رائس، 1، ص 583

91ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1926، نمبر 120

92ء 1921 کا 203، پیراگراف 41، 1889 کا 87

93ء 1890 28، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4، نمبر 351

94ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 4، بیلور (BELUR)، 75

95ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 3،

96ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شی موگا، 30

97ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10 چنتامنی (CHINTAMANI)، 40

98ء 1910 کا 196

99ء 1911 کا 324، رپورٹ، 1912، پیراگراف 49

100ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 7

101ء نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنس (NELLORE DISTRICT INSCRIPTIONS)

102ء 1915 کا 18؛ 1919 کا 704

103ء 1892 کا 242، ایپی گرافیا انڈیکا 4، ص 232

104ء 1894 کا 121، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 5، نمبر 410، 1916 کا 373، رپورٹ 1917، پیراگراف 47

105ء ملاحظہ ہو۔ نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنس از بٹرورتھ اور وینوگوپال چٹی (BUTTER WORTH AND VENUGOPAL CHETTY)، ص، 947۔

106ء ایک ٹیکس جو وقتاً فوقتاً متعین کی ہوئی شرح کے مطابق تجارت کے منافع پر سوداگروں، تاجروں،

دوکانداروں، خوردہ فروشوں، تجارتی ایجنٹوں اور گاؤں یا شہر کے ان تمام باشندوں سے وصول کیا جاتا تھا جو تجارت میں لگے ہوئے تھے۔ ولسن (انڈین گلوسری) (INDIAN GLOSSARY) ص 549)

۱۰۷ 1913 کا 223

۱۰۸ اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 232

۱۰۹ اپی گرافیا کرناٹیکا، 12،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "گا" سے مراد گدیانا (GADYANA) اور "ما" سے مراد مانا (MANA) ہے۔

۱۱۰ 1892 کا 242، اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 232 دوسرے کتبہ کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بیلور، 75

۱۱۱ سیول، ح، س، ص ص 363 – 364

۱۱۲ اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بیلور، 75

وجے نگری (VIJAYANAGARI)، ہستی ناوتی (HATINAVATI)، دور سمدرم (DORASAMUDRAM)، گوتی، پینوگونڈی (PENUGUNDI)، آدونی (ADAVANI)، ادے گیری، چندرا گیری، مولووائی (MULUVAYI)، کانسی (KANCI)، پدویدو (PADVIDU)، پدرون گپتن (CADURANGAPATTANA) منگلورو (MANGALURU)، بارکورو (BARKURU) ہون ناوورو (HONNAVARU)، چندوورا (CANDAVURA) آرگا (ARAGA)، چندرگتی (CANDRAGUTTI)، انّی گیرے (ANNIGERE)، ہولی گیرے (HULIGERE)، نیدوگلو NIDUGALLU چم تن کلو (CIMATANAKALLU)، تریاکلو (TARIYAKALLU)، آنیوددسری (ANEVIDDASARI)، کل ہیا (KALHEYA)، تیل کلبی (TELAKALAMBI) اور شنگا پتن (SINGAPATTANA)۔

1606ء کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ مملکت کے مغربی حصوں میں تقریباً 42 چنگی خانے تھے۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8،

113ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، شی موگا، 30

114ھ میسور گزٹ از راٹس، ا،ص ص 583 — 584

115ھ سیول، ح،س،ص 366، ایک وینٹم (VENTAM) تقریباً $\frac{7}{20}$ -

116ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، چنارائے پٹنا (CHENNARAYAPATNA) 174 -

117ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 5، بیلور، 75، نگ من گلا (NAGAMANGALA) 22، وغیرہ -

118ھ 1914 کا 59، رپورٹ، 1915، پیراگراف 44 - یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مذکورہ بالا ٹیکسوں میں صرف وہی ٹیکس شامل نہ تھے جو لوگوں پر ان کے پیشوں کے لیے عاید کیے جاتے تھے۔ بلکہ وہ ٹیکس بھی تھے جو ان کے پیشوں میں مستعمل اوزاروں اور سامانوں پر عاید کیے جاتے تھے۔ مثلاً کمہار پر عاید شدہ ٹیکس ایک ایسا ٹیکس تھا جو صرف اس کے پیشے پر ہی نہیں بلکہ تیرگائی (TIRT - GAI) یا اس کے چاک پر بھی تھا جس کا وہ استعمال کرتا تھا۔ لیکن گوپی ناتھ راؤ نے تیری گائی آئیم (TIRIGAIYAM) کی اصطلاح کا مطلب وہ ٹیکس بتلایا ہے جو مونڈیری گائی (MUNDIRIGAI) کا جو یا انگور کی عام شراب کی فروخت پر عاید کیا جاتا تھا (اپی گرافیا انڈیکا، 17، ص 117) یہ واضح طور پر غلط ہے جو ٹیکس حجاموں پر عاید تھا اس میں اس کے استرے کریوی (KARUVI) کا ٹیکس بھی شامل تھا۔ دھوبی اپنے اس پتھر کے لیے بھی ٹیکس ادا کرتا تھا جسے وہ اپنا کام کرتے وقت استعمال کرتا تھا۔ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ کل لایم (KALLAYAM) غالباً پہاڑیوں سے تراش کر لائے جانے والے پتھروں پر ایک ٹیکس تھا (حوالہ بالا) -

119ھ میسور اپی گرافی رپورٹس، 29 - 1928، پیراگراف 69

120ھ 1918 کا 91، رپورٹ، پیراگراف 68

121ھ 1910 کا 293

122ھ 1910 کا 294

123ھ 1914 کا 59، رپورٹ، 1915، پیراگراف 44

124ھ ایضاً، انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 687

125ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 752

126ھ 1921 کا 450، 1922 کا 460

۱۲۷ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، DR 57

۱۲۸ھ مندر کے نقارچیوں پر عاید ایک ٹیکس۔ ایچ، کے، شاستری کا خیال ہے کہ وہ مندر کے نقارچی تھے لیکن ہلزسش (HULTZSCH) کا خیال ہے کہ وہ نچلے طبقے کے مسلمان تھے۔
(ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ا، ص 82، این۔ کرشن شاستری کا خیال زیادہ معقول ہے۔

۱۲۹ھ اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۵،

۱۳۰ھ 1913 کا 30، رپورٹ، پیراگراف 54

۱۳۱ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1920، پیراگراف 79

۱۳۲ھ ایضاً۔

۱۳۳ھ 1917 کا 216، رپورٹ، پیراگراف 68

۱۳۴ھ 1397 کا 22۔

۱۳۵ھ نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنس،

۱۳۶ھ 1887 کا 52۔ الف

۱۳۷ھ 1913 کا 177

۱۳۸ھ 1914 کا 59، رپورٹ 1915، پیراگراف 44

۱۳۹ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 4،
1913 کا 30، رپورٹ، 1913، پیراگراف 54

۱۴۰ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، ہوس کوٹ (HOSKOTE) 103۔الف

۱۴۱ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 24۔

۱۴۱ھ الف۔ایضاً

۱۴۲ھ ایضاً 784

۱۴۳ھ ایضاً 733

۱۴۴ھ اپی گرافیا انڈیکا 17، ص 112

۱۴۵ھ 1918 کا 103، رپورٹ، پیراگراف 69

۱۴۶ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بیلور، 75
ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ (ELLIOT) جلد 4، ص 111

۱۴۷ اپی گرافیا کرناٹیکا، 6

۱۴۸ کوندو جو حجام، بوٹیکس کی معافی میں ذریعہ بنا تھا، غالباً بادشاہ کے پاس کافی اثر ورسوخ رکھتا تھا، تیلگو نظم نیرن کوشو پاکھیانم (NIRANIKASOPAKHYANAM) کا مصنف، شاعر ردرّیا (RUDRAYYA) شہر وجے نگر آیا تھا اور کوندو جو کہ اثر ورسوخ کی بنا پر اس نے درباری شعراء کی حسد و جلن کے باوجود بادشاہ سداشیو سے شرف باریابی حاصل کیا تھا۔ حجام کی طرف اپنی ممنونیت کے اظہار کے لیے شاعر نے اس کی مدح میں ایک نظم لکھی تھی جو اب تک موجود ہے۔ میسور اپی گرافی رپورٹس، 1926، پیراگراف 43

۱۴۹ اپی گرافیا کرناٹیکا 11، مولاکمورو (MOLAKAMURU) ، 6

۱۵۰ 1911 کا 293، رپورٹ 1912، پیراگراف 51۔

۱۵۱ 1914 کا 59، رپورٹ، 1915، پیراگراف 44

۱۵۲ 1918 کا 91،

۱۵۳ 1911 کا 293،

۱۵۴ 1908 کا 364،

۱۵۵ 1921 کا 284، رپورٹ، 1922، پیراگراف 41

۱۵۶ 1914 کا 365، انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 695 نمبر 1911 کا 324

۱۵۷ 1921 کا 203، رپورٹ، 1922، پیراگراف 41

۱۵۸ 1887 کا 87، 1889 کا 89، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4 نمبر 318

۱۵۹ 1889 کا 89

۱۶۰ اپی گرافیا انڈیکا، 8، ص 304

۱۶۱ ایضاً

۱۶۲ اپی گرافیا کرناٹیکا 11، چترد رگا 20

۱۶۳ 1890 کا 20، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4، نمبر 343

۱۶۴ 1912 کا 272

۱۶۵ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 707

۱۶۶ 1909 کا 440

167 ۔ اپی گرافیا کرناٹیکا 7، شی موگا، 71

168 ۔ 1897 کا 116

169 ۔ 1920 کا 329

170 ۔ اپی گرافیا کرناٹیکا 7،

171 ۔ میسور گزٹ، ا، ص 548

172 ۔ سیول ح، س، ص 389

173 ۔ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1920ء، پیراگراف 79۔

174 ۔ 1921 کا 510، رپورٹ، 1922، پیراگراف 43، 1920، 1911، پیراگراف 51

175 ۔ اپی گرافیا انڈیکا 17، ص 112

176 ۔ سی، پی 22-1921 کا 8

177 ۔ 1921 کا 510، رپورٹ، 1922، پیراگراف 43، 1916 کا 373، رپورٹ، 1917، پیراگراف 47

178 ۔ 1921 کا 129

179 ۔ تراونکور ارکیولوجیکل سیریز (TRAVANCORE ARECHOEOLOGICAL SERIES)
5، حصّہ، ص 205، اگرچہ یہ کوتائی یم محض ایک فوجی ٹیکس تھا اور غالباً کوتائی نکائی ہی تھا، لیکن تراونکور ارکیولوجیکل سیریز کے مصنف اے۔ ایس۔ رام ناتھ ایر کا خیال ہے کہ یہ غالباً ایک خاص ٹیکس تھا جو کوتائی گیہوں بونے کی صلاحیت رکھنے والی اراضی پر چند یم کی شرح سے لگتا ہے۔

180 ۔ 1916 کا 373، رپورٹ، 1917، پیراگراف 47

181 ۔ اپی گرافیا انڈیکا 8، ص 304

182 ۔ 1911 کا 324، رپورٹ، 1912، پیراگراف 49

183 ۔ 1889 کا 89، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4، نمبر 318، 1906 کا 241

184 ۔ 1920 کا 331

185 ۔ سیول۔ ح، س، ص 281

186 ۔ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1927، پیراگراف 105، کودی کلیانم KUDIKALYANAM
شادی کے بعد دولہا کے گھر جانے والی بارات کا جلوس ہے۔ دیواہ پنم (VIVAHAPANAM)

کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو 1921 کا 120 -

۱۸۷ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، مگدی (MAGADI) ، 17

۱۸۸ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 11، ہولل کر (HOLALKERE) ، 17

۱۸۹ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 4، ہیگا دادیونکوٹ (HEGGADADEVANKOTE.) ، 60

۱۹۰ء 1916 کا 373

۱۹۱ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 4

۱۹۲ء 1915 کا 48

۱۹۲ء الف ایپی گرافیا کرناٹیکا 4،

۱۹۳ء 1913 کا 30، رپورٹ، پیراگراف 54

۱۹۴ء 1910 کا 221،

۱۹۵ء میسور ایپی گرافی رپورٹس، 1913، پیراگراف 54

۱۹۶ء 1887 کا 117

۱۹۷ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، مدگیر 31 -

۱۹۸ء 1917 کا 717، رپورٹ 1918، پیراگراف 72، ان میں سے چند یہ تھے:-
گھنگیری راجیہ (GHANGIRI RAJYA) ، کندن ولو (KANDANAVOLU)
گھندی کوٹا (GHANDIKOTA) ، استھلا، سدھاوتا (SIDDHAVATTA)
سدھا پور شیم (SIDDHAPURASIME) ، چندرگیری راجیہ ناگ
من گلا شیم (NAGAMANGALASIME) ، مولا راجیہ (MULA RAJYA)
اور رائے درگا راجیہ (RAYADURG RAJYA) -

۱۹۹ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، مولاکنور (MOLAKANVAR) 64

۲۰۰ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، مگدی (MAGADI) ، 17

۲۰۱ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 4، چنارائے پٹنا 97، انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 711، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920، پیراگراف 79 -

۲۰۲ء ایپی گرافیا انڈیکا 8، ص 304

۲۰۳ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 5 منجر آباد (MANJRABAD) ، 56

204۔ میسور گزٹ از رائس (RICE) 1 ص ص۔ 584۔585

205۔ 1897 کا 55، ساؤتھ انسکرپشنس 5، نمبر 4

206۔ اپی گرافیا انڈیکا، ص 304

207۔ 1921 کا 510، رپورٹ، 1922، پیراگراف 43

208۔ اپی گرافیا کرناٹیکا 3

209۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شی موگا، 71

210۔ 1918 کا 96، رپورٹ، پیراگراف 69

211۔ 1893 کا 581، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 5، نمبر 257

212۔ 1887 کا 87

213۔ ایضاً

214۔ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1913، پیراگراف 56

215۔ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1916، پیراگراف 96

216۔ 1921 کا 335

217۔ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 730

218۔ 1914 کا 365

219۔ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 746

220۔ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، پیراگراف 79

221۔ 1913 کا 74، رپورٹ، ص 72

222۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، کولر 54

223۔ 1914 کا 365، پودوکوتائی اسٹیٹ انسکرپشنس 695

224۔ 1890 کا 28، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 4، نمبر 351

225۔ اپی گرافیا انڈیکا 8، ص 304

226۔ 1917 کا 375

227۔ 1910 کا 221، رپورٹ، 1911، پیراگراف 51

228۔ 1913 کا 276، رپورٹ 1914، پیراگراف 29

229ء 1913 کا 30، رپورٹ 1913، پیراگراف 54

230ء ایپی گرافیا انڈیکا 18، ص 142

231ء 1912 کا 226، رپورٹ، 1913، پیراگراف 54

232ء 1916 کا 230، رپورٹ، 1916، پیراگراف 60

233ء انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 730

234ء 1905 کا 511، رپورٹ، 1906، پیراگراف 48

235ء 1915 کا 510

236ء 1913 کا 176

237ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، حسن (HASAN)، 22

238ء مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 29-1928، پیراگراف 69

239ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 4

240ء ایپی گرافیا کرناٹکا 4، ہنگادادیونکوٹ 91

241ء 1917 کا 697

242ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، تیرتھ ہلی، 15

243ء ایپی کرناٹیکا 3، میسور، 28

244ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1928، نمبر 36

245ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، من جن گود (MANJANGUD)، 52

ایپی گرافیا کرناٹیکا، 11، چترادرگا (CHUTRADURGA)، 2 بھی ملاحظہ ہو۔

246ء ایپی گرافیا انڈیکا 18، ص 142

247ء 1912 کا 226، رپورٹ 1913، پیراگراف 54

248ء آمکتا مالیاد، کھنڈ 4، اشلوک 236

249ء سیول۔ ح، س، ص 365

250ء 1922 کا 189

251ء 1913 کا 96

252ء ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 1، نمبر 55، ایپی گرافیا انڈیکا 18، ص 304 ایپی گرافیا انڈیکا 3،

ص 73

253ء ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، ۱، نمبر 62، ۱، 21 ملاحظہ ہو۔

254ء انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 726

255ء 1890 کا 28، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4، نمبر 351

256ء 1912 کا 553، رپورٹ 1913، پیراگراف 56، 1912 کا 367 بھی ملاحظہ ہو۔
ایپی گرافیا کرناٹیکا 2، سورب (SORAB) 229، جہاں سورن آدایم اور دوشادایم، کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دوشا کا مطلب غلّہ ہے لہٰذا بظاہر اس کا اشارہ جنس کی شکل میں آمدنی کی طرف ہے۔

257ء MINUTS OF SIR THOMAS MUNRO، ص 6، مکتوب مورخہ 31 مئی 1801ء۔

258ء ملاحظہ ہو ساؤتھ کناڑا مینوئل، ص 96

259ء ملاحظہ ہو منٹس آف سر تھومس منرو، ص 15، مکتوب مورخہ یکم مئی 1801ء

260ء یہ بیان اگرچہ ساؤتھ کناڑا مینوئل کے مصنف کا ہے لیکن یہ قابل اعتراض ہے کیونکہ ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ چولا اور وجے نگر کے ابتدائی بادشاہ درست اور باضابطہ طریقے پر پیمائش کرایا کرتے تھے۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مملکت کے مختلف پیمائشی آلات میں مقامی طور پر ہمیشہ اختلاف رہا کرتا تھا۔

261ء ساؤتھ کناڑا مینوئل، ص 96

262ء ایپی گرافیا انڈیکا، 17، ص ص 110--117

263ء 1916 کا 246، رپورٹ، پیراگراف 66، 1917 کا 680 بھی ملاحظہ ہو۔

264ء منٹس آف سر تھومس منرو، ص ص 37 - 236، مکتوب مورخہ 31 دسمبر 1824ء

265ء 1917 کا 259

266ء مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1918، پیراگراف 69

267ء 1914 کا 59 رپورٹ 1915 پیراگراف 44 —

268ء 1912 کا 309، رپورٹ 1913، پیراگراف 51

269ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، ہوس کوٹ 149

270ء انگریرین سسٹم آف مسلم انڈیا (AGRARIAN SYSTEMS OF MOSLEM INDIA) ص 12،
مسلمانوں کے دور میں اس نظام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ریلیشنس آف گولکنڈا (RELA
TIONS OF GOLKONDA) از متھ ولڈ، ص ص 11، حاشیہ۔

271ء ایضاً، ص 12، حاشیہ 2

272ء سیول، ح، س، ص ص 366، کذا، ص 62

273ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، تیرتھ ہلی (TIRTHAHALLI) ، 15 قابل ذکر ایک دوسری
مثال کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً، 4، یلندور (YALANDUR) ، 62

274ء 1924 کا 145۔

275ء یہ (ٹیکس) غالباً گاؤں کے محاصل ہوا کرتے تھے۔

276ء A JOURNAL THROUGH CANARA, MYSORE AND MALABAR. جلد1 ص 269

277ء FROM AKBAR TO AURANGZEB ص ص 272 – 273

278ء 1922 کا 681 رپورٹ 1923، پیراگراف 83

279ء 29-1928 کا 211

280ء 29-1928 کا 215

281ء 1910 کا 264 رپورٹ پیراگراف 51

282ء سیول ح۔ س۔ ص ص 81 – 82

283ء ایضاً، ص 389

284ء ایضاً ص ص 385-384

285ء لیکن مذکورہ بالا بیان کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی براہ راست ثبوت نہیں
ہے۔ چونکہ ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیا جانا سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں رائج
تھا اور بعد میں حکومت نے بہت سے مقامات پر محاصل کی وصولی کو اپنے ہاتھ لے لیا تھا۔
لہٰذا ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ گاؤں کی اسمبلیوں کے انحطاط کے ساتھ ہی محاصل کو اجارہ پر
دینے جانے کا نظام زیادہ وسیع پیمانہ پر اپنایا گیا۔

286 ۔ 1912 کا 422، رپورٹ 1913، پیراگراف 52

287 ۔ 1913 کا 36

288 ۔ سیول ح، س، ص 365

289 ۔ اپی گرفیا کرناٹیکا (EPIGRAPHIA CARNATICA) 9 ہوس کوٹ (HOSKOTE)، 50

290 ۔ 1912 کا 389 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی تین سالوں میں ٹیکسوں کی شرحوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا تھا۔

291 ۔ 1921 کا 307

292 ۔ 1925 کا 380

293 ۔ 1920 کا 629

294 ۔ 1915 کا 548

295 ۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، 105 SR، اپی گرافیا کرناٹیکا 11، 7 - JL.

296 ۔ 1912 کا 309، رپورٹ 1913، پیراگراف 51

297 ۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 9 ہوس کوٹ 149

298 ۔ 1922 کا 207، اسی طرح کے ایک افسر کے حوالہ کے لیے 1919 کا 693 بھی ملاحظہ ہو۔

299 ۔ 1916 کا 172 رپورٹ 1916، پیراگراف 140

300 ۔ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 699

301 ۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگرچہ مملکت وجے نگر کے متعدد حصوں میں ٹیکسوں کی وصولی کے لیے اجارہ کا اصول اسی زمانہ میں اپنا لیا گیا تھا جب کہ سبھا کو فروغ حاصل تھا اور وہ حکومت کے لیے ریاست کے محاصل وصول کیا کرتی تھی لیکن یہ محض چند ہی مقامات پر رائج تھا لیکن جب گاؤں کی اسمبلیاں زوال پذیر ہونے لگیں تو فطری طور پر ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے نظام کو ان دیہاتوں میں بھی رائج کر دیا گیا۔

302 ۔ اپی گرافیا کرناٹیکا 11 ہولکرے (HOLALKERE)، 111

303 ۔ 1926 کا 340، رپورٹ پیراگراف، 43

304 ۔ 30-1928 کا 514، رپورٹ، پیراگراف 62

305ـہ 1927-28 کا 412

306ـہ 1921 کا 204، رپورٹ، پیراگراف 41

307ـہ 1918 کا 109، رپورٹ، پیراگراف 69

308ـہ 1911 کا 293، رپورٹ، پیراگراف 51

309ـہ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس (MYSORE ARCHAEOLOGICAL REPORTS) پیراگراف 79

310ـہ 1916 کا 120

311ـہ سیول، ح، س، ص 389

312ـہ سترھویں صدی میں ہمیں تراونکور (TRAVANCORE) میں رسیدوں کا حوالہ ملتا ہے۔ تراونکور ریاست میں ک، الف 873 (K.A. 873) کی ایک دستاویز کی دو نقلوں میں رسیدوں کے دیئے جانے کا تذکرہ ہے۔ محولہ کتبہ میں درج ہے کہ "جب میل وارم (MELVARAM) اور پاٹم (PATTAM) کے ٹیکسوں [illegible] ادا کیا جائے گا تو گذشتہ سال کی رسیدوں کو دکھا کر رسید حاصل کر لی جائیگی" (ناخدائیک [illegible] یوم تلدئیک کوری یوم کاٹی NANDAIKKURIYUM --- TALAIKKURIYUM KATTI ترا[illegible] آرکیولوجیکل رپورٹس 5، نمبر 71 اور 72 ص ص 211 اور 215) یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ وجے نگر [illegible] رسیدیں دیا جانا کیوں معروف نہ ہوگا۔

313ـہ سیول۔ ح۔ س۔ ص 263

314ـہ ایضاً۔ ص ص 281 ـ 282

315ـہ ایضاً۔ ص 379

316ـہ ایضاً۔ ص 389

317ـہ MINUTES OF SIR THOMAS MUNRO، ص ص 237-38

318ـہ 1916 کا 50، رپورٹ، پیراگراف 64

319ـہ انسکرپشن آف پودوکوتائی اسٹیٹ، 733

320ـہ [illegible]914 کا 59، رپورٹ 1915 پیراگراف 44

321ـہ 1918 کا 92، رپورٹ۔ پیراگراف 68

322ھ 1917 کا 216، رپورٹ، پیراگراف 68

323ھ 29-1928 کا 246 اور 254، رپورٹ۔ پیراگراف 79

324ھ کھنڈ چہارم، اشلوک 237

325ھ 1923 کا 370

326ھ 1921 کا 476، رپورٹ 1922 پیراگراف 46-1907 کی رپورٹ، پیراگراف 55 بھی ملاحظہ ہو

328ھ 1916 کا 247، رپورٹ، پیراگراف 64

327ھ 1913 کا 422۔

329ھ 1916 کا 246، رپورٹ، پیراگراف 66

330ھ 1921 کا 413، رپورٹ 1922، پیراگراف 57

331ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 748

332ھ 1915 کا 492، رپورٹ 1916 پیراگراف 69

333ھ 1926 کا 340، رپورٹ، پیراگراف 43

334ھ سیول، ح، س، ص ص 373 اور 79

335ھ ایضاً ص 379، حاشیہ 2۔ آر سیول کی تصنیف INDIA BEFORE THE ENGLISH ص ص 58-36 بھی ملاحظہ ہو۔

337ھ 1922 کا 367

336ھ 1922 کا 32، رپورٹ پیراگراف 45۔

338ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، مودبگل (MUDBAGAL) 20

340ھ سیول، ح، س، ص ص 74-373

339ھ کھنڈ 4 اشلوک 262 —

341ھ ، ایضاً، ص 304

342ھ کھنڈ 4 اشلوک 238

343ھ سیول، ح، س، ص 282

344ھ 1918 کا 380، ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، تیرتھ ہلی، 172

345ھ سیول، ح، س، ص 389، 1920 کا 387

باب چہارم

قانون، انصاف اور پولیس

فصل اوّل

قانون

موجودہ دور میں قانون کا مطلب اصول وضوابط کا وہ مجموعہ ہے جسے حاکم بالادست نے اس سماج کے نظم ونسق کے لیے بنایا ہو جس پر وہ حکمرانی کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں قوانین مختلف کردار کے حامل تھے یہ مذہب واخلاق کے ساتھ اس قدر گتھے ہوئے تھے کہ انھیں زیادہ تر ملک کے مذہبی ادب میں پایا جاتا تھا۔ وید ایسے قوانین کے اصل ماخذ ہیں۔ ویوہاریا قانون سے ان میں ایک علاحدہ شعبہ کی حیثیت سے بحث نہیں کی گئی ہے۔ چونکہ ان میں ہندوؤں کی زندگی کو منضبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور معینہ فرائض سے غفلت برتنے پر ان کے لیے سزائیں تجویز کی گئی ہیں، ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ان کے بعض حصّے قانون سے متعلق ہیں۔ دھرم شاستروں کے بارے میں یہ نہیں کہا سکتا کہ ان میں صرف قوانین سے بحث کی گئی ہے کیوں کہ یہ تالیفات ایسی ہی ہیں جو بڑی حد تک ویدوں پر مبنی ہیں اور جنھیں منو اور نارد جیسے مقننین نے ہندو معاشرے کی ہدایت کے لیے لکھا تھا۔ یہ مقننین بھی رائج قوانین کے محض مدّون تھے نہ کہ ان کے واضع۔ پوران اور مہابھارت جیسے رزمیات بھی ادب کی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور انھیں بھی مستند تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے۔

رسم ورواج قانون کا دوسرا ماخذ تھا۔ دھرم شاستر جو کہ ویدوں پر مبنی ہیں ملک کے مروجہ قوانین کی محض تدوینیں ہیں۔ یہی رواج لوگوں کا سداچار (SADACARA) ہے۔ ہندوستان میں قوانین کی نوعیت کا تعین کرتے وقت ان کے مدّونین نے لوگوں میں رائج قدیم رسم ورواج مخصوص کر

علاقوں کے اخلاق و عادات نیز مختلف ذ ں اور قبیلوں کی روزانہ کی زندگی کے معمولات کو پیش نظر رکھا
ہندو معاشرہ وقت کی رفتار کے ساتھ ترقی پذیر ہوتا ہے، لہٰذا تنوع اس کی اصل خصوصیت ہے۔ یہ
مختلف قسم کے سماجی گروہوں پر مشتمل ہے، ان میں سے ہر ایک کے پاس اس کے عمل کی رہنمائی اور نگرانی
کے لیے خود اپنے قوانین ہیں۔ چونکہ (قوانین کی) تدوین عوام کے رسم و رواج پر مبنی ہوتی تھی لہٰذا مدونین کو
مختلف سماجی گروہوں کے مختلف رواجی قوانین کو بیش نظر رکھنا پڑتا تھا لیکن ایک ازدواجی
قانون کو قانون کی حیثیت اسی وقت حاصل ہوتی تھی جب وہ ملک کے منصوص
یا مقدس قوانین کے خلاف نہ ہوں۔ اگر کوئی اختلاف پایا جاتا تو موخر الذکر کو فوقیت دی جاتی یہ بات کہ
وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ رسم و رواج بھی بدل جاتے ہیں۔ مدونہ قوانین کی ان نئی تعبیرات یا
تطبیقات سے ظاہر ہے جو بعد کے مفسرین نے کی ہیں اس طرح کی تشریحیں سماج کے تجربہ کی روشنی میں
بنیادی قوانین کی وضاحت کے لیے ضروری تھیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر جولی (DR. JOLLY) کہتا ہے۔
ہندوستان کے قانونی ادب کے آخری دور کی تشکیل ان تشریحوں اور باضابطہ تصانیف سے ہوتی
ہے جن کا ارتقا، عہد وسطیٰ کی ابتدا سے اسمرتیوں (SMRTIS) سے ہوا ہے ایک نئے عہد کی پیداوار
نیز بڑے بڑے حکمرانوں اور وزراء کے زیر اثر لکھی جانے والی ان جامع تصانیف نے رفتہ رفتہ اسمرتیوں
کا رواج اس طرح ختم کر دیا کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قیام کے وقت گیارہویں صدی کا
قوانین کا ایک ملخص میتاکسیرا (MITAKSARA) ہندوستان کے بڑے حصے میں ایک معیاری
کتاب تھی۔[۵] اسی طرح ایک دوسری تشریح پراشر مادھویم ہے جو پراشر اسمرتی پر مادھو کی شرح ہے۔
وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں عدالتی تنظیم کے جائزہ کے لیے اس (کتاب) کی اہمیت پر ہم
آگے بحث کریں گے۔

یہ تھے ہندو قوانین کے ماخذ۔ چونکہ انھیں انسان نے وضع نہیں کیا تھا اس لیے وہ اس میں
کوئی تبدیلی یا ترمیم بھی نہیں کر سکتا تھا تو بس اسے ان کے احکامات کی تعمیل کرنی تھی۔ ریاست جو اقتدار
اعلیٰ کا سرچشمہ تھی، اسے ان قوانین کو صرف نافذ کرتا تھا۔ ہندو بادشاہ، جو ریاست کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا،
بذاتِ خود قوانین کا واضع نہ تھا۔ وہ قوانین کا اتنا ہی پابند ہوتا تھا جتنا کوئی اور شخص۔ مزید براں وہ
ان قوانین کا پشت پناہ تھا۔ بادشاہ کا فرض تھا کہ وہ موجودہ قوانین کو اپنی رعایا پر نافذ کرے۔
ڈنڈ یا سزا کے استعمال کی اہمیت کو مانو نے بڑے پرزور انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ
"یہ ڈنڈ ہی ہے جو رعایا پر حکمرانی کرتا ہے۔ یہ صرف ڈنڈ ہی ہے جو تمام لوگوں کی حفاظت کرتا ہے ڈنڈ بیدار

رہتا ہے جب کہ دوسرے سوتے ہیں۔چنانچہ عالموں کے مطابق ڈنڈ بذاتِ خود دھرم ہے[2]۔"وجے نگر کے بادشاہوں نے ڈنڈ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔وہ جانتے تھے کہ سماج میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے سزا ایک لازمی شرط ہے کرشن دیو رائے اپنی آمکتا مالیادمیں رقم طراز ہے"بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ لگاؤ،عورت اور مرد کے درمیان مناسب تعلقات،جوگی کا اپنے قوا اندریاؤں (INDRIYAN) کو زیر کرنا،نیچی ذاتوں کا اونچی ذاتوں کے لوگوں کا ادب واحترام کرنا،نوکر کا اپنے آقا کے مفادات کی حفاظت کرنا،آپ جان لیجئے کہ یہ ساری باتیں (آخر میں) بادشاہ کی سزا کے خوف کا نتیجہ ہیں[3]۔"قوانین کے نفاذ کے لیے بادشاہ کو وسیع اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔یہی منصف بادشاہ دوسری جگہ لکھتا ہے"یہ ضروری ہے کہ ایک بادشاہ اپنے احکامات کو نافذ کرے جنگل کے آبھیر (ABHIRAS) اور بھلا (BHILLAS) بھی تیر کے نشان اور دھاگے کے ٹکڑے سے اپنے احکامات نافذ کر لیتے ہیں لہٰذا اس سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے کہ ایک بادشاہ (سارو بھادما (SARVABHOUMA) اپنے احکامات کو نافذ کر سکے[4]۔"اس طرح حاکم اعلیٰ کو اتنا اختیار ہونا چاہئے کہ وہ عوام پر قوانین کو نافذ کر سکے۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے مطابق ریاست کا پہلا فرض سماج کا تحفظ اور مملکت کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کے درمیان مفادات کی کشمکش کو روکنا تھا اس کا حصول دھرم کے احکامات پر چل کر ہی ممکن تھا۔کرشن دیو رائے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ دھرم کی پابندی کس قدر ضروری ہے۔وہ کہتا ہے"ایک تاجدار بادشاہ کو ہمیشہ دھرم کو پیش نظر رکھ کر حکومت کرنی چاہیے۔۔۔۔۔۔۔اپنے دھرم پر دانشمندی کے ساتھ چل کر آپ اپنے تہرے قرضوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں[1]"اور ایک دوسری جگہ وہ لکھتا ہے"جب کوئی بادشاہ ورگ،دھرم،(مذہب)،ارتھ (دولت) اور کام (محبت) سب کی طرف یکساں توجہ دے رہا ہو تو اگر اس وقت وہ کسی وجہ سے دھرم کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے تو یہ بات ایسی ہی ہوگی جیسے کہ جو پانی دوسرے کھیتوں کی آبپاشی کے لیے تھا،اس میں سے بچ رہنے والے پانی سے اناج کے کھیتوں کو پر کر کے انھیں اور زرخیز بنا دیا جائے یہ بات حکمراں کی مسرت ہی کا باعث بنے گی[2]۔"

کسی مملکت پر حکمرانی کرنے کے سلسلہ میں جو گناہ ہوتے ہیں اس کے بارے میں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔لیکن کرشن دیو رائے اس شبہ کے ازالہ کے لیے آسان جواب دیتا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ"اگر کوئی بادشاہ مفاد عامہ کے تحت کام کرتا ہے اور اس کی انجام دہی کے دوران بدعنوانی کرنے والوں کو سزا دیتا ہے تو وہ محض دھرم کے راستہ پر چل رہا ہے اور کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہے[6]۔"بادشاہ مزید لکھتا ہے"حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ایک شخص کو دھرم کا تابع کہا جائے درآنحالیکہ وہ خطا اور قتل کرتا ہے ایک شخص کو ناکتھدا

(برہمچاری) کہا جائے (گو کہ وہ ایک بیوی رکھ لیتا ہے اور اپنی محبت میں معتدل ہے) ایک شخص کو سچا کہا جائے حالانکہ وہ (خاص حالات میں جس کی اجازت دھرم نے دی ہے) جھوٹ بولتا ہے، اسے روزہ دار کہا جائے اگرچہ وہ کھاتا ہے (اگر وہ اعتدال پسند ہو) ایک شخص کو بہادر کہا جائے حالانکہ وہ لڑنے سے گریز کرتا ہے (ان لوگوں کے خلاف جن سے اسے لڑنا نہ چاہیئے) ایک شخص کو امیر کہا جائے اگر وہ (مناسب مقاصد کے لیے) روپے صرف کر دیتا ہے۔[7]

وجے نگر کے زمانہ کے بعض مخصوص قوانین کا کچھ خاکہ ہمیں ملتا ہے، مثلاً بغاوت کے قانون، تمادی کے قانون اور وہ قانون جو خدمت کے انعامات سے استفادے سے متعلق تھے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ریاست یا بادشاہ کے خلاف بغاوت کو ایک بدترین جرم سمجھا جاتا تھا[8]۔ اور جماعتوں (سنگھ) اور پوری قوم کے خلاف بغاوت کو اس سے بھی زیادہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ بات سربراہان مملکت بھی تسلیم کرتے تھے۔ بکا اول، جس نے جینیوں اور ویشنوؤں کے درمیان 1368ء میں مصالحت کرائی تھی، اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ "جو شخص بھی اس قانون (صلح) کی خلاف ورزی کرے گا وہ بادشاہ کا غدار ہوگا سنگھ کا غدار ہوگا اور سمودائے (SAMUDAYA) کا غدار ہوگا"[9]۔ اس طرح کی غداری کی سزا فوری موت تھی۔ کرشن دیورائے اس بات پر زور دیتا ہے کہ باغیانہ مزاج رکھنے والے لوگوں کی گردنیں فوراً اڑا دی جائیں[10]۔ یہ تھا بغاوت کے قانون کا قدیم تصور۔

لیکن بسا اوقات لوگ اپنی جماعتیں بناتے تاکہ سربراہان مملکت یا ان کے نمائندوں کے ظلم و ستم کی مخالفت کر سکیں اور اس بات کو ملک کے خلاف ایک بغاوت تصور کرتے تھے کہ حکومت کے معمولی جبر و استبداد، کے آگے جھک جائیں۔ اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ جنوبی آرکٹ ضلع کے وردھاکلم مقام کی ایک دستاویز کے مطابق اس مقام کے ولنگائی اور ادنگائی فرقوں نے ایک ساتھ جمع ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ چونکہ بادشاہ افسروں اور جیوتیاؤں کے مالکوں کے ذریعہ ان پر ظلم کیا جاتا ہے اور برہمنوں اور کانی پالن کے ذریعہ ان سے ٹیکسوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لہٰذا وہ نہ انھیں پناہ دیں گے اور نہ ان کے لیے حساب و کتاب لکھیں گے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص ان کے سمجھوتے کے خلاف کرے گا وہ ملک کا غدار ہوگا اور اس لیے اسے قتل کر دیا جائے گا[11]۔ اس سے قبل اسی ضلع کے پنادم مقام سے دستیاب ایک اور کتبہ کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے جس کے مطابق ولنگائی اور ادنگائی ذاتوں کی 98 ذیلی ذاتوں نے، جو چند اضلاع میں مقیم تھیں، دیگر امور کے علاوہ اس بات پر (بھی) ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ وہ ناجائز ٹیکسوں کو برداشت نہ کریں گی، نیز یہ کہ چند کاموں کو ناتودروہم (NATTUDROHAM) قرار دیدیا جائے

اور اسی کے مطابق ان پر سزا دی جائے[12]۔ اگرچہ ناتو دروہم کی یہاں تعریف نہیں کی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ چند مخصوص کاموں کو ملک کے خلاف بغاوت کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے اور اسی کے مطابق اس پر سزا دی جاسکتی ہے۔ اس طرح بغاوت کے قانون کی تعبیر اس کو نافذ کرنے والی جماعت یا طاقت کے مطابق مختلف ہوا کرتی تھی۔ (چنانچہ) جبکہ بادشاہ یا حکومت اس عمل کو بغاوت کے مساوی سمجھتی تھی جو کسی اصول کے مطابق یا کسی قانون کا تابع نہ ہو، جو لوگ حکومت کے خلاف کچھ شکایتیں رکھتے ان کا یہ خیال تھا کہ ایسی حکومت کی اطاعت کرنا جو رعایا کے مفادات کا خیال نہ رکھتی ہو، قوم کے خلاف غداری ہے جو ان کے نزدیک برسر اقتدار طاقت کے خلاف بغاوت سے کہیں زیادہ سنگین تھی۔

موجودہ زمانہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ بارہ سال کی مدت کے بعد جائداد پر سے ایک شخص کا دعویٰ اگر (اس دوران) جائداد کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو تو ضابطۂ تمادی کے تحت ختم ہو جاتا ہے۔ تقریباً یہی قانون وجے نگر کے زمانہ میں بھی رائج تھا۔ رہن رکھی ہوئی زمینیں مرتہن کے نام صرف بارہ سال تک رہ سکتی تھیں۔ شاکھا 1565ء میں تری رنگا سوم کے ایک ماتحت سدھارامیا نایک نامی ایک شخص نے یہ فرمان جاری کیا کہ وہ کاپو (KAPUS) جن کے قبضہ میں "رہن بربنائے تصرف" (MORTGAGE BY POSSION) بھوج آیکم (BHOGA-AYAKAM) کی بنیاد پر کسی مندر یا برہمن کی زمینیں ہوں، وہ ان زمینوں کو ان سے بارہ سال کے استفادہ کے بعد ان کے اصل مالکوں کو ان سے کسی روپے کا مطالبہ کیے بغیر لوٹا دیں، اور ساتھ ہی انھیں دوبارہ منتقلی سے متعلق نوشتہ بھوج پتر (BHOGA-PATRAM) بھی دیویں"۔ اس فرمان کو اس مقام (استھلا (STHALA) کے رڈیوں (REDDIS) اور کرنموں (KARNAMS) اور دوسرے لوگوں کی منظوری سے جاری کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کا خیال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون بظاہر اس لیے بنایا گیا تھا کہ ان اراضیوں کو طویل مدت کے لیے کاپوؤں کے نام منتقل ہو جانے سے روکا جاسکے جنھیں ان کے مالکان ان قرضوں کے عوض منتقل کر دیا کرتے تھے جو رہن سے حق استفادہ (USAPRCHUARY) کے اصول پر دئے جاتے تھے اور قطعی طور پر مرتہن کے حق میں ہوتے تھے۔ آج بھی مندر کی زمینیں اکثر و بیشتر انھیں شرائط پر رہن رکھ دی جاتی ہیں جو ان مقاصد کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں جن کے تحت ان کے اصل معطیان نے انھیں دیا تھا[13]۔

چنگل پٹ ضلع کے تیروپو کولی مقام کے ایک کتبہ مورخہ 39-1438ء میں خدمت کے انعامات کی ناقابل انتقال (INALIOWABLE) نوعیت سے متعلق قوانین کے بارے میں چند دلچسپ

تفصیلات درج ہیں۔ اس کے مطابق خدمت کے انعامات کے طور پر عطا کردہ زمینوں کو ان کے پانے والے نہ تو فروخت کر سکتے تھے اور نہ ہی رہن رکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ اس قانون کی خلاف ورزی کریں تو انھیں وہی سزا بھگتنی ہوگی جو بادشاہ یا قوم کے غداروں کو دی جاتی تھی اس کے علاوہ وہ لوگ مندر کے خزانے کے افسران کے ذریعہ جرمانہ کے سزاوار بھی ہوں گے[۱۱۱]۔

فصل دوم

عدالتیں

ہندوؤں کے قوانین کی ماہیت اور یہ بیان کر لینے کے بعد کہ وجے نگر کے سلاطین کس طرح ان قوانین کی روح کی پابندی کرتے تھے، ہم یہاں اس عہد کی عدالتی نظام کا جائزہ لے سکتے ہیں سب سے پہلا مسئلہ جو ہمیں درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ان عدالتوں اور قوانین کو جو قدیم ہندوستان میں رائج تھے، وجے نگر کے زمانہ میں کس حد تک باقی رکھا گیا۔ ولسن، جس نے اس سوال کی تحقیق کی تھی، اس نتیجہ پر پہونچا کہ وہ ضوابط جو قدیم ہندو عدالتوں کے لیے وضع کیے گئے تھے اور جہاں ان پر عمل کیا جاتا تھا؛ اس عہد سے متعلق قرار دیئے جا سکتے ہیں جو اگر مانو کے مجموعہ قوانین کا ہم عصر نہ تھا تو اس کے بہت زیادہ بعد کا (بھی) نہ تھا[۱۱۲]" اس سلسلہ میں ماؤنٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے خیالات بھی بہت مفید ہیں۔ خود اپنے زمانہ کے نظام انصاف کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے: "مستقل عدالتوں کے ذریعہ انصاف کا باضابطہ انتظام جس کا مانو (کی کتاب) میں ذکر کیا گیا ہے اور جس طرح کی متعدد اختیارات کی حامل عدالتوں کا تذکرہ بعد کے مصنفین نے کیا ہے، کسی ہندو حکومت میں مشکل ہی سے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ کہیں تو ان عدالتوں کی جگہ ان کمیشنوں نے لے لی ہے جن کی تقرری سرسری طور پر بادشاہ عموماً دربار کے لطف و کرم کے مقصد کے تحت کیا کرتے ہیں اور جو بسا اوقات ایسے اشخاص پر مشتمل ہوتے ہیں جو درباریوں کی پشت پناہی کے لیے موزوں ہوں۔ اور کہیں ان عدالتوں کی جگہ ثالثین کی جماعتوں (ARBITRATORS) نے لے لی ہے۔ جن کو پنچایت کہا جاتا ہے[۱۱۳]"۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس سوال پر ایک مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قدیم ہندو عدالتیں وجے نگر کے عہد حکومت میں بھی رائج رہیں۔ اس سوال پر ایک جدید

مصنف چند دلچسپ خیالات پیش کرتا ہے ۔ مادھو کی پراشر مادھویم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ رسالہ گرچہ پراشر اسمرتی پر مادھو کی تشریح ایک حصّہ کے طور پر لکھا گیا ہے، لیکن حقیقتاً یہ اس سمرتی پر مبنی نہیں ہے اس لیے کہ پراشر ایں قانون پر بالکل گفتگو نہیں کی گئی ہے، یہ کہ اس کمی کو مادھو نے اس موضوع پر دیگر اسمرتیوں میں جو کچھ کہا گیا تھا اسے اکٹھا کر کے پورا کیا، نیز یہ کہ اس کا مقالہ انھیں اسمرتیوں پر مبنی علم قانون (JURISPRUDENCE) کا ایک خلاصہ ہے ۔ وہ مزید کہتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں مملکت وجے نگر کی بنیادیں ڈالنے میں مادھو آچاریہ کا بڑا ہاتھ تھا اور چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کو اپنے اقتدار کو دریائے کرشن کے جنوب تک بڑھانے میں کامیابی حاصل نہیں ہو پائی تھی، لہٰذا ہم بجا طور پر یہ فرض کر سکتے ہیں کہ جس طریقۂ کار کو وہ اپنی تصنیف میں بیان کر رہا ہے، وہ اس کے زمانہ میں کم از کم جنوبی ہندوستان میں رائج تھا۔

لیکن ان نتائج کو قبول کرنا مشکل ہے ۔ یہ درست ہے کہ پراشر اسمرتی میں کوئی ایسا باب نہیں ہے جس میں ویوہار پر بحث کی گئی ہو اور مادھو نے اپنی تشریح میں ویوہار کی ایک فصل کا اضافہ کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اس ضمیمہ کے لیے اس نے قدیم مصنفین کی ان تصانیف سے مدد لی تھی جن میں قانون کے موضوع پر ابواب موجود تھے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں رائج رواجوں سے نہ تو کوئی نتیجہ اخذ کیا اور نہ ان سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ وہ مصنفین بھی جن کا وہ کثرت سے حوالہ دیتا ہے یا جن سے وہ استفادہ کرتا ہے، قدیم ہیں، گو یہ ممکن ہے کہ ان میں سے چند پراشر کے بعد کے ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں لکھا گیا جب مملکت وجے نگر کی بنیاد پڑی جس میں مصنف کا بڑا دخل تھا۔ لیکن مادھو نے حقیقی اور اضافی قانون (SUBSTANTIVE AND ADJECTIVE LOW) کے اس قانونی رسالہ کو وجے نگر کے حکمرانوں کی عملی رہنمائی کے لیے نہیں لکھا تھا وہ وجے نگر کے دربار کا کوٹلیہ نہ تھا۔

اضافی قانون (ADJECTIVE LOW) کے بارے میں لکھتے ہوئے ، مادھو ، برہسپتی (BRIHASPATI) کی سند پر باضابطہ عدالتوں کو اقامتی اور گشتی عدالتوں، بادشاہ کے زیر صدارت عدالتوں اور ان عدالتوں میں منقسم کرتا ہے جو بادشاہ کے مقرر کردہ ججوں کے زیر صدارت ہوتیں۔ رامیا پنتولو (RAMAYYA PANTULU) کا خیال ہے کہ بادشاہ عموماً اعلیٰ عدالتوں (SUPREME COURTS) کی بنفس نفیس صدارت کرتے اور یہ کہ وہ صوبائی عدالتوں کی صدارت کے لیے، جن کی وہ بذات خود صدارت نہیں کر سکتے تھے، ججوں کا تقرر کرتے تھے[18]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے دربار

میں ان سفارشات پر عمل نہیں کیا جاتا تھا، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس زمانہ میں کشتی عدالتیں تھیں۔ مزید یہ کہ ہمارے پاس اس بات کے لیے کافی ثبوت موجود ہیں کہ صوبائی گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خود اپنی عدالتیں منعقد کرتے تھے اور انصاف کا نفاذ کرتے تھے جس طرح دارالسلطنت میں بادشاہ کرتا تھا۔ اس حقیقت کا لحاظ کیے بغیر کہ آیا اس مقام میں کوئی جج اپنی عدالت منعقد کر رہا ہے یا نہیں۔
مادھو، کاٹیاین (KATYAYAN) کے حوالہ سے، دن کو آٹھ حصوں میں منقسم کرتا ہے اور یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ عدالتوں کو دن کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے حصّے میں منقد کیا جائے[19]۔ لیکن نونیز کہتا ہے کہ بادشاہ عوامی عدالت میں صرف دس یا گیارہ بجے دن میں آتا تھا۔ چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وجے نگر میں عدالتیں صرف دوپہر میں منعقد کی جاتی تھیں نہ کہ صبح کے اوقات میں جس کی پراشر مادھویا میں تاکید کی گئی تھی۔

اس طرح دستیاب شواہد یہ بتاتے ہیں کہ وہ عدالتی نظام جو وجے نگر میں رائج تھا مختلف لحاظ سے ویسا نہ تھا جیسا مادھو کے ویوہار کاند میں تجویز کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ وقت کے ساتھ اس نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں آگئی ہوں۔ ان دشواریوں کے پیش نظر ہمیں پراشر مادھویا کے ویوہار کاند کو نہایت احتیاط سے استعمال کرنا ہوگا۔

وجے نگر کے عدالتی نظام کی انتظامیہ کی کسی تفصیلی معلومات کے لیے ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے۔ اس عہد کے کتبات عوام کے ذریعہ کیے گئے چند جرائم کا تذکرہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ان جرائم پر ان کو کس طرح کی سزائیں دی گئیں تاریخ نگاروں نے بھی مملکت میں صرف فوجداری کے مقدمات کے انفصال کی چند تفصیلات کی دریافت ہی میں مدد ملتی ہے ہمیں صحیح طور پر یہ نہیں معلوم کہ دیوانی کے مقدمات جن میں قانون کے تعین (LETERMINATION OF LOW) کا سوال بھی ہوتا تھا کس طرح طے کیے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدمات دیوانی بڑی حد تک ثالثی کے ذریعہ طے پاتے ہوں گے، اگرچہ اس طرح کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے ہمیں مخصوص ججوں کا ذکر بھی ملتا ہے جیسا کہ دارالسلطنت میں بھی تھا۔ اس موضوع پر سر ایس، ایچ، مین (SIR.H.S.MAINE) کے خیالات کچھ اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگرچہ برہمنوں کا تحریری قانون بادشاہ اور جج کے وجود کو تسلیم کرتا ہے تاہم موجودہ دور میں بعض انتہائی عمدہ نظام حکومت رکھنے والی نیم آزاد دیسی ریاستوں میں بھی کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو ہماری عدالتوں سے ملتا جلتا ہو۔ دیوانی کے مقدمات ہر گاؤں کے سرداروں کے ذریعہ طے پاتے ہیں، بسا اوقات، جب ان مقدمات کا تعلق زمین سے ہو، تو ان

عمال کے ذریعہ جن پر بادشاہ کے محاصل کی وصولی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ فوجداری سے متعلق جس نظام عدالت کا حوالہ ملتا ہے وہ امن وسلامتی میں سنگین رخنہ پیدا کرنے پر سرزنش کے لیے فوجی طاقت کے نفاذ پر مشتمل ہے۔ جس کو فوجداری کا قانون کہا جاتا ہے وہ فوج کی مدد سے نافذ کیا جاتا ہے[21]۔ لیکن اس بیان کا آخری حصہ مشکوک ہے اگرچہ ممکن ہے کہ یہ بات اس زمانے کے لیے درست ہو جس میں اس نے اپنی کتاب لکھی، لیکن یہ بات وجے نگر کے زمانے کے لیے صادق نہیں آتی کیوں کہ اس زمانہ میں قوانین فوجداری کا نافذ کرنے والا کوئی فوجی نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف بادشاہ یا کوئی دوسری جماعت یا شخص ہوتا تھا جسے نفاذ کا اختیار دے دیا جاتا تھا۔

ایک شاہی دستور کے تحت چلنے والی تمام مملکتوں کی طرح وجے نگر کی مملکت میں بھی بادشاہ ہی سب سے بڑا جج ہوتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام مقدمات کا فیصلہ نہیں کرتا تھا جو اس کی عدالت میں پیش کیے جاتے تھے، بلکہ ایک جج ہوتا تھا جو بادشاہ کی جانب سے عدل گستری کرتا۔ یہ اسی افسر کے متعلق ہے جو عبدالرزاق لکھتا ہے" دنایک نامی ایک خواجہ سرا ایک شہ نشیں پر بیٹھتا ہے اور انتظام کی صدارت کرتا ہے اور اس کے پیچھے چاروں طرف ایک صف میں گرز بردار کھڑے رہتے ہیں جس کسی کو کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تھا، وہ شاہی گرز برداروں کی صفوں کے درمیان آگے بڑھتا ہے اور چند معمولی تحائف پیش کر کے اپنے چہرے کو فرش پر رکھ دیتا ہے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنی شکایات بیان کرتا ہے۔ اس پر دنایک اپنے احکامات جاری کرتا ہے جو اس ملک میں رائج انصاف کے قوانین پر مبنی ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کو ردّ و جرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا[22]۔ ایرانی سفیر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کے نفاذ کے لیے دارالسلطنت میں ایک جج ہوتا تھا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سلیٹور (SALETORE) کہتا ہے "عبدالرزاق کا دنّایک بظاہر ایک دنایکہ یا فوجی کمانڈر تھا اور اگر ہم ایرانی سفیر کے بیان پر اعتماد کر لیں تو وجے نگر کے بادشاہ انصاف کے نفاذ کے فرض کو ایک فوجی افسر کے سپرد کر دیتے تھے یا اس شخص کے حوالہ جس میں سپہ سالار کی حیثیت سے کام کیا ہو۔ اگر حقیقتاً صورت حال یہی تھی تو وجے نگر کے ہندو حکمرانوں کے ذریعہ اس سے زیادہ سنگین غلطی کا ارتکاب ممکن نہ تھا اس لیے کہ اس طریقہ کار کا مطلب انصاف کے نفاذ کے سلسلہ میں قدیم واضعین قانون کے ایک نہایت اہم حکم کی خلاف ورزی ہوتا . . . . ایک دنّایکہ یا فوجی کمانڈر کسی طرح بھی اس برہمن کا بدل نہ تھا جو اسمرتیوں کا عالم ہو یہ حقیقت ہے کہ عبدالرزاق (کا بیان) اس اعلیٰ افسر کے نام کے بارے میں جو عدل کا نفاذ کیا کرتا تھا بالکل واضح ہے، ایک شخص کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا

ہے کہ واقعتاً وجے نگر کے حکمرانوں نے کم از کم اس عدالت کی تشکیل کے اہم مسئلہ میں، جسے چیف جسٹس کی عدالت کا نام دیا جاسکتا ہے، ڈنڈ کے قدیم تصور کے برعکس عمل کیا۔[23] لیکن یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ ڈنڈ نایک کی اصطلاح لازمی طور پر ایک فوجی خطاب نہ تھا۔ ہوئے سالا اور وجے نگر کی مملکتوں میں یہ خطاب وہ شخص اختیار کیا کرتا تھا جس کو کچھ اہم انتظامی فرائض انجام دیئے ہوئے تھے اور یہ اس عملہ (CADRE) کی نشاندہی کرتا تھا جس سے کسی خاص شخص کا تعلق ہوتا تھا۔ یہ خطاب ایک فوجی کمانڈر کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا لیکن تمام ڈنڈ نایک فوج کے افسران یا ایسے نہ تھے جو جنرل کی حیثیت سے کام کر چکے ہوں۔ خطابات کی اس یکسانیت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ "وجے نگر کے حکمرانوں نے ڈنڈ کے قدیم تصور کے برعکس عمل کیا۔"

یہ بات کہ پردھانی ہی عموماً چیف جج ہوا کرتا تھا، مندرجہ ذیل ثبوت سے ظاہر ہوتی ہے عبدالرزاق ایک جج کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جو دیوانی عدالت منعقد کیے تھا بتلاتا ہے کہ وہ بادشاہ کا وزیر بھی تھا۔ وہ کہتا ہے "جب دنایک اپنی عدالت سے باہر آتا ہے تو متعدد رنگین چھتریاں اس کے آگے آگے لے جائی جاتی ہیں . . . . . بادشاہ تک پہونچنے سے قبل اسے سات دروازوں سے گذرنا ہوتا ہے . . . . . وہ ریاست کے معاملات سے بادشاہ کو باخبر کرتا ہے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس لوٹ جاتا ہے۔[24] اگر جج پر بعض وزارتی ذمہ داریاں عاید نہ ہوتیں تو وہ بادشاہ کے پاس ریاست کے معاملات سے مطلع کرنے" نہ جاتا۔ کرشن دیورائے کے وزیر اعظم سالو اتما رائے نے دھرم پرتی پالکہ (DHARMAPRATIPALAKAH) کا خطاب اختیار کیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر چند عدالتی ذمہ داریاں عاید تھیں اور شاید وہ دارالسلطنت کا چیف جج تھا۔ مدورا دربار کا عدالتی نظام جیسا ایک یسوعی (GESUIT) کے خط میں مذکور ہے، ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے اس لیے کہ وجے نگر کے زمانے میں صوبوں میں اور نایکوں کے علاقوں میں بھی عموماً شاہی نظام ہی رائج تھا۔ پروانیزا (PROENZA) اپنے مکتوب مورخہ 1665ء میں لکھتا ہے "پردھانی حریفوں کے عرضی دعوے سنتا تھا جرح و تعدیل علانیہ ہوتی تھی . . . . وہ گورنر، ججوں اور تمام معزز اشخاص کو محل میں فوراً طلب کرتا تھا۔ وہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ آتا تھا . . . . گورنر گواہوں کو ڈراتا دھمکاتا ہے اور انھیں اپنی مرضی کے مطابق گواہی دینے پر مجبور کرتا ہے . . . . تمام کارروائی مدورا بھیج دی جاتی تھی جہاں سے فیصلہ جلد ہی آجاتا تھا۔"[25] اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ عدلیہ پر پردھانی کا پورا اختیار تھا۔ ایک دوسری مثال میں مدورا نایک ویرپا اور اس کے پردھانی

آریہ ناتھ مدالیار (ARIYANATH MUDALIYAR) نے ایک خاص مقدمہ کے فیصلہ کے لیے ایک جوری کی تشکیل کی۔[27] مذکورہ بالا مثالوں سے جن میں سے دارالسلطنت اور دو مدورا کی ہیں ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ عموماً پردھانی ہی چیف جج ہوا کرتا تھا۔

بہرحال اگرچہ ایرانی سفیر ادّعا کرتا ہے کہ دارالسلطنت میں صرف ایک ہی جج ہوتا تھا لیکن اس کے بیان پر مکمل طور پر یقین کر لینا مشکل ہے۔ مدورا نایکوں کے ماتحت گاؤں پر گفتگو کرتے ہوئے جون نیو ہوف (JOHN NIEVHOFF) کہتا ہے کہ ہر گاؤں میں دو جج ہوا کرتے تھے جن کی وہاں کے رہنے والوں میں بڑی عزت تھی۔[28] اگر اس کے کہنے کے مطابق ہر گاؤں میں دو جج تھے تو یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وجے نگر کی وسیع و عریض مملکت کے دارالسلطنت میں صرف ایک ہی جج رہا ہوگا۔

لیکن ایک علٰحدہ عدالت کی موجودگی جس میں کوئی ایک جج یا ججوں کی ایک جماعت صدارت کرتی تھی خود بادشاہ کو عدل کے نفاذ سے محروم نہیں کر دیتی تھی۔ بادشاہ بھی اپنے عوام کی شکایات سنتا تھا اور ان کا تصفیہ کرتا تھا۔ عدل وانصاف کے انتظام کے سلسلہ میں بادشاہ کے فرائض کے بارے میں کرشن دیورائے کے خیالات آمکتامالیاد کے ایک بیان میں موجود ہیں۔ یہاں وہ کہتا ہے "اپنی رعایا کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا مقصد بناؤ۔ جب تم مصیبت زدہ لوگوں کی شکایات سنو تو انھیں سن کر ان کی تکالیف کا تدارک کرو۔ اپنے معاملات کو ذلیل لوگوں کے سپرد نہ کرو۔"[29] بعض مقدمات کا فیصلہ بادشاہ خود کرتا تھا (چنانچہ) جب اسے تیروواور کے مندر میں یومیہ پوجا سے متعلق بعض بدانتظامیوں کی شکایات موصول ہوئیں تو اس نے مندر کے قابل سزا ملازمین کو برخاست کر دیئے جانے کا حکم دے دیا۔[30] بسا اوقات بادشاہ اپنے سامنے پیش کردہ مقدمات کی سماعت کا حکم ان افسروں کو دے دیتا تھا جو اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ 46-1545ء میں جب بادشاہ سداشیورائے توندائی منڈلم میں خیمہ زن تھا، اور مہاجنوں نے اسے رام ناد ضلع میں کوندگائی مقام کے باشندوں کے دو فریقوں کے درمیان جھگڑے کی اطلاع دی تو بادشاہ نے یہ ہدایت جاری کی کہ اس معاملہ کو سالوا نایک کی موجودگی میں تعلیم یافتہ لوگوں کی ثالثی کے ذریعہ طے کیا جائے اس کے نتیجہ میں تیروویںگدپورم (TIRUVEINGADAPURAM) کے گاؤں کو چند ٹیکسوں سے بری کر دیا گیا۔[31] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص معاملات میں (بھی) بادشاہ کے پاس براہ راست اپیل نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے پاس اپیل صرف چند افسروں کے توسط سے ہی کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ تیروواماتور (TIRUVAMATTUR) کے مندر کے خزانے کے معتمدین نے کرشن دیورائے کے پاس کرنکم منگم شیّر (KARANIKKAM MENGOSAYYAR) اور سالووا اری لوکم

کے توسط سے استغاثے بھیجے[32] (SALUA ARIYAVA NAYAKKAR.) صحیح طور پر یہ جاننا مشکل ہے کہ ان دونوں افسروں نے اس اپیل کے سلسلہ میں کیا کیا۔ شاید صوبائی گورنروں کی حیثیت سے انھوں نے سفارش کی کہ مقدمہ کو آخری اپیل کے لیے بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے، یہ محض ایک صوبائی عدالت کی شاہی عدالت کے سامنے ایک اپیل تھی۔

اس نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں بادشاہ ایک جج کی حیثیت سے کام کرتا تھا، سلیٹور اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ وجے نگر کے عدالتی نظام میں یقیناً کچھ نہ کچھ انتشار رہا ہوگا۔ وہ کہتا ہے "ایرانی سفیر کے مطابق یہ دنایکہ تھا جو مملکت کی اعلیٰ ترین عدالت کی تشکیل کرتا ہے۔ نونیز کے خیال میں دنایکہ کے علاوہ بادشاہ (بھی) کام چلاؤ طور پر فیصلے کیا کرتا تھا۔ اگر وجے نگر میں حقیقتاً ایسا ہی تھا تو اس کا نتیجہ انتشار کے سوا کچھ نہ رہا ہوگا۔[33] لیکن یہ تنقید بے بنیاد ہے اس لیے کہ یہ فرض کر لینا درست نہیں کہ بادشاہ اور جج دونوں ہی کا اختیارِ سماعت مشترک رہا ہوگا۔ جج کچھ مخصوص قسم کے مقدمات کی سماعت کرتا ہوگا جبکہ بادشاہ بعض دوسری قسم کے مقدمات طے کرتا ہوگا۔ بعض اوقات بادشاہ اپنی کاونسل کے ساتھ اپیل کی عدالت کی حیثیت سے کام کرتا ہوگا، اور کبھی کچھ دوسرے مقدمات کے سلسلہ میں اولین عدالت کی حیثیت سے مزید برآں یہ فرض کرنا قرین قیاس ہوگا کہ بادشاہ فوجداری کے مقدمات کی اور ایسے مقدمات کی سماعت کرتا ہوگا جو مخصوص مفادات سے متعلق ہوتے ہوں گے جیسے کسی مندر کے یا کسی اعلیٰ عہدیدار کے مفادات، جبکہ جج دیوانی کے دوسرے مقدمات کی سماعت کرتا ہوگا۔

نونیز ان قوانین کی مذمت کرتا ہے جو مملکت وجے نگر میں رائج تھے۔ وہ کہتا ہے "جس ملک میں اس طرح کے مندر پائے جاتے ہوں وہاں سوائے برہمنوں کے قوانین کے جو مذہبی پیشواؤں کا قانون ہے، کوئی اور قانون ممکن نہیں"[34]۔ لیکن اس طرح کی صریح مذمت بالکل غیر مناسب ہے۔ اکثر بادشاہوں کو برہمنوں سے مشورہ لینا پڑتا تھا جو تنہا ایسے لوگ تھے جنھیں ملک کے قوانین کی صحیح واقفیت تھی فوجداری کے چھوٹے چھوٹے مقدمات کا فیصلہ تو بغیر کسی خاص وقت کے خود بادشاہ ہی موقع پر کر دیتے ہوں۔ لیکن پیچیدہ مقدمات کے لیے برہمنوں سے مشورہ لیے بغیر چارہ نہ تھا۔ لیکن اس بات سے ہمیں یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ قانون برہمنوں کا یا مذہبی پیشواؤں کا قانون تھا اس لیے کہ بادشاہ کا اس مقدس طبقہ سے مشورہ کرنا جسے قانون کی گہری واقفیت حاصل تھی کوئی غلط بات نہ تھی نونیز کی تنقید یقیناً بے جا ہے۔

دارالسلطنت کی عدالت کے طرز پر ہی، جہاں بادشاہ خود عدل وانصاف کرتے تھے، مملکت میں مختلف درجوں کی ماتحت عدالتیں قائم تھیں، جہاں سے عدل کا نفاذ کیا جاتا تھا۔ صوبائی عدالتوں کی صدارت

بادشاہ کے نمائندے یا گورنر کرتے جو بادشاہ کے نام پر اور اس کی جانب سے ان مقدمات کا فیصلہ کرتے جو ان کے سامنے پیش کیے جاتے۔ مثال کے طور پر سالم ضلع کے ارگلور مقام سے دستیاب ایک دستاویز کے مطابق تیرو ملائی نایک نامی ایک شخص نے جو اس صوبے کا گورنر تھا جس میں یہ گاؤں واقع تھا، تیرو کامیشورم ادیا نلئے نار (TIRUKAMESVARM UDAIYA NAYANAR) کے مندر میں پوجا کے حق سے متعلق ایک فیصلہ کیا تھا[35]۔ اسی طرح انعامات کی بعض اراضیوں کی تقسیم کے سلسلہ میں جب اوودورو (AVUDURU) کے گاؤں کے اگرہاریکوں (AGRAHARIKAN) اور کرنموں کے درمیان ایک جھگڑا ہوا تو انوگوندوینگلپا (ANUGUNDA VENGALAPPA) نامی ایک شخص نے جو غالباً شاہی حکومت کا ایک افسر تھا، نزاعی اراضی کو اچھی، بری اور اوسط درجہ کی زمین میں منقسم کرکے دونوں فریقوں کے درمیان از سر نو تقسیم کرکے جھگڑے کو طے کیا[36]۔

مملکت کے دور افتادہ مقامات میں ان باضابطہ عدالتوں کے علاوہ چند عوامی عدالتیں بھی تھیں جنھیں ان مقدمات کے انفصال کا اختیار حاصل تھا جو ان کے حلقہ اختیار میں رونما ہوتے۔ مثال کے طور پر گاؤں کے اسمبلیوں، مندر کے معتمدین (مختلف) ذاتوں کے سرداروں کی خود اپنی عدالتیں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے مقامی رسم و رواج نے، جنھیں صرف مقامی لوگ ہی سمجھ سکتے تھے، اس طرح کی عدالتوں کے وجود کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ مقامی عدالتیں ہی مقامی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کر سکتی تھیں اس لیے کہ انھیں اہل مقدمہ کے رسم و رواج اور ان حالات کی گہری واقفیت ہوتی تھی جن کے تحت ایک مقدمہ کے لیے اسباب پیدا ہوتے تھے الغرض وجے نگر کے زمانہ میں دیہی عدالتیں تھیں جن کی صدارت گاؤں کے مہاجن کرتے تھے۔ برادری کی عدالتیں تھیں۔ جن کی صدارت برادری کے سردار کرتے تھے اور ایسی عدالتیں تھیں جن کی صدارت مندر کے معتمدین کرتے تھے۔ نیز ہم پیشہ لوگوں کی عدالتیں تھیں جن کی صدارت ان کے نمایاں اشخاص کرتے تھے ان عدالتوں کو وہ تمام عدالتی حاکمانہ اختیارات حاصل تھے جو ایک باضابطہ عدالت کے جج کو حاصل ہوتے تھے۔

تنجور ضلع کے آوڈائیار کوئل (AVADAIYAR KOYIL) مقام کی ایک دستاویز سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح گاؤں کی اسمبلیاں اپنے عدالتی فرائض کو انجام دیتی تھیں اس دستاویز کے مطابق اس گاؤں کی اسمبلی نے تیرو پیرون دورائی (TIRUPPERUNDURAI) میں واقع شولا پانڈیہ ونا کرا برومانا (VINNAGAR EMBERUMANAR)

کے مندر کو تیرو نامتو کانی (TIRURANAMATTUKKANI) کے طور پر ان دو قطع زمین کا ایک عطیہ دیا جسے اس (اسمبلی) نے تیرو پوتور (TIRUPPUTTUR) کے آندان پلائی (ANDANPILLAI) نامی شخص سے اس کی بعض کوتاہیوں یا غلطیوں کی بنا پر ضبط کر لیا تھا۔[37] جب دیہی اسمبلیوں کا زوال ہوا تو ان کی جگہ آئیگاروں (AYAGARS) کی جماعت لے لی اور ان کے فرائض انجام دینے لگے۔ اور انھیں چند عدالتی اختیارات بھی حاصل ہو گئے۔ اسی طرح جب انت پور ضلع کے ایک گاؤں میں گودیکا (GOUDIKA) کے اختیارات و فرائض کے بارے میں ان دان گودا (ANNADAN GAUDA) اور سیگا مودھائیا (CIGA MUDHAIYA) نامی اشخاص کے درمیان ایک جھگڑا ہوا تو یہ مقدمہ دھرم آسن (DHARAMASANA) (دیہی عدالت) کے سامنے پیش کیا گیا، جو گاؤں کے ممتاز اشخاص اور بارہ دیہی ملازمین (آئے گار AYAGARS) پر مشتمل تھی، انھوں نے سیگا مودھائیا کے حق میں فیصلہ سنایا۔ ان کے اس فیصلہ کو ہرتی (HORATI) کے سردار سراجے پراجا (SARAJAYAPARAJA) نے تسلیم کر لیا اور گودیکا، مودھائیا کو بخش دیا۔ اس مقدمہ میں جو طریقہ کار اپنایا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ دیہی افسران کو مقدمات کے فیصلے کی اجازت حاصل تھی لیکن یہ اس مقام کا اعلیٰ افسر تھا جو فیصلے کا نفاذ کرتا تھا۔[38] پدوکوتائی ریاست کے کوتائیور مقام کا ایک بے تاریخ کا کتبہ چند برادریوں کے درمیان ایک جھگڑے کے تصفیہ کی کچھ تفصیلات دیتا ہے۔ کتبہ کی عبارتیں (کچھ) مٹ گئی ہیں لیکن ہمیں اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کانا نادو (KANANADU) عرف ویرو دراج بھینکرولن آدو (VIRUDERAJA BHAYAN KARAVALANADU) میں واقع کوتائیور کے کمہاروں کے چند فرقوں کے درمیان ایک جھگڑے کے تصفیہ کا کا اندراج ہے۔ یہ تصفیہ ایک ایسی اسمبلی میں ہوا تھا، جو اہل مقدمہ کے یک جدی رشتہ داروں کے علاوہ ضلع کے باشندوں (مندر کے) متعدین اور اس مقام کے دستکاروں پر مشتمل تھی یہ ایک نمائندہ اجتماع تھا۔[39] یہ بات کہ کبھی کبھی مندر کے عہدیدار بھی فیصلے کرتے تھے پدوکوتائی ریاست ہی میں واقع نی واشل (NEYVASAL) مقام کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس میں درج ہے کہ ان لوگوں نے ایک ایسے مقدمے کی سماعت کی جس میں ایک شخص نے مندر کا ایک ہیرا چرا لیا تھا۔ چنانچہ اسے سزا دی گئی۔ مندر کے حکام نے مسروقہ ہیرے کی قیمت چکانے کے لیے مجرم کی زمین فروخت کر دیئے جانے کی بھی توثیق کر دی۔[40]

اس زمانہ میں مندر کے طریق عمل کی نگرانی کے لیے مخصوص افسروں کا تقرر کیا جاتا تھا اور جب

کبھی ان مندروں میں کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا تو یہ افسران ان معاملات کی چھان بین کرتے اور ان کا فیصلہ کرتے۔ آنی گوندی (ANEGONDI) کے وتپ پر (VITTAPPAR) نامی ایک شخص کو تیروری پور کے مندر میں بادشاہ کے افسر کی حیثیت سے اپنی تقرری کے بعد اس مندر کے ایک زبردست جھگڑے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جیسے ہی اس نے اپنا عہدہ سنبھالا "اس نے دیکھا کہ پدی ایلار(PADI YILAR، اسبھتلی ایلار (ISABHATTALI YILAR) اور دیوردادی یار (DEVARADIYAR) نے اس مندر میں کام بند کر دیا ہے اور یہ کہ ان کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے گذشتہ دو کوششیں۔ جو پیرمبرپولی یور (PERUMBARRAPULIYUR) سیدمبرم (CIDAMBARAN) کے مودالی یار (MUDALIYAR) اور اس کے بعد مندر کے متعدین نے راج نارائن شمبو ورائن (RAJANARAYNAN SAMBUVARAYAN) کے پانچویں سال تھیں ناکام ثابت ہوئیں۔ وتپ پر (VITTAPPOR) نے ویرشولا انوکر (VIRASOLA ANUKKAR) اور کیکولر (KAIK- KALAR) سے اس ہڑتال کا سبب دریافت کیا اور شری ردروں (SRIRUDRAN) شری ماہیشوروں (SRIMAHASVALAN) ، اسبھتلی ایلار اور دیوردی یار کی ایک میٹنگ تیروری پور کے مندر کے ویاکرن دان نتپ (VYAKARONDANNANTAPA) میں بلا کر ایک باضابطہ بنا دیا جس پر انھیں مندر کی ملازمت کے سلسلہ میں چلنا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ قطعی طور پر حل نہ ہو سکا اس لیے کہ تین سال بعد (شاکھا سنہ 1293 میں) کمپن ادیار کے احکامات کے تحت ان لوگوں کو پھر ایکبار پھر اسی منتپ میں اکٹھا ہونا پڑا جس کی صدارت اس بار تونائی ایرندامبی کونگرایر (TUNAIYIRUNDANAMBI KONGRAYAR) نامی ایک افسر نے کی۔ گذشتہ موقعہ کے مقابلے میں اس بار زیادہ نمائندے جمع ہوئے جس میں متعدین اور ضلع کے نمائندے (ناتار NATTAR) بھی شامل تھے اور اس مسئلہ کا فیصلہ صرف اسبھتلی ایلار اور دیوردائے یار ہی کے درمیان نہ ہوا بلکہ بالواسطہ اس کا تعلق شوکتیل ایلار، (SOKKATTALYLAR) موتک کارر (MUTTUKKARAR) ، ویرانکر (VIRANUKKAR) (ویرشولا انوکر کا تذکرہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے) اور کیکولر (KAIKKALAR) سے بھی تھا جو تمام کے تمام کسی نہ کسی حیثیت سے تیروری پور کے مندر کے ملازم رہے ہوں گے۔ جن نکات کا تصفیہ ہوا وہ بہت سے تھے اور متعدد ایسی تفصیلات پر مشتمل تھے جن کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ مگر اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ مندر میں منائی جانے والی تقریبات کے موقعوں پر اسبھتلی ایلار دیوتا کے مندر میں خدمت انجام دیں گے اور دیوردا ایلار دیوی کے مندروں

ہیں لیکن جب دیوتاؤں کو جلوس کی شکل میں مندر کے باہر سڑکوں پر مانٹپوں MANTAPAS میں باغات میں، تالابوں میں اور دوسری مقدس جگہوں پر لیجایا جائے گا اور جب چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کی، جس میں عالم و بزرگ تیروواددورنائنار (TIRUVARAUUR NAYANAR) مانکاواشگر (MANIKKAVASGARA) کی تیروومباوی (TIRUVAMBAVAI) کے سماعت کے وقت کی شبیہ بھی شامل تھی، کی سڑکوں پر نمائش کی جائے گی تو طریقہ کار کچھ مختلف ہوگا۔" اس دلچسپ کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ جن مخصوص افسران کو مندروں کی نگرانی کے لیے بادشاہ کی جانب سے مقرر کیا جاتا تھا انھیں بھی عدالتی فرائض انجام دینے ہوتے تھے۔

جو مسائل عوام کے سماجی اور مذہبی رسم و رواج کو متاثر کرتے ان کا تصفیہ خاص افسران کرتے تھے جنھیں سمیاچار (SAMAYACARS) یا داشری (DASARIS) کہا جاتا تھا۔ ان کی تقرری حکومت کی جانب سے محتسب (CENSORS) کی حیثیت سے کی جاتی تھی یہ عہدہ تمام بڑے شہروں میں اجارہ پر دیا جاتا تھا اور اس کی وصولی کو سمیاچار کی حیثیت سے عوامی کھاتوں میں جمع کردیا جاتا تھا۔ کوئی مذہبی تقریب یا شادی ان سمیاچاروں کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دی جاسکتی تھی۔ جب پینوگوند (PENUGONDA) اور بودی پت (BODIPET) کے ردیوں کے درمیان آپس میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں ایک جھگڑا ہوا اور جب اس معاملہ کو رام رایل اور ٹکارایل کے پاس لے جایا گیا تو انھوں نے اس معاملہ کی تفتیش کی اور اس کے تصفیہ کے لیے اپنے گروتاتاچاریہ (TAT-AGARYA) کو بلا بھیجا۔ تاتاچاریہ نے اس مقدمہ کی تفصیلات کا جائزہ لیا اور سوجن کولا (SUJANA-KULA) کے سرداروں کو کچھ اعزازات دئے جس کے بدلہ میں انھوں نے شادی کے موقعوں پر چند خاص ادائیگیوں کا وعدہ کرلیا۔ اس کے بعد شادیاں اسی کے مطابق انجام دی گئیں۔ کرشن دیورائے نے شتت مرسن گوترا (SATAMARSANA GOTRA) کے ایک شخص وینکٹ تاتائے راج (VENKATA VATA YARAJA) کو اس بات کا اختیار دیا تھا کہ وہ ان تمام ذاتوں کے طرز عمل کا جائزہ لے جو اپنا تعلق رامانج (RAMANUJA) سے بتاتی ہیں اور جو مذہبی اور سماجی معاملات میں کوتاہی کے مرتکب ہوں ان کی سرزنش کرے۔" اس طرح وجے نگر کے زمانہ میں مذہبی معلمین بھی کچھ ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے، جو سماجی اور مذہبی نوعیت کے ہوتے تھے۔

آخر دور میں وجے نگر کے ان نایکوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو اپنے اپنے علاقوں میں نیم آزاد حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھیں پولیس اور عدلیہ کے تمام اختیارات حاصل تھے۔ وہ اپنی عدالتیں

خود منعقد کرتے اور ان مقدمات کا فیصلہ کرتے جو ان کے سامنے پیش ہوتے۔

فصل سوم

عدالتی طریقۂ کار

(الف) مقدمات دیوانی۔ عدالتی طریقہ کار کی صحیح نوعیت کے متعلق ہمیں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ جو کچھ تھوڑا بہت دستیاب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقدمات دیوانی کا فیصلہ عموماً عدالتیں کرتی تھیں یہ تصفیہ مقدمہ کے قانونی نکات کی تفصیلی اور غیر جانبدارانہ تنقیح سے زیادہ پنچایتی فیصلوں پر مبنی ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی جائیداد کی وراثت کے حق کے ایسے پیچیدہ مقدمے بھی مقامی رؤسا پنچایت کے ذریعہ طے کر دیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مدورا سے دستیاب تانبے کی ایک تختی کی دستاویز مورخہ 1533ء میں جو دو بھائیوں کے درمیان اس جھگڑے کے تصفیہ کا ذکر ہے کہ ان میں سے بڑا کون تھا جب چھوٹے بھائی سِنّاوڈ آواد تمیشی نایکّر (SINNAVADAVADA TUMMISI NAYAKKAR) کو ونکائی نایکروں اور پولی گاروں (POLYGARS) کے اٹھارہ افراد پر مشتمل ایک اسمبلی نے چھوٹا قرار دے دیا تو بڑے بھائی رام رائے تو تو شی نایکر نے اسے کچھ اراضی دے دی[1]۔ اس طرح جب 1363ء میں ہدّورناد (HEDDURNAD) کے عوام اور مندر کے آچاریوں کا شوریوں (SIRIS) کے ساتھ ان اراضیوں کے حدود کے بارے میں کچھ نزاع ہوئی جو ہدّرناد کے تڈتالا (TADATALA) مقام میں واقع پارشوادیو (PARSVADEVA) مندر کی ملکیت تھیں، تو وزیر اعلیٰ ناگنّا (NAGANNA)، چند اراشوں (ARASUS) اور جین ملپّا (JAIN MALLAPPA) نے اس کا فیصلہ پنچایت کے ذریعہ کیا۔ ان لوگوں نے ان تینوں شہروں کے عمائدین اور اٹھارہ کمیتوں کو لایا اور آرگاکاودی (ARAGACAVADI) میں تحقیقات کیں۔ انھوں نے ناد (NAD) سے یہ تسلیم کرایا کہ یہ اراضیات مندر کی ہیں سابق رسم و رواج کے مطابق ان کے حدود کا تعین کیا اور اس سلسلہ میں انھیں ایک فرمان (SASANA) دیا[2]۔ تمکور (TUMKUR) ضلع میں سیرا (SIRA) تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق بادشاہ اس پر اس طرح حکومت کرتے تھے۔ اگر اس علاقہ میں ذات بات سے متعلق کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو، تو وہ فریقین کو اپنے پاس

بلوائیں گے اور انھیں مشورہ دیں گے اور چونکہ انھیں سزائیں دینے کا اختیار حاصل ہے، لہٰذا فریقین کو ان کے مشوروں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یہ کارروائی ان کے لیے بلا معاوضہ ہوگی۔[46]

لیکن جب بادشاہ یا باضابطہ عدالتیں مقدمات کی سماعت کرتیں تو وہ ان کی حقیقت کا پتہ لگاتیں، دستاویزات کا جائزہ لیتیں، گواہوں کے بیانات سنتیں اور تب اپنے فیصلے سناتیں۔ رام ناد ضلع کے شری ولی پتور (SRIVILLIPUTTUR) مقام کے ایک قیمتی کتبے مورخہ 1577ء میں درج ہے کہ جب دیوی شودی کودتا ناکیار (SUDIDUTTA NACCIYAR) اور دیوتا پدکاشو وتاناٹے نار (PADI KKASU VAITTA NAYANAR) کے مندروں کی اراضی کے حدود کے سلسلہ میں ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا فیصلہ ویریا نایکر، اریہ ناتھ مدالیار اور بعض دیگر افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نے کیا۔ تصفیہ کے لیے جو دن مقرر کیا گیا تھا اس سے ایک دن قبل فریقین کے نام مقدمہ کے لیے جمع ہونے کا حکم جاری کیا گیا۔ فریقین اپنے کھاتے اور جنایکم (JINAPAKAM) میمو (MEMOS) اپنے ساتھ لائے دونوں فریقوں کے دعوؤں کی تحقیقات کی گئیں۔ اراضیوں کا معائنہ کیا گیا اور پھر آخیر میں یہ احکامات جاری کیے گئے کہ ایرتائی کریشل کولم (IRATTAI KARISAL KULAM) ناکیار (NACCIYAR) کے مندر سے متعلق رہے گا اور مالائیدان (MALAIDAN) کا تالاب شیو کے مندر سے متعلق ہونے کی حیثیت سے ادی یار کولم سے ملحق کر دیا جائے ناکیار کے مندر کی اراضیوں کے حدود کے تعین کے لیے مناسب جگہوں پر پتھر نصب کر دئے گئے۔[47]

اس سلسلہ میں تیروویدائی مرودور (TIRUVIDAI MARUDUR) سے دستیاب ایک کتبہ ہمارے لیے خاص دلچسپی کا باعث ہے۔ اس کے مطابق دو گاؤں، آونم (AVANAM) اور شیرّ آدی (SIRRADI)، کو ابتدا مرودپرّ تیرونامتو کانی (MARUDAPPAR TIRUNAMATTUKKANI) کے طور پر اس مقام کے مندر کو عطا کیا گیا تھا لیکن بعد میں ان پر حکومت نے قبضہ کر لیا اور وہ پندآروادائی (PANDA RAVADAI) ہو گئے۔ جب رام راج وتل دیو مہاراج، تیروودی TIRUVADI (تراؤنکور) میں مقیم تھا، اس وقت تیرمبل بھٹر (TIRUEE) (VRREMBALA BHATTAR) اور منگر کاتار (MANGAMARLATTAR)، مندر کے دو ملازمین، نے متعدد بار اس سے درخواست کی کہ ان گاؤں کو مندر کو لوٹا دیا جائے۔ لہٰذا اس نے تولی نایینار (TULINAYANAR) اور ایک متی رائی وانگی ایلنگایر (MUTTIRAI VAINGI ILINGAYAR) (مہروں کی جانچ پڑتال کرنے والا (؟)) جو موجودہ زمانہ کے افسران محاصل سے

ملتا جلتا تھا) کو اس بات کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا کہ کیا دونوں گاؤں کی حدبندی کرنے والے لیتھروں پر مرودپّر (MARUDAPPAR) کے نشانات موجود ہیں۔ وہ جلد ہی واپس آیا اور بیان کیا کہ ان پر اس کے نشانات موجود ہیں۔ چنانچہ ان کے ثبوت پر وتل دیو نے فیصلہ کیا کہ یہ گاؤں مندر کے ہیں اور انھیں ان کو واپس لوٹا دیا۔[48] اس کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ شاہی افسران حقیقت حال کی دریافت کے لیے کس طرح تحقیقات کیا کرتے تھے۔

دستاویزی ثبوت کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ بادشاہ یا سردار اس مقدمہ سے متعلق جو ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، تمام متعلقہ دستاویزات کے معائنہ سے نہ چوکتے تھے۔ مثال کے طور پر موجودہ پدوکوتائی ریاست کے کانن آدو اور آمنتور (AMANTUR) پدائی پرّو میں واقع گاؤں کے پلاروں اور پرائی یاروں (PARAIYARS) کے درمیان ایک تنازع جب مقامی حاکم رگھوناتھ رائے تونڈمانار (RAGHUNATHA RAYA TONDAMANAR) کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس نے تیکٹ تور (TEKATTUR) ویرکچیلائی (VIRACEILAI) اور لمبلاکودی (LAMBALAKUDI) کے مندروں میں موجود ان کتبات کا معائنہ کیا جو اس مقدمہ سے متعلق تھے اور (تب) اپنا فیصلہ سنایا۔[49]

اسی طرح جب 1576ء میں تیوہاروں کے جلوس کے دوران بیرواداؤں (BIRUDAS) کو لے جانے سے متعلق بدوگل وارو (BADUGULAVARU) اور پلی ناتی وارو (PALINATIVARU) کے درمیان کا ایک جھگڑا ودیستواؤں (VATSAVAS) ودیاؤں (ODEYAS) کے سامنے پیش کیا گیا جو کانچی (KANNCI) کے سردار اور تجار تھے، تو انھوں نے پتھر کی ایک سابقہ دستاویز کی سند پر بدوگل وارو کو رعایتوں کی ایک طویل فہرست عطا کی جس میں کنکوماوسترم (KANKUMAVASTRAM) بھی شامل تھا۔[50] ایک شخص کو گودا کا عہدہ دینے کے لیے یہی طریقہ کارمہانایک آچاریہ ہراتی امدی رنگپا نایک آیا (MAHANAYAKA CARYA HARATI IMMADI RANGAPPA NAYAKA AYYA) کے (بیٹے) ہنگ ہٹی نایک (HANGAHATI NAYAKA) کے خاندان، رشتہ داروں اور دیگر لوگوں نے بھی اپنایا تھا ویربلال رائے (VIRA BALLALA RAYA) نے تانبے کی تختی پر لکھے ہوئے ایک فرمان (شاسن) کے ذریعہ نادگودیکا (NADGAUDIKA) ایک خاص شخص کو عطا کیا تھا لیکن دوتالابوں کے مودی گودا نامی شخص نے دعویٰ کیا کہ نادگودیکا اس کا ہے اور اپنے چند آدمیوں کو تمکور (TUMKUR)، بھیج دیا جہاں انھوں نے ایک جعلی دستاویز (ولے۔ VOLE) تیار کی اور اسے ہنگ ہٹی نایک اور دوسروں کے سامنے اس بات کے ثبوت کے لیے پیش کیا کہ گودیکا اسی کا ہے اور دعویٰ کیا کہ اس کا دعویٰ ثابت ہے۔

لیکن مہا نایک آچاریہ نے وِلے کی صحت کی تحقیق کے لیے اپنے آدمیوں کو محل سے بھیجا جنھوں نے یہ فیصلہ سنایا کہ یہ وِلے جعلی ہے اور اس وجہ سے گودیکا اس کو واپس نہیں ملا۔ چنانچہ حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی مشترک گودیکا یا اس کا بدل نہ رکھا جائے۔ اور دیوتا میلی کنت بال کرشن (MELIKUNTE BA-LKRSNA.) کے من رِ کے بڑے پجاری کی موجودگی میں پتھر کا ایک فرمان نصب کر دیا۔

تیرو ملی نایک نامی ایک شخص نے جس طرح ایک مندر کے تنازع کا فیصلہ کیا تھا وہ یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ تنازع سالم ضلع کے ارگلور مقام میں واقع تیروکا میشورم ادیانایار کے مندر میں پوجا کے حق سے متعلق تھا۔ مندر کے منتظمین کی جانب سے ایک شکایت تیرو ملی نایک کے سامنے پیش کی گئی جس نے اپنے آخری احکامات کا خلاصہ اور اس سے مندر کے منتظمین (استھانیکوں) کو مطلع کرتے ہوئے کہا: "(۱) الف عرصہ سے مہینے کے تیسوں دن مندر میں عبادت کی رعایت سے فائدہ اٹھاتا آرہا ہے حالانکہ حقیقتاً اسے صرف پندرہ دن کا حق حاصل تھا اور پندرہ دن "ب" نامی ایک دوسرے شخص کے تھے۔ (2) لہٰذا الف نے بغیر کسی وجہ کے "ب" کے حق کا جو فائدہ اٹھایا ہے وہ تصفیہ کا متقاضی ہے (3) شق (۱) میں دئے گئے بیان کے آخری حصّہ کی تائید میں مندر میں ایسی دستاویزات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ "ب" کے پندرہ دنوں کو (جو اس نے اب ترک کر دیئے اور جن کا فائدہ الف نے اٹھایا ہے) احکامات کے تحت" بے دعویٰ" (ایرنگل TIRANGAL) شمار کیا گیا تھا (۴) پندرہ دنوں کی اس رعایت میں سے، جسے بے دعویٰ قرار دیدیا گیا تھا، تم نے (اپنی ذمہ داری پر) $7\frac{1}{2}$ دن ایک تیسرے شخص "ج" کے ہاتھوں فروخت کر دئے ہیں اور اسے پیغام بھی دے دیا گیا ہے (۵) ایسا کر کے تم نے الف کو حاصل اس حق سے محروم کر دیا ہے جس سے وہ پچھلی آٹھ یا دس پشتوں سے استفادہ کرتا آیا تھا۔ (۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلہ پر ناتار استفادہ کے مسئلہ کا تصفیہ کرنے پر راضی ہو گئے ہیں اس لیے کہ الف لاولد ہے (۹)۔ اور اس بات پر بھی راضی ہو گئے ہیں کہ وہ فریقین کو بلاویں کہ وہ خود کو الف کے ساتھ ان کے سامنے پیش کریں۔ (7) آپ متولیان کو بھی (میرے احکامات کے تحت) موجود رہنا ہے تاکہ مقدمہ کی سماعت کر سکیں، (ناتار کے ذریعہ) کیے گئے فیصلے کو عملی جامہ پہنا سکیں نیز (ناتار کے ذریعہ) سماعت کے دوران مندر کی اس پوجا میں شریک رہیں، جو باہر کے لوگ ادائیگی کے بعد کرتے ہیں۔ (8) چونکہ الف نے اسی زمانہ میں، جب میں ارگلور میں تھا، مجھ سے اپیل کی تھی کہ میں ان کے مقدمہ کی خود سماعت کروں اور ایک منصفانہ فیصلہ صادر کروں لہٰذا میں نے اور ناتار نے مل کر فریقین کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے مقدمہ کو مہاجنوں کے سامنے پیش کریں اور اسی کے لیے حکم جاری کر دیا۔

(۹) ہمارے حکم کی تعمیل میں کولتور (KULATTUR)، آلم بلم (ALAM BALAM)، شدائین یتو- (SADAI YAN-PATTU) اور موتی یارکورکسی (MUTTIYAKURCCI) کے اگرہاروں (AGARHARAS) کے مہاجنوں نے فریقین کے بیانات سنے اور یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ الف صرف پندرہ دنوں کی مراعات ہی کا موروثی حقدار رہا ہو، لیکن متنازع فیہ حصّہ کو باہر کے ایک فرد "ج" کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہ تھا جب کہ طویل استفادہ کی بنا پر خریداری کا حق سب سے پہلے الف کو حاصل تھا۔ (۱۰) لہٰذا مہاجنوں کے اس فیصلے کے مطابق ہم حکم دیتے ہیں کہ الف پہلے کی طرح پورے تیس[30] دن استفادہ کرتا رہے اور تم لوگوں نے جو پیغام "ج" کو دیا ہے اسے منسوخ کر دیا جائے[31]

مندرجہ بالا مقدمہ میں مظلوم پجاری کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے جس عدالتی طریقہ کار کو اختیار کیا گیا اس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مظلوم فریق کو گورنر یا بادشاہ سے استغاثہ کا حق حاصل تھا۔ جب گورنر یا بادشاہ بذات خود مقدمہ کا فیصلہ نہ کر سکے تو اس نے ناتار کی مدد طلب کی۔ لیکن جب یہ با اثر جماعت بھی مقدمہ کا فیصلہ نہ کر پائی تو شاید اس بنا پر کہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ تھا اور اس میں انتہائی اہم قانونی نکات ملوث تھے، قرب و جوار کے گاؤں کے مہاجنوں سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی درخواست کی گئی جسے انھوں نے یہ فیصلہ کر کے حل کیا کہ مندر کے منتظمین کو پوجا کے اس حق کے فروخت کا اختیار نہ تھا جو اصلاً "ب" کا تھا لیکن اس سے اس کی کنارہ کشی کی بنا پر "الف" کو مل گیا تھا اور آٹھ یا دس پشتوں سے اسے حاصل رہا تھا۔ اور اس طرح اس نے (الف نے) پوجا کی انجام دہی کا ایک قانونی حق حاصل کر لیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عوامی عدالتوں سے باضابطہ عدالتوں میں، جو بادشاہ کی عدالت ہوا کرتی تھی، اپیلیں کی جا سکتی تھیں۔

اگرچہ بشری شواہد (HUMAN EVIDENCE) کو بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن بسا اوقات بعض ان مقدمات کے تصفیہ کے لیے روحانی مدد (DIVINE HELP) بھی حاصل کی جاتی جن میں بڑی قانونی اور تکنیکی پیچیدگیاں ہوتی تھیں اور جنھیں بآسانی حل کرنا مشکل ہوتا یا جس مقدمہ کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کے لیے تشفی بخش ثبوت فراہم نہ ہوتے یا جہاں کوئی فریق اس بات کا مطالبہ کرتا کہ عدالت کو محض بشری شواہد کے جائزہ پر اکتفا نہیں کرنی چاہیے۔ ایسے اس طرح کے مقدمات میں جسمانی ابتلا (ORDEAL) کا سہارا لیا جاتا تھا۔ اگر وہ فریق جسے جسمانی ابتلا میں ڈالا جاتا زیادہ زخمی نہ ہوتا یا ایک مخصوص مدّت کے اندر اس کا زخم ٹھیک ہو جاتا تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا کہ اس نے اپنا مقدمہ جیت لیا اور گر اس کا عکس ہوتا تو کہا جاتا کہ وہ مقدمہ ہار گیا۔ پدوکوتائی ریاست کے میلتانیم (MELLATANIYAM)

مقام سے دستیاب ایک غیر مورخہ دستاویز میں ایک تصفیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو گاؤں کے پرائیروں (PARA-YARS) اور پلاروں PALLARS کے درمیان چند مراعات سے تنہا فائدہ اٹھانے کے ایک تنازع کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ویرسنو نایکر VIRA SINNU NAYAKKAR نامی ایک شخص نے اس تنازع کا فیصلہ یوں کیا کہ فریقین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ہاتھ کھولتے ہوئے گھی میں ڈبوئیں جس میں پلاروں کو کوئی گزند نہیں پہونچی۔[53] میور ضلع میں یلندور جاگر YELANDUR JAGIR کے ایک کتبہ میں چند ذاتوں کے ایک جھگڑے کا تذکرہ ملتا ہے جس کا فیصلہ اس طریقے پر ہوا تھا۔ اس کتبہ میں درج ہے کہ رام راج نایک کے زمانہ میں کمہاروں کے سردار نے اس مضمون کی ایک دستاویز جاری کیا: "جب حجاموں اور دھوبیوں نے یہ کہا کہ کمہاروں کے لیے پنجوں اور ناخن کو تراشنے کی اور اوپری پوشاک (غالباً شادی کے موقعوں پر) پہننے کی اجازت نہیں ہے تو کمہاروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ انھیں اس کی اجازت ہے اور انھوں نے ہردن ہلی HARADANA HALLI میں دیوتا دیویاں لنگیشور DIVYALINGESVARA کے سامنے اپنے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے گھی میں ڈبونے کی آزمائش کے ذریعہ کامیابی حاصل کی۔[54] ہری پور تعلقہ کے ابن ہولی ABBIN HOLE مقام سے دستیاب ۱۶۶۴ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ دلّ لو DUBBALALU کے شینابوواؤں (SENABOVAS) اور کمبیا KAMBAYA کے بیٹے مودورنگا (MUDDURANGA) نیز چار دیگر اشخاص نے (جن کے نام مذکور ہیں) اپنی بیویوں، بیٹوں، قبیلے کے لوگوں، وارثوں، اور چار گاؤں کے ساونتوں کی منظوری سے گودا ابن ہول استھلا (GUDA ABBINHOLE STHALE) کے شینالواؤں کو، یعنی گورنا (GAURANNA) کے بیٹے سداشیوما (SADASHIVEYYA) اور دوسرے افراد (چار، جن کے نام مذکور ہیں) کو مندرجہ ذیل جے ریکھاپتریکا (JAYAREKHAPATRIKA) (فتح کی سند) عطا کی تھی۔ جب ہم نے اگلی (AGALI) مدوویدو (MADDUVIDU)، رنتاولولو (RANTAVALULU) اور قرب وجوار کے دوسرے گاؤں کے گوداؤں، مشینواؤں، سیٹوں اور پٹّارسوامیوں (PATTARAS-YARIS) پر مشتمل اسمبلی کے سامنے اس بات کو پیش کیا کہ گودا استھلا (GUDA STHALA) کے عہدہ شنبوگ (SHANBOG) سے متعلق کان آچی ہمارا ہے تو فیصلہ تمہارے حق میں ہوا تھا۔ اسمبلی کے فیصلے کو تسلیم نہ کرکے ہم نے تجویز کیا کہ اس جھگڑے کا تصفیہ کودی ہلی (KUDIHALLI) کی دیوی ایلما (ELLAMMA) کے روبرو کھولتے ہوئے گھی میں ہاتھ ڈبوکر کیا جائے۔ چنانچہ سردار کے حکم سے ہرتی کے سداپا دیورو (SIDDAPA DEVARU) اور دیگر لوگوں نے (جن کے نام مذکور ہیں) گھی منگوایا اسے کھولایا اور ہمارے سامنے رکھا اور جب ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ "کان آچی ہمارا ہے"، ہاتھ اس میں ڈالا تو ہاتھ جل گیا اور ہم مقدمہ ہار گئے جبکہ تم زخمی نہ ہونے

سے مقدمہ جیت گئے۔ لہٰذا ہم یہ جاریکھا تمھیں دیتے ہیں۔ انصاف تمھارے حق میں ہے۔ خدا کرے کہ تم شنبوک کے عہدے سے اس وقت تک مستفید ہوتے رہو جب تک چاند اور سورج باقی ہیں[55]۔

نیکولوڈی کونیتی جسمانی آزمائشوں کے بارے میں مندرجہ ذیل خیال کا اظہار کرتا ہے:" فوجداری کے الزامات میں جہاں جرم کو ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ موجود نہ ہو، حلف اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ حلف اٹھانے کے تین طریقے ہیں۔ پہلے وہ شخص جسے حلف اٹھانا ہوتا ہے۔ بت کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور بت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ حلف اٹھانے کے بعد وہ سرخ تپتی ہوئی لوہے کی کسی شئے کو، مثلاً کدال کو اپنی زبان سے چاٹتا ہے اگر وہ زخم سے محفوظ رہ جاتا ہے تو اسے بے گناہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ دوسرے بھی پہلے قسم کھا لینے کے بعد، اسی لوہے کو یا لوہے کی سرخ تپتی ہوئی پلیٹ کو لے کر بت کے سامنے چند قدم چلتے ہیں اگر اس کا کوئی حصہ جل جاتا ہے تو اسے مجرم کی حیثیت سے سزا دی جاتی ہے اور اگر محفوظ رہ جاتا ہے تو جرم پر دی جانے والی سزا سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔ حلف کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہے اور وہی سب سے زیادہ عام ہے۔ کھولتے ہوئے روغن سے بھرا ہوا ایک برتن بت کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ شخص جو عاید کردہ الزام سے اپنی برأت کی قسم کھاتا ہے، اپنی دو انگلیاں روغن میں ڈبوتا ہے جنھیں بعد میں فوراً ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ اس کو ہٹایا نہ جا سکے۔ تیسرے روز پٹی کھولی جاتی ہے۔ اگر انگلیوں پر کوئی زخم نظر آتا ہے تو ملزم کو سزا دی جاتی ہے اور اگر اس پر زخم ظاہر نہیں ہوتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے[56]۔"

جسمانی آزمائش کا طریقہ جنوبی ہندوستان میں تقریباً انیسویں صدی کے آغاز تک جاری رہا جب مثال کے طور پر تنجور کے مراٹھ بادشاہ سرفوجی (SARFOJI) کے زمانہ میں، ایک مخصوص گاؤں میں تلیاری (TALAVARI) کے حق سے متعلق دو اشخاص کے درمیان تنازع کا تصفیہ جسمانی آزمائش کے ایک طریقہ کے ذریعہ کیا گیا تھا[57]۔

دوسرا کتبہ جو یہاں جائزہ کا مستحق ہے وہ چند افراد کی ایک جماعت کے ذریعہ بعض مقدمات کی سماعت ہے۔ یہ سماعت اس خاص افسر کی درخواست پر ہوتی تھی، جس کے حلقہ اختیار میں وہ مخصوص مقدمہ پڑتا ہو اور تنہا وہی اس مقدمہ کی سماعت کا حق رکھتا، مختار جماعت (DELEGATAD BODY) دریافت طلب مسائل (LEXS OF UPARBEE) کے مطابق ہی مقدمہ کی سماعت کرتی ہے اور کسی فیصلہ پر پہونچتی ہے اور پھر فیصلہ اس افسر کے سپرد کر دیتی ہے جس نے اسے فیصلہ کے لیے مقدمہ کی سماعت کا اختیار دیا ہے اس طرح اس (جماعت) کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور وہ کسی مقدمہ کی سماعت محض ایک مختار نائب

ہوئی جماعت کی حیثیت سے ہی کرتی ہے۔ ارگلور کا کتبہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ کی ایک مثال ہے۔ یہ مہاجن ہی تھے جنھوں نے اس مقدمہ کی سماعت کی تھی، جس میں مندر کے حکام نے الف کے حاصل کردہ حق کو "ج" کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا اور ان ہی مہاجنوں نے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ حاکم صوبہ تیرو ملی نایک ہے جس کے پاس اس سے قبل کہ وہ معاملہ کی چھان بین کے لیے مہاجنوں سے درخواست کرے، اپیل کی گئی تھی۔ محض ان مہاجنوں کے فیصلے کے مطابق ہی اپنا فیصلہ سنا دیا جنھیں اس نے جوری کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ اس طرح یہ مہاجن مقدمہ کے حقائق کی تفتیش کے لیے محض ایک جوری کی حیثیت رکھتے تھے، وہ جج نہ تھے۔[58]

(ب) فوجداری کے مقدمات:۔ ہمیں اس طریقہ کار سے متعلق بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں جس کے مطابق شاہی عدالت اور صوبائی یا مقامی، دونوں ہی طرح کی عدالتوں میں فوجداری کے مقدمات کی سماعت ہوا کرتی تھی۔ لیکن جو مواد ہمارے پاس ہے وہ زیادہ نہیں ہے لہٰذا ہم قطعی طور پر اس طریقہ کار کے بارے میں زیادہ نہیں بتا سکتے جن کے مطابق فوجداری کے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی لیکن مندرجہ ذیل تفصیلات قابلِ ذکر ہیں۔ نونیز کہتا ہے "جب کوئی زیادتی کا شکار ہوتا ہے اور اپنے مقدمہ کو بادشاہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے اظہار کے لیے کہ اس کی مصیبت کس قدر سنگین ہے زمین پر منھ کے بل لیٹ جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے اگر اتفاقاً وہ بادشاہ سے اس وقت گفتگو کرنا چاہتا ہے جب وہ گھوڑے پر سوار جا رہا ہو، تو وہ ایک بھالے کے دستہ کو لیتا ہے، اس میں ایک شاخ کو باندھ دیتا ہے اور اسی حالت میں وہ چیختے ہوئے سیدھے چلا جاتا ہے۔ لوگ اس کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں اور وہ بادشاہ کے سامنے اپنی شکایت پیش کرتا ہے اور شکایت کو اسی وقت اسی جگہ بلا کسی دقت و پریشانی کے حل کر دیا جاتا ہے اور بادشاہ ان سرداروں میں سے جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں، کسی ایک کو حکم دیتا ہے کہ ملتجی جو کچھ چاہتا ہے اسے فوراً پورا کیا جائے . . . . . . اگر کوئی (ڈاکہ زنی) بھی ہوئی ہے تو آپ کوئی چھوٹا سا تحفہ اور اس شخص کا حلیہ دے دیں جس نے آپ کے یہاں چوری کی ہے۔ وہ جادوگروں کے ذریعہ فوراً ہی پتہ لگا لیں گے کہ آیا چور شہر میں ہے یا نہیں اس لیے کہ اس ملک میں بڑے طاقتور جادوگر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین میں چور بہت کم ہیں۔[59]

اگرچہ جادوگروں کی موجودگی کا ذکر پہلی نگاہ میں مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات غیر ممکن نہیں ہے کہ بادشاہ لوگوں کے اس طبقے سے مشورہ کرتے ہوئے جو جادوگری سے واقفیت کی بنا پر

دعویٰ کرتے تھے کہ وہ گمشدہ اشیاء اور ان اشخاص کا نشان و پتہ جانتے ہیں، جنھوں نے ان اشیاء کو چرایا ہے۔ جب ہم آج بھی کچھ ایسے اشخاص پاتے ہیں جو جادو کی کسی طاقت کے ذریعہ گمشدہ اشیا کا پتہ لگالیتے ہیں تو نونیز کے بیان پر یقین کر لینا مشکل نہیں ہے سیاسی جرائم سے نمٹتے وقت، خواہ وہ حقیقی ہوں یا مشتبہ، بادشاہ بسااوقات بیک وقت ایک مدعی، پولیس کے آدمی اور ایک منصف کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایسا ہی اس وقت ہوا جب کرشن رائے نے اپنے معتمد وزیر سالو واتما اور اس کے بیٹوں کو اس شبہ پر اندھا کر کے جیل میں ڈال دیا کہ انھوں نے اس کے بیٹے تیرومل کو قتل کر دیا۔ اگر اس سنگین جرم کا فیصلہ (اگر حقیقتاً سالو واتما کا اس میں کوئی ہاتھ تھا) کسی ایسی سرکاری عدالت پر چھوڑ دیا جاتا جس میں (خود) بادشاہ کا کوئی دخل نہ ہوتا تو شاید انھیں جیل میں ڈالنے سے قبل الزام قتل کو ثابت کرنا پڑتا اور اگر یہ ثابت نہ ہو پاتا تو بادشاہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوتی کہ وزیر اور اس کے بیٹوں کو قید میں ڈال دیا جائے۔ لہٰذا یہ طریقہ کار جس کے مطابق بادشاہ نہ صرف مدعی تھا، بلکہ ایک جج اور قانون کا نافذ کرنے والا بھی، وجے نگر کی مملکت میں فوجداری کے عدالتی نظام کے کسی پسندیدہ پہلو کو اجاگر نہیں کرتا۔

بادشاہ ان عہدہ داروں میں سے محض ایک تھا جو فوجداری کے عدالتی نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔ دیہی اسمبلیاں، مندر کے حکام اور صوبائی گورنر بھی فوجداری کے مقدمات کا تفصیلی جائزہ لیتے، شواہد کو پرکھتے اور فیصلے صادر کرتے۔

بسااوقات فوجداری کے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے پنچایتی فیصلے کا بھی سہارا لیا جاتا۔ ویرساین ادایا کے زمانہ میں پدوکوتائی ریاست کے کوی لور (KAVILUR) مقام کے آرائی بروں (ARAIYARS) کے دو فریقوں کا مقامی جھگڑا پنچایتی فیصلے کے ذریعہ طے کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں جو دو فریق تھے ان میں سے ایک تیرکل ارائن (TERKILA..ARAIYAR) نامی ایک شخص اور اس کا رشتہ دار تھا اور دوسری جانب ودکل ارائن (VADAKKILARAIYAR) نامی ایک شخص کے خلاف تھے۔" کہا جاتا ہے کہ ودکل ارائن نے پہلے تیرکل ارائن کے ایک رشتہ دار (غالباً بہنوئی) کو قتل کر دیا تھا اور انتقام میں موخرالذکر نے خود اسے قتل کر دیا۔ کچھ دنوں بعد ودکل ارائن کے رشتہ داروں نے تیرکل ارائن کے علاقہ پر حملہ کر دیا اور موخرالذکر کی جماعت کے چند لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس (جانی) نقصان کی تلافی کے لیے ودکل ارائن کے گروہ نے اپنے چند آدمی دوسرے فریق کے حوالے کر دئے اور دونوں فریقوں نے کولن دائی نایکر (KULANDAI NAYAKKAR)

کے مندر کے معتمدین اور رمان ارکل (PANAKKAL) کو مخاطب کرتے ہوئے ایک معاہدہ کیا کہ وہ آپس میں دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ تیر کل ارائن اور اس کے رشتہ داروں نے فیصلہ کہ وہ میلائک کوتائی (MELAIKKOTAI) پیرمپولی یور (PERUMPULIYUR) وغیرہ کے گاؤں میں، جن میں ودکل ارائن کے رشتہ دار آباد ہیں، کبھی کوئی زیادتی نہ کریں گے، جبکہ ودکل ارائن کے رشتہ داروں نے فیصلہ کیا کہ وہ ولن آدو (VALLANADU) کے ضلع میں جہاں تیر کل ارائن کے رشتہ دار آباد ہیں، کبھی کوئی جارحیت نہ کریں گے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ معاہدہ کی کسی خلاف ورزی کی صورت میں وہ، یعنی فریقین جج (تانم اماگا (TANAMUHAGA) کی حیثیت سے بیٹھیں گے اور خلاف ورزی کرنے والے کی اراضیاں مندر کے لیے دیو دانا (DEVADANA) کی حیثیت سے قرق کرلیں گے جس کے لیے خود خلاف ورزی کرنے والے کو بادشاہ کو ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ جرمانے بھی وصول کیے جائینگے جو اسمبلی اور بادشاہ کو دئے جائیں گے"۔[60]

چنگلی پٹ ضلع کے تیرک کلی کنرم (TIRUKKALIKUNRAM) مقام کی ایک قیمتی دستاویز سے اس طریقہ کار سے متعلق چند دلچسپ تفصیلات کا انکشاف ہوتا ہے جس کے مطابق مندر کے حکام نے چوری کے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ کتبہ میں موجود تفصیلات کے مطابق آئین داں AINDAN نامی ایک شخص نے دیوتا کو نراوان پیرومال (KUNARVAN-PERUMAL) کے بار سے پرامادی (PRAMADI) کے سال 50 پون (PON) چرائے تھے میکاول (MEYKAVAL) نے مندر کے معتمدین کے سامنے یہ شکایت پیش کی کہ مذکورہ شخص آئین دان اس کمرے میں نقب لگاکر داخل ہوگیا جس میں ہار رکھا ہوا تھا اور کچھ پون لے کر نقب کو گارے اور چونے سے بند کردیا۔ آخری سماعت کے وقت جو جج موجود تھے وہ تھے تیرو ککاونم (TIRUKKA VANAM) کے شری رودرا مہیشور (MAHESVARAS) شینگیلن کیلان (SENIGILAONKILAN) ، تیروپ پلاوائی لودائیاررونیرابرنن (TIRUPPAILAVA YILUDAIYAR VENRA BARANAM) آدتادیون (ADITTADAVAN) ، دھنوان امراپتی کاتار (DHANVAN AMARAPATI KETTAR) ، کرائیک کیلان یونم بلاکوتن (KARAIKKITAN PONNAMBALAKUTTAN) ، کیکولا (KAIKKOLAS) اور کیکول امودلی (KAIKKOLAMUDALI) لیکن سماعت کے دوران آئین دان بھاگ گیا۔ پھر اس کی جائداد کو جو خالی زمین کے چار ٹکروں پر مشتمل تھیں اور مندر میں بوجہ کے دو قسم کے حقوق کو جو اسے حاصل تھے۔ ایک عام

بلام میں آٹھ سو پچاس پون میں فروخت کر دیا گیا اور اس رقم کو مندر کے خزانے میں جمع کر دیا گیا۔[61]
اس کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ مقامی حکام مثلاً مندر کے متمدین بھی فوجداری کے مقدمات کی سماعت کے مجاز تھے، وہ مقدمات کا تفصیلی جائزہ لینے اور غور وفکر کے بعد اپنا فیصلہ سناتے تھے۔

بعض مقامات پر مقامی باشندوں (ناتار) کو فوجداری مقدمات کی سماعت کی اجازت حاصل تھی۔ پدوکوتائی ریاست کے نیدنگودی (NEDUNGUDI) مقام کے ایک کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ناتاروں نے ایک مقامی تنازع کا فیصلہ کیا تھا۔ اس میں درج ہے کہ اون جنا ئپ پرو (UNJANAIPPARU) ، کلانی واشل پرو (KALANIVASAL) ، ینا ما پرو (KIYAMAPPARU) (ILPARU) اور آدلائی پور نادو (ADALAIYURNADU) کے باشندگان مجتمع ہوئے تاکہ ان تین عام افراد پر مقدمہ چلائیں جنھوں نے مالورایر (KALAVARAYAR) نامی ایک شخص کی فوج کی مدد سے اس علاقہ میں ایک فساد پھیلایا تھا اور لڑائی میں بیس آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ جنھوں نے مجرمین کو سزا دی۔[62]

پووائلائیک کودی (PUVALAIKKUDI) مقام کے جو پدوکوتائی ریاست ہی میں ایک جگہ ہے، ایک ایسے ہی کتبے میں درج ہے کہ پونامراپدی (PONNAMARAPADI) اور تووُر (TUVOR) کے باشندوں کے درمیان ایک تنازع کی بنا پر موخرالذکر نے کافی بیرونی مدد سے پونامراپدی کے گاؤں میں تباہی پھیلائی تھی۔ اول الذکر نے اپنی شکایات پووالائی کودی (PUVALAIKKUDI) کی اسمبلی کے سامنے پیش کیں ممبران نے جو آس پاس کے متعدد گاؤں کے باشندوں کی نمائندگی کرتے تھے اس شرط پر مصیبت زدہ فریق کی مدد کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے گاؤں کی چند اراضیاں مندر کو دے دیں۔[63]

فصل چہارم
تعزیرات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں تعزیرات کے عام قوانین بڑے سخت تھے۔ فوجداری کے جرائم پر جو سزائیں دی جاتی تھیں ان کا ذکر کرتے ہوئے نونیز لکھتا ہے "جب ایک چور کوئی چوری کرتا ہے، خواہ وہ کتنی معمولی شے کیوں نہ ہو تو یہ لوگ چور کا ایک ہاتھ اور ایک پیر بلا تامل کاٹ دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کوئی بڑی چوری کرتا ہے تو اس کی ٹھڈی میں ایک ہک لگا کر اسے پھانسی دے دی جاتی ہے اگر کوئی شخص کسی شریف عورت یا کسی دوشیزہ کی عصمت دری کرتا ہے تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی ہے اور اگر وہ اسی قسم کے دوسرے جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا بھی

اسی قسم کی ہوتی ہے۔ وہ امرا، جو غدّاری کرتے ہیں انھیں بھیجد یا جاتا ہے کہ ان کے پیٹ میں لکڑی کی میخیں ٹھونک کر ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ اور نچلے طبقے کے لوگوں کے لیے، خواہ انھوں نے کوئی جرم کیا ہو، وہ (بادشاہ ؟) فوراً بھرے بازار میں ان کا سر قلم کر دینے کا حکم دے دیتا ہے۔ یہی حکم (کسی کو) قتل کر دینے کے سلسلہ میں بھی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ قتل کسی ڈوئل DUAL کا نتیجہ ہو . . . . .
یہ عام قسم کی سزائیں ہیں لیکن اس سے زیادہ عجیب سزائیں بھی دی جاتی ہیں اس لیے کہ اگر بادشاہ چاہتا ہے تو کسی شخص کو ہاتھیوں کے سامنے ڈال دیئے جانے کا حکم دے دیتا ہے جو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ لوگ اس کے اتنے زیادہ مطیع ہیں کہ اگر آپ کسی سے بادشاہ کی طرف سے یہ کہہ دیں کہ وہ اپنی پیٹھ پر ایک پتھر رکھ کر دن بھر خاموش سڑک پر کھڑا رہے جب تک کہ آپ اسے رہا نہ کر دیں تو وہ ایسا ہی کرے گا"[111]

لونیز نے مرقع کشی کی ہے اس کی تصدیق عبدالرزاق کے بیان اور عہد کے کتبات سے بھی ہوتی ہے۔ ایرانی سفیر لکھتا ہے "بسا اوقات یہ لوگ مجرموں کو ہاتھی کے قدموں کے نیچے ڈال دیئے جانے کا حکم دے دیتے ہیں تاکہ وہ اسے اپنے گھٹنوں، سونڈھ اور دانتوں سے مار ڈالے[112]"۔ مثال کے طور پر یدو کوتائی ریاست کے نیواشل (NEYVASAL) مقام کے ایک کتبہ مورخہ 1616ء میں ایک مندر کے ہیروں کی چوری اور اس پر دی جانے والی سزا کا ذکر ہے مجرم کو قید کر دیا گیا، اور حکم دیا گیا کہ اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس کی زمینیں ضبط کر لی گئیں اور آخر میں خود اس کو گاؤں ہی سے باہر نکال دیا گیا۔ (دستاویز کے) بعد کے حصہ میں درج ہے کہ مندر کے حکام نے زمین کی اس فروخت کی توثیق کر دی جو چوری ہو جانے والے ہیروں کی قیمت چکانے اور مخبرین کو انعامات دینے کے لیے ان لوگوں نے کی تھی جن کی حیثیت مجرموں ہی جیسی تھی[113]۔ مجرموں کو اذیت پہونچا کر مار ڈالا جاتا تھا مثال کے طور پر تانادار دلاور (TANADAR DILAVAR) نامی ایک شخص کو، جو دمی شیمے (DUMMI SEME) میں کسانوں اور دیگر لوگوں کے بچّوں کو قتل کر دیا کرتا تھا، اذیت پہونچا کر مار ڈالا گیا۔ اس طرح کے معاملات میں ریاست مظلوم فریق کے نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ گودیا (GAUDAYYA) نامی ایک شخص ان لوگوں میں سے ایک تھا جسے مذکورہ تانادار دلاور نے قتل کر دیا تھا چنانچہ اس کے بچوں کو نترگودج (NETTAR.GODAGE) کی حیثیت سے سکاگن گوسہ (CIKKA GANGUR) دیا گیا[114]۔ اس ضمن میں ہورت (HOVART) نے گولکنڈہ کے وزرا اکنّا (AKKANNA) اور مدنّا (MADANNA) کو اذیت دے کر مار ڈالے جانے کے بارے میں جو بیان قلم بند کیا ہے وہ

نہایت دلچسپ ہے[58]۔

لیکن نونیز کے بیان کی تصدیق کرنے والے ان شواہد سے ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس زمانہ میں تعزیری قوانین یکساں طور پر بڑے سخت تھے نیز یہ کہ معمولی چوری پر بھی ایک شخص کو قطع اعضا، کی سزا دی جاتی تھی۔ ہمیں یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ملک کا قانون اس بات کی اجازت دیتا تھا کہ شہریوں سے برتاؤ میں امتیاز برتا جائے۔ تمام لوگ قانون کی نظر میں برابر نہ تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نونیز کے بیان کے مطابق، بادشاہ کے قاتل سالو واتما اور اس کے بیٹوں کو ان کے سنگین جرم پر قتل نہیں کیا گیا اس لیے کہ وہ برہمن تھے بلکہ انھیں محض قید کر دیا گیا اور راندھا کر دیا گیا۔ لیکن جہاں مجرموں کو قتل کر دیئے جانے کا حکم ہوتا، کرشن رائے چاہتا تھا کہ کچھ باتوں کا لحاظ کیا جائے۔ وہ لکھتا ہے "جن لوگوں کو سزائے موت دی گئی ہو، انھیں تین بار (رحم) کی اپیل کرنے کا موقع دو۔ لیکن جن لوگوں کا بچ جانا تمہارے اوپر کسی مصیبت کا باعث بنے ان کا فوراً قتل کر دیا جانا مناسب ہے[59]"۔ اس طرح صرف وہی غدار اشخاص اپیل کا کوئی موقعہ پائے بغیر قتل ہوں گے جن کا وجود ریاست اور بادشاہ کے لیے زبردست خطرہ کا باعث ہو۔

اگر نونیز کے بیان پر یقین کر لیا جائے تو وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں انسانی قربانیاں کم نہ تھیں۔ باقاعدہ قید خانے تھے جہاں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ جب کسی انسانی قربانی کی ضرورت محسوس کی جاتی تو ان قیدیوں کو جو موت کی سزا کے مستحق ہوتے، قتل کر دیئے جانے کا حکم دے دیا جاتا تھا۔ اس طرح جب کرشن دیو رائے سے یہ کہا گیا کہ اس کی سینچائی کی زبردست اسکیم کی کامیاب تکمیل کے لیے دیوتاؤں نے چند انسانی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے تو اس نے ان تمام لوگوں کو وہاں بلا بھیجا جو اس کے قیدی تھے اور موت کے مستحق تھے۔ اور ان کا سر قلم کر دیئے جانے جانے کا حکم دیدیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کرشن رائے نے جو اصول اپنی کتاب آمکتا مالیاد میں درج کئے ہیں ان پر وہ اس حد تک کاربند رہا جتنا عملاً ممکن تھا۔ جو لوگ سزائے موت کے مستحق تھے ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ اس نے اس وقت تک نہیں کیا جب تک وہ اپنی آبپاشی کی عظیم اسکیم کے تکملہ کے لیے انسانی قربانی کی ضرورت کے تحت مجبور نہ ہو گیا (ابتک) اس نے محض ان کو قید کر دینے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ مجرمین کو سزائے موت دئے جاتے کا تذکرہ عبدالرزاق نے بھی کیا ہے۔ جن سازشیوں نے دیو رائے دوم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ان کے بارے میں بتلاتے ہوئے وہ کہتا ہے "ان لوگوں کی یا تو زندہ کھال اتار لی گئی یا زندہ جلا دیا گیا یا کسی دوسرے طریقے سے مار ڈالا گیا۔ اور ان کے خاندان کو نیست و نابود

کردیا گیا نیز اس شخص کو بھی مار ڈالا گیا جس نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا تھا[71]"۔ ۱۶۰۱ء کے
ایک یسوعی کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح بعض جرائم پر مجرم کے مرتبے اور وقار کا لحاظ کیے
بغیر سزائے قید دی جاتی تھی گوئری رو (GUERRIRO) لکھتا ہے"یہ معاملہ اس بنا پر اہم ہے کہ یہ
مملکت کے اس گورنر اعلیٰ (CHIEF GOVERNAR) کے ساتھ پیش آیا جس نے بادشاہ کے اس عطیہ
کی شدید مخالفت کی تھی جو اس نے کلیسا کے منتظمین کو ان گاؤں کے محاصل سے دیئے جانے کا حکم دیا
تھا۔ چنانچہ یہی وہ شخص تھا جس پر بادشاہ کے سامنے الزام لگایا گیا کہ اس نے شاہی محاصل اور خزانے
کی چوری کی ہے۔ چنانچہ اسے نہایت بے عزتی کے ساتھ اپنے عہدے اور حیثیت سے برطرف کر دیا گیا۔
اور جب اس سے بادشاہ کی اس انگوٹھی کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی قیمت پچاس ہزار بگوڈا تھی تو
اس نے الزام سے انکار کیا اور اپنے والدین کی قسم کھائی کہ اس نے انگوٹھی ہرگز نہیں لی۔ لیکن متعدد گواہوں
کی بنیاد پر اسے انگوٹھی اور تین بگوڈا کی چوری کا ملزم ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ اب وہ قید ہے[72]"۔

بہر حال قتل جیسے سنگین جرائم پر بھی محض معمولی سزا دیا جانا خلاف معمول نہ تھا جنوبی کنارا ضلع میں
بسرور مقام کے ایک کتبہ مورخہ ۱۴۴۳-۴۵ء کے مطابق دھرم پٹن کے نکھر دوارو (NAKHARADAVARU)
(تاجرین) نے سیٹی فرت کے دو آدمیوں کے قتل کا تاوان یوں ادا کیا کہ اپنے وصول کردہ
ہر دس ہونو (HONNU) (سونا) میں سے ایک کے حساب سے عطیہ کے طور پر دیا ایسا ان لوگوں نے
پدوکیری (PADAVAKERI) کے متعدد شیٹی کاروں کی خواہش پر بطور پرائشچت (PARAYASITTA)
اس زمانہ میں کیا تھا جب تمن ادیا (TIMMANEODEYA) بارکورو راجیہ (BARAKURURAJYA)
میں حکمرانی کر رہا تھا[73]۔ ۱۴۸۰ء میں چند گاؤں کے باشندوں نے فیصلہ کیا کہ ان تین اشخاص میں سے
جو ملورائن (MALAVARAYAN) نامی ایک شخص کے تعاون سے فساد کا باعث بنے تھے اور بیس آدمیوں
کو قتل کر ڈالا تھا، ہر ایک کو ایک ما (MA) زمین کے ٹیکس سے بری دیودان (DEVADANE) کے
طور پر مقامی مندر کو عطیہ میں دینی چاہئے[74]۔ چند جرائم پر برادری سے قطع تعلق یا خارج کر دیئے جانے کی
سزا دی جاتی تھی۔ ایسے معاملات میں ملزم کی جائداد بھی محل کے حق میں ضبط کر لی جاتی تھی[75]۔

چند جرائم پر جرمانے عاید کرکے سزا دی جاتی تھی۔ پدوکوتائی ریاست میں پلن کرائی (POLA-
NKARAI) مقام کی ایک دستاویز میں چند جرائم پر عاید جرمانوں کی شرحیں درج ہیں۔ یہ شرحیں دس پنم
مقرر تھیں[76]۔ کدور ضلع میں کوپا تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق چکنا نایک (CHIKKANNA NAYAK)
نامی ایک شخص پر اس کے ایک جرم کے لیے ۳۰ وراہ کا جرمانہ عاید کیا گیا تھا[77]۔ پدوکوتائی ریاست میں

رن گیام (RANGIYAM) مقام کے ایک کتبہ میں جس کی عبارتیں مٹ گئی ہیں ایک سمجھوتے کا ذکر ہے جو پونم راپدی نادو (PONNAIRAPODINADU) کے راش شنگا منگلم تن پرو (RASASENG - AMANGALAM TEPARIRU) کے باشندگان نے اس شخص کو سزا دینے کے سلسلہ میں کیا تھا جو کسی پر حملہ کر کے اسے مار ڈالے۔ شرح یہ مقرر کی گئی کہ مقتول مرد ہو تو پانچ پنم اور اگر عورت ہو تو دس پنم بھومیشور نائنار (BHUMISVARA NAYANAR) کو ادا کیا جائے[78]۔

اگر ریاست کی جانب سے کسی خاص شخص کے ساتھ کوئی بے انصافی ہو جاتی تو ریاست اس کا معاوضہ ادا کرتی۔ مثال کے طور پر 1582ء میں کلادی رام جیا (KELADI RAMA RAJ - AYYA) نے پتن ہلی بھدری گودا (PUTTANAHALLI BHADRA GOUDA) کو ایک امبلی (UMBALI) عطا کیا تھا جو مندرجہ ذیل تھا:۔ "چونکہ ہم لوگوں نے آنکھیں بے نور کر دی ہیں (یا تمہارا کھلیان لیا ہے) لہٰذا ہم پتن ہلی کے سامنے واقع میدان میں 5 کھنڈوگا (KHANDUGAS) زمین تمہیں عطا کرتے ہیں[79]"۔

وجے نگر کے زمانہ میں عدلیہ کا جو نظام تھا اس کے بیان سے بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ عوام کے ساتھ عدل و انصاف برتا جائے خواہ سرکاری عدالت کے جج ہوں یا مملکت کے مضافات کی دیہی اسمبلیاں۔ ان کے سامنے جو مقدمات پیش کیے جاتے ان کے تمام پہلوؤں کی چھان بین کی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ قانون تعزیرات کا ضابطہ چند مقدمات کے سلسلہ میں نہایت سخت رہا ہو۔ لیکن یہ محض اس طرح کی سخت سزاؤں کا خوف ہی تھا جس نے عوام کو قانون پسند شہری بنا دیا تھا۔ ڈوارٹ باربوسا جو مملکت وجے نگر میں احساس تحفظ و سلامتی کی توثیق کرتا ہے۔ لکھتا ہے "تمام لوگوں کے ساتھ انتہائی انصاف اور عدل کا برتاؤ کیا جاتا ہے، نہ صرف حکمرانوں کی طرف سے۔ بلکہ عوام بھی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح پیش آتے ہیں مملکت وجے نگر اکیلی ایسی مملکت نہ تھی جہاں قانون تعزیرات سخت تھا۔ یورپ میں تو اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک فوجی قوانین نہایت سخت تھے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں تو فوجداری کے قوانین کا سخت ہونا ناگزیر تھا۔

فصل پنجم

پولیس کی تنظیم

ملک میں امن و سلامتی برقرار رکھنے کے لیے ایک کارگزار پولیس عملہ کی تنظیم ریاست کا ایک

فریضہ ہے۔ مملکت وجے نگر میں پولیس کی تنظیم کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔

وجے نگر کے زمانہ میں پولیس کا عملہ دو قسموں کا ہوا کرتا تھا۔ ایک وہ جس کا انتظام ریاست کرتی تھی اور دوسرا وہ جس کا انتظام اپنے اپنے حلقوں میں عوام کرتے تھے۔ پہلا حکومت کو جوابدہ ہوتا تھا اور دوسرا عوام کو دارالسلطنت میں ایک خاص پولیس عملہ اور بھی تھا جس کی تنظیم مملکت کے دور دراز علاقوں میں سرکاری پولیس عملے کی تنظیم سے تقریباً ملتی جلتی تھی۔ پولیس کا یہ عملہ اپنے زیر اختیار حلقے میں امن وسلامتی کے قیام اور جرائم کی تفتیش کا ذمہ دار تھا۔ ان کی فرائض کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرزاق لکھتا ہے "ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ ان سات دیواروں کے اندر واقع ہونے والے تمام واقعات وحوادثات سے اپنے آپ کو باخبر رکھیں اور ہر اس چیز کو برآمد کریں جو گم ہوگئی ہو یا جسے چرا لیا گیا ہو ورنہ ان پر جرمانے عاید کر دیئے جاتے ہیں[81]" ایرانی سفیر یہ بھی لکھتا ہے کہ کس طرح ایک بار ایک چوری کے سلسلہ میں جو ان کے علاقے میں ہوتی تھی ان کی سرزنش کی گئی۔ وہ لکھتا ہے "چند غلام جنھیں میرا ساتھی اپنے ہمراہ لایا تھا بھاگ کھڑے ہوئے اور جب معاملہ (ان کے) منتظم اعلیٰ (PREFECT) تک لایا گیا تو اس نے اس علاقے کے چوکیداروں کو جہاں انتہائی غریب لوگ آباد تھے، یہ حکم دیا کہ وہ یا تو انھیں (غلاموں کو) کو لا کر پیش کریں یا جرمانہ ادا کریں جو بالآخر انھوں نے رقم معلوم کرنے کے بعد ادا کیا[82]" نونیز نے بھی اسی طرح کا نظام قلمبند کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر بادشاہ سے کوئی یہ شکایت کرتا کہ اسے فلاں فلاں صوبے میں اور فلاں فلاں سڑک پر لوٹ لیا گیا ہے تو بادشاہ فوراً اس صوبے کے سردار کو بلا بھیجتا ہے خواہ وہ دربار ہی میں کیوں نہ ہو اور اگر سردار چور کو گرفتار نہ کرتے تو (خود) سردار کو گرفتار کیا جا سکتا تھا اور اس کی جائداد ضبط کی جاتی تھی وہ مزید لکھتا ہے کہ اسی طرح اعلیٰ سرکاری افسر (CHIEF BAILIFF) بھی دارالسلطنت میں ہونے والی چوریوں اور ڈکیتیوں کے لیے جوابدہ تھا۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں بہت کم چوریاں ہوا کرتی تھیں[83]۔ بیلیف (BAILIFF) اور پری فیکٹ (PREFECT) ایک ہی افسر کے مختلف نام تھے جسے ہم موجودہ سیاسی اصطلاح میں پولیس کمشنر (یا) کوٹلیہ کا ناگرک (NAGRIKA) کہہ سکتے ہیں[84]۔ دیورائے دوم کے زمانہ میں اس کا دفتر دارالسلطنت میں دارالضرب (MINT) کے بالمقابل تھا۔ اس کے ماتحت بارہ ہزار پولیس کے سپاہی تھے، جن میں سے ہر ایک کو حکومت کی طرف سے ہر ماہ ۳۰ پنم ملتا تھا۔

لیکن مملکت کے جن صوبوں میں نایین کر (NAYANKARA) کا نظام رائج تھا۔ وہاں اپنے اپنے علاقوں میں امن وسلامتی برقرار رکھنے کے ذمہ دار نایک تھے وہ خود پولیس کے فرائض انجام نہیں دیتے تھے بلکہ اس کام کے لیے کچھ لوگوں کا تقرر کرتے تھے جنھیں کاول گار (KAVALGAR) کے نام

سے جانا جاتا تھا۔ اس نظام کے آغاز کی نشاندھی اس پالیسی سے کی جا سکتی ہے جس میں ایک چور کو پکڑنے کے لیے ایک چور کو متعین کیا جائے۔ یہ کاول گا کر عموماً جرائم پیشہ قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے برادری کے افراد کو چوری سے باز رکھیں اور اپنے اپنے علاقوں میں چوری کیے ہوئے مال و اسباب کو واپس کریں۔ اس خدمت کے بدلے انھیں اپنی گذراوقات کے لیے زمین تفویض کی جاتی تھی۔ گاول گار خود اپنے ماتحت ہر گاؤں کے لیے ایک تلائی یاری (TALAI YARI) کا تقرر کرتے تھے۔ یہ مقامی پولیس کے سپاہی اگر اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دیتے تو سزا کے مستحق ہوتے۔ مثال کے طور پر چنگل پٹ ضلع میں تیروور یور مقام کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ کچھ اگم بدائی یار (AGAMBADAI YARS) ملازمین جو تعداد میں 84 تھے اور پدوور (PADUVUR) کے سردار کی ماتحتی میں کام کر رہے تھے گاؤں میں رہتے تھے اور بہت دنوں سے اس کی حفاظت کر رہے تھے لیکن بعد میں جب انھوں نے چند غیر واضح اسباب کی بنا پر اپنے فرائض سے بے توجہی برتی اور عوام کے لیے کافی نقصان کا باعث بنے تو ان کی سزا کی گئی[86]۔

چند مقامات پر کاول گار خود گاؤں والوں کو جوابدہ تھے گاؤں والے عام طور پر پولیس کے فرائض (PVTCING) جسے پادی کاول (PADIKAVAL) کہا جاتا تھا، کے حق کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ پودو کوتائی ریاست کے کلتور تعلقہ میں واقع تین گودی (TENNANGUDI) مقام کے ایک شکستہ حال کتبہ کے مطابق ودکو نادو (VADAKANADU) میں واقع انل واشل (ANNALVASAL) مقام کے باشندوں نے گاؤں میں پاری کاول کے حق کو 150 شک کریتم (SAKKARAPANAM) میں فروخت کر دیا تھا[87]۔ اسی طرح جب کچھ کلّاولایک کار (KALLAVELAIKKARAS) نے ایک اسمبلی میں پناہ لینی چاہی جو جمبوکیش ورم (JAMBUKESVARAM) اور شری رنا گم کے لوگوں کے چند مخصوص گروہوں پر مشتمل تھی، تو انھیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ان کی اراضیوں اور جانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں۔ اس ذمہ داری کے معاوضہ میں انھیں اجازت دی گئی کہ وہ اٹھارہ ذاتوں (پدی نین بھومی شیمے ایار PADINEN BHUMI SAMAY ATTAR) کے ہر خاندان سے ایک پنم سالانہ اور ہر شادی کے موقعہ پر ایک انگوٹھی وصول کر سکتے ہیں[88]۔

علاقے کے ذی اثر کاول گاروں کو حق (کاول گاری) دیا کرتے تھے رام ناد ضلع میں واقع تیروک کلک کودی کے چار زمینداروں نے کاول (KAVAL) کے حق کو تینوں گاؤں کے چوکیداروں کو دے دیا تھا، یہ حق ایک بنڈل سوکھی گھاس اور ان زمینداروں کی اراضی کی ہر ما پر ایک کورونی (KURUNI) دھان پر مشتمل تھا جو چوکیداروں کے ہر گروہ کو علٰحدہ علٰحدہ دیا جاتا تھا۔ اسی میں ان (زمینداروں) کے باجگذاروں پر واجب

الادا تمام دیگر رواجی خدمات (کاریہ کرم) (KARYAKARAMA) بھی شامل تھے[89]۔ مثال کے طور پر اسی گاؤں کے ایک کتبہ کے مطابق سالوو انایک اور اپا پلی (APPAPILLAI) نامی اشخاص نے ایک مضافاتی گاؤں کو تباہ حال میں پایا۔ اس کے اسامی گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور نئے اسامی وہاں آکر آباد ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ چونکہ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو آکر گاؤں کو دوبارہ آباد کرے۔ لہٰذا ان لوگوں نے شکادیور ویٹو وکاتم (SAKKADEVER VETTUVAKKATTAM) عرف شیاپدائی تانگی (SAYAPADAITANGI) اور رأسس کے بھائی شیروکاتون (SIRUKATTAVAN) نیز تمپانایک کے دولہ جنٹوں کو بلا بھیجا اور یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ ان لوگوں نے گاؤں کے لیے اسامی فراہم کیے ہیں اور اسے از سر نو آباد کیا ہے۔ لہٰذا اول الذکر دو افراد کو اس خاص گاؤں پر جو مندر (تیروملائی TIRUMALAI) کے گرد واقع ہے، پادی کاول (PADIKAVAL) کا حق حاصل ہوگا (تاکہ) وہ کاشتکاری کر کے اور مندر کو اس کے عام ٹیکس مثلاً کاتوموکائی (KATTUMUKKAI) می شم (MISAM) ، مکّل پیرو وغیرہ ادا کر کے وہاں کے رواجی نوعیت کے عطیات اور فیس کو وصول کریں۔ انھیں بعض دوسرے حقوق اور ذمہ داریاں بھی عطا کی گئی تھیں[90]۔

مثال کے طور پر پودوکوتائی ریاست کے کورتور تعلقہ میں واقع تیروون گائی واشل (TIRUNVA-NGAIVASAL) مقام کی ایک نامکمل دستاویز میں مذکور ہے کہ تیروون گائی واشل کے مندر کے منتظمین اور باشندگان نے ایرومبلی (IRUMBALI) کے سردار کو اپنے گاؤں کے تالاب کی مرمت کے لیے پدی کاول کے حقوق عطا کر دیئے تھے[91]۔

مملکت کے بعض حصّوں میں کاول گاروں کا سردار ارشو کاول گار کے نام سے معروف تھا۔ تورائی پور، اریالور اور ادائیار پالائی یم کے ارشو کاول گاران مقامات کے پولی گر (POLIGAR) بھی تھے[92]۔

جنوبی ہندوستان کے بیشتر پولی گروں کی جاگیریں کاول گاری کے حق کے طور پر ان کے تصرف میں تھیں۔ بلاری ضلع کے گزیٹر (BELLARY DISTRICT GAZETTEER) میں درج ہے کہ کاول گاروں کو مندرجہ ذیل طریقے پر اجرتیں دی جاتی تھیں "کاول گار ابھی تنخواہ پانے والے حکام تھے اور انھیں مندرجہ ذیل تنخواہیں ملتی تھیں۔

(۱) لگان سے مستثنیٰ یا معمولی زراستثنیٰ (QUIT RENT) پر ایک گاؤں (۲) ان کے حلقہ اختیار کے ہر گاؤں میں لگان سے مستثنیٰ زمین کا ایک حصّہ (۳) ہر ہل یا بوئے گئے بیج کی مقدار پر غلّے کی صورت میں ایک وظیفہ (۴) کاشتکاروں سے ان کے ہلوں پر اور تجار سے ان کے گھروں، دوکانوں اور کرگھوں پر ایک نقد وظیفہ (۵) علاقہ سے ہو کر گذرنے والی اشیاء پر ایک معمولی چنگی (۶) اسی طرح کی ایک اور چنگی جو میلوں،

ہفتہ واری بازاروں اور صرافوں سے نقد، اور دوسرے بیوپاریوں سے (جنس کی شکل میں) لی جاتی تھی[23]۔

جیسا کہ پہلے ہی کہا جاچکا ہے کاول گار اپنے ماتحت ہر گاؤں میں تلائی یاروں کا تقرر کرتے تھے۔ انھیں ان کی خدمات کا معاوضہ نقد اور جنس دونوں شکلوں میں ادا کیا جاتا تھا، یہ معاوضہ اس کے زمین کے علاوہ تھا جو بغیر لگان انھیں دی جاتی تھی۔

اس طرح پولیس کی تنظیم سے متعلق اپنے انتظامات بڑی حد تک عوام خود ہی کرلیتے تھے۔ حکومت پولیس کے عملے کے محض ایک حصہ ہی کا انتظام کرتی جسے ہم شہری اور ضلعی تنظیمیں قرار دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مملکت وجے نگر میں پولیس کا انتظام حالات کے بالکل مطابق تھا اور مملکت میں تحفظ وسلامتی برقرار رکھ سکا، تاہم جس طرح کاول گروں کو ان کے زیر انتظام علاقوں میں ہونے والے مبینہ جرائم کے الزام میں سزائیں دی جاتی تھیں وہ نہایت سخت تھا۔ لیکن چونکہ خود کاول گاروں کا جرائم پیشہ قبائل میں کافی اثر ورسوخ ہوتا تھا اور قبائلی لوگوں پر ان کا کچھ نہ کچھ قابو بھی تھا لہٰذا عمومی طور پر اس نظام کا مفید اثر پڑا۔

حواشی

باب چہارم

سلہ¹ HINDU LOW AND CUSTOM، ص 3

سلہ² مانو 7، 18

سلہ³ کھنڈ، 4، اشلوک 277

سلہ⁴ آمکتا، کھنڈ، 4، اشلوک 206 جنگلی قبائل میں یہ رواج تھا کہ وہ ایک اجازت نامہ جاری کیے کرتے تھے جس کے بغیران کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا مشکل تھا۔

سلہ⁵ ایضاً، 4، اشلوک 285 اور 282

سلہ⁶ ایضاً، اشلوک 284

سلہ⁷ ایضاً، اشلوک 278

سلہ⁸ کرشن دیورائے کے زمانہ کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ اس میں مذکورہ عطیہ کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا اسے بادشاہ کے قدموں کا غدّار سمجھا جائے گا۔ (میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1918ء، پیراگراف 110) 1371ء کی ایک دوسری دستاویز کے مطابق اس شخص کو جو کسی خاص مندر میں پوجا کے اخراجات ادا نہ کرے اسے ایک ایسا غدّار سمجھا جائے گا جو اسی نادو (NADU) کے بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش میں ملوث ہو۔ جس میں وہ پیدا ہوا ہے (ایپی گرافیا کرناٹیکا۔1۔ دوسرا ایڈیشن، ص 55)

سلہ⁹ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 2

سلہ¹⁰ آمکتا، کھنڈ، 4، اشلوک 243

سلہ¹¹ 1918 کا 92، رپورٹ 1918، پیراگراف 68

ص12 (ANLEQUIRY) ص ص 93-94، 1929-1928 کا 246 اور 254 رپورٹ پیراگراف 79۔

ص13 1917 کا 691، رپورٹ، 1918ء، پیراگراف 77

ص14 1916 کا 193، رپورٹ، 1916، پیراگراف 60

ص15 ہسٹری آف انڈیا از مل MILL، جلد 1، ص 213

ص16 ہسٹری آف انڈیا نواں ایڈیشن، ص ص 90-91 ہندو عدالتوں سے متعلق دلچسپ تحقیقات کے لیے کول بروک (COLE BROOKS) کی (MISC. ESSAYS) جلد 2 ص ص 490 - 500 بھی ملاحظہ ہو۔

ص17 ، جے، رامیا پنتولو (J. RAMYYA PANTULU) کوارٹرلی جرنل آف آندھرا ہسٹریکل ریسرچ سوسائٹی جلد 2 ص ص 105-106۔

ص18

ص19

ایضاً، ص 18، کوارٹر جرنل آف آندھرا ہسٹریکل ریسرچ سوسائٹی جلد 2 ص 109

ص20 سیول، ح، س، ص 372

ص21 VILLAGE COMMUNITIS IN THE EAST AND WEST.، ص 71

ص22 ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ، 4، ص 108

ص23 SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN VIJAYANAGAR EMPIRE.، جلد 1، ص 329

ص24 ایلیٹ، ح، س، 4، ص 108

ص25 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 9، (MAGADI)، 11 جلد 3

ص26 برٹرانڈ HA MISS IN DUHADURE (BERTRAND)

ص ص 178-181 بحوالہ آر ستیہ ناتھ ایّر کی نایکس آف مدورا، ص 242

ص27 1926 کا 582، رپورٹ 1927، پیراگراف 92

ص28 ستیہ ناتھ ایّر، ح، س، ص 241

ص29 کھنڈ، 4، اشلوک 205

ص30 سورسز از ایس، کے، اینگر، ص 155

31. 1923 کا 2، سیدل، ح، س، ص 380 بھی ملاحظہ ہو۔

32. 11[illegible]2 کا 13

33. SOCIAL AND POLETICAL LIFE VIJAYANAGAR EMPIRE. جلد ا، ص ص 370-371

34. سیویل، ح، س، ص ص 304-305

35. 1913 کا 413، رپورٹ 1914، پیراگراف۔ 26۔

36. مدراس اپی گرافی رپورٹس، سی پی (C.P) 13-1912 کا 11

37. 1925 کا 509

38. میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1917-1916 کا 19

39. انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 915

40. ایضاً 867

41. 1912 کا 196، رپورٹ 1913، پیراگراف 51

42. اپی گرافیا کرناٹیکا، 12، ص 82

43. میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1918، پیراگراف 110

44. برگس (BURGES) ایس۔سی۔پی (S.C.P) شمارہ 20 ص ص 107-108

45. اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، (تیرتھ ہلی) 197

46. اپی گرافیا کرناٹیکا، 12 سیرا 79

47. 1926 کا 582، رپورٹ، 1927، پیراگراف 92

48. 1895 کا 140، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 704

49. انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 976

50. مدراس اپی گرافی رپورٹس 13-1912 چناپٹن 13، (CHENNAPATNA)، حصہ ا پیراگراف 11

51. اپی گرافیا کرناٹیکا 12، سرا (SIRA) 84

52. 1913 کا 304 رپورٹ، 1914، پیراگراف 26۔

53. انسکپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 929

54. اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، یلندور 2

55. میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1918ء، پیراگراف 116

56ھ INDIA IN THE FIFTEENTH CENTARY از میجر (MAJOR) ص ص 31-32

57ھ مدراس اپی گرافیا رپورٹ، 1924، پیراگراف 64

58ھ 1913 430 رپورٹ 1914، پیراگراف 26

59ھ سیویل، ح، س، ص ص 380-381

60ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 683

61ھ 1894 کا 185، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 479

62ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 818

63ھ ایضاً 779

64ھ سیول، ح، س، ص ص 383-384

65ھ ایلیٹ، ح س، 4، ص 111

66ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 867

67ھ اپی گرافیا کرناٹکا، 7، سی آئی، 69

68ھ ملاحظہ ہو۔ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1915، دوسری پلیٹ (PLATE) ص 117 کے مقابل۔

69ھ آمکتا کھنڈ 4، اشلوک 243

70ھ سیول، ح، س، ص 365

71ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص ص 116-117

72ھ ہراش نے اپنی (ARVIDU DYNASTY) ، 1، ص 469 میں حوالہ دیا ہے۔

73ھ 1927-28 کا 404

74ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 818

75ھ اپی گرافیا کرناٹکا 6،

76ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ

77ھ اپی گرافیا کرناٹکا، 6،

78ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 913

79ھ اپی گرافیا کرناٹکا، ۸، ایس۔بی 232 (S.B. 232)

80ھ باربوسا، ا، ص 202

81ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 112

82ھ ایضاً ص 112

83ھ سیول، ح، س، ص ص 380-381

84ھ ارتھ شاستر، جلد دوم، باب 36

85ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 111

86ھ 1912 کا 240

87ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 751، 1465 میں قحط اور سوکھا پڑ جانے کی وجہ سے اسی ریاست میں واقع میلور (MELUR) کے باشندگان کے ذریعہ پادی کاول کے حقوق کی ایسی ہی فروختگی کے لیے ملاحظہ ہو۔ ایضاً 801

88ھ 1914 کا 368

89ھ 1916 کا 61

90ھ 1916 کا 48، رپورٹ 1916، پیراگراف 83

91ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 680

92ھ THE TRICHINOLOPY GAZETTEER از F.R. HEMINGWAY ص 255، کاول گار نظام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو THE INDIA POLICE از J.C. CURRY ص ص 247-248 اور THE LAND PIRATES OF INDIA از V.J. HATCH ص ص 108-112-

93ھ بلّاری ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص 187

باب پنجم

فوجی تنظیم، جنگ و جدل اور سفارت

فصل اوّل

طاقت

ازمنۂ وسطیٰ میں ایک طاقتور فوج ایک مضبوط و مستحکم مملکت کی ایک لازمی خصوصیت تھی۔ اور یہی (فوجی) طاقت تھی جس کی مدد سے وجے نگر کی ایک چھوٹی سی ریاست جو دریائے تنگ بھدرا کے کناروں پر قائم کی گئی تھی، شمال سے ہونے والے مسلم حملوں کا کامیابی کے ساتھ دفاع کر سکی اور ایک وسیع و عریض مملکت بن گئی۔

ہندوستانی فوجیں عام طور پر تعداد کے اعتبار سے کافی بڑی ہوا کرتی تھیں اور ہر وہ غیر ملکی سیاح جو ہندوستان آیا، ان کی تعداد سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ پلینی (PLINY) اور پلوترک (PLUTERCH) کے پیش کردہ بیانات کے مطابق چندرگپت موریہ کی فوج جنگی رتھوں کے علاوہ، 9,000 ہاتھیوں 39,000 گھوڑوں اور 600,000 پیادوں پر مشتمل تھی۔[1] مملکت وجے نگر میں بھی تعداد کے اعتبار سے فوج بہت بڑی تھی۔ فرشتہ کہتا ہے کہ جب بکّاروں نے 1366ء میں اڈونی کی طرف پیش قدمی کی تو اس نے 30,000 گھوڑوں، 3,000 ہاتھیوں اور 100,000 پیادوں پر مشتمل ایک فوج اکٹھا کی تھی۔[2] نیکولو دی کونتی (NICOLO DEICONTI) جو 1421ء میں وجے نگر آیا تھا، اس کا تخمینہ ہے کہ ہندو فوج میں 90,000 آدمی تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے۔[3] عبدالرزاق کا جو اس شہر میں (اس کے) 21 سال بعد آیا، لکھتا ہے کہ وجے نگر کی فوج گیارہ لاکھ (1,100,000) سپاہیوں اور 1000 سے زائد "کوہ تمثال دیو پیکر" ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔[4] روسی سیاح اتھنسی یوس نکیتن (ATHANASIUS NIKITEN) جو 1469ء اور 1474ء کے درمیان گل برگ

میں مقیم تھا، وجے نگر کی فوج کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ 3000 ہاتھیوں 1,000,000 پیادوں اور 50,000 گھوڑوں پر مشتمل تھی جبکہ گل برگ کے سلطان محمد کی فوج 575 ہاتھیوں، 7,000,000 پیادوں اور 1,90,000 گھوڑوں پر مشتمل تھی[8]۔ ورتھما (VARTHEMA) کے بیان کے مطابق وجے نگر میں 40,000 گھوڑ سوار تھے[9]۔ دوارٹ باربوسا (DUARTE BARBOSA) وجے نگر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بادشاہ ہمیشہ 900 ہاتھی اور 20,000 سے زائد گھوڑے ہمیشہ (اپنے پاس) موجود رکھتا تھا۔ اور اس کے پاس 1,00,000 سے زائد سوار اور پیادہ دونوں طرح کے سپاہی تھے جنھیں وہ تنخواہ دیتا تھا[7]۔ پائز (PAES) کی کتاب میں بھی وجے نگر کی فوج کے متعلق چند دلچسپ معلومات موجود ہیں۔ کرشن دیو رائے اور اس کی فوجوں کے متعلق بتلاتے ہوئے پائز لکھتا ہے کہ "یہ بادشاہ ہمیشہ دس لاکھ جنگجو سپاہی رکھتا ہے جن میں زرہ بکتر سے مسلح 35000 ہزار سوار بھی شامل ہیں یہ تمام کے تمام اس سے تنخواہ پاتے ہیں اور وہ ان سپاہیوں کو ہمیشہ ایک ساتھ تیار رکھتا ہے تاکہ جب ضرورت ہو تو انھیں کہیں بھی بھیجا جاسکے[8]"۔ وہ کہتا ہے کہ ایک بار بادشاہ نے پچاس سالاروں کو 1,50,000 سپاہیوں کے ساتھ بھیجا اور ان میں زیادہ تر سوار تھے۔ وہ آگے لکھتا ہے "اس (بادشاہ) کے پاس بہت سے ہاتھی ہیں اور جب بادشاہ ان تین بادشاہوں سے جو اس کی سلطنت کی سرحدوں پر ہیں اپنے کسی ایک حریف کے سامنے اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ بیس لاکھ سپاہیوں کو میدان میں اتار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان علاقوں کے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ پر ہیبت ہے[9]"۔ نونیز کا اندازہ ہے کہ وہ فوج جس کی قیادت کرشن دیو رائے نے 1519ء میں رائچور کی جنگ میں کی تھی 703000 پیادوں، 32,600 گھوڑوں اور 551 ہاتھیوں پر مشتمل تھی اس کے علاوہ اس کے ساتھ ملازمین، تجار اور دیگر لوگ نیز "عوام کا ایک جم غفیر" بھی تھا جو رائچور کے قریب اس سے آملا تھا[10]۔ رائے واک کمو (RAYEVACAKAMU) میں درج ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کرشن دیو رائے کی مہم میں 1200 گھتم (GHATTAMS) ہاتھی، 60,000 سواروں اور 5,00,000 پیادوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی[11]۔ کرشن رائے وجے مو (KRSNA RAYA VIJAYAMU) کے مطابق کرشن رائے کی فوج 6,00,000 پیادوں، 6600 سواروں اور 200 ہاتھیوں پر مشتمل تھی[13]۔ رام راج کی فوج بھی کافی بڑی تھی۔ فرشتہ کے مطابق وہ 70,000 سواروں اور 90,000 پیادوں پر مشتمل تھی[14]۔ لیکن اگر (ایک) نامعلوم مورخ کی بات پر یقین کرلیا جائے تو وہ اور بھی زیادہ بڑی تھی اور 1,00,000 سواروں اور 3,00,000 پیادوں پر مشتمل تھی[15]۔ کوٹو (COUTO) اور فرائی سوسا (FARAIYSOUSA) گھوڑوں کی تعداد کے سلسلہ میں مذکورہ بالا بیان سے متفق ہیں لیکن ان کا تخمینہ ہے کہ صرف پیادہ

سپاہیوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی[15]۔

لیکن یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہے کہ آیا وجے نگر کی مستقل شاہی فوج کی تشکیل اسی عظیم فوج کے دستوں سے ہوتی تھی یا اس میں جاگیرداروں سے لی جانے والی فوجیں بھی شامل تھیں لیکن دوارٹے بار بوسا ایک محتاط تخمینہ کے مطابق وجے نگر کے بادشاہوں کی تربیت یافتہ فوج کی تعداد ایک لاکھ بتلاتا ہے جس میں صرف سواروں کی تعداد بتیس ہزار تھی اس تعداد کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا معقول ہے کہ بیشتر غیر ملکی سیاحوں کی دی ہوئی مبالغہ آمیز تعداد فوج کی اس باقاعدہ تعداد کو نہیں بتاتی جو عام طور پر بادشاہ خود رکھتے تھے بلکہ فوج کی اس تعداد کو بتاتی ہے جو جنگ کے موقع پر اکٹھا کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر عظیم فوج جو رائچور کی طرف روانہ ہوئی تھی محض مستقل فوجیوں پر مشتمل نہ تھی بلکہ اس میں جنگ کے موقع پر جاگیرداروں کی طرف سے دی جانے والی فوجیں بھی شامل تھیں۔ نونیز کے مطابق کرشن دیورائے کے پاس پچاس ہزار تنخواہ یافتہ سپاہیوں کی ایک مستقل فوج تھی جن میں چھ ہزار سوار تھے جو محل کے محافظ دستے کی تشکیل کرتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ بھی دو سو سوار رکھتا تھا جو محل کے محافظ دستے کا ایک حصہ تھے۔ ان کے فرائض یہ تھے کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ چلیں ان کے علاوہ بیس ہزار نیزہ باز اور ڈھال بردار نیز تین ہزار مزید افراد اصطبلوں میں ہاتھیوں کی دیکھ بھال کے لیے بادشاہ کی ملازمت میں اور تھے[17]۔ دوارٹے باربوسا اور نونیز نے جو تعداد دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل فوج اس بڑی فوج کا ایک حصہ ہوتی تھی جو میدانِ جنگ میں لائی جاتی تھی۔ وجے نگر کے حکمراں ان غیر مستقل فوجوں پر بھروسہ کرتے تھے جو فوج کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتی تھیں۔

فصل دوم

فوجی بھرتی

فوج میں بھرتی کے لیے وجے نگر کے حکمرانوں نے دو مختلف طریقے اپنائے تھے۔ پہلا براہ راست بھرتی کا تھا جس کے مطابق فوج میں سپاہیوں کی بھرتی بادشاہ براہ راست کرتے اور خود اپنے خرچ پر ان کی دیکھ ریکھ کرتے۔ جبکہ دوسرا طریقہ بالواسطہ بھرتی کا تھا جس کے مطابق جاگیردار اپنے

بالادست بادشاہوں کو فوجی دستے مہیا کرتے ہوتے۔ جبکہ اول الذکر طریقہ سے بھرتی کی ہوئی فوج ریاست کی باضابطہ مستقل فوج کی تشکیل کرتی تھی موخرالذکر فوج بڑی حد تک ایک غیر مستقل فوج تھی جسے جاگیردار فوری اطلاع پر مہیا کرتے۔

بادشاہ کی مستقل فوج کی بھرتی بڑی احتیاط کے ساتھ کی جاتی۔ دوارٹے باربوسا اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ فوج کے لیے کس طرح لوگوں کو منتخب کیا جاتا تھا لکھتا ہے "فوجی حکام ایک آدمی کو فوج کے لیے منتخب کرتے وقت اسے برہنہ کر دیتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ شخص کتنا لمبا ہے، اس کا نام کیا ہے، وہ کہاں پیدا ہوا تھا اور اس کے ماں اور باپ کا کیا نام ہے اور اس طرح اس کا تقرر کر لیتے ہیں بغیر اس بات کی رخصت دیئے کہ وہ اپنے وطن جا سکے اور اگر وہ بغیر رخصت لیے چلا جاتا ہے اور بعد میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا جاتا ہے"[19]۔ لیکن اگرچہ فوج میں بھرتی کے لیے بڑی احتیاط برتی جاتی تھی اور نظم و ضبط کی بڑی سختی سے پابندی کی جاتی تھی تاہم سپاہیوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ "خود اپنے ضابطوں کے مطابق" زندگی گزار سکیں[20]۔ نونیز دیوارٹے کی اس فوج کے متعلق بتلاتے ہوئے جو ارچورگئی تھی لکھتا ہے کہ "تمام (سپاہی) مساوی طور پر مسلح تھے، ہر ایک خود اپنی اپنی وضع کے مطابق"[21]۔ سپاہیوں کو "خود اپنے ضابطوں کے مطابق" رہنے اور خود کو اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق مسلح ہونے کی اجازت دے دینے کا طریقہ کچھ ایسے فوائد کا حامل تھا جو اس طریقہ کے نقصانات کی تلافی کرتے تھے۔ لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ شاہی فوجوں میں سپاہیوں کے مختلف گروپوں اور گوناگوں طبقات کی موجودگی جن میں سے ہر ایک خود اپنے رسم و رواج پر چل رہا ہو، ان کے درمیان ایک یکساں نظم و ضبط کے نفاذ میں معاون نہ تھی بلکہ اس کے ذریعہ جماعتوں اور فرقوں یا قبیلوں کو اپنی اپنی حب الوطنی کی نمائش کا موقع ملتا تھا۔ اس طریقہ میں سپاہیوں کی اپنی قبائلی خصوصیات جوں کی توں باقی رہتیں جس سے انھیں جنگوں میں اپنی بہادری کے مظاہرے کا بہت پورا پورا موقع ملتا۔ فوجی تنظیم کو منضبط کرنے والے قوانین وضوابط میں اس طرح کا تنوع یقیناً مسلح سپاہیوں کی بہتر کارگزاری کا باعث تھا یہ بات ذہن نشین رہے کہ سپاہیوں قبائل یا فرقوں کی بنیاد پر فوجی دستوں کی یہ تقسیم برطانوی ہندوستان کے فوجی دستوں میں آج بھی رائج ہے۔ باربوسا کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے، گو قطعی طور پر وہ یہ نہیں کہتا، کہ سپاہیوں کو بڑی مشکلوں سے چھٹیاں دی جاتی تھیں لیکن یہ پالیسی شاہی مفاد کے لیے بہت زیادہ مفید نہ رہی ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں سپاہیوں میں جنگ کے لیے زیادہ جوش اور ولولہ نہ رہتا ہوگا۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ وجے نگر کی فوج کا ایک بڑا حصہ جاگیرداروں کے ذریعہ فراہم کئے

گئے فوجی دستوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ مملکت بہت سے اضلاع میں منقسم تھی جن میں سے ہر ایک ضلع کو ایک مقررہ خراج اور شاہی دربار کے لیے فوجیوں کا ایک مخصوص دستہ مہیا کرنے کے عوض، ایک سردار کے سپرد کردیا گیا تھا وجے نگر کی فوجوں میں جاگیرداروں کے ذریعہ مہیا کئے گئے فوجی دستوں کے متعلق بتلاتے ہوئے نونیز لکھتا ہے "اس ملک کے بادشاہ جتنے سپاہی اکٹھا کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کی مملکت میں یہ (سپاہی) موجود ہیں اور ان کے پاس اتنی دولت ہے جس سے وہ انھیں تنخواہ دے سکتے ہیں۔ اس بادشاہ چتاراؤ (CHITAROO) کے پاس ایسے پیادہ سپاہی ہیں جنھیں اس کے امراء تنخواہ دیتے ہیں اور وہ پابند ہیں کہ چھ لاکھ فوجیوں کو ملازم رکھیں اور ۲۴ ہزار گھوڑوں کا انتظام کرنا بھی انھیں امراء کے ذمہ تھا[22] بیشتر امراء بھی بادشاہ کے ماتحت کسی نہ کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے۔ نونیز ایک فہرست دیتا ہے جس میں چند ایسے امرا کا ذکر ہے جو اچیوت رائے کے زمانہ میں عہدوں پر فائز تھے اور ان فوجی دستوں کا بھی جو وہ بادشاہ کو فراہم کرتے تھے۔

نام	پیادے	سوار	ہاتھی
سلوانایک (SALVANAYQUE)	30,000	3,000	30
اچپرچتی میا (AJAPARCATIMAPA)	25,000	1,500	40
گپ نایک (GAPANAYQUE)	20,000	2,500	20
لیپاپایک (LEPAPAYQUE)	20,000	1,200	28
نروار (NARVARA) (ہیروں کا خزانچی)	12,000	600	20
چیناپنایک (CHINAPANAYQUE)	10,000	800	صفر
کرشناپنایک (CRISNAPANAYQUE)	7,000	500	صفر
بج پنایک (BAJAPANAYQUE)	10,000	800	15
ملّاپنایک (MALLAPANAYQUE)	6,000	400	صفر
ادپنایک (ADAPANAYQUE)	8,000	800	30
بج پنایک (BAJAPANAYQUE)	10,000	1,000	50[23]

اس ماخذ سے ہمیں چندان امراء کے فوجی دستوں کی تعداد کا بھی ایک خاکہ ملتا ہے جو کرشن دیو رائے کے ساتھ رائچور کی جنگ میں شریک تھے۔

نام	پیادے	سوار	ہاتھی
محافظ دستہ کا سردار	30,000	1,000	6
ترم بیچیر (TRIMBICARA)	50,000	2,000	20
تیما پنایک (TIMAPANYQUE)	60,000	3,500	30
اد پنایک (ADAPANAYQUE)	100,000	5,000	50
چون دمرا (CONDAMARA)	120,000	6,000	60
چمارا (CAMARA)	80,000	2,500	40
اگیم درہو (OGEMDRAHO)			
شہر بسنگا کا گورنر	30,000	1,000	10
تین خواجہ سرا	40,000	1,000	15
پان کا منتظم	15,000	200	صفر
چومبربرچا (COMARBERCA)	8,000	400	20[24]

بادشاہ ہی ان فوجی دستوں کی تعداد متعین کرتا تھا جو سرداروں کو بادشاہ کو فراہم کرنی ہوتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان فوجی دستوں میں سے ہر ایک کی تعداد میں بادشاہ مقتضائے حال کے مطابق تبدیلی کرسکتا تھا۔ مثال کے طور پر اگرچہ عام حالات میں ادپنایک (ADAPONAAYQUE) سے 8000 سپاہیوں 800 گھوڑسواروں اور 30 ہاتھیوں کے انتظام کی توقع کی جاتی تھی۔ لیکن وہ رائچور 100,000 پیادوں، 5000 سواروں اور 50 ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج لے کر گیا تھا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دستوں کی تعداد جو جاگیرداروں کو مہیا کرنے ہوتے تھے، بسا اوقات جنگ کے مواقع پر بڑھادی جاتی تھی۔ بہرحال یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہ افسران شاذونادر ہی فوجوں کی مقررہ مقدار ملازم رکھتے تھے۔ نونیز اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ سلوا نایک نے کافی دولت جمع کرلی تھی اس لئے کہ اس نے کبھی بھی پوری فوج برقرار نہیں رکھی[25]۔ لیکن بادشاہوں کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ ایسے امراء کی جائداد کو ضبط کرلے[26]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات بادشاہ فوجی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں اپنے امراء سے بڑی سختی سے پیش آتے تھے۔ مثال کے طور پر ادپنایک کو مجبور کیا گیا کہ جو فوجی دستہ اسے عام طور پر مہیا کرنا پڑتا تھا اس سے کئی گنا زیادہ بڑا دستہ میدانِ جنگ میں لائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسے اپنے دستوں میں ایسے آدمیوں اور جانوروں کو بھرتی کرنا پڑا جنھوں نے کبھی جنگ کی صورت نہ دیکھی ہوگی۔ ایسی صورت

میں وجے نگر کی فوج میں ایسے غیر مستقل فوجیوں کی موجودگی اس کی تعداد میں اضافہ کے باوجود یقیناً اسے کمزور بنا دیتی ہوگی۔ اس بارے میں اروِن (IRVIN) کا تبصرہ بالکل مناسب ہے عمومی طور پر ہندوستانی فوجوں کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے" اٹھارہویں صدی کے وسط تک، جبکہ فرانسیسی اور انگریز ایک منضبط اور باقاعدہ پیادہ فوج کی زبردست برتری کا مظاہرہ کر رہے تھے، ہندوستانی پیادہ سپاہی کی حیثیت رات کے پہرداراور کیمپ یا راستہ میں اسباب کی حفاظت کرنے والے چوکیدار سے بس کچھ ہی زیادہ تھی" گو بظاہر یہ ہندو فوجی کیمپ کی کمزوری کی ایک مبالغہ آمیز تصویر ہوتی ہے لیکن ہندو فوجوں میں غیر مستقل فوجیوں کے بارے میں یہ تبصرہ بالکل صحیح ہوگا۔

مذکورہ بالا فہرست سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ فوجی دستوں کی جس تعداد کو ہر امیر سے بادشاہ کو بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا تھا، اس کے تعین میں کوئی مقررہ تناسب یا اصول نہیں برتا جاتا تھا نیز یہ کہ جس تناسب سے کسی ایک جاگیردار سے اپنے پیادہ سپاہیوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں پر مشتمل دستوں کو بھیجنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا اس کا کسی دوسرے جاگیردار کے ذریعہ بھیجے جانے والے فوجیوں کے تناسب سے کوئی ربط نہیں ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر گون دمرانے ۰۰۰،۰۰۰،۱ پیادہ سپاہی ۶۰۰۰ گھوڑے اور ۶۰ ہاتھی فراہم کیے تھے جبکہ محافظ دستہ کا سردار ۳۰،۰۰۰ پیادہ فوجی ۱۰۰۰ گھوڑے اور ۶ ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج لے گیا تھا۔ لیکن ہمارے پاس موجود شواہد اس مسئلہ کا کوئی آسان حل نہیں پیش کرتے بہرحال یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وجے نگر کے بادشاہ جاگیرداروں پر فوجی دستوں کی تعداد کے تعین میں مطلق العنانی کا رویہ اختیار کرتے ہوں گے اس لیے کہ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ جنگ کے موقع پر ان میں سے ہر ایک سے مطالبہ کیا جاتا ہو کہ وہ زیادہ فوجی دستے مہیا کرے۔ یہ سمجھنا درست ہوگا کہ ملک میں امن وسکون کے زمانہ میں اس سلسلہ میں، چند اصولوں کی پابندی کی جاتی ہو اس لیے کہ اگر مملکت اس طرح کے ظلم واستبداد سے چلائی جاتی تو اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ کامیابی کے ساتھ مسلم حملوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تین سو سال تک فروغ پاتی رہے۔

کہا جاتا ہے کہ جاگیرداروں کا یہ طبقہ جو بادشاہ کی فوجی خدمت کے رشتے سے بندھا ہوا تھا۔ امرم (AMARAM) حق ملکیت کی بنیاد پر، شاہی زمینوں پر متصرف ہوتا تھا اور اسی وجہ سے کتبات میں امرنایکوں کے نام سے معروف تھا۔ کتبات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں درج ہے کہ فوجی خدمت کے عوض جاگیرداروں کو اراضیاں عطا کی جاتی تھیں۔ ان کے فوجی فرائض کی عام نوعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جنگوں کے لیے پیادہ اور سپاہیوں، اور ہاتھیوں کو مہیا کرنے کے

ذمہ دار ہوا کرتے تھے بمقررہ خدمت انجام نہ دینے پر ان امرموں کو ان کے عطا کرنے والے واپس لے سکتے تھے۔ اس عہد کے کتبات سے یا ادب سے ہمیں پیادوں، سواروں اور ہاتھیوں کی اس تعداد کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا جو ہر امرنایک کو فراہم کرنا ہوتے تھے[29]۔ لیکن ان لوگوں کی حیثیت اور ذمہ داریوں میں بہت زیادہ فرق ہوا کرتا تھا[30]۔ یہ فوجی یا جاگیرداران اپنی اپنی زمینوں کو فوجی خدمت کی انھیں شرائط پر چھوٹے چھوٹے سرداروں کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ پودوکوتائی ریاست کے ایک کتبہ میں اسی قسم کے ایک نظام کا تذکرہ ملتا ہے۔ اسی ریاست کے اونائی یور (UNAIYUR) مقام کی ایک دستاویز میں زمین کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جیسے شورائیکوڈی (SURAIKUDI) کے سردار وینگل اپاوشیالے دیو (VENGALAPPA VISAYALAYADEVA) نے کورندن (KURUNDAN) عرف تیرن جووتی (TERINJUVETTI) کو دیا تھا جو کوندم بیرائی (KURUN - DAMPIRAI) مقام کی فوج کا کمانڈر ایک پدائی پرّو (PADAIPPARRU) تھا۔ کمانڈروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ مذکورہ بالا سردار کو اپنی زمینوں کا ٹیکس ادا کریں اور اس کی فوج میں خدمت انجام دیں[31]۔

یہاں ان ماتحت سلاطین (SUBORDINATE KINGS) کا تذکرہ بھی مناسب ہے جو بادشاہ کے لیے فوجی خدمت انجام دینے کے پابند تھے۔ یہ اپنی اپنی سلطنتوں میں نیم آزاد حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن بادشاہ کے مطیع ہوتے تھے۔ بنک پور (BANKPUR)، گرسوپ (GARSOPE) اور چند دیگر مقامات کے سلاطین ایسے ہی تھے۔ نونیز کا خیال ہے کہ اپنی نیم آزادی کے باوجود وہ شاہی دربار میں کسی مخصوص وقار کے حامل نہ تھے۔ ان میں چند کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "بنگاپور (BENGAPUR) کے اس بادشاہ کے علاوہ جو بادشاہ ماتحت ہیں وہ یہ ہیں مثلاً گسوپا (GASOPA) کا بادشاہ بکنور (BACONOR) کا بادشاہ، کالیکو (GALECU) کا بادشاہ اور بتیکل (BATECALA) کا بادشاہ اور جب یہ لوگ بسنگا (BISNAGA) کے دربار میں آتے ہیں تو انھیں بادشاہ یا دوسرے امرا ایک سردار سے زیادہ وقعت نہیں دیتا[32]"۔ لیکن انھیں شاہی دربار کی جانب سے ایک رعایت حاصل تھی یعنی وہ دربار میں جانے پر مجبور نہ تھے جب تک کہ انھیں بلایا نہ جائے[33]۔

دارالسلطنت میں ایک مخصوص فوجی دستہ ہوتا تھا جسے نونیز "بادشاہ کے حفاظتی دستہ" کے نام سے پکارتا ہے۔ یہ دستہ پیادہ اور سوار سپاہیوں اور ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس فوجی

دستہ کی تعداد کا ہمیں کوئی علم نہیں ، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافی بڑا ہوتا تھا کیونکہ نونیز لکھتا ہے کہ "بادشاہ (کرشن دیورائے) اپنے حفاظتی دستہ میں سے چھ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے جو پوری مملکت میں منتخب تھے، ڈھال بردار تھے، اور تیر انداز تھے، اور تین سو ہاتھی رائچور کے میدان جنگ میں لایا تھا[34]"۔ اس دستہ سے وہ دو سو سوار بھی متعلق تھے جنھیں ہم شاہی خدمت پر مامور شاہی باڈی گارڈ (GATTEANAN TROOPERS) کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے پر مامور تھے۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو جانے کے بعد ان دو سو سواروں کی گنتی کرتا اور اگر کوئی غائب پایا جاتا تو اسے سخت سزا دی جاتی اور اس کا اثاثہ ضبط کر لیا جاتا۔ باڈی گارڈ کی اس جماعت کو بادشاہ تنخواہ دیتا تھا انھیں زمینیں نہیں عطا کی جاتی تھیں[35]۔ ان معزز سپاہیوں کا مقابلہ ہم بجا طور پر مغل دربار کے ان احدیوں کے ساتھ کر سکتے ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور صرف اسی کے مطیع ہوتے تھے نہ کہ کسی اور کے۔ ایک احدی کے لیے ایک معمولی سوار کے مقابلہ میں کارگزاری اور عام لیاقت کا ایک بلند معیار قائم کیا گیا تھا[36]۔ ممکن ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے اس سوار رسالے سے بھی اسی بلند معیار کی توقع کی جاتی ہو[37]۔

نونیز "سرداروں" کے ایک اور طبقہ کا ذکر کرتا ہے جو بادشاہ کی ملازمت میں تھا۔ یہاں مورخ کا ذہن خود واضح نہیں ہے وہ کہتا ہے "اس (بادشاہ) کی ضیافتوں اور مندروں کو خیرات دینے کے موقعوں پر ان تمام سرداروں کو جو اس طرح اس کے باجگزاروں (REVTERS) کے مانند ہیں، دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور ان لوگوں میں جو ہمیشہ بادشاہ کے گرد و پیش رہتے ہیں اور جن کے ساتھ وہ دربار میں رہتا ہے، دو سو سے زائد افراد ہیں۔ جن کو ہمیشہ بادشاہ کے پاس موجود رہنا پڑتا ہے اور اپنے فرائض کے مطابق سپاہیوں کی پوری تعداد برقرار رکھنی ہوتی ہے اس لیے کہ اگر وہ ان کی تعداد میں کوئی کمی پاتا ہے تو انھیں سخت سزائیں دی جاتی ہیں اور ان کی جاگیریں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ ان امراء کو کبھی اس بات کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی کہ وہ کسی شہر یا قصبہ میں قیام پذیر ہو جائیں اس لیے کہ وہاں رہ کر وہ اس کی دست رس سے باہر ہو جائیں گے۔ وہاں وہ محض کبھی کبھی آ جا سکتے ہیں[38]"۔ بظاہر یہاں نونیز ان باجگزار جاگیرداروں میں، جو بادشاہ کے لیے بعض فوجی فرائض انجام دیتے تھے اور جنھیں فوجی خدمت کے عوض جاگیریں دی جاتی تھیں، اور ان کے ان نمائندوں میں، جن کو ہمیشہ دارالسلطنت میں موجود رہنا ہوتا تھا، اشتباہ پیدا کر رہا ہے۔ ہمارے پاس کوئی اور ثبوت نہیں ہے جس سے اس بات پر روشنی پڑ سکے کہ

ان "سرداروں" کو دارالسلطنت میں مقیم رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ لیکن ایسے کتبات بڑی تعداد میں موجود ہیں جن میں مملکت کے مختلف حصّوں سے متعلق ہونے کی بنا پر ان عطیات کا تذکرہ ہے جنھیں نایکوں نے اپنے ان اضلاع سے دیا تھا جو خود انھیں فوجی خدمت کے عوض عطا کیے گئے تھے۔ گو ہمیں چند ایسے کتبات بھی ملتے ہیں جن میں ان عطیات کا ذکر ہے جنھیں ان نایکوں کے نمایندوں نے دیا تھا۔ خود نونیز کہتا ہے "وہ لوگ جو شہر میں ہیں اور وہ جو کہیں اور ہیں، ہر ایک اپنا ایک سکریٹری دربار میں، رکھتا ہے[39]" اور اس طرح وہ اشارہ کرتا ہے کہ کچھ لوگ دارالسلطنت سے باہر بھی رہتے تھے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ نونیز جاگیرداروں اور ان کے نمایندوں کے درمیان اشتباہ پیدا کررہا ہے۔ حالانکہ یہ صرف موخر الذکر ہیں جو مستقل طور پر دارالسلطنت میں رہتے تھے۔ یہ حقیقت کہ باجگزار سردار ہمیشہ، حتیٰ کہ امن کے زمانہ میں بھی، اپنا ایک نمایندہ اپنی طرف سے دئے جانے والے فوجی دستوں کے ساتھ دارالسلطنت میں رکھا کرتے تھے مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہوجائے گی اکثر و بیشتر یہ شاہی پالیسی تھی جس پر مملکت کے صوبوں میں بھی عمل کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر مدورا 72 پالائیموں (PALAIYAMS) میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کو ایک پالائیدار (PALAIYARS) کے سپرد کیا گیا تھا جس کو مدورا کے نایک حاکم کو ایک مقررہ محصول اور فوج کا ایک متعین حصہ مہیّا کرنا ہوتا تھا۔ ان فرائض کے علاوہ ان کو مدورا کے قلعہ کے 72 برجوں میں سے کسی ایک برج کی حفاظت کے لیے دارالسلطنت میں فوجیوں کی ایک متعین تعداد بھی بھیجنی ہوتی تھی۔ پالائیگار دارالسلطنت میں اپنے آدمیوں کا تقرر خود کرتے تھے۔ ان نمائندوں میں سے ہر ایک نایک حکمراں کے تئیں اپنے مالک کی وفاداری کے لیے بطور یرغمال ہوتا تھا۔ وجے نگر کے شاہی دربار میں بھی یہی نظام رائج رہا ہوگا۔ اس طرح یہ سردار، جنھیں نونیز کے مطابق ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ جو اپنے فرائض کے مطابق سپاہیوں کی پوری تعداد میں موجود رہتے تھے اور جنھیں شہروں یا قصبات میں جاکر مقیم ہونے کی اجازت نہ تھی، غالباً باجگزار جاگیرداروں کے یہی فوجی نمایندے تھے۔ نہ کہ خود یہ باجگزار۔ یہاں "دو سو سے زائد" کے الفاظ جو نہ صرف باجگزاروں بلکہ ان کے ایجنٹوں کو بھی شامل کرتے ہیں خصوصی طور پر دلچسپ ہیں۔

اس طرح وجے نگر کی فوج میں بھرتی مختلف طریقوں سے کی جاتی تھی اس لیے کہ فوج مختلف مقاصد کے لیے درکار ہوتی تھی اور شاید فوجیوں کا ایک طبقہ تو ایک خاص مقصد کے لیے ہوتا تھا، کسی دوسرے فرض پر مامور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یہاں ان امور کا جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو فوجوں کی بھرتی میں اثر انداز ہوتے تھے۔ وجے نگر میں برہمنوں کو فوج میں ایک اہم مقام حاصل تھا وہ محض قلعوں کے انچارج ہی مقرر نہیں کیے جاتے تھے بلکہ ان کو فوجوں کی قیادت پر بھی مامور کیا جاتا تھا۔ کرشن دیو رائے اس بات پر زور دیتا ہے کہ صرف برہمنوں ہی کو قلعوں کا انچارج بنایا جانا چاہیے۔ وہ کہتا ہے "وہ بادشاہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اطمینان کی نیند سو سکتا ہے جو اپنے قلعدار ایسے برہمنوں کو مقرر کرے جو اس سے وابستہ ہوں"۔ "ایک برہمن کی خدمات بھی (نہایت) ضروری ہیں۔ لہٰذا یہ درست ہے کہ وہ انھیں پوری طرح بھرے ہوئے قلعوں، پوری طرح مسلح فوجوں اور زمین کا انچارج بناتا ہے[۵۵]۔" ایک دوسری جگہ اس بات پر بحث کرتے ہوئے کہ برہمنوں کو قلعوں کا انچارج کیوں بنانا چاہیے وہ اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ "اپنے دستوں کو ان برہمنوں (سپہ سالاروں) کے سپرد کر دو جن سے تم بخوبی واقف ہو۔ انھیں کمزور نہ رکھو بلکہ اتنے مضبوط دستے ان کے حوالے کرو کہ ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف نہ سما سکے . . . اس لیے کہ ایک برہمن خطرات کے موقعوں پر بھی اپنی جگہ پر اٹل رہتا ہے اور اپنی خدمت انجام دیتا رہتا ہے اگرچہ اسے ایک چھتری یا شودر کا ماتحت ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔ ایک بادشاہ کے لیے ہمیشہ یہ بات قرین مصلحت ہے کہ وہ ایک برہمن کو اپنا افسر مقرر کرے[۵۶]۔" وجے نگر کی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ہیں جہاں برہمنوں کو جنرل یا صوبائی وائسرائے بنایا گیا عظیم وزیر مادھواچاریہ (MADHA - VACARYA) کے بھائی ساین (SAYANA)، مادنا (MADANNA)، لکن (LAKANNA) اور سالووا تما اس سلسلہ کی بہترین مثالیں ہیں۔ برہمن فوجی دستوں کے سردار اور قلعوں کے نگراں ہونے کے علاوہ وہ جنگوں میں فوجی دستوں کے قائد بھی ہوا کرتے تھے یہ حقیقت تنجور ضلع میں واقع تیرو کڈائیور (TIRUKKODAIYUR) مقام کے ایک قیمتی کتبے مورخہ وشیا (VAISYA) ورش (VARSA) 1521-22ء سے جو کرشن دیو رائے کے زمانے کا ہے پوری طرح ثابت ہے دستاویز میں درج ہے کہ تیرو کڈائیور کے آپت سہایتن (APATSAHAYAN) نامی ایک برہمن نے ایراک چور (IRA - CCUR) (بیجاپور) میں رائچور کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور کرشن دیو رائے کو خوش کیا[۵۷]۔ یہ شواہد قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ وجے نگر کے زمانہ میں برہمن قلعوں کے محافظ اور فوجوں کے قائد دونوں ہی حیثیتوں سے جنگ میں حصہ لیتے تھے۔ باربوسا کے بیان کے مطابق جنگ میں حصہ لینے والوں میں بہت سے وہ سردار (KNIGHTS) بھی ہوتے تھے جو اپنی تنخواہیں لینے ملک کے مختلف گوشوں سے شاہی دربار میں جمع ہوتے تھے۔ اس بیان سے بھی کہ "تاہم (وہ) خود اپنے

رسم و رواج کے مطابق زندگی گذارنا نہیں چھوڑتے ہیں[43]۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کی فوجوں میں مملکت کے مختلف قوموں کے سپاہی ہوا کرتے تھے۔ پائز کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کی فوجوں میں مسلمان سپاہی بھی موجود تھے[44]۔

فصل سوم

فوج کے حصّے

قدیم ہندوستان میں فوج چار حصّوں میں منقسم ہوتی تھی یعنی پیادہ، سوار، ہاتھی اور جنگی رتھ۔ لیکن رفتہ رفتہ جنگی رتھوں کا رواج ختم ہوتا گیا اور شری ہرش کے زمانہ تک یہ بالکل غائب ہو گئے تھے۔ وجے نگر کے کتبات میں صرف دوسرے تین حصّوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر شیموگا ضلع میں واقع سورب (SORAB) تعلقہ کی ایک دستاویز مورخہ 1347ء میں درج ہے کہ کدمبا (KADAMBA) کے بادشاہ کی فوج، سواروں، ہاتھیوں اور پیادوں پر مشتمل تھی[45]۔ سنگما درم کے بترگنتا (BITRAGUNTA) کے عطیہ میں اس کو خوفناک ہاتھیوں کی فوج کے خلاف شیر ببر اور ہاتھیوں گھوڑوں، اور آدمیوں پر مشتمل فوجوں کے سردار کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے[46]۔ مسلمان سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ہنور (HONAVAR) (HINAWAR) کا حکمراں سلطان جلال الدین، جو ہریب (HARYAB) (ہری ہر اول) کا باجگزار تھا، گھوڑوں اور پیادوں پر مشتمل ایک فوج رکھتا تھا[47]۔ ہمیں اس زمانہ میں جنگی رتھوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن وجے نگر کے آخری دور میں فوج کے ایک حصّہ کے طور پر توپ خانہ کا رواج عمل میں آیا جس نے فوج کو پھر چار حصّوں میں تقسیم کر دیا۔

لیکن سلیٹور (SALETORE) وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ وجے نگر کی فوج چھ حصّوں پر مشتمل تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "وجے نگر کے حکمراں غیر ارادی طور پر شکرا[48] (SUKRA) کے عہد وسطی کے اقوال کی پیروی کرتے تھے نہ کہ قدیم ہدایات کی جن میں فوج کو چار معروف ناموں میں محدود کیا گیا ہے" اور اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے وہ دیورائے اوّل کے ایک کتبے اور رام راج کے بکھائر (BAKHAIR) کے ماخذ کا حوالہ دیتا ہے[49]۔ زیر حوالہ کتبہ میں درج ہے کہ "وہ (دیورائے اوّل) اپنے باپ بادشاہ ہری ہر کے حکم کے بموجب ایک عرصہ تک ایک زبردست فوجی مہم کی قیادت کے بعد

فوج کے چھ حصّوں کی معیت میں فوراً شہر پہونچا[۶۴]" لیکن یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کتبہ میں مذکور چھ "حصوں" سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل ہے کہ وجے نگر کی فوجیں چھ حصّوں میں منقسم تھیں۔ کتبہ میں صرف یہ مذکور رہے کہ وہاں فوج کی چھ قسمیں (ودھم) (VIDHAN) تھیں نہ کہ چھ حصّے انگ (ANGA) تھے۔ کالی داس کی تصنیف رگھو وسا (RAGHUVAMSA) میں چھ قسم کی فوجوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رگھو RAGHU اطراف و جوانب پر فتح پانے کی غرض سے اپنی چھ قسم کی فوجوں کے ساتھ روانہ ہوا تھا[۶۵]۔ یہاں جن فوجوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں موروثی مولا (MAULA)، کرائے کے (بھرتکا BHRTAKA) ہم پیشہ برادریوں (GUILDS) سے تعلق رکھنے والے کسی حلیف (مترا) کے، کسی دشمن (امترا) کے اور جنگلی قبائل (آتوی ATAVI) کے فوجی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (یہ) زیرِ بحث کتبہ فوج کے ان دستوں کا ذکر کر رہا ہے جو ہندو فوج کو تشکیل دیتی تھیں نہ کہ اس کے حصّوں کا۔ رام راج کے بکھائر میں رکھچس تنگڈی (RAKSAS TANGDI) کے میدانِ جنگ میں موجود ہندو فوجوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ اس میں درج ہے کہ ان فوجوں میں گھوڑوں، اونٹوں، ہاتھیوں، توپوں، بیلوں اور پیادہ سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد تھی[۶۶]۔ اگرچہ وجے نگر کی فوجیں ان چھ حصّوں پر مشتمل ہوتی تھیں لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ یہ (سب) حصّے جنگوں میں بھی حصّہ لیتے تھے۔ اونٹ اور بیل یقیناً اس اصل فوج کی مدد کے لیے ہوتے ہوں گے جو جنگوں میں حصّہ لیتی تھی۔ نونیز اس ہندو فوج کا ذکر کرتے ہوئے جو رائچور کی جنگ میں گئی تھی۔ کہتا ہے کہ اس میں بہت سے بار برداری کے ٹٹو، گدھے اور بیل تھے ہر طرح کے رسد اور دوسری وزنی اشیاء مثلاً خیمے اور دوسرا سامان لے جاتے تھے[۶۷]۔ اس طرح یہ محض اصل فوج کی مدد کا کام انجام دیتے تھے۔ ان تفاصیل کی موجودگی میں سیلٹور کے اس دعویٰ سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ وجے نگر کی فوجوں کے چھ حصّے ہوتے تھے۔

(۱) پیادہ فوج۔ فوجوں کا ایک بڑا حصّہ پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا، شاید اس کے بڑے ہونے کی وجہ، اگر اس زمانہ میں فوجوں میں بھرتی کے سلسلہ میں کوٹلیہ کے ہدایات پر عمل کیا جاتا تھا، تو یہ یہ تھی کہ یہ فوج ویشیاؤں اور شودروں پر مشتمل تھی[۶۸]۔ جہاں تک وجے نگر کے فوجیوں کے لباس کا تعلق ہے، فرشتہ کہتا ہے کہ وہ عموماً میدانِ جنگ میں "بالکل برہنہ جاتے تھے اور اپنے جسموں پر تیل کی مالش کر لیتے تھے تاکہ انھیں آسانی سے پکڑا نہ جا سکے[۶۹]"۔ لیکن پائز بادشاہ کے ذریعہ فوجوں کے معائنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کے لباس بڑے قیمتی اور رنگ برنگے ہوا کرتے

تھے[56] ۔ لیکن فوجوں کی پرشکوہ وضع وقطع اور اسلحہ بندی کا یہ زوردار بیان محض یہ ظاہر کرتا ہے رسمی مواقع پر جیسے مثلاً بادشاہ کے ذریعہ فوجی معائنہ کے وقت فوجی اپنے بہترین لباسوں میں آتے تھے اور یہ عین ممکن کہ عام سپاہی میدان جنگ میں ہلکے پھلکے لباس پہنتے ہوں[57] ۔ وجے نگر کے فوجی جو ہتھیار استعمال کرتے تھے ۔ وہ تھے تلوار ، ڈھالیں ، تیر اور کمان ، خنجر ، دستوں والی جنگلی کلہاڑیاں ، دستی اور چھوٹے منہ کی بندوقیں ، نیزے ، ترکی کمانیں ، بم ، بھالے اور آتشیں میزائلیں چھوٹی تلواریں اور پوگنارڈ (POIGNARDS) جو کمر میں لٹکائی جاتی تھی[59] ۔ مودھورا وجیم (MADHURA - VIJAYAN) اور سالووابھی یودیم (SALUVABHYUDAYAM) میں (کچھ) ہتھیاروں کا ذکر ملتا ہے جیسے شستر (SASTRA) (خنجر ، تلوار) شراسن (SARASONA) (تیر) ۔ اسی (ASI) (تلوار کرپن (KARAPANA) (ایک قسم کا خنجر) ، کتھاری کاسترم (KATHARI KASTRAMA) (ایک قسم کا تیر) ، کارموکم (KARMUKAM) (کمان اور مدگر (MUDGARA) (ہتھوڑا ، ہتھوڑے کی طرح کا ایک ہتھیار) دشمنوں کی تیروں سے بچاؤ کے لیے سپاہی پھلکا (PHALAKA) (ڈھال) کا بھی استعمال کرتے تھے ۔ کبھی کبھی چمڑے کی ایک ڈھال بھی استعمال کی جاتی تھی[60] ۔ ڈھالوں کا ذکر کرتے ہوئے نونیز کہتا ہے کہ وہ اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ جسم کی حفاظت کے لیے زرہ کی کوئی ضرورت نہ تھی[61] ۔ کتبات میں کلہاڑی[62] اور خنجر[63] جیسے ہتھیاروں کے استعمال کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا (EPI - GRAPHIA CARNATICA) کی تیسری جلد میں چند جنگی ہتھیاروں کی تصویریں ہیں یہ ہتھیار ویر گلوں (VIRGALS) یا ان پتھروں پر نقش ہیں جو غالباً ۱۴۱۹ء کی کسی جنگ میں مارے جانے والے بہادروں کی یادگار کے طور پر نصب کیے گئے تھے ۔ ان تصویروں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ لوگوں کو قتل کرنے کے لیے بڑے بڑے چاقوؤں کا استعمال کیا جاتا تھا نیز یہ کہ اس زمانہ میں فوج تلواروں کا استعمال بھی کرتی تھی[64] ۔

(۲) سوار فوج : فوج کا دوسرا اہم حصہ سوار تھے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سلاطین وجے نگر کی سوار فوج بہت طاقت ور تھی اور صرف اسی کی مدد سے انھوں نے بہت سی جنگوں میں کامیابی حاصل کی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ عموماً اشوپتی (ASVAPATIS) کے نام سے پکارے جاتے تھے ۔ خود کرشن دیورائے کہتا ہے کہ اس نے بیدر کے سلطان کے خلاف ایک جنگ سواروں کی مدد سے جیتی تھی[65] ۔ بادشاہوں کی غیر ملکی پالیسی ان کی اس زبردست خواہش سے بہت زیادہ متاثر تھی کہ وہ ہرمز (ORMUZ) سے بڑی تعداد میں گھوڑے حاصل کر سکیں اس پالیسی کو اس حقیقت

نے اور بھی ناگزیر بنا دیا تھا کہ کرناٹک کے گھوڑے کمزور اور دبلے پتلے ہوتے تھے جس کی بنا پر وہ تھکان کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے[66]۔

بادشاہ کے اخراجات کے متعلق کرشن دیو رائے لکھتا ہے "روپیوں کے ان مصارف کو جو ہاتھیوں اور گھوڑوں کو خریدنے۔ انھیں کھلانے پلانے۔ سپاہیوں کی دیکھ بھال کرنے، دیوتاؤں اور برہمنوں کی پوجا پاٹ کرنے اور ایک شخص کے خود اپنے تلذذات پر صرف ہوتے ہیں کبھی اخراجات کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا[67]۔ دوسری جگہ وہ اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ بادشاہ کو اپنی آمدنی نصف حصہ فوج کے انتظام و انصرام پر خرچ کرنا چاہیئے جس میں سے ایک بڑا حصہ گھوڑوں پر ہونے والے اخراجات کا ہے[68]۔ مثال کے طور پر کرشن دیو رائے ہر سال ہرمز کے اور دیسی نسل کے تیرہ ہزار گھوڑے خریدتا تھا اور ان میں سے بہترین گھوڑوں کو وہ خود اپنے لیے مخصوص رکھ لیتا تھا[69]۔ وجے نگر کے بادشاہ گھوڑوں کی اتنی قدر کرتے تھے، اگر نونیز کے بات پر یقین کر لیا جائے تو، سالووا نرسمہا "انھیں زندہ یا مردہ" ایک ہزار پرداؤ کے عوض تین تین کے حساب سے خرید لیتا تھا اور ان میں سے جو گھوڑے سمندر میں مر جاتے اور ان کی صرف دم اس کے پاس لائی جاتی تو وہ اس کے عوض اتنی رقم ادا کرتا جیسے کہ وہ گھوڑا زندہ ہو[70]۔ اگرچہ غالباً یہ صرف ایک مبالغہ ہے لیکن اس سے اس قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے جو وجے نگر کے بادشاہوں کے نزدیک گھوڑوں کی تھی۔ بار بوسا کے بیان کے مطابق گھوڑوں کی قیمت چار سو سے لے کر چھ سو جروزدو (CRUZADOS) تک ہوتی تھی[71]۔ لیکن نونیز ان کی قیمتیں مختلف بتلاتا ہے ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ ایک ہزار پرداؤ میں $\frac{1}{2}$ 4 گھوڑے خریدے جاتے تھے۔ جبکہ ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے کہ ان کی ایک ہزار پرداؤ میں بارہ سے لے کر چودہ تک کی شرح پر ہوتی تھی[73]۔ چنانچہ جیسا کہ ڈیمس (DAMES) کا خیال ہے غالباً گھوڑے کی قیمت 78 اور 26 پونڈ، یا ہندوستانی روپے کے حساب سے ۱۱۷۰ اور ۳۹۰ روپے، کے درمیان گھٹتی بڑھتی رہتی تھی[74]۔

ان گھوڑوں پر بادشاہ کے نشان کا داغ لگا دیا جاتا تھا۔ اور ہر ماہ کی ضروری اشیاء کے ساتھ انھیں سواروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور جب وہ مر جاتے تو مرنے والے گھوڑے کا رکھوالا اس کی بادشاہ کے نشان لگی ہوئی کھال کو گھوڑوں کے منتظم اعلیٰ کے پاس لے جاتا تاکہ اس کے بدلے اسے دوسرا گھوڑا دیا جا سکے[75]۔ سردار (SCOTT) کو خود اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا ایک سائیس اور اس کی خدمت کے لیے ایک کنیز نیز روزانہ کی ضروری اشیاء بہم پہونچائی جاتی تھیں۔ اگر وہ اس (گھوڑے) کو مناسب طریقہ سے نہیں رکھتا تو اس سے اس گھوڑے کو لے لیا جاتا اور اس

کے بدلے دوسرا اس سے کمتر درجے کا دیا جاتا۔[76]

گھوڑوں پر مکمل ساز لگایا جاتا تھا۔ ان کی پیشانیوں پر (لوح کی) پلیٹیں لگائی جاتی تھیں۔ سوار رسالے کے سپاہی ایک روئی دار چوغہ پہنتے تھے جو کچے سخت چمڑے کی پرتوں کا بنا ہوتا تھا اور جس میں لوہے کی پلیٹیں لگی ہوتی تھیں جن سے وہ کافی مضبوط ہو جاتے تھے۔ ان کے سروں پر ریاست کی چھتریاں نصب ہوتی تھیں۔

(3) ہاتھی۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کی جنگوں میں ہاتھی بڑے کام آتے تھے اور وجے نگر کے بادشاہوں نے بھی انھیں جنگ میں بکثرت استعمال کیا۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ دیو رائے دوم کے دربار میں ایک ہزار سے زائد کوہ تمثال دیو پیکر ہاتھی تھے۔ نکیتن (NIKITAN) کے مطابق ہاتھیوں کے سونڈھوں سے دھار دار تلواروں کو باندھ دیا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھ (گویا) ایک قلعہ لے کر چلتا تھا جس میں بندوقوں اور تیروں سے مسلح بارہ زرہ پوش آدمی ہوتے تھے۔[79] لیکن ورتھما ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ہر ہاتھی پر صرف چھ آدمی جاتے اور جنگ میں ان کی سونڈھوں سے لمبی لمبی تلواریں بندھی ہوتی تھیں۔[80] ان (تفاصیل) سے نونیز کے بیان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنگی ہاتھیوں کے ہودوں میں ہر جانب سے چار چار آدمی جنگ کرتے تھے اور یہ کہ ان کے دانتوں سے تیز چاقو بندھے ہوتے تھے جس سے وہ سخت نقصان پہونچاتے تھے۔[81] پائز بھی کہتا ہے کہ تین یا چار آدمی جنگی ہاتھیوں کی پشت سے لڑتے تھے اور وہ بیان کرتا ہے کہ ہاتھی مخمل اور طلائی جھول اور گھنٹیوں سے آراستہ ہوتے تھے اور یہ کہ ان کے سروں پر بھوتوں اور بڑے بڑے درندوں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں۔[82]

(4) توپ خانہ۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کے جنوبی ہندوستان کی جنگوں میں توپ خانہ کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ صرف وجے نگر کے زمانہ میں ہی جنگوں میں اس کے استعمال کا آغاز ہوا۔ یہاں اس بات کا جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جنوبی ہندوستان میں بارود کے استعمال کا آغاز کب ہوا۔ 1368ء میں بکا اوّل اور بہمنی سلطان کے درمیان جنگ کے بیان میں تحفۃ السلاطین میں توپوں اور قلعہ شکن آلات کا تذکرہ ملتا ہے۔[83] برگس (BRIGGS) کا قیاس ہے کہ ممکن ہے مسلمانوں نے 1368ء میں توپیں مغرب سے حاصل کی ہوں کیونکہ کریسی (CRESRY) کی جنگ میں ایڈورڈ سوم (EDWARD iii) نے پندرہ سال پیشتر ان کا استعمال کیا تھا۔[84] اس طرح اگر مسلم تصنیف پر یقین کر لیا جائے تو یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ 1368ء میں توپوں کا استعمال عمل میں آیا تھا۔

لیکن قدیم نیتی (NITI) ادب کی تصانیف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو توپوں کے استعمال سے واقف تھے۔ مثلاً شکرآچاریہ (SUKRACARYA) ان کا تذکرہ کرتا ہے[85]۔ شکرا کا عہد مشکوک ہے لیکن چونکہ اسے عہد وسطیٰ کا ایک مصنف شمار کیا جاتا ہے اور یہ حقیقت کہ وہ توپوں کا تذکرہ کرتا ہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس عہد میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔

کتباتی ثبوت میں بھی وجے نگر کے زمانہ میں آتشیں اسلحوں اور توپوں کا ذکر ملتا ہے شموگا ضلع کے ساگو تعلقہ کی ایک دستاویز مورخہ ۱۶۶۱ء (۹) میں درج ہے کہ مہا پربھو بائیکا گودا (BAYICA GAVUDA) نامی ایک شخص ندن گیری نادراجہ (NADANGIRINED RAJA) کو بارود مہیا کرتا تھا[86]۔ وجے نگر کے عہد میں توپوں کے استعمال کا ثبوت نونیز کی کتاب سے بھی ملتا ہے[87]۔ اس کے بیان کے مطابق کرشن دیورائے رائچور کی جنگ میں بہت سی توپیں ساتھ لے گیا تھا آمکتا مالیا دیں یہی بادشاہ ان قلعوں کا ذکر کرتا "جن میں فوجیں رکھی گئی تھیں اور انجن فراہم کئے گئے تھے" ممکن ہے ان (انجنوں) میں توپیں بھی شامل ہوں۔

فصل چہارم

فوج کا کوچ اور جنگ

اس زمانہ کے ادب اور کتبات سے ہمیں اعلانِ جنگ فوجوں کے کوچ کرنے اور ان کی لڑائی کے متعلق چند دلچسپ تفصیلات ملتی ہیں۔

بار ہو سکتا ہے کہ بادشاہ اپنی کونسل میں اس بات کا فیصلہ کرتا تھا کہ جنگ کے لیے روانہ ہونے کی ضرورت ہے[89]۔ نونیز بھی کرشن دیورائے کی کونسل کا تذکرہ کرتا ہے جس میں اس نے بیجاپور کے سلطان کے خلاف مہم پر روانہ ہونے سے قبل مشورہ کیا تھا[90]۔

بادشاہ پہلے دشمنوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا تھا۔ مثال کے طور پر سالوداابھی ادیم کہتا ہے کہ نرسمہانے ادے گیری کی فتح کے لیے ایک مہم کے آغاز کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ اس فیصلہ کا عام اعلان کرا دیا جائے[91]۔ ٹھیک مہم پر روانگی سے قبل باجگزار جاگیرداروں کو دربار میں بلوایا گیا اور انھیں بیش قیمت تحائف دیئے گئے۔ دارالسلطنت میں انھیں ایک ضیافت بھی دی گئی[92]۔ اس

کے بعد ایک مقدمتہ الجیش دشمنوں کے علاقہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کرشن دیو راے نے اپنی فوجوں کے ایک حصّہ کو ہدایت کی کہ وہ دشمنوں کے علاقے میں تین آمدوں (AMADAS) نیس میں) کے بقدر آگے بڑھ جائیں اور وہاں کے آدمیوں، مویشیوں، بھیڑوں اور بکریوں کو لے لیں اکہ وہ دشمنوں کو دستیاب نہ ہوسکیں[93]۔ اس (بیان) کی ایک طرح سے نونیز کے بیان سے توثیق ہوجاتی ہے جو راچور کی طرف جانے والے مقدمتہ الجیش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے" اس جم غفیر سے تین یا چار فرسخ آگے تقریباً پچاس ہزار آدمی چلے جاتے ہیں جو گویا جاسوس ہوتے ہیں، انھیں پیش قدمی والے علاقہ میں جاسوسی کرنی ہوتی ہے اور ہمیشہ (اصل فوج سے) کچھ دور رہتے ہیں[94]"۔ خود بادشاہ اس کے کچھ دنوں بعد روانہ ہوتا۔ اپنی روانگی سے قبل وہ اپنے چڑھاوے چڑھاتا اور قربانیاں پیش کرتا تھا[95]۔ باربوسا اس بات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ کس طرح بادشاہ اپنی جنگوں پر روانہ ہوتے تھے۔ اس کے مطابق ایک مقررہ دن بادشاہ ایک ہاتھی یا پالکی پر سوار ہوکر ایک کھلے میدان میں آتا تھا جیسے کہ وہ تفریح کے لیے آیا ہو۔ اس کے سوار پیادے اور متعدد ہاتھی جو تمام کے تمام نہایت قیمتی لباسوں میں ملبوس ہوتے قطار در قطار اس کے ساتھ ہوتے۔ اس کے بعد وہ ایک گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور جس ملک سے جنگ کرنی ہوتی اس کی جانب ایک تیر چلاتا پھر وہ بتلاتا کہ کتنے دنوں میں وہ جنگ کے لیے روانہ ہونے والا ہے[96]۔

ان مقدمات کے اختتام کے بعد فوجیں کوچ کرتی تھیں۔ اس زمانہ میں بعد کے ادوار کی طرح فوجیں بہت تیز رفتاری سے کوچ نہیں کرتی تھیں۔ اگر بربوسا پر یقین کیا جائے تو وہ لوگ ایک دن میں صرف تین فرسخ چلتے تھے۔ اور جیسے ہی دن کا کوچ ہوتا، وہ کسی کھلے ہوئے میدان میں گھاس پھوس کا ایک شہر بنا لیتے اور سڑکوں کی ترتیب کے ساتھ گھر تعمیر کرتے۔ یہاں وہ تین دن قیام کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر وہ پڑاؤ کی دوسری جگہ کے لیے روانہ ہوجاتے۔ وہ اسی حساب سے کوچ کرتے رہتے یہاں تک کہ مقررہ مقام تک پہونچ جاتے[97]۔

بادشاہ اور اس کے سپاہیوں کا عارضی کیمپ ایک فوجی پڑاؤ سے زیادہ ایک ایسے شہر کا منظر پیش کرتا تھا جہاں جشن منایا جارہا ہو۔ پورا کیمپ متعدد سڑکوں میں بٹا ہوتا تھا۔ ان میں بازار بھی ہوتے تھے جہاں سے زندگی کی تمام ضروریات حاصل کی جاسکتی تھیں بلکہ عیش وعشرت کے سامان جیسے ہیرے، جواہرات اور قیمتی پتھر بھی بکتے تھے فوج میں پیشہ ور بھیری والے اور صناع بھی ہوتے تھے۔ بادشاہ خود ایک ایسے خیمے میں قیام کرتا تھا جو خاص طور پر اس کے لیے بنایا جاتا تھا۔ یہ بڑی بڑی خاردار

جھاڑیوں سے گھرا ہوتا تھا اور اس میں صرف ایک جانب سے داخلہ ہوتا تھا۔ وہ محافظ جو باہر ہوتے تھے متعین جگہوں پر رات بھر چوکیداری کے فرائض انجام دیتے تھے، جاسوس بھی کام میں لگے رہتے، وہ رات بھر پورے کیمپ کا دورہ کرتے اور اس تاک میں لگے رہتے کہ کسی جاسوس کو پکڑ لیں[98]۔ فوج کے ساتھ بہت ہی عوامی عورتیں بھی ہوتی تھیں اور جو فوج رائچور کے لیے روانہ ہوتی اس میں ایسی بیس ہزار عورتیں تھیں۔ فوجوں میں ہزاروں آدمی ایسے بھی ہوتے تھے، جو اپنے ساتھ مشکیزے رکھتے تھے اور لڑنے والوں کو پانی بہم پہونچاتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی پیاس سے مرجائے۔ فوج میں بہت سے تاجرین بھی ہوتے تھے جن کے پاس ہر طرح کا سامان ہوتا تھا[99]۔ فوجوں میں تاجرین کی موجودگی کا ثبوت کتبات میں ملتا ہے۔ چتوڑ ضلع میں تیرو ملائی مقام کے ایک نامکمل کتبے میں ایک فوج میں ایک تاجر کی موجودگی کا تذکرہ ملتا ہے[100]۔

فوجوں کی صف آرائی کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔ نونیز ہمیں بتلاتا ہے کہ رائچور کی جنگ میں کرشن دیورائے نے "اپنی فوجوں کو سات حصوں میں منقسم کیا تھا[101]۔ رکسس تنگدی (RAKSAS TANGDI) کی جنگ میں ... ج تین حصوں میں منقسم تھی۔ میمنہ تیرو مل کے حوالے تھا، میسرہ وینکٹ آدری کے سپرد تھ ... لشکر خود رام راج کی کمان میں تھا[102]۔

... ج بہت سے دستوں (UNITS) ... ہوتی تھی۔ رام راجیہ مو (RAMRAJIYAMU) کے ... بق جب بکّارا جو رام راجو، کندن ولو (KANDANA VOLU) کرنول (KURNUL) کے قلعہ کے خلاف روانہ ہوا، جو اس وقت سوائی (SAVAI) (عادل خان) کے قبضہ میں تھا، اور اس کا محاصرہ کیا، تو کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس کی فوج کا ہر دستہ ایک ہاتھی، بیس گھوڑوں، ساٹھ تیر اندازوں، ساٹھ شمشیر زنوں، اور ساٹھ نیزہ بازوں پر مشتمل تھا۔ اس طرح کے تقریباً ساڑھے تین ہزار دستے تھے لیکن ہم نہیں جانتے کہ یہ تعداد واقعی درست ہے[103]۔

اس عصر کے کتبات سے ہمیں اس زمانہ میں رائج لڑائی کے طریقوں کے متعلق تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوتی ہیں[104]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دست بدست لڑائی کا رواج عام تھا۔ ایک دستاویز میں درج ہے کہ سالووا نرسمہا نے دست بدست لڑائی کے دوران ایک فوجی سے تلوار (کٹھاری) (KOTHORI) چھین لی تھی اور اسی بنا پر وہ کٹھاری سالووا کے نام سے پکارا جانے لگا تھا[105]۔ مدھوراد جیم میں بھی اسی طرح کی ایک دست بدست لڑائی کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو راجا گمبھیر (RAJAGAMBHIRA)

کے قلعہ کے باہر کیمپن اور شمبو ورائے ۔ کے حکمراں کے درمیان ہوئی تھی[105]۔

اس زمانہ کی جنگوں کا ایک خصوصی رواج یہ تھا کہ ان عارضی شہروں کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا جو فوجیوں کے لیے اس کی روانگی کے راستوں میں تعمیر کیے جاتے تھے ، بر بوسا اس رواج کا تذکرہ کرتا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ ایک اعلان جاری کرتا تھا جس میں محلوں ، قلعوں ، مندروں اور چند مخصوص جاگیرداروں کے مکانوں کو چھوڑ کر جن کی چھتیں چھپر کی بنی ہوتی تھیں ، پورے شہر کو جلا دینے کا حکم ہوتا تھا تاکہ تمام لوگ اپنے بال بچوں اور اسباب کے ساتھ حاضر ہو جائیں[107]۔ ڈیس بتلاتا ہے کہ بر بوسا کا یہ بیان کتنا مضحکہ خیز ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر یہ ایک ذہن کاتب کا اضافہ ہے وہ مزید کہتا ہے کہ بر بوسا نے جو کچھ لکھا ہے وہ "یہ نہیں کہ بادشاہ اپنے دارالسلطنت کو نذر آتش کر دیتا ہے بلکہ یہ ہے کہ جب وہ کوچ پر ہوتا ہے تو دوسرے کیمپ کے لیے روانہ ہونے سے قبل وہ گھاس پھوس سے بنی جھونپڑیوں والے عارضی شہر کو ، جو اس کی فوج کے قیام کے لیے تعمیر کیا جاتا تھا ۔ نذر آتش کر دیتا تھا[108]"کتبات اس دلچسپ مسئلہ پر براہ راست کوئی روشنی نہیں ڈالتے[109]۔

کرشن دیورائے کی رائے ہے کہ بادشاہوں کو بذات خود دشمن کے ملک میں ہرگز نہیں جانا چاہئے اور یہ کہ "مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے امراء میں سے کسی کا تقرر کر دے اور اسی کو اس کام کے لیے روانہ کرے[110]"، بر بوسا کہتا ہے کہ وجے نگر کا بادشاہ شاذ و نادر جنگ میں خود جاتا تھا بلکہ وہ اپنے سرداروں اور فوجوں کو بھیج دیتا تھا[111]۔ عین ممکن ہے کہ بادشاہ اس وقت تک مہموں کی قیادت نہ کرتے ہوں جب تک وہ اس کے لیے مجبور نہ ہو جاتے ہوں ۔ مثال کے طور پر راجپوت رائے ، اگرچہ اپنے بیشتر صوبوں کو فتح کرنے کا سہرا راجپوت رائے خود اپنے سر باندھتا ہے لیکن بظاہر وہ خود میدان جنگ میں کبھی نہیں آیا تھا ۔ جب چلپا (COLLAPPA.) کی بغاوت فرو کی جا رہی تھی تو وہ شری رنگم میں عالموں کی صحبت میں اپنا وقت گذار رہا تھا[112]۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ کرشن دیورائے خود اپنے اس اصول سے مستثنیٰ تھا ایک چھوٹی سی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھی میدان جنگ میں وہ خود جاتا ۔

رائے واشِ کمو (ROYA VACAKAMU) سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک جنرل کو فوجوں کی قیادت کے حکم کے ساتھ ہی انھیں پان اور چھالیاں بھی دی جاتی تھیں ۔ کرشن دیورائے کو جب اپنے جاسوسوں سے اس ظلم و ستم کا حال معلوم ہوا جو مسلمانوں نے اس کی مملکت میں کیا تھا تو اس نے اپنے امرنایکم (AMORANAYAKAR.) جنرلوں میں سے سردار پیم مسانی رام لنگا

(PEMMASENI RAMALINGA.) کو طلب کیا اور اس سے مشورہ کیا کہ وہ ان حالات میں کیا رویہ اختیار کرے۔ رام لنگا نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ وہ اگر فوج کی کمان اس کے سپرد کر دیا جائے وہ جلد ہی دشمنوں کا استیصال کر دے گا۔ کرشن دیورائے نے اس رائے کو پسند کیا اور حملہ میں اس کی قیادت کے اظہار کے لیے اسے پان اور چھالیاں پیش کیں[113]۔

دورانِ جنگ اگر بادشاہ فوجوں کی قیادت خود کرتے تو وہ خود فوجیوں کو جنگ کے لیے برانگیختہ کرتے۔ اور اگر وہ خود موجود نہ ہوتے تو اس کام کے لیے کچھ لوگوں کا تقرر کر دیا کرتے فرشتہ کہتا ہے کہ بکااول نے برہمنوں سے درخواست کی کہ وہ اس کے فوجیوں کے سامنے وعظ دیں کہ مسلمانوں کو قتل کرنا ثواب کا کام ہے اس لیے کہ وہ ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو توڑنے اور گایوں کو ذبح کرنے والے تھے[114]۔ جب کرشن دیورائے نے دیکھا کہ رائچور کی جنگ کے پہلے ہی مرحلے میں مسلمانوں نے اس کی فوجوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے تو اس نے اپنے سپاہیوں کو ان کی بزدلی پر سخت وسست کہا اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ انھیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے لہٰذا انھیں اپنے دستور کے مطابق میدانِ جنگ میں ہی مردانگی کے ساتھ جان دینا چاہئے[115]۔ رکھس تنگدی کی جنگ میں رام راج کے بھائی تیرومل کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا تھا۔ جب اول الذکر کو اس کی اطلاع ملی تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنے سپاہیوں کی ہمت افزائی کے لیے اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہوا اور "گوریدا، گوریدا" (GORIDA, GORIDA.) کا کئی مرتبہ نعرہ لگاتے ہوئے متحدہ فوجوں پر اپنے آدمیوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا[116]۔

فصل پنجم

قلعہ اور محاصرہ

ازمنہ وسطیٰ کی جنگوں میں قلعے ایک نمایاں رول ادا کرتے تھے، کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جس میں چند قلعے نہ ہوں جہاں غیر ملکی حملوں کے دفاع اور اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے فوجی دستوں کا تعین کیا جاتا تھا مراٹھوں کے عہد میں بھی جنگ کے زمانہ میں قلعوں کو بڑی اہمیت

حاصل تھی۔ دفاع کے لیے ان میں زبردست فوجیں رکھی جاتی تھیں غیر معمولی اخراجات اور بے شمار زندگیوں کو ضائع کرنے کے بعد ہی مغلوں نے ان میں بہت سے قلعوں کو زیر کیا تھا۔ اور ان پر مشقت طویل ماہ و سال کا تو خیر ذکر ہی کیا جو ان کے زیر کرنے میں صرف ہوئے تھے سلاطین وجے نگر کو بھی قلعوں کی ضرورت اور اس کے فوائد کا احساس تھا۔ جہاں یہ نہ تھے وہاں انھوں نے اس طرح کے قلعوں کو تعمیر کیا۔ اننت پور ضلع میں گتی کے قلعہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ گتی درگا مشہور و معروف بادشاہ بکا کی ساری دنیا پر اقتدار کے پہیے میں ایک دھوری کی حیثیت رکھتا تھا۔[117]

قلعوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہیں استھلا درگا (STHALADURGA.) (زمین پر تعمیر کردہ قلعہ)، جل درگا (JALADURGA.) پانی سے گھرا ہوا قلعہ)، گیری درگا (GIRI DURGA) (پہاڑی پر واقع قلعہ) اور ون درگا (VANADURGA.) (جنگل کے بیچ میں بنا ہوا قلعہ)[118]۔ ہر جگہ قلعہ نہ ہوتے تھے۔ دارالسلطنت اور مملکت کے بعض مخصوص مقامات ہی پر قلعہ ہوتے تھے۔ دوسری دفاعی لائن جنگل اور پہاڑ ہوتے تھے۔ وہ دشمنوں اور قزاقوں کے حملوں سے محفوظ رکھتے تھے۔ یہ بات کہ مملکت کی سرحدوں پر واقع قلعوں کے آس پاس جنگل لگا دیے جاتے تھے۔ آمکتامالیادسے ثابت ہوتی ہے جس میں کرشن دیو رائے کہتا ہے " ان جنگلوں کو بڑھاؤ جو تمہارے سرحدی قلعوں (گدی دیش GADIDESA.) کے آس پاس ہیں۔ اور ان تمام جنگلوں کو کٹوا دو جو تمہاری مملکت کے درمیان واقع ہوں تبھی تم قزاقوں کے فتنہ سے محفوظ رہ سکو گے"[119]۔ پاس کا بھی یہی خیال ہے کہ وجے نگر کی سرحدوں پر بہت سے قلعے تھے نیز یہ کہ ان کے قریب جنگل لگے ہوئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ وجے نگر اور اڑیسہ کی دونوں مملکتوں کے مشرق میں بڑے گھنے جنگل تھے جو دونوں سمتوں میں ایک مضبوط قلعے کی حیثیت رکھتے تھے۔[120]

قلعے ان علاقوں میں بھی تعمیر کیے جاتے تھے جنھیں تازہ فتح کیا جاتا تھا یا جہاں بعض باغی قبائل رہتے تھے۔ اس زمانہ کے کتبات میں پڈائی پرّو کا تذکرہ ملتا ہے جس کے لغوی معنی" ایک فوجی چوکی یا چھاؤنی کے ہیں۔ مثال کے طور پر پدوکوتائی ریاست میں واقع کیرالور مقام سے دستیاب ایک کتبہ مورخہ ۱۶۰۰ء میں درج ہے کہ یہ مقام ایک پڈائی پرو تھا[121]۔ عموماً ان تمام فوجی مراکز میں جہاں کچھ فوجیوں کو رکھا جاتا تھا ایک قلعہ ہوتا تھا۔ بظاہر ان قلعوں کے اخراجات کے لیے کوتائی پنم (KOTTAI PANAM.) نامی ایک ٹیکس لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔[122]

اس زمانہ کے کتبات سے ہمیں قلعوں کے اجزاء کی کچھ جھلکیاں ملتی ہیں۔ یہ حصے تھے خندق پشتہ چھریرے کا ستون، دندمہ، فصیل اور دھن[123]۔ فصیل کی اہمیت ایک کتبہ میں بیان کی گئی ہے اس میں درج ہے کہ سنگاراجہ (SINGA RAJA.) نامی ایک شخص نے راجاگمبھیر نامی ایک فصیل بنوائی تھی اور اسے وہ ایک نہایت ضروری فصیل (اوسرد کوتل (KOTTALA.)) قرار دیتا تھا[124]۔ توپیں نصب کرنے کے لیے خصوصی فصیل بھی بنائی جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض زیادہ اہم اور فوجی اہمیت رکھنے والے مقامات پر دو قلعے ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر کولار (KOTAR.) ضلع میں مالور (MADUR.) تعلقہ کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ 1434ء میں سنگاراجہ نے گوپاراجہ (GOPA RAJA.) کے حکم سے تیکل (TEKAL.) کے اندرونی اور بیرونی دونوں قلعوں کی تعمیر کی[125]۔ بعض قلعوں میں دو طرفہ دفاعی استحکامات کیے جاتے تھے۔ تیکل کا قلعہ ایک ایسا ہی قلعہ تھا۔ اسی مالور تعلقہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ دیورائے مہارائے کے زمانہ میں اور جب گوپارائے تیکل شہر پر حکمرانی کر رہا تھا، سنگاراجہ نے دفاعی استحکامات کی دو لائنیں تعمیر کرائی تھیں[127]۔ بہت سے قلعوں میں مینار بھی ہوا کرتے تھے۔ چیتل درگ ضلع میں بیری پور تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق کندہلی (KANDHALLI.) کے قلعہ میں چار مینار تعمیر کئے گئے تھے[128]۔ عموماً قلعہ خود ایک شہر ہوتا تھا اس کے اندر مختلف ذاتوں کی بستیاں ہوتی تھیں۔ جنوبی آرکٹ ضلع میں تیرو ودی (TIRUVADI) مقام کے ایک کتبہ مورخہ 37-1536ء میں اس مقام کے قلعہ میں ایک برہمن سڑک کا ذکر ملتا ہے[129]۔ اس طرح کی سڑکوں کے ذکر سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ قلعہ میں ہر ذات کے لیے ایک علیحدہ حصہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قلعوں میں مندر بھی ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر چندر گیری کے ایک کتبے مورخہ 1537ء میں اس مقام کے قلعہ کے اندر دو مندروں کا تذکرہ ملتا ہے[130]۔

پائز کہتا ہے کہ پورا ملک بے شمار شہروں اور قصبات سے پوری طرح آباد تھا۔ یہ شہر اور قصبات صرف مٹی کی دیوار سے گھرے ہوتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ان دیواروں کو اینٹوں سے بنانے کی اجازت نہ تھی کہ مبادا وہ بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جائیں[131]۔ لیکن غالباً یہ بات صرف معمولی شہروں کے سلسلہ میں درست ہے اور فوجی چھاؤنیوں پر لاگو نہیں ہوتی۔

محاصرہ کے طریقہ کار کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں تاہم اس زمانہ کے ادب اور کتبات سے مندرجہ ذیل تفصیلات اکٹھا کی جا سکتی ہیں۔ بعض مواقع پر بادشاہ یا جنرل جو کسی قلعہ کو فتح کرنا چاہتا تھا، اپنا بگل دشمن کے قلعہ میں پھینک دیتا تھا اور قلعہ کو فتح کرنے

کے بعد اسے واپس لاتا تھا۔ ریاست میسور کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ یہ وہ طریقہ کار تھا جس پر کمہاری سالو داخل کرتا تھا[133]۔ نونیز نے کرشن دیورائے کے رائچور کے محاصرہ کی ایک دلچسپ اور واضح تفصیل دی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ طریقہ اس زمانہ میں قلعوں کو فتح کرنے کے لیے اختیار کیے جانے والے طریقوں میں سے ایک ہو[134]۔ جب پوری طرح مستحکم کیے ہوئے کسی شہر یا قلعہ تک پہنچنا اس کے آس پاس کی دریاؤں میں سیلاب کی وجہ سے مشکل ہو جاتا تھا، تو پانی کو نئے راستوں کی طرف موڑ دینے کی کوشش کی جاتی تھی جب کرشن دیورائے اس شہر کے محاصرہ کے لیے روانہ ہوا جہاں کتور (CATAIR.) کے علاقہ کا سردار رہتا تھا۔ تو اس میں اسے ناکامی ہوئی اس لیے کہ شہر پانی سے گھرا ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے دریا کو "پچاس مختلف راہوں" میں موڑ دیا جس کے نتیجہ میں اصل دریا کا پانی صاف ہو گیا اور کرشن دیورائے قلعہ بند شہر کی دیواروں تک پہونچنے میں کامیاب ہو گیا[135]۔

رائے واشکو اس سلسلہ میں چند دلچسپ تفصیلات پیش کرتی ہے کہ کسی مخصوص قلعہ پر قبضہ کے بعد کیا کیا جاتا تھا۔ اس کے مطابق کرشن دیورائے نے شہر احمد نگر کے مضافات پر باآسانی قبضہ کر لیا اور دشمن کے سواروں سے شہر کے باہر ایک زبردست جنگ لڑی۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمنوں کے ۲,۵۰۰ سوار مارے گئے اور بادشاہ نے مکمل فتح حاصل کی۔ قلعہ میں مقیم فوج نے خیال کیا کہ وہ کرشن کے محاصرہ کا دفاع نہ کر سکیں گے لہٰذا قلعہ پر حملہ سے بچنے کے لیے انہوں نے اسے خالی کر دیا اور اپنے علاقہ میں لوٹ گئے۔ اس طرح کرشن دیورائے نے نہایت آسانی سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حکم دیا کہ تمام استحکامات کو برباد کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جہاں استحکامات قائم کیے گئے تھے وہاں ریندی کے بیج لگائے جائیں[136]۔

لیکن ان مثالوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قلعوں کو فتح کرنے کے لیے مختلف طریقوں کو اپنایا جاتا تھا اور اس کے لیے کوئی سخت یا ناقابل تبدیل اصول ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ کس طرح ایک قلعہ پر قبضہ کیا جائے۔ اس لیے کہ جو طریقے اپنائے جاتے تھے وہ حالات پر منحصر ہوتے تھے۔

فصل ششم
فوجی تنظیم

فوج کا محکمہ حکومت کے بہت سے شعبوں میں سے ایک تھا اور وہ وجے نگر کے زمانہ

ہیں اس کو کندا چارا (KANDACARA.) کہا جاتا تھا[136]۔ فوجی محکمہ اور فوج کے مختلف افسروں کے بارے میں ہمیں کتبات سے بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ فوجی محکمہ کا سربراہ ایک اعلیٰ افسر ہوا کرتا تھا جسے سیناپتی[137]، سروسینا ادھیکاری[138]، اور دلوائے (DALAVAY.) کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ وہ فوجی محکمہ کی انتظامیہ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ وزراتی کونسل کا ایک ممبر ہوتا ہو۔ یہاں ایک ڈنڈ نایک اور ایک دلوائے کے درمیان فرق کو بتانا ضروری ہے۔ ڈنڈ نایک کا خطاب عمومی حیثیت رکھتا تھا جس کے حامل حکومت کے بہت سے افسران ہوا کرتے تھے جبکہ دلوائے کا خطاب ایک خصوصی خطاب تھا جو فوج کے انچارج افسران کو حاصل ہوتا تھا[140]۔

جہاں تک فوج کے معمولی افسروں کا تعلق ہے، نونیز ان میں سے دو کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان میں ایک محل کے محافظ دستہ کا کمانڈر ہوتا تھا اور دوسرا گھوڑوں کا منتظم اعلیٰ (CHIEF MA-STER.)[141]۔ ہاتھیوں کے انچارج افسر کے متعلق وہ کچھ نہیں بتلاتا۔ چونکہ فوجی تنظیم بڑی حد تک جاگیردارانہ اصول پر مبنی تھی لہٰذا ہمیں فوجی افسروں کے مختلف مرتبوں کا تذکرہ نہ تو کتبات میں ملتا ہے اور نہ ادب میں۔ لیکن غیر ملکی سیاحوں کے بیان سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوجی کمانڈر کا مرتبہ گھوڑوں کی اس تعداد پر مبنی ہوتا تھا جن کے رکھنے کی ان کو اجازت تھی۔ پائز کہتا ہے کہ "ان میں سے چند آدمی جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے پاس دو یا تین گھوڑے ہیں جب کہ دوسروں کے پاس ایک سے زیادہ گھوڑا نہیں ہے"[142]۔ 1447ء کے ایک کتبہ میں ایک ایسے سردار کا تذکرہ ملتا ہے جس کے پاس ایک ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ پیادے تھے[143]۔

سپاہیوں کو عموماً شاہی خزانے سے تنخواہ دی جاتی تھی اس بات کی توثیق غیر ملکی سیاحوں کی تصانیف سے ہوتی ہے۔ لیکن مصنفین نے تنخواہ کی ادائیگی کے وقت کے بارے میں جو تفصیلات دی ہیں، ان میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالرزاق کہتا ہے۔ "سپاہیوں کو تنخواہ ہر چار ماہ پر ملتی ہیں اور کسی کے پاس صوبوں کے محاصل میں سے دی ہوئی کوئی جاگیر نہیں ہے"[144]۔ پائز کہتا ہے کہ بادشاہ (کرشن دیو رائے) نے اپنے فوج کا معائنہ کیا اور سب کو تنخواہیں دیں اس لیے کہ یہ سال کا آغاز تھا اور ان کے یہاں رواج یہ تھا کہ تنخواہیں سال بہ سال ادا کی جائیں[145]۔ لیکن نونیز سپاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے (جن میں سوار، نیزہ باز، ڈھال بردار، ہاتھیوں کے اصطبلوں پر متعین افراد، سائیس، گھوڑوں کو تربیت دینے والے، اور اہل حرفہ مثلاً لوہار، معمار، بڑھی اور دھوبی شامل ہیں) کہتا ہے "یہ وہ لوگ ہیں جو اس کے ملازم ہیں اور جنھیں وہ روزانہ تنخواہ دیتا

ہے۔ وہ انھیں محل کے دروازے پر ان کی تنخواہیں دیتا ہے[146]۔" یہ ممکن ہے کہ جو سپاہی شاہی ملازمت میں تھے انھیں ان کے ضروریات کے لیے روزانہ صرف ان کا یومیہ الاؤنس دیا جاتا تھا نہ کہ ان کی تنخواہیں۔ اگر نونیز کا مطلب اپنے بیان سے یہ ہے کہ سپاہیوں کی تنخواہیں بھی انھیں روزانہ دے دی جاتی تھیں تو شاید وہ غلطی پر ہے۔ لیکن عبدالرزاق اور پائز کے بیانات کے درمیان اختلاف کی توجیہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ کرشن دیورائے کے زمانہ سے سپاہیوں کو تنخواہ دینے کے طریقے میں ایک تبدیلی عمل میں آئی نیز یہ کہ سالانہ ادائیگی کو سال میں تین ادائیگیوں پر ترجیح دی گئی۔

پھر بھی غیر ملکی تاریخ نگار ہیں جو ہمیں تنخواہوں کی اس رقم کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں جو سپاہیوں کو ملتی تھیں۔ بربوسا کے مطابق سپاہیوں کی ماہانہ تنخواہ چار سے لے کر پانچ پرداؤ تک تھی جس کے متعلق ڈیمس کا اندازہ ہے کہ وہ ایک پونڈ دس شلنگ اور ایک پونڈ سترہ شلنگ اور چالیس کے درمیان تھی، یا ہندوستانی روپے کے حساب سے تین روپے آٹھ آنے اور اٹھائیس روپے کے درمیان تھی۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ "اس رقم کو موجودہ دور میں بھی کم نہیں شمار کیا جا سکتا۔ اور سولہویں صدی کے شروع میں، اگر اسے دوسری رعایتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ پیسے کی بہتات تھی[147]۔" پائز بھی ہمیں حفاظتی دستہ کے سپاہیوں کی سالانہ تنخواہ کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرتا ہے۔ وہ بتلاتا ہے کہ بادشاہ کی فوجوں کا معائنہ کیا جاتا تھا جس میں سپاہیوں کی شناخت کی جانچ کی جاتی تھی اور انھیں تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ اس کے مطابق حفاظتی دستہ کے سپاہیوں کی تنخواہیں چھ سو اور ایک ہزار پرداؤ کے درمیان تھیں اس طرح اعلیٰ ترین فوجی افسر کی سالانہ تنخواہ تقریباً ۶۷ ہزار روپے ہوتی تھی جو ان غیر معمولی رعایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جن سے وہ مستفید ہوتے تھے بہرحال تسلیم کرنا پڑیگا کہ کسی طرح بھی کم نہ تھی[148]۔

جو لوگ فوجوں کو ضروری اشیاء فراہم کرتے تھے، حکومت اس کے معاوضہ میں انکو زمینیں دے دیا کرتی تھی۔ ایک کتبہ مورخہ 1558ء میں، جو چیتل درگ ضلع کے کاورے (KAURE) مقام سے دستیاب ہوا ہے، زمین کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو پہلے تو فوجیں رکھنے کے لیے دی گئی تھی لیکن بعد میں لگان سے مستثنیٰ قرار دے کر کاورے گاؤں کے سیلے، ہول کودج (LAL KODAGE) اور اوراکودج (URAKODAGE) لگان کی حیثیت سے رام پاگوداکو دے دی گئی۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اراضیوں کی لگان ادا کیے بغیر، ان

سے سارے گاؤں والے مستفید ہو سکتے تھے اس شرط پر کہ وہ فوج کے لیے چارہ مہیا کرینگے[149]
۱۴۶۶ء کے ایک دوسرے کتبہ میں درج ہے کہ مہامنڈل الیشور پرتاپ راے
(MAHAMANDALE'S VARA PRATAPA RAJA.) نے مائی کوتارا پورا (MAYI KOTTA - PURA.) کے ڈیسائی پداسپیاریڈی (PEDDA CEPPAPPA REDDI.) کو خدمت گذاری کا ایک مانیہ (MARYA.) عطا کیا گیا تھا۔ اس نے لکھا ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ جو زمینیں فی الحال سمدر۔کل آچارا (SAMUDRA-MOTACARA.) میں تمہارے عوام کے تصرف میں ہیں۔ وہ ہمارے گھوڑوں کے لیے گھاس مہیا کرنے کی خدمت کے عوض تمہارے عوام کے لیے، خواہ وہ کہیں رہیں، مندرجہ محاصل سے مستثنیٰ رہینگی۔ تمہیں اس بات کی آزادی ہے کہ تم اپنی اپنی جگہوں پر زمینوں کی اچھی طرح کاشت کرو اور جو بھی فصل تم پیدا کرو اس سے تمام مندرجہ حقوق کے ساتھ، فوج کی کسی مزاحمت کے بغیر نسلاً بعد نسلٍ مستفید ہوتے رہو"[150]

ہر سال مہانومی تیوہار کے اختتام پر بادشاہ پوری فوج کا معائنہ کرتا تھا غالباً فوجوں کے معائنہ کا یہ رواج وجے نگر کے دورِ حکومت سے قبل ہندوستان کی ہندو مملکتوں میں رائج نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رواج مسلمانوں میں تھا اور شاید اپنے شمالی پڑوسیوں کی نقل میں وجے نگر کے حکمراں فوجوں کا سالانہ معائنہ کرتے تھے۔ پائز جو بادشاہ کرشن دیورائے کے اس طرح کے معائنوں میں سے ایک کا عینی شاہد تھا، اس کا ہو بہو نقشہ کھینچتا ہے۔ تمام سپاہی گھوڑے، ہاتھی اور فوجی افسران دارالسلطنت کے قریب اپنے قیمتی لباسوں میں اکٹھا ہوتے تھے۔ بادشاہ اپنی نہایت ہی اعلیٰ پوشاک میں انتہائی شور و غوغا اور جوش خروش کے دوران اپنے سپاہیوں کے درمیان سے ہو کر ایک خیمہ میں داخل ہوتا تھا جو فوج کے ایک طرف نصب کیا جاتا تھا۔ یہاں وہ چند مخصوص رسمیں ادا کرتا اور پھر دوبارہ سپاہیوں کی اسی بھرپور خوشی ومسرت اور پرجوش نعروں کے دوران واپس لوٹ جاتا[151]۔ نونیز یہ بتلاتا ہے کہ جب بادشاہ فوج کے دوسرے کنارے پر پہونچتا تھا تو وہ تین تیر چلاتا تھا، جن میں ایک یدل چاو (YDALL - ACAO.) کی طرف، دوسرا جوتامولو کو (COTAMULOCO) کے بادشاہ کی طرف اور تیسرا ابرتکالیوں کی طرف اور بادشاہ کا طریقہ یہ تھا جس میں تیر سب سے زیادہ دور تک جاتا تھا۔ اسی سمت کے بادشاہ کے خلاف جنگ کرتا تھا[152]۔ بربوسا بھی اس رواج کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم ان رسموں میں ایک تھی جس پر رایان (RAYES) اپنے دشمنوں سے اعلانِ جنگ

کرتے وقت عمل کرتے تھے[153]۔ لیکن پائز اس رواج کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا حالانکہ وہ اس طرح کے معائنوں میں سے ایک کا عینی شاہد بھی تھا۔ لہٰذا نونیز اور بربوسا کے بیانات پر یقین کرنا مشکل ہے پھر بھی یہ ہوسکتا ہے کہ ان تین تیروں کے چلائے جانے کے بارے میں صرف ایک عام تصور ہو۔

یہاں فوجی راستوں کے بارے میں چند باتیں کہنا مناسب ہوگا۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں راستے دو مقصد سے تعمیر کیے جاتے تھے۔ تجارت کی سہولت کے لیے اور فوجوں کے جانے کے لیے۔ وجے نگر کے چند کتبات میں فوجی شاہراہوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ [154]1524ء کے ایک کتبہ میں ڈندنیاداری (DANDINADARI.) اور ڈنڈ مارگ (فوجی شاہراہ) کا ذکر ملتا ہے۔[154] سداشیو رائے کے زمانے کی دو دستاویزات میں بھی، جو بلاری ضلع کے ہلیگرے - HALE) GERA.) مقام سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ڈنڈودوا (DANDUDOVA.) (فوجی راستہ) کا تذکرہ ملتا ہے۔[155]

وجے نگر کی ہندو فوج گو اپنی تعداد میں بہت بڑی تھی لیکن کارکردگی میں کم تھی۔ اسی بنا پر دیورائے دوم نے اپنی فوج میں چند اصلاحات کیں۔ فرشتہ ہمارا واحد ماخذ ہے جو فوجوں کی اس از سر نو تنظیم کے بارے میں بتلاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس (دیورائے دوم) نے اپنے امراء اور سر برآوردہ برہمنوں کی ایک عام مجلس شوریٰ طلب کی۔ اس نے کہا کہ اس کا کرناٹک کا علاقہ وسعت، آبادی اور مالیات میں بہمنی مملکت کے علاقوں سے کہیں زیادہ ہے اسی طرح اس کی فوج بھی تعداد میں بہت زیادہ ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ ان اسباب کو معلوم کیا جائے جن کی بنا پر مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اس کو انھیں خراج دینے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا۔ ۔ ۔ کہ مسلمانوں کی برتری کے دو اسباب ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کے تمام گھوڑے قوی و مضبوط ہیں اور کرناٹک کے دبلے پتلے کمزور جانوروں کے مقابلہ میں زیادہ تکان برداشت کرسکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بہمنی مملکت کے سلطان ہمیشہ اپنے پاس بہترین تیراندازوں کی ایک بڑی جماعت رکھتے ہیں جبکہ رائے نے ان میں سے صرف چند کو اپنی فوج میں رکھا ہے۔

اسی پر ڈی۔ رائے (DEE-RAY) نے مسلمانوں کو اپنی ملازمت میں لیے جانے کا حکم دیا، انھیں جاگیریں عطا کیں، بیجا نگور (BEEJA NUGGAR.) شہر میں ان کے لیے ایک مسجد تعمیر کرائی اور حکم جاری کیا کہ اپنے مذہب کی بجا آوری کے سلسلہ میں ان کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ نیز اس نے یہ بھی حکم دیا کہ اس کے تخت کے سامنے ایک قیمتی میز پر ایک قرآن

رکھ دیا جائے تاکہ مسلمان اپنی شریعت کے خلاف کسی گناہ کا ارتکاب کیے بغیر اس (راے) کی تعظیم بجالاسکیں۔ اس نے تمام ہندو سپاہیوں کو فن تیر اندازی کی تعلیم بھی دلوائی۔ اس سلسلہ میں اس نے اور اس کے افسروں نے اتنی محنت کی کہ بالآخر اس کے پاس دو ہزار مسلمان اور ساٹھ ہزار نہایت ماہر تیر انداز ہندوؤں کی ایک جماعت اکٹھا ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اسی ہزار سوار اور دو لاکھ پیادے بھی تھے جو رواج کے مطابق نیزوں اور برچھیوں سے مسلح تھے[156]۔

وجے نگر کی ہندو فوج میں "مسلمانوں کی شمولیت کا ثبوت دوسری دستاویزات سے بھی ملتا ہے۔ پائز کرشن دیورائے کی فوج کے بارے میں بتلاتے ہوئے کہتا ہے "مور (MOORS.) ایک شخص کو انھیں ہرگز نہ بھولنا چاہئے۔ اس لیے کہ فوج کے معائنہ کے وقت وہ بھی اپنی ڈھالوں، برچھیوں اور ترکی کمانوں، نیز بہت سے بموں، بھالوں اور توپوں کے ساتھ وہاں موجود تھے اور مجھے ان میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو بہت ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان ہتھیاروں کو کس طرح استعمال کیا جائے[157]۔ 1430ء کی ایک دستاویز کے مطابق دیورائے دوم کی ملازمت میں دس ہزار تورسکا (TABUSKA.) سوار تھے[158]۔ 41-1440ء کے ایک دستاویز میں احمد خاں نامی ایک شخص کا تذکرہ ملتا ہے جو بادشاہ ویر پرتاپ دیورائے دوم کا ملازم تھا اور اس نے ایک کنواں تعمیر کیا تھا[159]۔ سداشیو رائے کے ایک کتبہ کے مطابق بادشاہ نے عین الملک[160] نامی ایک شخص کی درخواست پر برہمنوں کو ایک عطیہ دیا تھا۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم تھے ایک نامعلوم تاریخ نگار کہتا ہے کہ رام راج اس عین الملک کو اپنا بھائی کہتا تھا[161]۔

لیکن یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ اگرچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بظاہر اتنا اتحاد تھا، لیکن اس دور میں مسلمانوں کو ہندو فوج میں بھرتی کرنا ایک نہایت خطرناک قدم تھا جو دیورائے دوم نے اٹھایا تھا۔ اگرچہ بادشاہ نے ہندو فوجوں میں ان کی بھرتی بڑے نیک نیتی سے کی تھی، لیکن بالآخر یہ پالیسی تباہ کن ثابت ہوئی جیسا کہ اس کا ثبوت رکسس تنگدی کی جنگ کے دوران ایک نازک موقعہ پر وجے نگر میں ملازم دو مسلمانوں کے غدارانہ رویہ سے ملتا ہے ان کی غداری کی اطلاع ہمیں سیزر فریڈرک (CAESUR FREDRICH.) سے ملتی ہے اگر اس کا تفصیلی بیان موجود نہ ہوتا تو اس تاریخی جنگ میں ہندوؤں کے شکست کے

حقیقی اسباب سے ہم ناواقف رہ جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "یہ چاروں بادشاہ اس شہراور بیجانگر (BIJ - ANAGER.) کے بادشاہ پر غداری کے بغیر فتح نہیں پا سکتے تھے۔ بیجانگر کا یہ بادشاہ غیر مسلم تھا اور اس کے دیگر بہت سے کپتانوں میں دو نہایت ممتاز تھے اور وہ مور تھے اور ان میں سے ہر ایک کی ماتحتی میں ستر ہزار اور اسی ہزار آدمی تھے۔ ان دونوں کپتانوں نے ان چاروں بادشاہوں کے، جو مور تھے، ہم مذہب ہونے کی وجہ سے ان سے ساز باز کی کہ وہ خود اپنے بادشاہ کو ان کے حوالے کردیں گے۔ بیجانگر کے بادشاہ نے اپنے دشمن ان چاروں بادشاہوں کی فوجوں کو کوئی وقعت نہ دی اور ان سے جنگ کے لیے شہر سے باہر میدان میں نکل آیا۔ چنانچہ جب فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو جنگ محض تھوڑی دیر جاری رہی، یہ چار گھنٹے بھی نہیں چلی۔ اس لیے کہ جب جنگ شباب پر تھی، دونوں کپتانوں نے اپنا رخ اپنے بادشاہ کے خلاف کرلیا اور اس کی فوج میں ابتری پھیلادی جس سے اتنی زیادہ گھبراہٹ پھیل گئی کہ وہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔[161] انکوٹل ڈوپیرن (ANQUETIL DUPERRON) بھی اس بیان کی تصدیق کرتا ہے اور لکھتا ہے "بادشاہ جس کا ساتھ جنگ کے دوران دو مسلم سرداروں نے چھوڑ دیا تھا مارڈالا گیا۔[163]

یہاں اس بات کا جائزہ لینا مناسب ہوگا کہ وجے نگر کے زمانہ میں کوئی فوجی کاؤنسل بھی ہوتی تھی یا نہیں۔ ہمارے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں ایک عام کونسل ہوتی تھی جس سے بادشاہ مشورہ کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ محض فوجی کاؤنسل نہ تھی۔ امن کے زمانہ میں یہ کاؤنسل مملکت کے عام انتظامات کی طرف توجہ دیتی تھی۔ کاؤنسل کے ممبر ممتاز افراد ہوتے تھے لہذا ریاست کے فوجی اور غیر فوجی سبھی معاملات میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ فرشتہ، دیو رائے دوم کے زمانہ میں وجے نگر کی فوجوں کی از سر نو تنظیم کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بادشاہ نے "اپنے امراء اور سر برآوردہ برہمنوں کی ایک عام کاؤنسل طلب کی"[164] اس سے ظاہر ہوتا ہے اس کی کاؤنسل کے اراکین (ان) مسائل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ نونیز بھی کرشن رائے کی کونسل کا تذکرہ کرتا ہے جس سے اس نے بیجاپور کے سلطان کے خلاف اپنی مہم شروع کرنے کے قبل مشورہ کیا تھا۔[165] لیکن بادشاہ اپنی کاؤنسل کے دیئے ہوئے مشوروں کے کس حد تک پابند تھے؟ اگرچہ جنگ کے مواقع پر بادشاہ اپنی کاؤنسل سے رائے لیتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے مشوروں پر عمل کرنے کے لیے پابند نہ تھے تمام باتیں بادشاہ کے عزم پر منحصر تھیں۔ اگر وہ اتنا طاقتور ہوتا کہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکے، تو وہ یقیناً ان پر

عمل پیرا ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ابراہیم عادل شاہ نے وجے نگر سے بیجاپور کے علاقہ میں بھاگ کر جانے والے ایک شخص سایڈ مرکر (CIDE MERCAR.) کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا تو کرشن دیو رائے نے "اپنی کاؤنسل کے بڑے بڑے سرداروں کو بلوایا" اور ان سے کہا کہ وہ اس سے اس کا پورا پورا انتقام لینے کا عزم کر چکا ہے اور ان سے کہا کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ کاؤنسل کے اراکین کی ان دلیلوں کو کہ مجوزہ جنگ کا سبب نہایت معمولی ہے، اس نے ان سنی کر دیا۔ چنانچہ اپنے زبردست احتجاج کے باوجود بادشاہ کو اپنے فیصلہ پر اٹل دیکھ کر وہ اسے مشورہ دینے لگے کہ اس کو اپنی اس مہم کے لیے کون راستہ اختیار کرنا چاہئے بادشاہ نے ان کے مشورے کی معقولیت کو دیکھ کر اسے قبول کر لیا اور کوچ کے لیے تیار ہو گیا[۱۳۳]۔ نونیز کے اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ بادشاہ کونسل کے اراکین کا مشورہ اس وقت قبول کرتے تھے جب وہ ان کو پسند ہوتے تھے۔

وجے نگر کی فوجیں اپنی زبردست تعداد اور بہتر تنظیم کے باوجود اپنے مسلم پڑوسیوں کی فوجوں کے مقابلہ میں غیر موثر تھیں۔ ممکن ہے کہ سپاہی انفرادی طور پر بہادر رہے ہوں ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ اچھے جنگ آزمودہ سپاہی بھی ہوں لیکن ایک منظم جماعت کی حیثیت سے وہ غیر موثر تھے۔ دیو رائے دوم نے اپنی فوج کی کارکردگی بہتر بنانے کی خاطر چند اصلاحات کی تھیں لیکن وہ ناکافی تھیں اس نے محض شاہی فوج کی تنظیم نو پر اکتفا کیا اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ وجے نگر کی فوجوں میں جاگیرداروں کی طرف سے فراہم کیے جانے والے فوجی دستے بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس کی اصلاحات صوبوں تک نہ پہونچ سکیں یہاں کے لوگ جنگ سے بس ذرا پہلے اپنے اپنے ہلوں کے پھالوں کو تلواروں کے پھل میں بدل لیتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تو وہ پھر کھیتوں میں لگ جاتے۔

جب فوجوں کی تنظیم جاگیردارانہ بنیاد پر ہو تو وہ مضبوط و مستحکم نہیں ہو سکتیں۔ جہاں مرکزی حکومت اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ اپنے احکامات کو نافذ کرا سکے وہاں مرکز گریز رجحانات کا غالب آجانا یقینی ہے۔ جب کبھی حکم دیا جاتا ہے فوجی دستے نہیں بھیجے جاتے اور بسا اوقات مملکت کے صوبے محل کی سازشوں اور ذاتی جھگڑوں میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ وینکٹ دوم کی موت کے بعد جب دارالسلطنت میں جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت جاگیردارانہ نظام کی کمزوری پوری طرح عیاں ہو گئی۔ چنانچہ مملکت کے صدر مقام سے

نسبتاً دور ہونے کی بنا پر مدورا وجے نگر کی مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ مدورا کے نایک حکمرانوں نے وجے نگر کی محکومی کے جوئے کو اتار پھینکنے کی بار بار کوششیں کیں! اس طرح شاہی پالیسی کے ساتھ جاگیرداروں کا تعاون نہ تو پرخلوص تھا اور نہ مستقل۔ مزید براں فوجی تنظیم کی جاگیردارانہ بنیاد ہمیشہ ہی خطرات کا سرچشمہ تھی۔ جاگیردار یا فوجی دستے فراہم کرنے والے ماتحت سرداروں کے پاس خود اپنی ایک مستقل فوج اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ماتحت جاگیردار ہوا کرتے تھے جو اسی کو جوابدہ تھے نہ کہ مرکز میں بادشاہ کو۔ بڑے بڑے جاگیردار خود بادشاہ کی مخالفت کر سکتے تھے بغیر اس اندیشہ کے کہ خود اس کے ماتحت جاگیردار اس کے خلاف بادشاہ کا ساتھ دینگے۔ مملکت میں فوجی تنظیم کی کمزوری کا یہ ایک سبب تھا۔ جب مرکز میں یکے بعد دیگرے کمزور بادشاہ ہوتے اور صوبوں میں مضبوط اور لائق حکمراں، تو مملکت میں اتحاد و ہم آہنگی ناپید ہو جاتی تھی۔ یہ جاگیردار مرکزی حکومت کی موجودگی کو بالکل نظر انداز کر کے ایک دوسرے کے آپس میں برسر پیکار رہتے اور علاقوں میں فوجیں لے کر چڑھ دوڑتے۔ ایک ایسے نظام میں فوجی تنظیم کی کارکردگی موثر نہیں رہ سکتی تھی۔

مزید براں طوائفوں (COURTEZANS.) کی بڑی تعداد باضابطہ طور پر فوجوں سے وابستہ رہتی تھی، اور اس حقیقت نے ہندو فوجوں کی کارکردگی گھٹانے میں کچھ کم کردار نہ ادا کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ بربوسا کہتا ہے کہ بادشاہ نے لوگوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال بھی ساتھ لے جائیں، اس خیال کے ماتحت کہ "جب ان پر بیوی بچوں اور مال و اسباب کی ذمہ داری ہوگی تو وہ بہتر طریقے پر جنگ کریں گے"[۱۴۲]۔ لیکن یہ خیال غلط تھا اس لیے کہ حقیقتاً میدانِ جنگ میں ان کی موجودگی سپاہیوں کے دلوں میں ہمت نہیں پیدا کر سکتی تھی، بلکہ اس سے ان کی نااہلیت میں مزید اضافہ ہی ہوا۔ جس فوج میں عورتیں کثیر تعداد میں ہوں اس کی تباہی عین متوقع تھی۔ لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ اس طرح کے ناموافق حالات میں محض ہندو ہی نہیں لڑتے تھے اس لیے مسلمانوں میں بھی اس طرح کی کمیاں پائی جاتی تھیں۔

بحریہ:۔ وجے نگر کی بحری فوج کے بارے میں چند باتیں کہنا یہاں مناسب ہے۔ بحری فوج کا ایک محکمہ ہوتا تھا جو شاید پردھانی، یا زیادہ اغلب یہ ہے کہ کمانڈر انچیف کی قیادت میں کام کرتا تھا۔ یہ بحری فوج کے بغیر سیلون اور برما کے علاقوں کو مطیع کر لینا ممکن نہ تھا جیسا کہ وہ بظاہر کچھ عرصے تک رہے تھے، لیکن وجے نگر کے سلاطین اپنے اندرون ملک کے

روزمرہ کے نظم و نسق میں اسقدر مشغول تھے کہ اپنی قومی پالیسی کے وسیع تر مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر وہ، دوسری بہت سی ہندو حکومتوں کی طرح اپنی مملکت میں بحری فوج کی تنظیم کو بہتر بنانے میں ناکام رہے جس آسانی سے پرتگالی ہندوستان میں داخل ہو گئے اور انھوں نے لوگوں کو پریشان کیا، خاص طور پر جنوبی ہندوستان کے ماہی گیری والے ساحلی علاقے میں، وہ بڑی حد تک بادشاہوں کے بحری بیڑے سے بے توجہی برتنے کی وجہ سے تھا۔ بلاشبہ عبدالرزاق کہتا ہے کہ مملکت میں تین سو بندرگاہیں تھیں[169] جہاں بڑی سرگرمی رہی ہو گی۔ لیکن ان سے مملکت کی محض تجارتی سرگرمیوں پر روشنی پڑتی ہے نہ کہ بحری طاقت پر سمندروں میں بحری قزاقی عام تھی اور وجے نگر کے بادشاہ اس پر قابو پانے میں ناکام رہے۔ یہ سب پورے طور پر مسلم ایک بحری فوج کے فقدان کی وجہ سے تھا۔

فصل ہفتم

جنگ کا کردار

قدیم ہندوستان میں محض زمین کی ہوس ہی جنگوں کا سبب نہ تھی۔ قدیم ہندو دھرم کے مطابق اگرچہ فریقین کے شدید جانی و مالی نقصانات کا لحاظ کیے بغیر جنگیں کی جاسکتی تھیں تاہم انھیں حق کے لیے ہونا چاہیے تھا۔ امن پسند برہمنوں اور کاشتکاری میں مصروف پرسکون کسانوں کو چھیڑنے کی اجازت نہ تھی۔ اپنے سفر کے دوران شمالی ہندوستان میں ان حالات کو دیکھ کر میگستھنیز بہت خوش ہوا تھا۔

وجے نگر کے دربار میں "ملکی مالیات کے مقابلہ میں غیر ملکی فتح کا موضوع زیادہ مقبول تھا[170] صرف حق کے لیے جنگ و جدل کے پرانے تصورات بلاشبہ لوگوں کے ذہنوں میں تھے مگر سوال یہ ہے کہ نظریات پر واقعی طور پر کس حد تک عمل کیا جاتا تھا۔ لیکن کرشن دیو رائے نے نہ صرف ایسے اصول ہی بنائے جو جنگی پالیسی کے سلسلہ میں بادشاہوں کی رہنمائی کر سکیں بلکہ بعض مسائل میں ان کے مطابق اس نے عمل بھی کیا۔

1366ء کی جنگ میں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پیش آئی تھی، وجے نگر

کے بادشاہوں نے "کینہ ورانہ سفاکی سے مردوں، عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا تھا" اور بہمنی سلطان محمد شاہ نے بھی ایسی ہی زیادتیاں کیں اور شیر خوار بچوں کو بھی نہ چھوڑا[171]۔ ۱۴۱۷ء میں "ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور میدانِ جنگ میں ان کے سروں کا ایک چبوترہ بنایا، اور سلطان کا خود اس کے ملک میں تعاقب کرتے ہوئے قتل و غارت سے علاقہ کو تہس نہس کر ڈالا۔ سلطان احمد نے ہندو بادشاہ سے اس کا انتقام لیا۔ اس نے وجے نگر کے علاقوں پر حملہ کیا، لوگوں کو بے رحمی سے قتل کیا اور جب مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہونچ جاتی تو وہ تین دن قیام کرتا اور اس خونی واقعہ پر ایک جشن مناتا[172]۔ رام راج نے مسلم علاقوں میں بے رحمی کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اس نے ان کی مسجدیں تباہ کیں، مسلم عورتوں کی عزت پر حملہ کیا اور انتہائی شرمناک تباہیاں پھیلائیں۔ عمارتوں کو نذر آتش اور مسمار کیا، مسجدوں میں اپنے گھوڑے باندھے اور مقدس مقامات میں اپنی گھناؤنی قسم کی عبادتیں کیں۔ لیکن حال کا ایک مصنف عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی جنگوں کے کردار پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جنگ کی ان ہولناکیوں کے مقابلہ میں جو غیر ملکیوں نے ہندوستان میں مچائیں۔ خود ہندوستان میں جنگیں مہذب طریقے پر ہوا کرتی تھیں[173]"۔ لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ شاستروں میں پائے جانے والے اعلیٰ آدرشوں کی پیروی نہ تو وجے نگر کے بادشاہوں نے اپنی عملی پالیسی میں کی نہ ان کے مسلم پڑوسیوں نے۔

لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، کرشن دیو رائے بادشاہوں کی اس عمومیت میں ایک استثنیٰ تھا۔ دشمنوں کے حرم کی جو عورتیں اس کے قبضہ میں آجاتیں وہ ان کے ساتھ عزت کا سلوک کرتا۔ وہ اپنی آمکتا مالیادا میں لکھتا ہے "تم اپنے دشمنوں کے علاقوں اور قلعہ جات پر قبضہ کرو۔ لیکن اگر اتفاق سے دشمن کا حرم تمہارے ہاتھ لگ جائیں تو کوشش کرو کہ ان کی دیکھ بھال اس طرح کی جائے گویا وہ اپنے والدین کے ساتھ ہیں[175]"۔ گجپتی کے خلاف اپنی جنگوں کے دوران کرشن دیو رائے نے بہت سے قیدیوں کو گرفتار کیا تھا جن میں اڑیسہ کے بادشاہ کی بیوی بھی شامل تھی۔ لیکن بعد میں اس سمجھوتے کے مطابق جو ان دونوں حکمرانوں کے درمیان ہوا تھا۔ کرشن دیو رائے نے گجپتی کی بیوی اس کو لوٹا دی[176]۔

کرشن دیو رائے لڑائی میں حصہ نہ لینے والوں کی زندگی کے بارے میں ہمیشہ فکر مند رہتا تھا۔ رائچور کی جنگ کے فوراً بعد اسے اس بات کا سخت صدمہ ہوا کہ بہت سے لوگ بے رحمی سے مار ڈالے گئے۔ اس نے رحمدلی کی بنا پر یہ کہتے ہوئے فوجوں کو واپس ہو جانے کا حکم دیا کہ بہت

سے ایسے لوگ مر گئے ہیں جو بے قصور تھے اور موت کے مستحق نہ تھے۔ اس حکم کی تمام کپتانوں نے فوراً تعمیل کی اور ہر ایک نے اپنی تمام فوجوں کو واپس بلا لیا۔[177] جنگ کے کامیابی کے ساتھ اختتام کے بعد اس نے بہت سے مردوں، عورتوں اور بچوں کو جو جنگ میں قیدی بنائے گئے تھے۔ عام طور پر رہا کر دیا اور رائچور کے باشندوں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ شہر میں رہیں یا چلے جائیں اس نے ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ ان کی تمام املاک سے دست کش رہے گا اور اس نے ان لوگوں کی سرزنش کی جنھوں نے لاوارث اموال کو لوٹنے کی کوشش کی۔[178]

جنگ میں کام آنے والے ممتاز سپاہیوں کی جانوں کا بدلہ مرنے والے کے خاندانوں کو زمین کے بڑے بڑے عطیات دے کر چکایا جاتا تھا۔ 1379ء میں سلی نامی ایک شخص کو جو ملی گوڈا کا بیٹا تھا، اس کی ان خدمات کے اعتراف میں جو اس نے جنگ میں لڑ کر اور جان دیکر انجام دی تھیں، ایک کودج (KODAGE) عطا کیا تھا۔[179] 1421ء میں رائے نایک نامی ایک شخص کے نایکوں کے ساتھ ایک جنگ میں مارے جانے پر اس کی یاد میں اس کے خاندان کو کچھ زمین عطا کی گئی تھیں۔[180] میسور ضلع میں واقع یلندور تعلقہ کے ایک کتبہ مورخہ 1567ء میں ایک سند کا تذکرہ ملتا ہے جو چامرس ودیار (CAMORASA VODEYAR.) کو اس بنا پر عطا کی گئی تھی کہ سنجر خاں نے اس کے باپ دیویا گوڈا کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ اس سند میں اسے ہدی ناد (HADINAD.) کے علاقہ میں گنی گنور تھالا (GARIGNUR THALA.) رکت کودج (VAKTL KODAGE.) کی حیثیت سے عطا کیا گیا تھا۔[181] جنگوں میں نمایاں خدمت انجام دینے پر سپاہیوں کو فوجی خطابات کے انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ ان خطابات میں سے چند یہ ہیں۔ راگھوتّامن دان (RAGHUTTAMINDAN.)، آرش مارت تاندن[182] (ARAS- AMARTTANDAN)، سنگرام دیو (SANGRAMDEVA.) اور سمر موتیرن (SAMAR- AMUTTIRAN).[183]

ایک بات جس کا جائزہ لیا جانا یہاں ضروری ہے وہ وہ طریقہ کار ہے جس کے مطابق وجے نگر کے سلاطین مفتوحہ صوبوں کے نظم و نسق کے انتظامات کرتے تھے۔ "فتح بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں۔ فتح کو دنئی) ذمہ داریاں اور نئے علاقوں کے حصول کو ان کے تحفظ کے لیے ضروری انتظامات کی فراہمی متوازن کر دیتی ہے۔" منصفانہ جنگ کے اصولوں کے مطابق مفتوح

حکمراں کو اس کی جگہ پر دوبارہ بحال کر دینا چاہئے لیکن فاتح کے ماتحت کی حیثیت سے، جہاں ایسا ممکن ہو۔ شمبوورائے (SAMBUVARAYA.) سردار کو، جو پدائی ویدو کی سلطنت پر حکومت کر رہا تھا، شکست کھانے کے بعد اپنی جگہ پر دوبارہ بحال کر دیا گیا تھا، اگرچہ وہ شکست کھا گیا تھا۔ لیکن صرف وجے نگر کے بادشاہ کے ماتحت حکمراں کی حیثیت سے۔ اس کا ثبوت ادب اور کیتبات میں موجود شواہد سے ملتا ہے۔ سالووابھی ادیم (SALUVAPHYUDAYAM.) اور راما بھی ادیم (RAMABHYUDAYAM.) میں درج ہے کہ شمبوورائے کو اس کی شکست کے بعد پدائی ویدو کے بادشاہ کی حیثیت سے دوبارہ بحال کر دیا گیا تھا[184]۔ اس کی توثیق شمالی آرکٹ ضلع میں واقع مادم (MADAM) مقام کے ایک کتبہ سے بھی ہوتی ہے جس میں درج ہے کہ سومیا ڈنڈ نایک کے بیٹے گندر گولی ماریا نایک نے، جو کمپن دوم کا مہا پردھانی تھا، ونیرومان شمبوورائے (VENRUMAN SAMBUVARA) کو شکست دیکر گرفتار کر لیا تھا اور راج گمبھیر ملائی (RAJA-GAMBHIRAMALAI.) پر قبضہ کر لیا تھا[185]۔ لیکن مدھورا وجیم (MADHURA VIJAYAM) کے مطابق سردار شمبوورائے کو کمپن نے ایک ہی حملہ میں شکست دیدی تھی اور مار ڈالا تھا[186]۔ بظاہر یہ شاہی شاعرہ کا ایک مبالغہ آمیز بیان ہے جو غالباً اس نے اپنے بادشاہ کے کارناموں کی تعریف و تحسین کی خاطر پیش کیا ہے۔

کرشن دیو رائے کی بعض دستاویزات سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امت تور (UMMATTUR.) کے سردار گنگا راجہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد اس نے صوبہ دوبارہ باغی گورنر کے خاندان کے حوالہ کر دیا[187]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تیرک نامبی (TERA-KA NAMBI) صوبے کو جو غالباً گنگا راجہ کے علاقے کا ایک حصّہ تھا۔ اپنے قبضہ میں رکھا اور سالووتما کے بھائی گووند راجہ کو اس کا گورنر تقرر کیا[188]۔

فصل ششم

خارجہ پالیسی

ہر وسیع و عریض مملکت کو بہت سے اہم مسائل حل کرنے ہوتے ہیں انھیں میں سے

ایک مسئلہ خارجہ پالیسی کا ہے اور اس کی نوعیت عموماً پیچیدہ ہوا کرتی ہے وجے نگر کی مملکت اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ اسے ایک موثر اور چوکس غیر ملکی پالیسی اختیار کرنی پڑتی تھی جو اس کی پوزیشن کو مستحکم کر سکے۔ شمال میں مسلمانوں، شمال مشرق میں گجپتیوں (GAJAPATIS) ، مملکت کی سرحدوں پر آباد سرکش باجگذار جاگیرداروں، اور مشرق و مغرب کے ساحلی علاقوں پر پرتگالیوں کے درمیان گھرے ہونے کی بنا پر وجے نگر کے بادشاہ ایک مشکل سے دوچار تھے۔ مذہبی تشدد اور نسلی تعصبات یقیناً مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات پر کسی حد تک اثر انداز ہوتے تھے۔ لیکن یہ بات کہنی پڑے گی کہ وجے نگر کے بادشاہ اس معیار سے نیچے نہیں اترتے جو قدیم ہندوستان کے بادشاہوں نے اپنی غیر ملکی پالیسی کے لیے قائم کیا تھا۔

ان کی پالیسی کی ایک نمایاں خصوصیت سرحدی گورنروں کا تقرر تھا جن کی حیثیت سرحدوں کے محافظ کی ہوتی تھی اور جو وجے نگر کے علاقوں پر غیر ملکی حملوں کے مستقل اندیشے اور غیر ملکی پر ہونے والی بغاوتوں کے پیش نظر اس زمانے میں انتہائی ضروری تھے۔ اس طرح کی درمیانی (BUFFER.) ریاستوں میں مغرب اور جنوب میں بنگاپور (BANGAPOR.) گسوپا (GASOPA) بچنور (BACANOR) کلیپو (CALEM.) بٹیکل (BATECALA.) اور بہت سی دوسری سلطنتیں شامل تھیں۔ کرشن دیو رائے اس پالیسی سے متعلق جو پڑوسی ریاستوں اور ان کے افسروں کے ساتھ اپنائی جانی چاہئے، چند ٹھوس مشورے دیتا ہے وہ کہتا ہے "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرحد پر واقع غیر ملکی (دشمن کے) قلعداروں پر بآسانی غلبہ پالو گے تو مناسب یہ ہے کہ تم اس کو فتح کر لو۔ لیکن ایک غیر ملکی (دشمن کے) قلعہ کا قلعدار تمہارے کس کام کا جب خود تمہارے قلعہ کا حاکم تمہارا دشمن ہو؟ لہٰذا قلعہ کی حفاظت خود اسی کی خاطر کی جانی چاہیئے"[119] اسی طرح جنگلی قبائل کو زیر کرنے کے سلسلہ میں اس بادشاہ کے مشورے نہایت کارآمد اور دانشمندانہ ہیں، نیم مہذب اور سرکش قبائل سے نمٹنے کے لیے وہ چاہتا ہے کہ ان کے نفسیات کو ملحوظ رکھا جائے۔ وہ کہتا ہے کسی ریاست میں جنگل کے لوگوں (جنگلی قبائل) کی تعداد بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو بادشاہ کے لیے یہ کوئی معمولی دشواری نہیں ہوگی۔ بادشاہ کو ان لوگوں کے دلوں سے خوف و دہشت کو نکال کر انھیں اپنا بنانا چاہئے اس لیے کہ اس طرح کے لوگ بہت ہی کم ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ ان کا اعتماد اور عدم اعتماد، ناراضگی اور دوستی، سخت دشمنی اور گہری دوستی معمولی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں . . . انتہائی وحشی جنگلی قبائل کو سچائی کے ذریعے

(ان کے ساتھ اپنے معاہدوں کو نبھا کر) مطیع بنایا جا سکتا ہے[190]۔ مملکت وجے نگر میں اسطرح کے بہت سے جنگلی قبیلے تھے مثلاً کورمبر (KURUMBORS.) اور ان کے نمٹنے میں بادشاہوں نے یقیناً کرشن دیو رائے کے ان اصولوں کی پیروی کی ہو گی جو اس نے اپنی آمکتا مالیاد میں پیش کیے ہیں، مملکت میں نظم وضبط کے قیام کے لیے اہم مقامات پر فوجی چوکیاں یا چھاؤنیاں (پڈائی پڑو) بھی قائم کی جاتی تھیں۔

وجے نگر کے بادشاہوں کی فوجی تنظیم میں ایک نہایت عمدہ نظام جاسوسی کا اضافہ بھی تھا۔ مملکت میں جاسوسوں کو ملازم رکھنے کا رواج ہندوستانی تاریخ کے نہایت قدیم ادوار میں بھی تھا اور جدید ترین ریاستیں بھی اس کی بہت ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ وجے نگر میں یہ خفیہ ایجنٹ ہر جگہ کا سفر کرتے تھے، دشمن ریاستوں کے حالات کے بارے میں خبریں جمع کرتے تھے اور انھیں بادشاہوں تک پہنچاتے تھے۔ کوٹلیہ کی ارتھ شاستر کی طرح آمکتا مالیاد میں بھی درج ہے کہ بادشاہوں کو اپنے وزرا کی نگرانی کے لیے بھی جاسوسوں کا تقرر کرنا چاہیے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود پسند ہو جائیں اور انھیں غیر ضروری باتوں پر عمل کرنے کا مشورہ دیں[191]۔ جاسوسوں کے ذریعہ دی گئی خبروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، اس کا ثبوت اسی تصنیف سے ملتا ہے جہاں مصنف لکھتا ہے کہ "کسی خبر کو ابتدا ہی میں مسترد نہ کر دو بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر بار بار غور کرو۔ اگر اس کی اطلاع غلط ثابت ہو تو اسے الگ کر دو لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ کسی بھی طرح اس کی ہتک نہ ہو"[192]۔ جاسوسوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ دارالسلطنت میں قیام کریں، وہ زبانوں سے آشنا ہوں اور دوسرے ممالک کے جاسوسوں سے واقف ہوں۔ ان کی کوئی خاص علامتیں نہ ہوں اور انھیں بادشاہ کی جانب سے ان کی توقع سے زیادہ رقم ملے۔ کرشن دیو رائے صاف صاف کہتا ہے کہ "ہر کس و ناکس کو یہ پیشہ نہیں اختیار کرنا چاہیے"[193]۔

اس زمانہ کی جنگوں میں جاسوسوں کو استعمال کرنے کی تصدیق بہت سے مصنفین نے کی ہے۔ کرشن رائے وجے مو (KIRSNARAYA VIJAYAMU.) میں درج ہے کہ کرشن دیو رائے نے اپنے شمالی پڑوسیوں کی سلطنتوں میں اپنے جاسوس بھیجے تاکہ ان کی نقل وحرکت کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ اور وہ ان کی سرگرمیوں سے متعلق نہایت اہم خبریں لے کر واپس ہوئے۔ رائے واشکمو کے مطابق یہ جاسوس جنھیں کرشن دیو رائے نے بھیجا تھا، دشمنوں کی طاقت وقوت اور ان مظالم کی خبریں لائے جو انھوں نے کرشن کی مملکت میں ڈھائے

تھے[195]، ہندو فوجوں کے کوچ کا حال بیان کرتے ہوئے نونیز چند جاسوسوں کا تذکرہ کرتا ہے جن کی حیثیت اسکاوٹ کی سی تھی اور جنھیں فوجوں کی پیش قدمی کی سمت کے علاقوں سے جاسوسی کرنی پڑتی تھی اور وہ فوج سے تین یا چار فرسخ آگے آگے چلتے تھے[196]۔

قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ پڑوس کی غیر جانبدار ریاستوں کو اعلان جنگ کی اطلاع دے دی جاتی تھی۔ وجے نگر کے حکمراں بھی اس دستور پر عمل پیرا تھے۔ اس کی واقفیت ہمیں کرشن دیو رائے کی جنگ سے متعلق پالیسی سے ہوئی ہے۔ نونیز کے مطابق اس نے شمال کے مسلم سلاطین کو ان حالات سے آگاہ کیا جو اس کے اور بیجاپور کے سلطان کے درمیان پیش آئے تھے نیز یہ کہ اس نے اس سے جنگ کا فیصلہ کیوں کیا۔ اس کا ان لوگوں نے جواب دیا جس میں اس کے رویہ کو درست قرار دیا اور حتی الامکان اس کی مدد کا وعدہ کیا[197]۔ نونیز خود ان اسباب کا تجزیہ کرتا ہے کہ کرشن دیو رائے نے ایسا کیوں کیا اور کہتا۔ "بادشاہ نے اپنی عیاری کی بنا پر انھیں خطوط لکھے تھے اس لیے کہ اس نے انھیں یہ بتلایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ انھیں اپنی طرف ملا سکے۔ کم از کم جہاں تک ان کی نیک خواہشات کا تعلق تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فوجوں کے سلسلہ میں اسے ان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ اگر وہ یدلکاؤ (عادل شاہ ؟ YDALLGAO) سے جاملے تو (بادشاہ) نے جو فتح حاصل کی تھی، اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتا[198]۔"

سفارتی نمایندوں کو جب کبھی ضرورت پیش آجاتی، غیر ملکی درباروں میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کا تقرر غیر ملکی درباروں میں "ایک مخصوص نوعیت کے ایک خاص کام" کو انجام دینے کے لیے کیا جاتا تھا۔ سفیروں کو کسی ایک دربار کی جانب سے مستقل طور پر ایک دوسرے دربار میں بھیجے جانے کا طریقہ موجودہ دور کی پیداوار ہے اور یہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں غیر معروف تھا[199]۔ سفیر کا عہدہ اگرچہ عارضی ہوا کرتا تھا لیکن انتہائی اہم ذمہ داریوں کا حامل تھا۔ اعلان جنگ اور اس کی اطلاع نیز امن کا فیصلہ یہ تمام باتیں انھیں سفارتی نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوتی تھیں۔

یہ سفراء جہاں بھی جاتے، ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی اس لیے کہ وہ اپنے اپنے بادشاہوں کے معتمد نمایندے ہوتے تھے۔ کرشن دیو رائے بالکل صحیح کہتا ہے کہ "ایک دشمن بادشاہ کی دوستی اس کے سفیر کی عزت افزائی کر کے اور اسے انعامات دے کر حاصل کی جاسکتی

ہیتے[201]"۔ اور بے عزتی کا سلوک جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اگر فرشتہ پر یقین کر لیا جائے تو
جب محمد شاہ نے وجے نگر کے خزانے سے ایک مطالبہ کے ساتھ بکّاروں کے دربار میں اپنا
ایک سفیر بھیجا، تو اسے ایک گدھے کی پشت پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا گیا اور ہر طرح
کے تمسخر اور حقارت کے ساتھ اسے واپس بھیجدیا گیا چنانچہ یہ بات جنگ کا موجب بنی۔ لیکن
کرشن دیورائے عام طور پر اپنے مقولہ پر ہی عمل کرتا تھا۔ اس نے ان قاصدوں کو بھی بہت
سے تحائف دیئے جو برار، بیدر اور گولکنڈہ کے سلاطین کے وہ خطوط لائے تھے جن میں انھوں
نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ بیجاپور کے عادل شاہ کی مدد کریں گے تاکہ وہ اپنے کھوئے ہوئے
علاقوں کو واپس لے لے الّا یہ کہ کرشن دیورائے خود اپنی مرضی سے انھیں واپس دے دے[202]۔
کرشن دیورائے کے مطابق ایک سفیر کے ساتھ بے تکلف گفتگو ضروری تھی اور وہ کہتا ہے
"ایک بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دربار میں پڑوسی ریاستوں کے بادشاہوں کے
سفراء سے آزادانہ طور پر تبادلہ خیال کرے اور نظم ونسق اور جنگ کے بارے میں ان سے
گفتگو کرے تاکہ اس کے ساتھی اس کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکیں[203]"۔

سفیر ہمیشہ ایک نہایت معزز شخص ہوتا تھا۔ اس کی اہمیت اس کے مشن کی اہمیت
کے ساتھ ہی بڑھ جاتی تھی۔ مثال کے طور پر بیجاپور کا سفیر جو وجے نگر کے بادشاہ کے پاس
ایک نہایت اہم پیغام لے کر آیا تھا، اپنے ان تمام آدمیوں کے ساتھ آیا تھا جن کے ساتھ ان
کے بگل اور نقارے بھی تھے[204]۔ اسے ہندو بادشاہوں نے کچھ تحائف بھی دیئے۔ جب عبدالرزاق
دیورائے دوم کے دربار میں آیا تو اسے فنم (FANAMS.) کی کئی تھیلیاں اور وہ پان دیا گیا
جو بادشاہ کے استعمال کے لیے مخصوص تھا[205]۔

وجے نگر کے بادشاہ غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ان کے
درباروں میں سفیر بھیجتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد یا تو ان سے ربط پیدا کرنا ہوتا تھا یا پرانی
دوستی کو تازہ یا مضبوط کرنا۔ 1374ء میں بکّا اول نے چین کے منگ (MING.) بادشاہ تیتسو
(TAITSU.) کے دربار میں اپنے شارح اعلیٰ (CHIEF EXPLAINOR.) کی قیادت میں
نذرانوں اور بڑے بڑے تحائف کے ساتھ ایک دوستانہ سفارت بھیجی تھی۔ ان تحائف میں ایک
ایسا پتھر بھی شامل تھا جس میں زہر کے اثر کو ختم کر دینے کی خاصیت تھی[206]، لیکن اس سفارت
کے مقصد کا معلوم کرنا مشکل ہے حتیٰ کہ سفیر کا نام بتانا بھی مشکل ہے۔ ایرانی سفیر عبدالرزاق 1443ء

میں وجے نگر آیا تھا۔ اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنے بادشاہوں کے تعارفی خطوط نہیں ہوا کرتے تھے ان کے ساتھ زیادہ عزت و احترام کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا تھا، گو خود عبدالرزاق کو بادشاہ کی خاصی توجہ حاصل رہی اس لیے کہ اس نے اسے اپنے یہاں کالی کٹ کے سمیری (SUMBRI.) دربار سے بلایا تھا جن کے نام تنہا وہ تعارفی خط لایا تھا دیو رائے کے دربار میں یہ خبر پھیل گئی کہ وہ ایران کے بادشاہ کا روانہ کردہ سفیر نہ تھا[207]۔ لہٰذا دیو رائے دوم نے ایرانی بادشاہ شاہ رخ کے پاس ایک سفیر بھیجا جس کے ہمراہ تحائف و سوغات کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ "ہماری خواہش تھی کہ ہم آپ جلالت الملک کی خدمت میں شاہی تحائف ہدایا کے ساتھ اپنے نیک خواہشات بھیجیں لیکن بعض لوگوں نے بتایا کہ عبدالرزاق ملک معظم کا ملازم نہیں ہے[208]۔

یہ پرتگالیوں سے دوستی قائم رکھنے کی خواہش تھی جس کی بنا پر ہی وجے نگر کے بادشاہوں نے گوا میں مقیم ان کے وائسرایوں کے دربار میں اپنے سفراء بھیجے۔ ان کے لیے ان کی دوستی کی اہمیت کے دو اسباب تھے ایک تو یہ کہ وہ گھوڑوں کی تجارت کی پوری اجارہ داری حاصل کر سکتے تھے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جنگوں میں ان کا تعاون تھا۔ 1511ء میں کرشن دیو رائے نے پرتگالی دربار میں اپنا سفیر بھیجا تھا "تاکہ پرتگال کے بادشاہ کے ساتھ مستقل دوستی قائم کی جاسکے"۔ اس کے جواب میں پرتگال کے بادشاہ نے بھی، جو خود بھی وجے نگر کے ساتھ دوستی کا خواہاں تھا، ایک سفیر بھیجا[209]۔ 1601ء میں وینکٹ دوم نے نئے پرتگالی وائسرائے آیرس ڈی سلادنا (SALADANA) کے پاس اپنے سفراء بھیجے۔ اس سفارت کا مقصد بادشاہ کی "یہ خواہش تھی کہ وہ پرتگال کے بادشاہ کا "شریک جنگ (BROTH IN ARMS) (حلیف) بن جائے"۔ غالباً اس کی وہ یہ تھی کہ وہ اکبر کے ممکنہ منصوبوں کے خلاف جو جنوبی ہندوستان کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اپنی پوزیشن مستحکم کرنا چاہتا تھا[210]۔ بادشاہ نے پھر اسی خواہش کی بنا پر کہ وہ برطانیہ کے ساتھ دوستی قائم کر سکے۔ مسولی پٹم میں مقیم انگریزی تاجروں کے پاس ایک سفیر بھیجا جس کے پاس سونے کے پتر پر لکھا ہوا ایک خط تھا جس میں اس نے اپنی گذشتہ غلطیوں کی معذرت چاہی تھی اور انھیں اجازت دی تھی کہ وہ پولی کٹ (PULICAT) میں ایک مکان تعمیر کر لیں[211]۔

*

حواشی

باب پنجم

1. ملاحظہ ہو THE MAURYAN POLITY (V.R. R. DIKSHITAR) ص 190 از وی، آر، آر، دکشی تر۔
2. THE RISE ازبرگس (BRIGGS) 2 ص 314۔
3. INDIA ازمیجر (MAJOR) ص 6، سیول (SEWELL) ح، س، ص 82
4. ایلیٹ (ELLIOT) ح، س، 4، ص 105۔
5. ملاحظہ ہو سیول، ح، س، ص 105۔
6. VARTHEMA، از جونس (JONES) ص 126، سیول، ح، س، ص 118
7. باربوسا (BARBOSA) جلد 1، ص ص 209 – 210۔
8. سیول، ح، س، ص 279۔
9. ایضاً ص 280۔
10. ایضاً ص ص 147 اور 326 – 327۔
11. گھتم (GHATTAMA) کی اصطلاح سے مراد، جو سنسکرت لفظ گھٹ (GHATE) کا مماثل ہے۔ جنگی ہاتھیوں کا ایک دستہ ہے۔ رائے واک کمو کے مطابق ایک گھتم دس ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس طرح کرشن دیو رائے کی فوج میں تقریباً 1200 ہاتھی تھے۔
12. سورسیز (SOURCES) از ایس، کے، اینگر، ص 113۔
13. ایضاً ص 131۔
14. THE RISE، ازبرگس (BRIGGS) 3، ص 247۔
15. ایضاً، ص 414۔

16ه COUTO ص 8، 89 ، FARIAY SOUSA ، ج، 2، ص 432- ہراس HERAS نے اپنی ARAVIDU DYNASTY ، ج ، 1، ص ص 200 201 میں حوالہ دیا ہے۔

17ه سیول، ح، س، ص -381۔

18ه ملاحظہ ہو SCENES AND CHARACTERS FROM INDIAN HISTORY از سی، ایچ پاین (C.H. PAYNE)، ص ص 156 اور 57 اور حواشی۔

19ه باربوسا، 1، ص 212۔

20ه ایضاً، ص 212۔

21ه سیول، ح، س، ص 327۔

22ه سیول، ح، س، ص 373۔

23ه ایضاً، ص ص 384-389۔

24ه ایضاً، ص ص 326-327۔

25ه ایضاً، ص 385۔

26ه ایضاً۔

27ه ARMY OF THE MUGHALS ، ص 57۔

28ه امرم (AMARAM) سے مراد وہ زمین یا محاصل ہے جو ایک سردار فوجی خدمت کے عوض اپنے ملازمین دیتا تھا۔ (TAMIL LEXICON) جلد ا، ص 102۔

29ه ولسن کا خیال ہے کہ ایک امرم کا ہر مالک ایک ہزار پیادوں کا کمانڈر ہوتا تھا۔ (INDIAN GLOSSARY ، ص 21)

30ه ایک دستاویز میں کرشن دیو رائے کے ایک دلوائے کا تذکرہ ملتا ہے جن اتھلا (STHALA) میں واقع چند اراضیوں کا اپنے امراپدیا نایکتن (AMAR PADEYANA YAKATAN) مالک تھا (ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5، HASSAN 13) اس اصطلاح کے لغوی معنیٰ خود اپنی امرا فوج کے نایک کے ہیں۔

31ه انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 743-

ؔ32 سیول، ح، س،ص 374۔

ؔ33 ایضاً۔

ؔ34 ایضاً،ص 327۔

ؔ35 ایضاً،ص ص 371-372۔

ؔ36 JOURNAL OF INDIAN HISTORY ،ص 288۔

ؔ37 اس ضمن میں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض اعتبار سے یہ سوار اور بادشاہ کے خدمت گذار مغل دربار کے امراء سے بھی کچھ مماثلت رکھتے تھے ۔برنیر (BERNIER) امراء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ" دربار کا ہر امیر ایک خاص جرمانے کے تحت اس بات کا پابند تھا کہ وہ بادشاہ کی تعظیم بجالانے کے لیے دن میں دوبار دربار میں حاضر ہو، صبح دس یا گیارہ بجے، جب بادشاہ عدل گستری کے لیے وہاں بیٹھتا تھا اور شام کو چھ بجے ۔ ہر امراء کو باری باری ہفتہ میں ایک مرتبہ چوبیس گھنٹے کے لیے قلعہ میں چوکیداری بھی کرنی پڑتی تھی۔

ؔ38 سیول، ح، س،ص 374۔

ؔ39 ایضاً،ص 374۔

ؔ40 آمکتا۔کھنڈ 54 اشلوک 261 اور 255۔

ؔ41 ایضاً، اشلوک 207 اور 217۔

ؔ42 1906 کا 47، رپورٹ 1907، پیراگراف 59۔

ؔ43 باربوسا، 1،ص 212۔

ؔ44 سیول، ح، س،ص 277۔

ؔ45 ایپی گرافیا کرناٹیکا 8 ، سورب (SORAB) 375۔

ؔ46 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 3،ص 33۔

ؔ47 ابن بطوطہ، دی براڈوے ٹریویلرس (THE BROADWAY TRAVELLERS)
ایڈیشن ص 231۔

ؔ48 شکرا کہتا ہے" بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے پیادوں کو سواروں کی تعداد کے مقابلہ میں چار گنا، بیلوں کو اپنے گھوڑوں کی تعداد کا $\frac{1}{5}$ اونٹوں کو $\frac{1}{8}$ ہاتھیوں کو اونٹوں کی تعداد کا $\frac{1}{4}$ ،جنگی رتھوں کو ہاتھیوں کی تعداد کا نصف اور توپیں رتھوں کی تعداد سے دوگنی تعداد میں رکھے" (شکرانیتی (SUKRAANITI

4، 7، 11، 41، ص 128 — SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN THE VIJAYA)
(NAGAR EMPIRE. ، 420 ، ص 128) لیکن تعجب ہے کہ شکراسات کا
تذکرہ کرتا ہے نہ کرچھ کا۔ سلیٹور یہ خیال پیش کرکے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے
"لیکن حقیقتاً شکرا ان دو حصّوں کو قانونی جواز دے رہا ہے جن کا تذکرہ کوٹلیہ نے امدادی فوج
کی حیثیت سے پہلے ہی کیا تھا۔ بیل اور اونٹ، اور اس نے ایک نئی چیز توپ خانہ کا اضافہ
کر دیا جو ارتھ شاستر کے زمانہ میں نامعلوم تھا (ایضاً، ا، ص 420)۔

سے 49 SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN VIJAYANAGAR EMPIRE. ، ا، ص 421۔

سے 50 نیلور انسکرپشنس، ا، ص ص 4 اور 7۔

سے 51 کھنڈ 4، اشلوک 27۔

سے 52 ملاحظہ ہو سلیٹور، ح س، ا، ص ص 18-417۔

سے 53 سیول، ح، س، ا، ت 3۔

سے 54 ارتھ شاستر، باب 2۔

سے 55 THE RISE ازبرگس (BRIGGS)، 3، ص 137۔

سے 56 سیول، ح، س، ص 277۔

سے 57 ملاحظہ ہو سیول، ایضاً، ص 277 اور 2، جہاں وہ کہتا ہے "میں نے بہت سے موقعوں پر وجے
نگر اور اس کے قرب و جوار میں لوگوں کی جماعتوں کو جمع ہوتے ہوئے دیکھا ہے جن کی وضع
قطع کے متعلق انہوں نے مجھے بتایا تھا وہ روایتی ہے۔ وہ ایسے موٹے چھوٹے چغے اور پتلی
مہری کے اونچے سوتی پائجامے پہنتے تھے جن کے رنگ گہرے سرخ یا بادامی ہوتے تھے جو
صحرا کے کاموں کے لیے نہایت موزوں تھے لیکن وہ ہمارے انگریزی خاکی رنگ سے کچھ
زیادہ گہرے رنگ کے ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے سنجیدہ لہجے میں مجھے بتایا کہ یہ رنگ بڑی
حد تک زخموں سے رسنے والے خون کے دھبوں کو چھپا لیتا تھا۔"

سے 58 ایضاً، ص 277۔

سے 59 ایضاً، ص ص 304 اور 328۔

سے 60 مدھوراوجیم، کھنڈ 6، اشلوک 22 اور 24۔

61ھ سیول، ح، س، ص 328 ۔

62ھ 1910 کا 179۔

63ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، سورب 191۔

64ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 3، دیباچہ ص 34 ۔

65ھ آمکتا، کھنڈ 1، اشلوک 42 ۔

66ھ فرشتہ، از اسکوٹ ، ملاحظہ ہو سیول، ح، س، ص 72 ۔

67ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 262 ۔

68ھ ایضاً، اشلوک 238 ۔

69ھ سیول، ح، س، ص ص 381 — 382

70ھ ایضاً، ص 307 پانڈے سلطنت (PANDAYAN KINGDOM) کے متعلق مارکوپولو (MARCAPOLO) کے اس طرح کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو — (THE PANDAYAN KINGDOM) ، از کے، اے، نیل کانت شاستری — (K. A. NIL KANT SASTRI) ص ص 192-193۔

71ھ ڈیمس کے اندازے کے مطابق تقریباً 2325 تا 3375 روپے تک، باربوسا، 1، ص 210 ۔

72ھ سیول، ح، س، ص 361 اور حاشیہ 2 ۔

73ھ ایضاً، ص 381 ۔

74ھ باربوسا، ص 210 ۔

75ھ سیول، ح، س، ص 381 ۔

76ھ باربوسا، 1، ص ص 210-211 ۔

77ھ سیول، ح، س، ص ص 275-277 گدے دار جبّوں کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً ص 276، 2۔

78ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 105۔

79ھ انڈیا از میجر (MAJOR) ص 12۔

80ھ ایضاً، ص 51۔

81ھ سیول، ح، س، ص 328۔

82ھ ایضاً، ص 277 ۔

83ھ "THE RISE "، از برگس (BRIGGS) 2، ص 312۔

84ھ ایضاً۔

85ھ شکر، 4، 2 اشلوک 60-63، سلیٹور، ح س، 1، ص 431۔

86ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 68۔

متن کی عبارت یوں ہے۔ " (MADDINA SEVA YUM NADASITTUDA.)

ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو، جو دواؤں کی خدمت پر مامور تھا "یعنی" جو اپنے پیشہ میں ایک طبیب تھا"

87ھ سیول، ح س، 328۔

88ھ کھنڈ 4، اشلوک 264۔

89ھ باربوسا، 1، ص 224۔

90ھ سیول، ح، س، ص ص 324-325۔

91ھ SOURCES، از ایس، کے، اینگر، ص 91۔

92ھ ایضاً، ص 111، کرشن رائے کے استقبال کے حوالے کے لیے ص 130 بھی ملاحظہ ہو۔

93ھ ایضاً ص 111۔

94ھ سیول، ح، س، ص 328

95ھ ایضاً، ص 326، ساہتیہ رتناکرم SAHITYARATNA KARAM، کھنڈ 14، اشلوک 30-34۔

96ھ باربوسا، 1، ص 224۔

97ھ ایضاً، ص ص 227-228۔

98ھ سیول، ح، س، ص ص 332-334۔

99ھ ایضاً، ص ص 328-329۔

100ھ تیرو ملائی تیروپتی دیوستھنم انسکرپشنس- (TIRUMALAI TIRUPATI DEVAS DEVASTHANAM - INSCRIPTION.) 1، نمبر 236۔

101ھ سیول، ح، س، ص 336۔

102ھ ARAVIDU DYNASTY، از ہرس، 1، ص 204۔

۱۰۳ے SOURCES ، از ، ایس ، کے ، اینگر ، ص ۱۰۲ ۔

۱۰۴ے رائس کے مطابق ۱۴۰۳ء کے ایک کتبہ میں لڑائی کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ملتا ہے جیسے سام برانی (SAMBRANI) کہا جاتا تھا اس میں درج ہے کہ ہانا یک اچاریہ نے ایک لڑائی کا نظارہ کرنے کے لیے بایاں پیر آگے بڑھایا اور دایاں پیر سام برانی طریقے پر رکھا لیکن نگر جونا کوٹ (NAGAR JUNAKOTE.) کی ایک جنگ میں سیناپا نامی ایک شخص اپنے مالک کے سامنے کندابوا (CANDA BOVA) سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور دیوتاؤں کی دنیا اور دیوتاؤں کے قدموں میں پہونچ گیا۔ کتبہ میں مستعمل واقعی الفاظ یہ ہیں ۔۔ YEDADA KALA SACIBALADA KALA SAMBRANI RANA. لیکن کناڑا کے متن میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ رائس نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ کناڑا کے متن میں سومبرانی رانا SUAMBRANI RANA. کا لفظ ہے اور لفظ "فیشن" FASHION کے اضافہ کی کوئی جواز نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کا حوالہ دیا گیا ہے جو غالباً سومبرانی نام کے ایک مقام پر لڑی گئی تھی ۔ (ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا (EPIGRAPHIA CARNATICA.) ۱۱، ۴۲

۱۰۵ے میسور آرکیولوجیکل رپورٹس ۱۹۲۵ ، نمبر ۱۱۱، لیکن نرسمہا کے عہد سے قبل بھی سالووا لوگوں کا خطاب کتھاری ہوتا تھا۔

۱۰۶ے کھنڈ ۴ ، اشلوک ۷۷-۸۲ ۔

۱۰۷ے ربوسا ، ۱ ، ص ۲۲۵ ۔

۱۰۸ے ایضاً ، ص ۲۲۵ حاشیہ ۔

۱۰۹ے پدوکوتائی ریاست میں کیرانور (RIRANUR.) مقام سے دستیاب مورخہ ۱۵۳۷-۳۸ کی ایک دستاویز میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک بددعا درج ہے از سیتم برم پر خدا کی لعنت ہو اس کے ان گناہوں کی وجہ سے جو اس نے گھاس پھوس سے بنی جھونپڑیوں کو جلا کر کیا ہے "

(சிகம்பரம் சிவாழி புன் ஒரு பிருக்கு வெஞ்ஞிலை நெரிப்பிட்ட பாவத்திலே- வபோகடவன்.)

(انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ ۷۴۴) ۔ لیکن اس میں عارضی طور پر تعمیر کردہ فوجی کیمپوں کو نذر آتش کر دیئے جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ۔

۱۱۰ھ آمکتا، کھنڈ 4 ، اشلوک 255۔

۱۱۱ھ بربوسا، ۱، ص 224۔

۱۱۲ھ SOURCES. ، از، ایس، کے، اینگر، ص ص 159 - 160۔

۱۱۳ھ ایضًا، ص 112۔

۱۱۴ھ THE RISE. ، از، برگس، 2، ص 314۔

۱۱۵ھ سیول، ح، س، ص ص 338 - 339۔

۱۱۶ھ ARAVIDU DYNASTY ، از، ہراس (HEROS.) ، ۱، ص 208 HIS PILGRIMS
از سیزر فریڈرک ، پرچاز (COESOR FREDERICK PURCHES.) ۹، ص 93۔

۱۱۷ھ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، ۱، ص 167 1903 کا 85۔

۱۱۸ھ جرنل آف تیلگو اکاڈمی از، رائے واشمو، 3، ص 30۔

۱۱۹ھ آمکتا، کھنڈ 4 ، اشلوک 256۔

۱۲۰ھ سیول، ح، س، ص ص 243 - 244۔

۱۲۱ھ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 690 ؛ پدائی پرّو کے جو معنی یہاں بتلائے گئے ہیں وہ
مشکوک ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایک فوجی جاگیر MILITARY FIEB. سمجھی جائے۔
مصنف)۔

۱۲۲ھ تراونکور آرکیولوجیکل سیریز TRAVANCORE ARCHACOLOGICAL SERIS. ، 5 ، جز 3 ،
ص 205 یا ملاحظہ ہو۔

۱۲۳ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۱ ، CHITALDRUG. ، 2 ۔

۱۲۴ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰ ، MATUR. ، I ۔

۱۲۵ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5 ، CHANNARAYAPATNA. ، 160۔

۱۲۶ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰ ، MATUR. ، 1۔

۱۲۷ھ ایضًا، 4

۱۲۸ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۱۔

۱۲۹ھ 1921 کا 276۔

130ھ 1921 کا 276۔

131ھ سیول، ح، س، ص 237۔

132ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1924ء، نمبر 111۔

133ھ سیول، ح، س، ص ص 329-331 اور 343-344۔

134ھ ایضاً، ص 321۔

135ھ "SOURCES." از ایس، کے، اینگر، ص ص 114-115۔

136ھ "MYSORE GAZETT." از رائس، ا، ص 579، ایپگرافیا کرناٹیکا، 11، (JAGALUR.) 24، یہ اصطلاح دونوں لفظوں اسکندا (SKANDA) اور آچاریہ (ACARA.) سے مل کر بنا ہے جس کے معنیٰ اسکندا، فوج کے دیوتا، یعنی جنگ کے دیوتا، کے عادات کے رواج یا طریقہ کے ہیں۔ کندا (KONDA.)، اسکندا کی پراکرت مشکل ہے۔ راماٹن (22-42) بھی ملاحظہ ہو جہاں ایک فوجی کیمپ کے معنی سیدسکندھاوارا (SKANDHAVARA.) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

137ھ 1889 کا 18۔

138ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 11۔

139ھ 1924 کا 145، 1923 کا 309۔

140ھ اس مسئلہ کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو صفحات بالا 32-34۔

141ھ سیول، ح، س، ص 384۔

142ھ ایضاً، ص 283۔

143ھ 1917 کا 33۔

144ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 109۔

145ھ سیول، ح، س، ص 283۔

146ھ ایضاً، ص 381۔

147ھ باربوسا، 1، ص ص 210 اور 211۔

148ھ سیول، ح، س، ص 283۔

149ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1929 نمبر 11۔

150ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 12، " TUMKUR. " ، 52۔

151ھ ملاحظہ ہو سیول، ح، س، ص ص 275 - 279۔

152ھ ایضاً، ص ص 378-379۔ 153ھ بربوسا، جلد 1، ص 224۔

154ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 19، ص ص 133 - 134۔

155ھ 1919 کا 730 اور 731۔

156ھ فرشتہ از اِسکوٹ (SCOTT.)، 1، ص 118، سیول، ح، س، ص 72۔

157ھ سیول، ح، س، ص ص 277 - 278۔

158ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 3، S.R. 15۔

159ھ 1904 کا 18۔

160ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 14، ص 231، اشلوک 64 - 68۔

161ھ " THE RISE. "، از، برگس، 3، ص 381۔

162ھ " HIS PILGRIMS " ، از، پرکاز، 10، ص ص 92-93۔

163ھ " ARAVIDU DYNASTY. " ، از ہراس (HERAS)، 1، ص 212 حاشیہ 2 اور THE ORIGIN, GROWTH AND DEETINS OF TH: VIJAYANER EMPIRE. از، سی، آر، کرشن مکارلو (KRISHNA MACHARLU.) بھی ملاحظہ ہو، (INDIAN – ANTIQUARY) 52، ص 11۔

164ھ فرشتہ از اسکوٹ، 1، ص 118، سیول، ح، س، ص 72۔

165ھ سیول، ح، س، ص 324۔

166ھ ایضاً، ص ص 324-325۔

167ھ باربوسا 10، ص 225۔

168ھ سیول، ح، س، ص ص 301 - 302۔ رائس ناوی یدھ پربھو (NAVIYADHAPRABHU.) نامی ایک افسر کا تذکرہ کرتا ہے اور اسے بحری فوج کا افسر اعلیٰ بتلاتا ہے۔ جس کتبہ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے اس کی عبارت یہ ہے "شری مان ناوی یدپربھو منگلورو ناگاگودرنگ شٹی ادرا" (SRIMAN NAVIYADA PRABHU MANGATURU NAGA GAUDARA – NAGA SETHI UDARA.)

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ناوما کا پر بھو منگلورو ناگا گودا کا بیٹا ستّی اودرا - SATTI UDA)

RA, SON OF MANGATURA NAGA GAUDA THE PRATIHU OF NAVIYA.) یہاں ناویا

NAVIYA) کسی جگہ کا نام معلوم ہوتا ہے (ایپی گرافیا کرناٹیکا، 8، سورب (SORAB.)

468)-

169ھ ایلیٹ، ج، س، 4، ص 103-

170ھ HISTORICAL SKETCHES OF MYSORE. از ولکس (WILKS.) ، ا، ص 13-

171ھ " THE RISE. " ، از برگس، 2، ص ص 310 اور 316-319 ملاحظہ ہو۔

172ھ ایضاً، ص ص 390-391 اور 402-

173ھ ایضاً، 3، ص ص 120-121، 239-243 اور 331-

174ھ INDIAN CUTTURE THE ROUGH THE AGES. از ایس، وی، وینکٹ ایشور - S.V. (VENKATES VARA.)، 2، ص 172-

175ھ کھنڈ، 4، اشلوک 267-

176ھ سیول، ج، س، ص 320-

177ھ سیول، ج، س، ص ص 339-340-

178ھ ایضاً، ص ص 342-343-

179ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 120-

180ھ ایضاً، 1923 نمبر 83-

181ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 47، یلندور (YELANDUR.) ، 29-

182ھ 1928-29 کا 252-

183ھ 1928-29 کا 247-

184ھ " SOURCES. " ، ایس، کے، اینگر، ص ص 31-32-

185ھ 1919 کا 267، رپورٹ، پیراگراف 37-

186ھ مدھوراوجیم، دیباچہ، ص 5-

187ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 3، 6، ایضاً 5 بھی ملاحظہ ہو۔

188ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، 3 اور 5 3 اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، - TIRUMALLADAL (NARSIPUR.) 42، 73 اور 73۔

189ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 286۔

190ھ ایضاً، اشلوک 222، اور 225۔

191ھ کھنڈ 4، اشلوک 265۔

192ھ ایضاً، اشلوک 220۔

193ھ ایضاً، اشلوک 279۔

194ھ سورسیز (SOURCES.)، از، ایس، کے، اینگر، ص 130۔

195ھ ایضاً، ص 112۔

196ھ سیول، ح، س، ص 328۔

197ھ سیول، ح، س، ص ص 325-326۔

198ھ ایضاً، ص ص 325-326۔

199ھ "INTERNATIONAL LOW IN ANCIANT INDIA."۔
از، ایس، وی، وشوناتھ۔ ص 64۔

200ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 225۔

201ھ فرشتہ از، اسکوٹ (SCOTT.)، 1، ص 23، سیول، ح، س، ص ص 32-33

202ھ سیول، ح، س، ص 349۔

203ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 259۔

204ھ سیول، ح، س، ص 351۔

205ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 120، بیجاپور کے سفیر کو کرشن دیو رائے کے تحائف کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیول، ح، س، ص 352۔

206ھ MEDIAEVAL RESEARCHES، از برٹزنانڈر (BRETSCHNEIDER.) جلد 2، ص 211، انڈین انٹی کوئری، جلد 40 ص 140۔

207ھ ملاحظہ ہو ایلیٹ، ح، س، 4، ص ص 112-113، 120 اور 122۔

208ھ ایضاً، ص 123۔

۲۰۹ ؎ " STORIA. " از گبرناتس (GUBERNATIES.) ، ص 384 ، بحوالہ ARAVIDU DYNASTY. ، از ہراس (HERAS) ، ا ، ص 58۔

۲۱۰ ؎ فادر فرانسسکو ریسیو (FR. FRONCESCO RICIO.) ، کا خط بنام فادر کلاو ڈیو اقویوا (FR. CLAUDIO AQUAVIVA) ، مورخہ چندر گیری 20 اکتوبر 1601 ملاحظہ ہو۔ ہراس ، ح ، س ، ا ، ص ص 582 – 583 اور 435۔

۲۱۱ ؎ HIS PILGRIMS ، از پرکاز ، 3 ، FLORIS. ، ص 336 – 337۔

باب ششم

صوبائی حکومت

فصل اوّل

مملکت کی وسعت

جنوبی ہندوستان کی آخری عظیم ہندو مملکت وجے نگر، راجا راجا اوّل کے عہد سے لے کر کولوتنگا (KULOTTUNGA.) کے عہد تک کی چولا (CLOAS) مملکت کے علاوہ اپنے قبل کی تمام مملکتوں سے وسیع تر تھی۔ دیو رائے دوم کے عہد میں یہ مملکت تقریباً اپنے بام عروج پر پہونچ چکی تھی۔ موجودہ مدراس پریسیڈنسی کے مغربی ساحل اور انتہائی شمال مشرق کے چند علاقوں کو چھوڑ کر، پورا جنوبی ہندوستان اس کے زیر نگیں تھا۔ دیو رائے دوم کے عہد میں مملکت کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرزاق بیان کرتا ہے کہ یہ مملکت "سرندیپ کی سرحدوں سے لے کر گلبرگہ کی سرحدوں تک اور بنگال سے لے کر مالی بار (MALIBAR) تک، ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ بڑے علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی"[1]۔

شمال مغربی سمت میں مملکت ۱۳۹۱ء ہی میں گوا کی سرحدوں تک جا پہونچی تھی لسبن (LISBON) میں واقع ٹورڈو ٹومبو (TORRE DO TOMBO) کے دستاویزات میں پیتل کی تختی کی ایک سند کی نقل دستیاب ہوئی ہے جس میں درج ہے کہ ۱۳۹۱ء میں گوا کے سردار نے وجے نگر کے بادشاہ اور (اپنے) فرمانروا ویر ہری یر (VIRA HERIER.) کے نام سے ایک عطیہ دیا تھا۔ شموگا ضلع میں واقع ہونولی (HONAVALI.) تعلقہ کی ایک دستاویز میں گووا پورور آدھیشور (GOVA PURAVARA DHISVARA.) (بہترین شہر گوا کے حاکم) کی حیثیت سے

وتروسنت مادھورائے (VIRAVA SANTA MADHUVA RAYA.) نامی ایک شخص کا تذکرہ ملتا ہے[43]۔ چنانچہ اس طرح 1391ء ہی میں گوا وجے نگر کے زیرنگیں آچکا تھا۔ بکا اوّل کے بیٹے کمارکپن نے جنوب میں مملکت وجے نگر کی توسیع کی۔ اس نے پدائی ویدو سلطنت کے حکمراں شمبو ورائے (SAMBUVA RAYA.) کو شکست دے کر اور جنوب میں مدورا سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ان علاقوں کو مملکت وجے نگر میں شامل کر لیا 1385ء میں ہری ہر دوم کے بیٹے وترو پاکسا (VIRUPAKSA) نے جزیرہ سیلون پر قبضہ کر لیا اور پورے جنوبی ہندوستان میں مملکت کی توسیع کی[44]۔ جنوبی ہندوستان کے ان علاقوں کی فتح کے بعد مدورا کو ایک علیحدہ گورنر کا صدر مقام بنا دیا گیا اور مملکت کے اس حصہ کے اس گورنر کو "جنوبی سمندر کے حاکم .." (HOBRL OF) کے نام سے پکارا جاتے لگا۔ اس عہدہ کا حامل پہلا گورنر لکنا ڈنڈنایک (LAKKANNA DA - NDNAYAKA.) تھا جو دیورائے دوم کا وزیر اعظم تھا[45]۔ چنگلی پٹ ضلع میں واقع دنگر، مقام کے ایک کتبہ میں دیورائے کے سر اس بات کا سہرا باندھا گیا ہے کہ اس نے سیلون درایلم تیرائی کنڈا JLAM TIRAI KANDA. سے خراج وصول کیا تھا[46]۔ نونیز قطعی طور پر بیان کرتا ہے کہ دیورائے دوم نے نہ صرف یہ کہ سیلون سے خراج وصول کیا، بلکہ کولاؤ (COULLAO) (کوئلن (QUILLON) ، پولی کیٹ (PULEACATE.) پولی کٹ (PULICAT) پیگو و (PEGUVU) اور تنکیری (TENNACARY) تیناسیرم (TENNASSERIM.) سے بھی[47]۔ لیکن مملکت کی قسمت میں بڑے مدوجزر آئے۔ جب مرکز میں کمزور بادشاہ ہوتے تو غیر ملکی حکمراں مثلاً گجپتی اور بہمنی سلاطین سلطنت وجے نگر پر چڑھائی کر دیتے اور اس کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیتے۔ سالوؤں کے زمانہ میں گجپتیوں نے موجودہ نیلّور ضلع کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا تھا اور امتور (UMMATTUR) کے گنگا راجہ نے بغاوت کر دی تھی لہٰذا کرشن دیورائے نے بہت سے کھوئے ہوئے علاقوں کے دوبارہ حصول کے لیے اپنے آپ کو لگایا۔ امتور اس کے قبضہ میں آگیا، گجپتی کو شکست ہوئی اور بعد میں جو معاہدہ اس کے ساتھ ہوا، اس کے مطلق دریائے کرشن کو وجے نگر مقبوضات اور گجپتی سلطنت کی درمیان سرحد قرار دیا گیا۔ جنوب کے ہندو بادشاہوں اور شمال کے بہمنی سلاطین کے درمیان متنازعہ کی جڑ رائچور پر قبضہ کر لیا گیا۔ کرشن دیورائے نے دور دراز کے ملک سیلون کی جانب بھی ایک مہم کی قیادت کی[48]۔ اس طرح مملکت اس کے زمانہ میں اپنی وسعت کی انتہا پر پہونچ گئی تھی۔

کرشن دیورائے کے زمانہ میں مملکت کی وسعت کے متعلق پائز کہتا ہے "نرسمگا (NARSYNGA) کی اس سلطنت میں تین سو گراؤ (GRAOS) کا ساحل ہے اور ہر گراؤ تین میل (KEGU) کا ہوتا ہے جو پہاڑی سلسلہ سرّ (SERRA) کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے، . . . یہاں تک کہ آپ بلاگیٹ (بالاگھاٹ .BALLAGATE) اور چرماوڈل (CHARMAODEL) یعنی چولامنڈل (COLAMANDEL) پہونچ جاتے ہیں جو اسی سلطنت میں شامل ہیں۔ اور عرض میں یہ (مملکت) ۶۷ اگراؤ ہے۔ ہر بڑا گراؤ ہماری ڈو[2] فرسخ (PEIGU) کے برابر ہے۔ چنانچہ اس کے پاس چھ سو فرسخ کا ساحل ہے اور اس کے دوسری طرف تین سو اڑتالیس فرسخ ہے . . . دوسری جانب بٹکلا (BATACALLA) (بھٹکل) سے لے کر اڑیسہ (اڑیسہ) کی سلطنت تک۔

"اور یہ مملکت بنگال کی سرحد کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے اور دوسری جانب اڑیہ کی سلطنت کے ساتھ جو مشرق میں ہے اور دوسری جانب، شمال کی سمت میں دکن کی مملکت کے ساتھ ساتھ جو ان اراضیوں پر مشتمل ہے جو یدلکاو (عادل شاہ) کی ملکیت ہیں[9]۔

اچیوت کے عہد میں بھی مملکت جوں کی توں رہی۔ تیرو ودی (TIRUVADI) کے سلطنت کے تومبیسی نائکن (TUNBICCI NAYAKAN) کی بغاوت کو فرو کر دیا گیا ایک کتبہ میں درج ہے کہ اچیوت نے سیلون پر قبضہ کر لیا تھا[10]۔ نونیز بتلاتا ہے کہ سیلون، پیگو اور تنسیرم کے حکمراں بادشاہ کو خراج ادا کرتے تھے[11]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال میں اس نے اپنی مملکت کا ایک چھوٹا سا حصہ کھو دیا تھا۔ سداشیو کے دورِ حکومت میں مملکت وجے نگر کی وسعت پہلے کی بہ نسبت زیادہ تھی۔ رام راج کم از کم بیجاپور اور گولکنڈہ کے سلاطین سے خراج وصول کرتا تھا، رکسس تنگڈی کی جنگ کے بعد بھی مملکت وجے نگر کی وسعت میں کمی نہیں آتی تھی گو اسے ایک دھچکا ضرور لگا۔

اس طرح اپنی عظمت و شوکت کے زمانہ عروج میں مملکت وجے نگر دریائے کرشنا کے جنوب میں واقع پورے ہندوستان کو محیط تھی۔ لیکن مغربی ساحل پر چھوٹی چھوٹی سلطنتیں موجود تھیں جو وجے نگر کے ماتحت نہ تھیں۔ بربوسا کہتا ہے کہ ان اونچے اونچے پہاڑوں کی وجہ سے جو مالابار کو اصل سرزمین سے جدا کرتے تھے، وجے نگر کے حکمراں ان (سلطنتوں) کو فتح نہ کر سکے[12]۔ اس طرح کالی کٹ وجے نگر کے زیر نگیں نہ تھا اور ۱۵۱۰ء میں اس مقام کے زیمورین (ZAMORIN) کے ہاتھوں البوقرق کی پسپائی کے بعد کرشن دیورائے نے

کالی کٹ پر حملہ کرنا چاہا تھا اس لیے کہ پرتگالیوں اور زیمورین کے درمیان تعلقات زیادہ خوشگوار نہ تھے[13]۔ عبدالرزاق بھی بتلاتا ہے کہ کالی کٹ کا سیمری (SUMERI) وجے نگر کا ماتحت نہ تھا لیکن اس کے ساتھ احترام سے پیش آتا تھا اور اس کی طاقت کی وجہ سے اس سے خائف رہتا تھا[14]۔ نونیز نے کالی کٹ کو وجے نگر کی باجگذاروں میں شامل کیا ہے اس سے ان کے درمیان عمومی قسم کے سفارتی تعلقات کے علاوہ اور کچھ ثابت نہیں ہوتا[15]۔

فصل دوم

مملکت کے حصّے

وجے نگر کے سلاطین نے اپنی وسیع و عریض مملکت کے انتظامی امور کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ انتظامیہ کو موثر بنانے کے لیے انھوں نے مملکت کو بہت سے صوبوں میں منقسم کر دیا تھا۔ جو عموماً راجیہ rajyas اور کبھی کبھی مبہم طور پر منڈلوں MANDALS کے ناموں سے معروف تھے۔ ہری ہر اوّل اور بکّا کے ابتدائی عہدوں میں بھی مملکت کے حصّوں کا تذکرہ کتبات میں ملتا ہے۔ مملکت کے مشرقی حصّے میں ادے گیری راجیہ تھا جس میں موجودہ نلّور اور گودیا کے اضلاع شامل تھے[16]۔ اس سے کچھ مغرب میں بینو گوندا راجیہ واقع تھا[17]۔ اس کے جنوب میں چندر گیری راجیہ تھا[18]۔ اس کے قریب ہی پدائی ویدو سلطنت واقع تھی جو موجودہ شمالی آرکٹ اور چنگل پٹ اضلاع کے علاقوں پر مشتمل تھی[19]۔ تیروویدی راجیہ، جس میں جنوبی آرکٹ، شمالی آرکٹ اور سالم اضلاع کے علاقے شامل تھے، پدائی ویدو سلطنت کے جنوب میں واقع تھا[20]۔ وجے نگر کا ایک اور حصّہ مولووائی راجیہ (MULUVAYIRAJYA) تھا جس کا نام اس کے صدر مقام مول باگل (MULBAGAL) کے نام پر پڑا تھا اور وجے نگر کے زمانہ میں عام طور پر وائسرائے کا، جو بادشاہ کا سب سے بڑا لڑکا ہوا کرتا تھا، صدر مقام ہوتا تھا۔ اس میں موجودہ کولار، سالم، شمالی آرکٹ اور چتوڑ کے اضلاع کے حصّے شامل تھے[21]۔ موجودہ شموگا اور جنوبی کنارا کے کچھ علاقے اس میں شامل تھے جن کو شانتلیج ۱۰۰۰ (۱۰۰۰ SANTALIGE) کہا جاتا تھا[22]۔ اس سے کچھ اوپر آرگا (ARAGA) کا صوبہ تھا جس کا

دارالسلطنت چندرگتی (CANDRAGUTTI.) یا گوتی (GUTTI) تھا اور شیوگا اور شمالی کنارا کے اضلاع کے بیشتر حصّوں پر مشتمل تھا۔ مملکت وجے نگر کا ایک دوسرا صوبہ تولووا (TULUVA) تھا اور اس کا دارالسلطنت منگلور تھا[23]۔ اگرچہ چودھویں صدی کے نصف آخر میں مملکت کے اصل حصّے یہی تھے، لیکن یہ ممکن ہے کہ مملکت کی تیزی کے ساتھ وسعت اور استحکام کی وجہ سے اس میں چند اور حصّوں کا اضافہ ہوگیا۔

پھر ان صوبوں کو بھی اضلاع، تعلقوں اور گاؤں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس تقسیم کا پتہ ہمیں کتبات سے چلتا ہے لیکن ان میں مختلف مقاصد کے لیے مختلف تقسیموں کا تذکرہ ملتا ہے اور چونکہ ان میں سے بیشتر کا ذکر بلا کسی تسلسل و ترتیب کے ایک ہی کتبہ میں ہے اس لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کسی خاص نام سے کون تقسیم مراد ہے۔ جن تقسیموں کا تذکرہ کتبات میں ملتا ہے وہ یہ ہیں۔ ولناڈو (VLANADU)، کوٹم (KOTTAM)، پٹکا (PATTAKA)، وسیا (VISAYA)، نرورتی (NIRVRTTI)، ونتھے (VENTTE)، ناڈو (NADU)، شیمے (SIME)، کھروتم (KHARVATAM)، استھلم (STHALAM)، پرو (PARRU)، ایمبا دین (AIMBADIN)، میلاگرام (MELAGRAM)، کاودی (CAVADI) وغیرہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ کون رتور (KUNVATTUR) نامی ایک گاؤں جین گونڈا چولا منڈلم (JAYANGONDA COLAMANDALAM) میں واقع پدائی ویدو راجیہ کے ایک ضلع آمور کوتم (AMUR KOTTAM) کے ایک سب ڈویژن موگن دورناڈو (MUGANDURNADU) میں تیسرد کلوکونراپرو (TIRUKKALU KKUNRA PERRU) کے پیروم باکا شیرمائی (PERUMBAKKSIRMAI) مقام میں واقع تھا[24]۔ جبکہ دوسرے کتبہ میں درج ہے کہ چند گاؤں مگدائی منڈلم (MAGADAIMANDALAM) میں واقع میکن راول ناڈو (MEYKUNRA - VAL NAIDU) کے ایک ضلع کورکائی کورّم (KORUKKAI KURRAM) کے ایک سب ڈویژن ولودیلم بٹوکاودی (VALUDILAM BATTUCCAVADI) کے مودیانورپرو (MUDIYNURPARRU) میں واقع تھے۔ کتبہ کے شروع میں درج ہے کہ یہ مگدائی منڈلم میں واقع تیرو ودی راجیم کے دریائے پنّار (PENNAR) کے جنوبی کنارے پر واقع تھا[25]۔ گوڈپا ضلع میں واقع اپرپلی مقام کے ایک کتبہ کے مطابق کہا جاتا ہے کہ کنتوری شیمے (GINN - URSIME) اور پوٹلادرتی (POTLADARTI) شیمے کو مولک ناڈو (MULIKANADU) میں

میں شامل کرلیا گیا تھا جو گندی کوٹا شیمے (GANDIKOTA SIME) کا ایک سب ڈویژن تھا اور ادے گیری راجیہ کا ایک حصہ تھا[26]۔ یہاں ہمیں ایک شیمے میں ایک شیمے کا ذکر ملتا ہے۔ کولار ضلع کے سدلاگھٹا (.SIDLAGHATTA) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ ارمن استھلا (ARAMANASTHALA) میں واقع کمن ہلّی (KAMANAHALLI) کا گاؤں کولالا (KOLALA) شیمے میں واقع تھا جو بیلو کاودی (BELURCAVADI) سے ملحق تھا[27]۔ دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ کودمبلّی شیمے (KODAMBALLI SIME) ، پوشانا ناد (POYSANA NAD) میں واقع چنا پٹن (CANNAPATNA) سے ملحق تھا[28]۔

اس طرح یہ حقیقت کہ یہ تقسیمیں کسی طرح ترتیب کے ساتھ درج نہیں ہیں یہ ناگزیر بنا دیتی ہے کہ تحقیق کی جائے کہ ان میں سے ہر ایک سے کیا مراد ہے۔ ان تقسیموں میں سب سے پہلے تحقیق کی مستحق منڈلم ہے۔ چند منڈلم یہ ہیں۔ جین گوند شولا منڈلم (-JAYAINGON DA SOLA MANDOLAM) ، نگاریلی شولا منڈلم (NIGARILI SOLAMANDALAM) ، تونڈائی منڈلم (TONDAIMANDALAM) ، مگدائی منڈلم (NAGADAIMANDOLAM) اور چولا منڈلم (COLAMANDOLAM) ابتدا یہ پھولاؤں کے عہد کی سیاسی تقسیمیں تھیں جنھیں بعد میں بھی اسی نام سے پکارا جاتا رہا اگرچہ یہ باضابطہ سیاسی تقسیمیں نہیں رہ گئی تھیں۔ وسعت کے اعتبار سے منڈلم ایک راجیہ کے مقابلہ میں، جو مملکت وجے نگر کی باضابطہ تقسیم تھی، زیادہ بڑا ہوتا تھا اگرچہ ایسے کتبات موجود ہیں جن میں ان راجیاؤں میں گورنروں کی موجودگی کا تذکرہ ملتا ہے لیکن وجے نگر کے زمانہ کا ایک کتبہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں اس کا تذکرہ ہو کہ کوئی حاکم یا گورنر کسی منڈلم کا انچارج ہوتا تھا۔ کسی خاص ضلع یا مقام کا اس طور پر تذکرہ کہ وہ کسی خاص منڈلم میں واقع تھا، اتنا روایتی اور قدیم تھا کہ وجے نگر کے زمانہ میں اس کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ اور اسی ضمن یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ دور میں بھی جنوبی ہندوستان میں ان منڈلموں کا تذکرہ ملتا ہے اگرچہ موجودہ دور کی سیاسی تقسیم سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

منڈلم کے بعد راجیہ آتا ہے جو مملکت وجے نگر کی سب سے بڑی سیاسی تقسیم تھی۔ مملکت کی راجیوں میں تقسیم حکومت کے کسی سوچے سمجھے اور سائنٹیفک اصول سے زیادہ تاریخی واقعات اور مقامی خصوصیات پر مبنی تھی۔ پدائی ویدو کی سلطنت جو سردار شمبوورلئے سے حاصل کی گئی تھی، وجے نگر کے بادشاہوں نے اسے ایک صوبے کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ سلطنت مدورا کی

فتح کے بعد مدورا کو ایک نئے گورنر کا صدر مقام بنا دیا گیا۔ تیرو ویدی راجیہ کو جو چولا مملکت کے کھنڈرات سے نمودار ہوئی تھی، ایک صوبہ قرار دے دیا گیا۔ اس طرح کی تقسیمیں، جو تاریخی واقعات کی بنیاد پر عمل میں آئی تھیں، رقبے میں مساوی نہیں ہو سکتی تھیں جب راجیہ رقبہ میں بڑا ہوتا یا بعض وجوہ کی بنا پر کسی خاص اہمیت کا حامل ہوتا تو اسے شاید مہاراجیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا چندر گیری، پدائی ویدو اور آرگا، مہاراجیہ تھے[29]۔ مہاراجیہ اور راجیہ کا مقابلہ ان چھوٹے اور بڑے صوبوں سے کیا جا سکتا ہے جن میں آج برطانوی ہندوستان منقسم ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنارا کے اضلاع میں پیتھیکا (PITHIKA) (تخت شاہی) نامی ایک حصہ (بھی) تھا۔ اگر قیاس کی گنجائش ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ راجیہ کا ایک دوسرا نام یہ بھی تھا[30]۔ بظاہر مملکت میں راجیاؤں کی تعداد وقت کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے چند کی تشکیل انتظام حکومت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کی گئی تھی اسی طرح ان میں سے بعض کی اہمیت کم ہو جاتی تھی جیسے مثال کے طور پر 1529ء میں گتی (GUTTI) جو کرشن دیو رائے کے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں ایک راجیہ تھا اس کا ذکر پینو گوندا راجیہ (PENUGONDA RAJYA) کے ایک سب ڈویژن کی حیثیت سے کیا گیا ہے[32]۔

تامل کے علاقہ میں راجیہ پھر اضلاع میں منقسم تھے جنھیں کوتم (KOTTAMS) کہا جاتا تھا اور کبھی کبھی کورم (KURRAM) کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ لیکن مملکت کے بعض حصوں میں کورم سے اوپر ولنادو (VALANADU) نامی ایک اور تقسیم تھی۔ کوتم، نادوؤں میں منقسم ہوتے تھے جن کا مقابلہ موجودہ دور کے تعلقوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان نادوؤں کے دیہی علاقوں کو پرّو کہا جاتا تھا۔ لیکن ان اصطلاح کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہے اس لیے کہ اس کا استعمال بظاہر مختلف معنوں میں کیا جاتا تھا۔ تیرو ملائی کے ایک کتبہ کے مطابق شمبو کولپیرومال اگراہارم (SAMBU KULAPPERUMAL AGRAHARAM) یا راجہ گمبھیرا چتورویدی منگلم (RAJA GAMBHIRA CATURVEDI MAINGOLAM.) کا گاؤں جین گوند شولا منڈلم میں واقع پلاکونرا کوتم (PALAKUNRA KOTTAM) کے منڈائی کول نادو (MANDAIKULANADU) مقام میں واقع مورومنگل پرّو (MURUMAINGOLAPARRU) میں واقع تھا[34] جب کہ دوسرے کتبے کے مطابق ایک مخصوص چتورویدی منگلم ایک ایسے نادو میں واقع بتایا گیا ہے جو ایک پرّو یا ضلع میں تھا جو اسی جین گوند شولا منڈلم میں واقع

ایک کوتم کا ایک ڈویزن تھا[35]۔ اس طرح ایک کتبہ کے مطابق کوتم کے ڈویزن نادو سے نیچے ایک اور ڈویزن تھا جسے پرو کہا جاتا تھا۔ جبکہ دوسرے کتبہ کے مطابق پرو ایک ایسا ڈویزن تھا جو نادو سے بڑا لیکن کوتم سے چھوٹا ہوتا تھا۔ ان ڈویزنوں کی ترتیب کی اس ردوبدل سے ہمیں شبہ ہے کہ پرّو کی اصطلاح سے واقعی کوئی سیاسی تقسیم مراد تھی۔ ممکن ہے کہ پرّو سے محض ایک دیہی علاقہ مراد ہو یا کسی علاقہ کا کوئی حصہ جو بہت سے گاؤں سے مل کر بنا ہو۔

نادوؤں کو ایمبدین میلا گراموں (AIMBADIN MELAGRAMS) یا پچاس گاؤں کی اکائیوں میں منقسم کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح کی ہر اکائی میں ایک بڑا گاؤں (CHIEF VILLAGE.) ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ولودیلم بٹواوشاودی (VALUDILAM BATTU-VSAVADI) پچاس گاؤں کے ایک ڈویژن کا صدر مقام تھا[36]۔ اس کے نیچے اگرموں (AGARAMS) یا منگلموں (MANGOLAMS) کا نمبر تھا جن کی حیثیت چھوٹی چھوٹی انتظامی اکائیوں کی تھی۔ ان میں ہر اکائی کے ساتھ چند گاؤں وابستہ ہوتے تھے جو تامل کے علاقہ میں پیدا گائی (PIDAGAI) کے نام سے معروف تھے۔

تامل کے علاقہ میں واقع بہت سے گاؤں تنی پور (TANIYUR) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ موجودہ شمالی آرکٹ ضلع میں کاویری پاکم جس کا دوسرا نام وکرم شولا چتورویدی منگلم (VIKRAMA SOLA CETURVEDI MAIGOLAM) تھا، پدوورکوتم (PADUVURKOTTAM) کا ایک تینی پونہ تھا[37]۔ جنوبی آرکٹ ضلع میں واقع تیرو واماتور (TIRUVAMITTUR) مقام وولور نادو (VAVALURNADU) کا تینی پومہ تھا[38]۔ جبکہ اتّرمیرورور (UTTARAMERUR.) عرف راجندر شولا چتورویدی منگلم توندائی منڈلم میں واقع کالی پورکوتم (KALIYUR KO-TTAM) کا تنی پور تھا اس اصطلاح کے صحیح مفہوم کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سیاسی مقاصد کی حامل ایک آزاد انتظامی اکائی تھی اور اس کی حیثیت مملکت کے کسی بھی بڑے سب ڈویزن کے مساوی رہی ہوگی، اس وقت بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے جب ہم موجودہ زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ مدراس جیسے شہر کو اپنی آبادی اور اہمیت کی بدولت ایک ایسی آزاد حیثیت حاصل ہو گئی ہے جو کم از کم ایک ضلع کے مساوی ہے۔ تنی پور میں ایک مقامی خزانہ بھی ضرور ہوتا ہوگا جس کا مقابلہ موجودہ زمانہ کے کسپا (KASPA) سے کیا جاسکتا ہے۔

جب ہم کرناٹک کے علاقہ کو لیں تو ہمیں وہاں مملکت کی بہت سی ذیلی تقسیموں کا ذکر ملتا ہے ہمیں نئے نئے نام ملتے ہیں جو نئی نئی تقسیموں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تامل کے علاقے کی مانند کرناٹک علاقے میں بھی بہت سے راجیہ تھے۔ کبھی کبھی انھیں پتھیکاؤں یا تخت شاہی کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ کولار ضلع میں واقع سدلا گھٹا تعلقہ کے ایک کتبے کے مطابق وہاں ایک شدلی پتھیکا (SADALIPTTHIKA) ہوتا تھا جس میں موکوند وینتھے (MUKKUNDAVENTHE) شامل تھا۔[39]

دوسری اہم تقسیم و نتھے (VENTHE) تھی جو وسیا (VISAYA) اور نرورتی (NIRVRTHI) کے مختلف ناموں سے معروف تھی۔[40] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل کے کتبات میں مذکور کوتم کی قائم مقام تھی۔ یہ اضلاع شیموں میں منقسم تھے۔ مثال کے طور پر تکل پادو (TEKKAL.-LAPADU) کو کہا جاتا ہے کہ یہ کما وسیا کے اڈنکا شیمے (ADDANKA-SIME) میں واقع تھا۔[41]

شیمے کے بعد استھلا کا نمبر تھا جو چند گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جیتیل درگ ضلع میں واقع ہیری یور کی ایک دستاویز مورخہ 1589ء میں چند استھلاؤں کا اور گاؤں کی اس تعداد کا تذکرہ ملتا ہے جو ان میں سے ہر ایک میں شامل تھے اس میں مندرجہ ذیل فہرست دی گئی ہے۔[42]

ہری یور	استھلا	53 گاؤں	لکی ہلی (LAKKIHALLI.)	استھلا	7 گاؤں
بگانادو (BEGGANADU)	"	11 "	بس پٹن (BASAPATTANA.)	"	14 "
ہوشور (HOSUR)	"	21 "	ارلی ہلی (ARALI HALLI)	"	3 "
گوودن ہلی (GAVUDANHALLI)	"	10 "	تویندھی ہلی (TAVANIDHI HALLI)	"	12 "
کورویرہلی (KURUBARA HALLI.)	"	13 "	بکاپٹن (BAKKAPATTAN)	"	26 "
			ایکانور (IKKANUR)	"	11 "

اس طرح اس سلسلہ میں کوئی متعین اصول نہ تھا کہ ایک استھلا میں کتنے گاؤں شامل ہونے چاہئیں چند کتبات میں ایک ہی نام کے ایک استھلا اور ایک شیمے کا تذکرہ ملتا ہے۔

مثال کے طور پر بنگلور ضلع کے ڈوڈ بلاپور تعلقہ کے ایک کتبہ میں تیور سیمے اور تیور استھلا کا ذکر ہے[43] یہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیپور صرف ایک بڑے انتظامی ڈویژن کا ہی نہیں بلکہ ایک چھوٹے ڈویژن کا بھی نام ہوتا تھا جس طرح کے موجودہ زمانہ میں چنگلی پت صرف ایک ضلع ہی نہیں بلکہ ایک چھوٹی اکائی تعلقہ بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں استھلا کو سمت (SAMMAT) یا سموتا (SAMUTA) کہا جانے لگا[44]۔ اروید وحکمرانوں کے زمانہ میں ہوبلی (AOBALI) نامی ایک اور تقسیم کا آغاز ہوا جو چند گاؤں پر مشتمل ہوتی تھی اور شاید یہی وہ تقسیم تھی جو استھلا اور سمت کی قائم مقام بن گئی[45]۔

کنارا علاقہ کے بعض حصوں میں کمپن (KAMPANA) نامی ایک تقسیم نے استھلا کی جگہ لے لی تھی جہاں اس طرح کی تقسیم کی جاتی وہاں صوبے کو اٹھارہ اضلاع یا کمپنوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا جیسا کہ گواگتی (GOA GUTTI) (چندرگیری) کی سلطنت میں ہوا تھا[46]۔

استھلاؤں کو بظاہر پھر نادوؤں یا ولیتاؤں (VALITAS) یا وینتاؤں (VANITAS) میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ دلوائے اگراہارم (DALAVAY AGRAHARAM) کی تختیوں میں درج ہے کہ گنگورپٹی (GANGAVARAPATTI) کو ہستناوتی ولیتا (HASTINAVATI - VALITA) میں شامل کرلیا گیا تھا اور وہ آلنگولا استھلا (ALANGULA STHALA) کے نیدونگولا نادوکا (NEDUNGULANADUKA) میں واقع تھا جو دھاراپورا وینتا (DHARAPURA - VENTYA) کا ایک حصہ تھا[47] لیکن یہ ترتیب بعض دوسرے موقعوں پر بالکل برعکس ہے۔ ایک کتبہ کے مطابق کوردگوداشیمے (KURUGODA SIME) ، مگنادو ونتھے MAGANADU VENTHE کا ایک سب ڈویژن تھا جو ہستناوتی ولیتا (HASTINAVATI VALITA) کا ایک حصہ تھا[48]۔ ترتیب کی اس تبدیلی کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل ہے اور اسی لیے اس تقسیم کی صحیح نوعیت کے معلوم کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے۔

ہمیں مملکت کے بعض دوسرے حصوں کا ذکر بھی ملتا ہے ماگنی (MAGANI) یا پورماگنی (PURAMAGANI) ان میں سے ایک ہے مثال کے طور پر آرگا سلطنت میں ہمیں شانتلیج ماگنی (SANTALIGE MAGANI) کا ذکر ملتا ہے[49] لیکن یہ ایک عام اصطلاح معلوم ہوتی ہے اور کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے وہ جاگیر جو ایک امرنایک کو دی جاتی امرماگنی کے نام سے پکاری جاسکتی تھی۔ دوسرا ڈویژن شاید مارجاوادی (MARJAVADI)

کے نام سے معروف تھا۔ کدپا ضلع میں واقع راسٹے کوٹ مقام کے ایک کتبہ میں بینو گوندا اور ادے گیری کے مارجا وادیوں کا تذکرہ ملتا ہے[50]۔ مارجا واد، مہاراجہ وادی کا مخفف ہے جو موجودہ پورے رایلا سیما پر مشتمل ایک ضلع تھا۔ اس ضلع کا یہ نام اب تک ہے۔ وجے نگر کے زمانہ میں جو علاقہ قدیم مہاراجہ وادی میں شامل تھا، وہ بینو گوندہ اور ادے گیری دو راجیاؤں کے حصے میں چلا گیا۔ اسی لیے کبھی کبھی ان کا تذکرہ بینو گوندا مارجا وادی اور ادے گیری مارجا وادی کے ناموں سے ملتا ہے۔ کھروتا (KHARAVATA) کی اصطلاح ایک دوسری تقسیم کی نشاندہی کرتی ہے لوڈرس (LUDERS) کا خیال ہے کہ یہ ایک ایسے قصبہ کا نام تھا جہاں بازار لگتے تھے[51]۔

بعض مقامات پر مملکت کی تقسیم میں فوجی اور امن عام کے ضرورت کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مثلاً ایک مضبوط قلعہ کو ایک ڈویژن کی بنیاد قرار دیا جاتا تھا اس کے ساتھ کچھ علاقہ ملحق کر دیا جاتا جس کا حاکم اعلیٰ ایک درگا ڈنڈ نایک ہوتا تھا اور اس کے ماتحت جو علاقہ ہوتا وہ سیاسی مقاصد کے لیے ایک ڈویژن ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر بنگلور کا تعلقہ میں ہمیں کندانور (KANDANUR.) درگا کی سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے[52]۔ علاوہ ہمیں ادے گیری درگم کا ذکر ملتا ہے جس سے چند گاؤں بھی وابستہ تھے[53]۔ شاید یہ پدائی پروؤں یا فوجی چھاؤنیوں کے مماثل تھے۔

کتبات میں کاودی (CAVADI) کی اصطلاح بھی ملتی ہے اس اصطلاح کے لفظی معنی ایک ہال یا ایک دفتر کے ہیں۔ کاودی سے بہت سے گاؤں وابستہ ہوتے تھے اور کبھی کبھی استھلا اور سیمے بھی اس سے متعلق ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر تما سمدر (TIMMA SAMUDRA) کا گاؤں تپدا ناگنا (TIPPADANAGANNA) کے گدی کاودی (GADI CAVADI) سے وابستہ تھا[54]۔ تیروشیرامتور (TIRU SIRAMATTUR) استھلا، کولالا کاودی سے مربوط تھا[55]۔ 1428-9ء کے ایک کتبہ میں ملا نادو (MALANADU) کے میل موری (MELMURI) میں واقع سونے پونہالور (SUNEPUHANALUR) کا تذکرہ راجہ راجہ شولا نادو (RAJE RAJA SOLA NADU) کے ایک ڈویژن کی حیثیت سے کیا گیا ہے جو تیروک سیراپلی (TIRUCCIRAPALLI) کے راجیہ یا کاودی سے وابستہ تھا[56]۔

میسور ریاست کے ایک کتبہ میں ہمیں چند علاقائی تقسیموں کا ذکر ملتا ہے۔

کنگا وادی (GANGAVADI.) 96,000

بن واسی	(BANAVASI)	12,000
کلاشا	(KALASA)	3,000 یا 1,000
شانتلیج	(SANTALIGE)	1,000

اور چند دیگر۔ ان اعداد کا مطلب بتانا مشکل ہے۔ وجے نگر کے زمانہ میں اس قسم کی انتظامی تقسیمیں نہ تھیں یہ ماضی کی باقیات تھیں۔ وجے نگر کے کتبات میں ان کا تذکرہ عوام کی قدامت پرستی کی وجہ سے ہوگا۔

فصل سوم

صوبائی تنظیم

(۱) صوبائی گورنر: مملکت کا وہ حصہ جو براہ راست شاہی حکومت کے ماتحت ہوتا تھا صوبوں میں منقسم ہوتا تھا جن میں سے ہر ایک میں ایک وائسرائے کا تقرر کیا جاتا تھا۔ عموماً شاہی خاندان کے افراد ہی ان صوبوں کے گورنر مقرر کیے جاتے تھے۔ ہری ہر اوّل کے زمانہ میں آرگا کے صوبہ کا گورنر مارپا تھا جس کا دارالسلطنت چندرگتی تھا[57]۔ کمپن اوّل ادے گیری راجیہ کا گورنر تھا[58]۔ بکا کا بیٹا کمپن، مولوواگل (MULUVAGIL) (مول باگل MULBAGAL) کا حکمراں تھا[59]۔ کہا جاتا ہے کہ ہری ہر دوم کا بیٹا ویروپاکسا (VIRUPAKSA)، توندیرا (TONDIRA)، چولا اور پانڈیا (PANDYA) کے علاقوں کا انچارج تھا اور اس نے سیلون بھی فتح کر لیا تھا[60]۔ جبکہ اس کا بھائی دیورائے اپنی تخت نشینی سے قبل ادے گیری کا گورنر تھا[61]۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رام چندرادیا (RAMACANDRA UDEYA) اس کا جانشین ہوا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مخالف بادشاہوں کو مطیع بنا لیا تھا اور اپنے حسن تدبیر سے اس نے مسلمانوں کو شکست دی تھی[62]۔ دیورائے کا ایک اور لڑکا ویروجے رائے مولوواگل سلطنت کا حکمراں تھا[63]۔ اور جب وہ بادشاہ ہو گیا تو اس کا بیٹا شری گیری (SRIGIRI) اس کی جگہ وائسرائے بنا[64]۔ صوبوں کے وائسرائے کی حیثیت سے حکمراں خاندان کے شہزادوں کے تقرر کے اس دستور پر آروید و سلاطین نے بھی عمل کیا۔ تیرومل نے اپنے بیٹے شری رنگا دوم کا دارالخلافہ کے صوبہ پینوگوندا کے وائسرائے کی حیثیت سے تقرر کیا تھا۔ پہلے اس نے ادے گیری راجیہ کے وائسرائے کی حیثیت سے

فرائض انجام دیئے تھے جہاں سے اس نے کوندو ید (KENDAVIDU) وینی کوندپورا (VINIKONDPURA) اور دیگر قلعوں کو فتح کیا تھا[65]۔ تیرو مل بادشاہ کا ایک اور بیٹا راما شری رنگا ٹیم کا وائسرائے تھا بادشاہ تیرو مل کا چوتھا بیٹا وینکٹ دوم تامل کے علاقہ کا گورنر تھا جس کا صدر مقام چندرگیری تھا اور اس کی ماتحتی میں بہت سے جاگیردار تھے[66]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سالوؤں اور تولوؤں کے یہاں کا رواج اس سے مختلف تھا۔ وہ صوبوں کے گورنروں کی حیثیت سے شہزادوں کا تقرر نہیں کرتے تھے۔ اس کی دو توجیہیں کی جاسکتی ہیں ایک مخصوص زمانہ میں شاہی خاندان کے افراد صرف چند تھے۔ اس لیے کہ سالو وانر سمہا کے صرف دو بیٹے تھے جبکہ نرسا نایک کے چار تھے پھر ان کے درمیان بھی سخت رقابت اور درباری سازشیں تھیں لہٰذا بادشاہ نے شاہی خاندان کے دوسرے افراد کو گورنری نہیں سپرد کی سلاطین وجے نگر کے پہلے خاندان کے شہزادوں نے جن کو صوبوں کا حکمراں بنا کر بھیجا جاتا تھا، ادیا (ODEYA) یا (تامل میں) ادے یار کا خطاب اختیار کیا تھا۔

لیکن جہاں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ممتاز اور تجربہ کار افسر نیکنامی کے ساتھ اور مرکزی حکومت کے مفاد کے مطابق اس عہدے پر کام کرسکتا ہے وہاں ایسے افسر کا صوبے کے گورنر کی حیثیت سے تقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے مقرر کردہ گورنروں کو عموماً ڈنڈنایک کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اپنی دستوری حیثیت اور شاہی محل کے ساتھ اپنے تعلقات میں بظاہر ان کی حیثیت وہی تھی جو ان شاہزادوں کی تھی جو صوبائی وائسرائے ہوتے تھے۔

مملکت کے صوبوں کے گورنروں کو اپنے اپنے حلقہ اختیار میں مقامی قسم کی خود مختاری حاصل تھی۔ ان کی خود اپنی عدالتیں ہوتیں، ان کے اپنے افسران ہوتے، وہ خود اپنی فوجیں رکھتے اور اس وقت تک وہ مرکزی حکومت کی کسی مداخلت کے بغیر اپنے اپنے علاقوں پر حکومت کرتے رہتے جب تک کہ وہ شاہی حکمراں کے تئیں پابندی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہتے تھے اگر یہ صوبائی گورنر شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے تو وہ اپنے اپنے خاندانوں کے خطابات کو اختیار کر لیتے تھے۔ ان میں سے کچھ کے یہاں جانشینی انھیں کے خاندانوں میں موروثی ہوا کرتی تھی۔ ہری ہر اوّل کے بھائی کمپن اوّل کی موت کے بعد جو ادے گیری کا گورنر تھا، اس کا بیٹا شنگاما (SANGAMA) دوم اس کی جگہ پر گورنر بنا اور ادے گیری کے صوبے کے وائسرائے کی حیثیت سے اس نے بتراگونتا (BITRA GUNTA) کی جاگیر عطا کی[68]۔ ان

گورنروں کا خواہ وہ شاہی نسل کے شہزادے ہوں یا وہ شاہی افسران جنھیں صوبوں کی گورنری عطا کی گئی تھی، مقتضائے حال کے مطابق ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں تبادلہ کر دیا جاتا تھا۔ بکّا کا بیٹا ویرو پنّا یا ویروپاکسا اول آرگا صوبے کا گورنر تھا۔ ہمارے پاس اس کے زمانہ کے چند کتبات مورخہ 1362ء اور 1379ء موجود ہیں[69]۔ ایک کتبہ میں اسے اڈاگیری ویرو پنّا یا ادے گیری ویرو پنّا کا نام دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں وہ ادے گیری راجیہ کا وائسرائے تھا[70]۔ مثال کے طور پر لکنّا ڈنڈ نایک 1430ء میں مول باگل اور تیکل کے صوبوں کا گورنر تھا[71]۔ وہ وہاں دو برس رہا[72]۔ جس کے بعد اسے تونڈیرا کے صوبے میں منتقل کر دیا گیا جہاں اس نے "جنوبی سمندر کے بادشاہ" (LORD OF THE SOUTHERN OCEAN) کے خطاب کے ساتھ 1440ء تک حکومت کی 1438ء میں وہ ہمیں رمناڈ (RAMNAD) ضلع کے تیرو پتّور تعلقہ سے ایک جاگیر دیتا ہوا نظر آتا ہے[73]۔ 1440ء میں ہم اسے باراکورو، (BARAKURU) راجیہ میں پاتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں اس کا اس صوبے میں تبادلہ کر دیا گیا تھا[74]۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اسے دوبارہ مدورا صوبے میں منتقل کر دیا گیا تھا جہاں وہ "جنوبی سمندر کے بادشاہ" کے خطاب کے ساتھ حکمراں رہا[75] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گورنری کے لیے کسی مدت کی تحدید نہ تھی اس لیے کہ اس کا انحصار محض گورنر کی صلاحیت و قابلیت ہی پر نہ تھا بلکہ مقامی ضروریات پر بھی ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر اداگیری ویرو پنّا تقریباً اٹھارہ برس آرگا صوبے کا گورنر رہا جبکہ لکنّا ڈنڈ نایک اس سے کم عرصہ کے لیے مختلف صوبوں کا وائسرائے رہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عموماً گورنروں کی تقرری بادشاہ وزراء سے مشورے کے بعد کرتا تھا۔ چنانچہ جب بنواس (BANVAC) صوبے کے گورنر مادھومنترن کا 1391ء میں انتقال ہو گیا تو ہری ہر اوّل نے اپنے وزراء سے مشورہ کیا کہ فوت شدہ گورنر کی جانشینی کے لیے بنواس کے صوبے میں کس کو بھیجا جائے۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ ودیا شنکر کے شاگرد نرہری منترین کو صوبے کے گورنر کی حیثیت سے بھیجا جائے[77]۔

ان تقرریوں کے فرامین پر شاہی مہر ثبت ہوتی تھی۔ ملّی کارجونا مہارائے کے زمانے کے کنارا کے ایک کتبہ مورخہ 1465-66ء میں بادشاہ کے مہاپردھان رام چندر دنایک نامی ایک شخص کے بارے میں درج ہے کہ وہ شاہی مہر کے تحت سلطنت کا نظم و نسق کر رہا تھا[78]۔

گورنروں کی خود اپنی کاؤنسل ہوتی تھی جو بادشاہ کی کاؤنسل کے طرز کی ہوتی تھی اس عہد کے کتبات سے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ کاؤنسل پر دھانی[79]، اولائی (سکریٹری)[80]، دلوائے یا ڈنڈ نایک[81]، جیسا کہ کچھ کتبات میں یہ نام ملتا ہے، خزانچی[82]، سامنتادھیکاری[83] بعض دوسرے افراد پر مشتمل ہوتی تھی۔ اغلب یہ ہے کہ ان وزراء کا انتخاب اور تقرر شاہی منظوری کے بعد خود متعلقہ گورنر کرتے تھے۔ ان وزراء میں سے چند تو انتہائی لائق منتظم ثابت ہوئے ماریّا کا وزیر مادھو منترین بڑا لائق و قابل تھا اور ماریّا کے لیے ویسا ہی تھا جیسا کہ شنکر کے لیے بھارگوا نیز وہ اپنے آقا کے لیے "ایک ناخدا" تھا جو "سلطنت کے سمندر میں جہاز رانی کر رہا تھا"[84]۔ اسی طرح سوپیا ڈنڈ نایک اور گوپن ادیپار دو انتہائی ممتاز شخصیتیں تھیں جنھوں نے مدورا تک کے جنوبی ہندوستان کو وجے نگر کی حکومت کے زیر اثر لانے کے مشکل کام میں کمارکمپن کی مدد کی تھی۔

صوبائی وائسرایوں کو مرکزی حکومت سے آزاد رہ کر خود اپنے سکے چلانے کا حق حاصل تھا۔ سیزر فریڈرک (CAESAR - FREDRICK) اس نظام پر بہت زیادہ متعجب ہوا اور وہ کہتا ہے "جب ہم کسی نئے گورنر کے علاقہ میں پہونچتے تھے جیسا کہ یہ روزانہ کرتے تھے، تو اگرچہ یہ سب کے سب، بیزنگر (BIZENEGER) کے بادشاہ کے باجگذار تھے لیکن پھر بھی ان میں سے ہر ایک نے تانبے کا ایک سکہ جاری کیا تھا۔ چنانچہ جو روپیہ ہم ایک دن لیتے تھے وہ دوسرے دن کام میں نہ آسکتا تھا"[85]۔ کتبات کے شواہد سے غیر ملکی تبصرہ نگار کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ چند گدیانہ (GADYANA) بارا کور اور منگلور کے صوبائی صدر مقاموں سے جاری کیے گئے تھے اور کرشن شاستری نے اس بات سے یہ نتیجہ نکالا کہ صوبائی وائسرایوں کو خود اپنے نام کے سکے جاری کرنے کا اختیار حاصل تھا[86]۔ اسی طرح ہمارے پاس دیورائے دوم کے ماتحت وائسرائے لکنا ڈنڈ نایک کا ثبوت موجود ہے جس نے اپنے نام کے سکے جاری کیے تھے۔ اس کے ایک تانبے کے سکے کی پشت پر ایک ہاتھی بنا ہوا تھا جس کے ایک حرف (ل) بنا ہوا تھا اور اس کے سیدھے رخ پر "من" "دن آئے"، کرو (MANA, DANAYA, KORU) کا مقولہ کندہ تھا جس سے غالباً لکشمن ڈنڈ نایک کا نام مراد تھا[87]۔ صوبائی گورنروں کو خود اس بات کا اختیار تھا کہ وہ نجی افراد کو سکے ڈھالنے اور نجی ٹکسال (ٹنکہ) چلانے کا حق دے سکتے تھے[88]۔ گورنروں کو نئے ٹیکسوں کو لاگو کرنے اور پرانے ٹیکسوں کو معاف کر دینے کا اختیار تھا چونکہ عموماً وہ شاہی محل کو صرف ٹیکس کی ایک معینہ رقم کو ادا کرنے کے ذمہ دار تھے لہٰذا ٹیکسوں کے نفاذ اور ان کے وصولی کے طریقوں

کی جزئیات پر ان کے ساتھ کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔ اس طرح پکا کمپن ادیار نے افسران اور ہٹّل کوٹ (HATTOLKOTE) کے کیکولاؤں (KAIKKOLAS) کو ایک سند عطا کی تھی جس میں اس نے ٹیکسوں کی ادائگی اور ان جرمانوں کو جو کیکولاؤں پر عاید کیے جاتے، معافی کے لیے کچھ ضابطے مقرر کیے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوبائی وزرا صوبے کے گورنر کی اجازت کے بغیر نہ تو جاگیر دے سکتے تھے اور نہ ٹیکسوں کو عاید یا معاف کر سکتے تھے۔ اس طرح ویر کمپن ادسے یار کے ماتحت ایک افسر وتیپّر (VITTOPPAR) نے گورنر کی منظوری کے بعد مادم باکم (MADAMBAKKAM) کا گاؤں مقامی مندر کو عطیہ میں دیا تھا۔[95] لیکن چند کتبات ایسے بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کے چند افسروں نے گورنر سے ضروری اجازت حاصل کیے بغیر ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا۔ کمپن ادیار کے ایک ماتحت افسر گوپانگل نے کولوتونگا شولا نلّور (KULOTTUNGA, SOLANALLUR) عرف برہمیشور (BRAHAMUSVARA) کی اراضی جو گاؤں پر مشتمل تھی، ان پر عاید ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا۔[96] اسی کمپن کے ماتحت دو افسروں، مہا پردھانی سومپیا ادسے یار اور خزانچی وتاپیّن (VITTAPPAYYAN) نے میدیور - (MEY - DEVAR) کے نام، جو پولی ناد (PULINAD) کے ٹیکسوں کا انچارج تھا، ایک فرمان جاری کیا تھا کہ وہ اپنے ضلع سے ہو کر گذرنے والی اشیا پر جنس کی شکل میں عاید شدہ بعض چنگیوں کو کمارنی میں واقع وشنو کے مندر کے مفاد میں دیدے۔[97] لیکن مندرجہ بالا دونوں حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان افسروں نے جو عطیات دئے وہ اس اختیار کی بنا پر نہیں جو حکومت میں ایک منصب پر فائز ہونے کی بنا پر انھیں حاصل رہا ہو۔ بلکہ صوبائی حکومت میں وہ خود چند اضلاع کے انچارج تھے۔ جن کی آمدنی صوبائی گورنر نے انھیں ان کے عہدوں کی تنخواہ کے طور پر دی تھی۔ یہ ضلع کے حاکم ہونے کی حیثیت سے تھا کہ صوبائی گورنروں کے وزرا نے اپنے طور پر ٹیکس معاف کیے یا جاگیریں عطا کیں ان کے عطیات جب تک کہ انھیں گورنر کی اجازت سے نہ دیا گیا ہو، پورے صوبے میں لاگو نہیں ہو سکتے تھے ایسے عطیات کا منافع صرف اس ضلع تک محدود ہوتا تھا جو صوبائی گورنر کی ماتحتی میں ان کے تصرف میں ہوتا تھا۔

بہر حال جب کبھی صوبائی وائسرے عوام پر زیادتیاں کرتے تو شاہی حکومت عوام کی جانب سے مداخلت کرتی تھی۔ مثال کے طور پر دیوراے دوم کے عہد سے قبل وزرا ہر دور حکومت کے آغاز کے موقع پر دائیں اور بائیں دونوں بازووں سے تعلق رکھنے والی تمام رعایا سے

جبراً تحائف وصول کرتے تھے جس کے نتیجہ میں تمام رعایا پریشان ہوتی تھی لہٰذا وہ دوسرے مقامات میں منتقل ہو گئی۔ مندروں میں عبادت اور جشن بند ہو گیے اور ملک بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا کچھ لوگ جو بچ رہے تھے یا تو مر گئے یا مصیبتوں سے دوچار رہے۔ چنانچہ بادشاہ نے مداخلت کی اور اس طرح کی جبری وصولیابی کو ممنوع قرار دیا[93]۔ اس طرح شاہی حکومت مقامی حکومتوں میں اس وقت مداخلت کرتی تھی جب مقامی گورنروں کی طرف سے بدانتظامی یا زیادتی کی جاتی تھی یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وزراء عوام پر زیادتیاں کرتے تھے یہاں ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ وزرا کی اصطلاح سے مراد افسران ہیں اس لیے کہ شاہی کونسل کے وزراء ہی عموماً صوبائی گورنر بھی ہوا کرتے تھے۔

نونیز کہتا ہے کہ صوبائی گورنروں کو ہر سال ماہ ستمبر کے ابتدائی نو دنوں میں بادشاہ کو وہ ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے جو بادشاہ ان پر ہر سال متعین کرتا تھا[94]۔ اس کا جو مطلب ہے اس کا ذکر ہم اس سے قبل کی ایک فصل میں کر چکے ہیں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اگرچہ معافیاں ہر مہینے دی جاتی تھیں لیکن ٹیکس کا تعین ستمبر ہی میں ہوتا تھا[95]۔

صوبائی گورنروں کو اپنے اپنے حلقہ اختیار میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کا ذمہ دار بھی قرار دیا گیا تھا اگر کبھی ان کی رعایا کا مال واسباب چوری ہو جاتا تو وہ پابند تھے کہ چور کو گرفتار کریں اور مالک کو اس کے چوری شدہ مال واپس کریں ورنہ بادشاہ انھیں سخت سزائیں دیتا[96]۔

گورنر چند اعزازات کے مستحق ہوتے تھے۔ انھیں ڈولیوں اور پالکیوں کے استعمال کی اجازت تھی جیسا کہ اس کا ثبوت نونیز کے بیان سے ملتا ہے[97]۔ اس عہد کے کتبات میں چند ایسے اعزازات کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو انھیں بادشاہ کی جانب سے عنایت کیے جاتے تھے۔ کولار ضلع کے گوری بیدنور (GORIBIDNUR) تعلقہ کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ وجے نگر کے بادشاہ (ملّی کارجونا) نے اپنے چند جاگیرداروں کو مندرجہ ذیل اعزازات عطا کیے تھے۔ گھوڑا، چیتر، چامرا (CAMRA)، بھومی پینڈے (BHUMIPENDE) اور تین ہودہ والے ہاتھی[98]۔ اسی طرح کندویدو (CONDAVIDU) کے گورنر ندیلا آپا (NANDELA APPA) کو ایک پالکی اور دو کوڑیاں (CAURIS) استعمال کرنے کا حق عطا کیا گیا تھا[99]۔

صوبوں کے چند گورنروں کو شاہی ملازمت کے چند اہم عہدوں پر مقرر کیا جاتا۔ بادشاہ کے چند وزراء کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی ایک یا دوسرے صوبہ کے گورنر تھے۔ مثال

کے طور پر بکّا اول کے وزیر مادھو منتری نے (جو اس سے قبل ماریّا کا وزیر تھا جبکہ وہ کدمبا (KADAMBA) اور بنواس 12,000 کا وائسرائے تھا) وزیر بکّا بھوپتی کے حکم پر "مغربی سمندر تک (صوبے کی) حکومت قبول کر لی تھی[100] شیموگا ضلع کے تیرتھ ہلّی (TIRTHAHALLI) تعلقہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ ہری ہر دوم کا وزیر داخلہ مادھو منتری وجے نگر سلطنت کے مغربی حصّوں کا، جس میں آرگا بھی شامل تھا، گورنر تھا، ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وہ 1384ء تک جو کہ کتبہ کی تاریخ ہے، اس صوبے کا حکمراں رہا[101]۔ دیو رائے اوّل کا مہاپردھانی، ناگنّا ڈنڈنایک مولو واگل سلطنت کا گورنر تھا[102]۔ دیورائے دوم کے وزیراعظم لکنّا ڈنڈنایک نے مختلف صوبوں میں گورنر کے فرائض انجام دیے تھے۔ تقریباً 1430ء میں وہ مول باگل اور تیکل (TEKAL) کے صوبوں کا گورنر تھا[103] بعد میں وہ مملکت کے جنوبی علاقہ کا گورنر ہوا اور "جنوبی سمندر کے بادشاہ" کے عہدے سے جانا جاتا تھا[104]۔ ملیکارجن رائے کا مہاپردھانی تمن ڈنڈنایک مملکت کے ناگ منگلا (NAGMANGALA) علاقہ کا گورنر تھا[105]۔ کرشن دیورائے کے وزیراعظم سالو واتمّا کو کوندوید و پر قبضہ کے بعد اس کا گورنر بنا دیا گیا تھا[106]۔ بادشاہ کا رائے سم، کوندمر سیا (KONDMARASYYA) ادے گیری کا گورنر تھا[107]۔ نونیز کا سلونایک (SALVANAYQUE) جو کتبات میں سالو وادیر نرسمہا نایک یا سالو واڈنڈنایک کے نام سے معروف ہے، کچھ دنوں تک تیرو ودی راجیہ کا گورنر رہ چکا تھا اور نونیز کے بیان کے مطابق وہ کراماوڈل (CHERAMAODIAL)، نیگا پٹم، تنجور، بھوواناگیری، دیوی پٹنم، تیرو کوئل (تیرکوئی لور)، کابل اور سیلون کی سرحد پر واقع دیگر علاقوں کا حاکم تھا[108]۔ اس طرح اس بات کے ثبوت کے لیے بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ چند شاہی افسران صوبائی گورنر بھی ہوتے تھے اور وہ اپنے صوبوں پر اپنے نائبین کے ذریعہ حکومت کرتے تھے جنھیں کاریاکرتا (KARYAKARTAS) کہا جاتا تھا۔

نونیز چند صوبائی گورنروں، ان کی آمدنی اور شاہی حکومت کی جانب ان کے فوجی اور مالی فرائض کے متعلق مندرجہ ذیل بیان پیش کرتا ہے۔

گورنر کے نام	آمدنی سونے کے پرداؤ میں	فوجی خراج	مالی خراج
سلوا نایک، اچیوت رائے کا وزیراعظم	11,00000	30,000 پیادے 3,000 گھوڑے	$\frac{1}{3}$

گورنر کے نام	آمدنی سونے کے پرداؤ میں	فوج خراج	مالی خراج
		30 ہاتھی	
اچیپر کتیپا (AGAPARCATIMAPA) ادے گیری وغیرہ کا حاکم	800,000	25,000 پیادے 1,500 گھوڑے 40 ہاتھی	$\frac{3}{8}$
گپنایک (GAPANAYQUE) روسیل (ROSYL) کا حاکم	600,000	20,000 پیادے 2,500 گھوڑے 20 ہاتھی	$\frac{1}{4}$
لپنایک (LEPANAYQUE) ونگاپور (VINGAPOR) کا حاکم	300,000	20,000 پیادے 1,200 گھوڑے 28 ہاتھی	$\frac{4}{15}$
نروا (NARVARA) اونڈجیما (ONDGEMA) کا حاکم	400,000	12,000 پیادے 600 گھوڑے 20 ہاتھی	$\frac{1}{2}$
سینپانایک (CIAPNAYQUE) کالے (COLAY) کی سرزمین کا حاکم	300,000	10,000 پیادے 800 گھوڑے	$\frac{1}{3}$
کرسنپانایک (CRISNAPANAYAQUE) آوسل (AOSEL) کا حاکم	20,000	700 پیادے 500 گھوڑے	$\frac{7}{20}$
بجپانایک (BAJAPANAYQUE) بودائل (BODIAL) کا حاکم	300,000	10,000 پیادے 800 گھوڑے 15 ہاتھی	$\frac{1}{30}$
ملّپانایک (MALLAPANAYQUE) آوے (AVALY) وغیرہ کے علاقے کا حاکم	51,000	6,000 پیادے 400 گھوڑے	$\frac{1}{3}$
ادپانایک (ADAPANAYQUE) دروازے (GATE) کے علاقہ کا حاکم	400,000	8,000 پیادے 800 گھوڑے	$\frac{2}{15}$

گورنر کے نام	آمدنی سونے کے پرداؤ میں	فوج خراج	مالی خراج
		30 ہاتھی	
بچپا نایک، مومدوگل (MUMDOGUEL) کا حاکم	400,000	10,000 پیادے 1,000 گھوڑے 50 ہاتھی	$\frac{3}{8}$

اگرچہ ہمیں ان خراجوں کے بارے میں جو اچیوت رائے اپنے بعض صوبائی گورنروں سے طلب کرتا تھا یہ ضمنی تفصیلات ملتی ہیں لیکن ہمیں اس واقعی اصول کی واقفیت نہیں ہو سکی جس کے مطابق ان سے یہ مطالبات کیے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا چند گورنروں سے طلب کیے جانے والے خراجوں کے جائزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی مختلف ہوتے تھے۔ ادپا نایک سے، جس کی آمدنی 3 لاکھ پرداؤ تھی یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ بادشاہ کے لیے پیادوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کی ایک مخصوص تعداد ملازم رکھے اور اپنی آمدنی کا $\frac{2}{15}$ حصہ خراج میں ادا کرے جبکہ لیپا نایک سے، جس کی آمدنی بھی اتنی ہی تھی، نہ صرف یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ تقریباً اتنے ہی ہاتھی اور پیادے اور گھوڑے اس سے زیادہ بڑی تعداد میں ملازم رکھے بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنی آمدنی کا $\frac{4}{15}$ حصہ شاہی خزانے میں داخل کرے بہرحال اس غیر معمولی عدم تناسب کی ایک توجیہہ کی جا سکتی ہے۔ چونکہ صوبوں کے بیشتر گورنر حکومت کے کسی نہ کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے لہٰذا ان سے اسقدر مطالبہ کیا جانا چاہئے تھا کہ حکومت کو ادائیگی کے بعد ان کے پاس اتنی رقم بچ رہے جو حکومت کے لیے انجام دی جانے والی ان کی خدمات کا معاوضہ ہو۔ مثال کے طور پر ادپا نایک بادشاہ کا مشیر اعلیٰ تھا جبکہ لیپا نایک حکومت کے کسی ایسے عہدے پر فائز نہ تھا۔ اس صورت میں ریاست نے موخرالذکر سے جو زیادہ مطالبہ کیا تھا وہ قطعی درست تھا اس لیے کہ متعینہ خراج ادا کرنے کے بعد بھی اس کے پاس گورنر کی حیثیت سے اس کی تنخواہ کے طور پر کچھ نہ کچھ باقی بچ رہتا تھا۔ لیکن ادپا نایک مملکت کے صدر مقام پر ایک افسر تھا اور ساتھ ہی وہ ایک صوبے کا گورنر بھی تھا اگر وہ دارالسلطنت میں اپنے عہدے کے فرائض انجام دیتا تھا تو وہ اپنے صوبے پر اپنے ایک نائب کی مدد سے ہی حکومت کر سکتا تھا اور اسی صورت میں یقیناً اسے اس کو تنخواہ دینی پڑتی ہوگی۔ اس طرح اسے دو کام انجام دینے پڑتے تھے۔ اگرچہ اس کے پاس بڑا ایک صوبہ تھا جسکی

آمدنی کو وہ مرکزی حکومت کو اپنا خراج ادا کرنے کے بعد اپنے تصرف میں لاسکتا تھا تاہم چونکہ اس کو اس پر اپنے ایک نائب کی مدد سے حکومت کرنی پڑرہی تھی جس کو اسے تنخواہ بھی دینی پڑتی تھی لہٰذا شاہی دربار کو ادا کیے جانے والے خراج میں اس کے ساتھ کچھ رعایت برتنی ضروری تھی۔ اس طرح حکومت کے اس مطالبہ میں، جو وہ ایک ایسے صوبائی گورنر سے کرتی تھی جو دارالسلطنت میں بھی ایک عہدے پر کام کرتا تھا اور اس مطالبہ میں جو اس گورنر سے کیا جاتا تھا جس کے پاس ایسا عہدہ نہیں ہوتا تھا کچھ نہ کچھ تفاوت کا پایا جانا ناگزیر تھا۔

یہ گورنر، جن میں وہ بھی شامل ہیں جو دارالسلطنت میں کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے۔ دارالسلطنت میں اپنا ایک نمائندہ رکھتے تھے۔ اس افسر کو نونیز "سکریٹری" کے نام سے پکارتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "سکریٹری" ہمیشہ دربار میں رہتا تھا اور یہ کہ محل میں ہونے والے تمام واقعات سے وہ اپنے آقا کو مطلع رکھتا تھا۔ چنانچہ وہاں کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کی انھیں فوراً اطلاع نہ ہو جاتی ہو[۲۱]۔

بعض خاندانوں کے شاہی محل پر اثر و رسوخ کے بارے میں بھی چند باتیں کہنا یہاں مناسب ہوگا۔ بعض صوبائی گورنر جو دربار میں بھی کسی عہدہ پر فائز ہوتے تھے وہ اکثر شاہی خاندان پر بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتے تھے جس کے نتائج کبھی کبھی بڑے سنگین تھے۔ سنگم (SANGAMA) بھائیوں نے جو ہوئے شالوں کے زمانہ میں خود ذی اثر جاگیردار تھے، رفتہ رفتہ طاقت و حیثیت حاصل کرلی اور بالآخر خود اپنے مفاد میں حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ملیکارجن اور ویروپاکسا کمزور حکمرانوں کے زمانہ میں سالوا نرسمہا میں پورے شاہی اقتدار کو غضب کرلینے کی خواہش پیدا ہوئی اور بالآخر خود کو وجے نگر کے بادشاہوں کے دوسرے سلسلہ کا بانی بنا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اس کے کمزور بیٹے امدی نرسمہا کے دورِ حکومت میں نرسانایک نے قوت و عظمت حاصل کرلی اور بالآخر اس کا لڑکا وجے نگر میں ایک "غیر خونی انقلاب" لانے میں کامیاب ہوگیا۔ اچیوت رائے کے دورِ حکومت میں سلاکا (SALAKA) بھائیوں کا اثر و رسوخ ہی وجے نگر کے دارالسلطنت میں محل کی متعدد سازشوں کا سبب بنا تھا۔ سداشیو کے دربار میں رام راج اور اس کے بھائیوں کو جو اثر و رسوخ حاصل تھا وہ اتنا مشہور رہے کہ یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں تاہم سداشیو رام راج کے ہاتھوں میں بے بس قیدی تھا جس کو عوام میں سال میں صرف ایک بار دکھایا جاتا تھا

پنے اقتدار کے زمانہ میں رام راج وجے نگر کی سیاست پر حاوی تھا اور اس نے شمال میں اپنے مسلم پڑوسیوں کو مغلوب کرلیا تھا۔ بہر حال یہ کہنا پڑے گا کہ مضبوط بادشاہوں کے ساتھ گورنر بے جا حرکتیں نہیں کرسکتے تھے۔ سالو واتما اپنی طاقت ولیاقت کے باوجود کرشن دیو رائے کے کنٹرول میں رہا۔ محض اس شبہ پر کہ وہ اس کے بیٹے تیرومل کے قتل میں ملوث تھا، اسے اندھا کرکے قید کردیا گیا اور اسی کا خاندان بھی برباد کردیا گیا۔ اس طرح طاقتور بادشاہوں کے دور میں وہ مطیع رہتے تھے لیکن کمزور بادشاہوں کے زمانہ میں وہ غیر معمولی طاقت، اثر ورسوخ اور عظمت حاصل کرلیتے تھے۔

(۲) ناین کر نظام (NAYANKARA SYSTEM) وجے نگر کی صوبائی تنظیم کی دوسری اہم خصوصیات ناین کر نظام تھا۔ اس نظام کے مطابق بادشاہ کو زمین کا مالک سمجھا جاتا تھا اور وہی زمین کو اپنے متوسلین یا وابستگان میں تقسیم کرتا تھا۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں حکمراں بادشاہ کی خدمات کے معاوضہ میں جاگیریں عطا کی جاتی تھیں، اس طرح جب شمال کا کوئی شخص جنوب کے رہنے والوں پر اپنی حکومت قائم کرتا تھا تو اسے اپنے کو ایک جماعت سے مسلح رکھنا پڑتا تھا جو جنگوں میں اس کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس کے لیے جماعت کے لوگوں کو زمینیں عطا کی جاتی تھیں۔ جن لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے زمینیں ملتی تھیں انھیں نایک کہا جاتا تھا اگرچہ اس اصطلاح کو بعد میں مختلف عہدوں اور ذاتوں کے معنی میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ یہ لوگ اپنی اپنی جاگیریں پر بڑی آزادی کے ساتھ حکومت کرتے تھے۔ انھیں جو جاگیریں دی جاتی تھیں اس کے عوض انھیں دو فریضے انجام دینے پڑتے تھے ایک تو یہ کہ انھیں شاہی خزانے میں ایک متعین سالانہ مالی خراج ادا کرنا پڑتا تھا جو نونیز کے بیان کے مطابق عموماً ان کی آمدنی کا نصف ہوتا تھا۔ دوسرے یہ کہ انھیں بادشاہ کے لیے کافی تعداد میں پیادے ملازم رکھنے ہوتے تھے اور جنگوں میں اس کی خدمات انجام دینی ہوتی تھیں اچیوت رائے اور اس کے نایکوں کے بارے میں نونیز کہتا ہے۔ "اس بادشاہ سیتاراؤ (CITARAO) کے پاس پیادہ سپاہی ہیں جنھیں اس کے امراء تنخواہ دیتے ہیں ان لوگوں کو چھ لاکھ یعنی چھ سو ہزار سپاہی ملازم رکھنے ہوتے ہیں اور یہی امراء چوبیس ہزار گھوڑے رکھنے کے بھی پابند ہیں۔ یہ امراء لگان داروں کے مانند ہیں جو بادشاہ کی طرف سے تمام

اراضی کے مالک ہوتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو ملازم رکھنے کے علاوہ انھیں ان کے اخراجات بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں ہر سال شاہی ٹیکس کی حیثیت سے ساٹھ لاکھ کی لگان بھی ادا کرنی پڑتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ ان زمینوں پر ایک سو بیس لاکھ کی پیداوار ہوتی ہے جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس میں سے ساٹھ لاکھ انھیں بادشاہ کو دے دینے پڑتے ہیں اور بقیہ وہ سپاہیوں کو تنخواہ دینے اور ان ہاتھیوں کے اخراجات کے لیے روک لیتے ہیں جن کے رکھنے کے وہ پابند ہیں[111]۔ پائز بھی یہی تفصیلات پیش کرتا ہے۔ رقم کی مقدار جو ان نایکوں کو رکھنی ہوتی تھی، خود بادشاہ متعین کرتا تھا اور یہ (تعداد) عموماً اس آمدنی کے تناسب سے ہوتی تھی جو ان میں سے ہر ایک کو حاصل ہوتی تھی[112]۔ وہ اپنے حلقہ اختیار میں امن وسلامتی کے نگراں اور جرائم کا پتہ لگانے کے ذمہ دار بھی ہوتے تھے۔ وہ اپنے علاقوں میں ہونے والے نقصانات کی تلافی کرنے پر پابند تھے۔ بعض رسموں کے موقعوں پر مثلاً بادشاہ کے یہاں لڑکے یا لڑکی کی پیدائش یا اس کی (بادشاہ کی) سالگرہ کے موقعہ پر یہ امرا اسے "نقد اور قیمتی ہیرے وجواہرات کے بڑے بڑے تحائف" پیش کرتے تھے[114]۔ اس کے علاوہ ان سے یہ بھی توقع کی جاتی تھی کہ وہ سال نو کے دن بادشاہ کو بڑی بڑی رقمیں تحفہ میں پیش کریں۔ پائز کہتا ہے کہ "یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس دن پندرہ لاکھ سونے کے پرداؤ کی نقد رقم بھی بادشاہ کو دیتے ہیں[115]"۔ نونیز کے مطابق امرا اس کے گھر روزانہ کھانے کی چیزیں بھی بھیجا کرتے تھے مثلاً چاول، گیہوں، گوشت اور پرندے دوسری تمام ضروری اشیاء کے ساتھ[116]۔

ان فرائض کی تعمیل میں کوتاہی سزا کا موجب بنتی تھی۔ نونیز کہتا ہے کہ اگر یہ سپاہیوں کی پوری تعداد برقرار نہ رکھتے یا اپنے فریضہ کے مطابق خراج ادا نہ کرتے تو ان نایکوں کی جاگیریں ضبط کر لی جاتیں اور خود انھیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں[117]۔ باربوسا کا بھی یہی خیال ہے کہ جب بادشاہ کسی بڑے جاگیردار یا اس کے رشتہ دار کو کسی جرم کا مرتکب پاتا تو وہ اسے فوراً طلب کرتا تھا اور اگر وہ "اپنی غلطی کا معقول عذر" پیش کرنے میں ناکام رہتا تو وہ کما حقہ اس کی سرزنش کرتا اور اس کی آمدنی میں سے نصف لے لیتا۔ اس کے بعد فوراً اسے برہنہ کرکے زمین پر لٹا دیئے جانے کا حکم دیا جاتا پھر اس کی سخت پٹائی ہوتی۔ لیکن اگر وہ اتفاق سے بادشاہ کا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا تو بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے اس کی پٹائی کرتا۔ اس کی سزا کے بعد حکم دیا جاتا کہ اسے "نہایت باعزت طریقے پر ڈھول اور باجے کے ساتھ" اس کی پالکی میں اس

کے گھر تک لے جایا جائے[118]۔ لیکن جسمانی سزا کا تذکرہ کسی اور مصنف نے نہیں کیا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ڈیمس (DAIMS) کا خیال ہے، یہ کہانی بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے[119]۔

مملکت وجے نگر کا ذکر کرتے ہوئے ڈوارسے باربوسا کہتا ہے "ان تمام قصبوں اور دیہاتوں میں ملحد آباد ہیں جن میں سے چند مور بھی ہیں یہاں کے بیشتر مقامات جاگیرداروں کی ملکیت میں ہیں جو نرسنگو (NAHSYNGUA) کے بادشاہ کی جانب سے ان کے پاس ہیں جو خود اپنے شہر میں اپنے گورنروں، لگان اور ٹیکسوں کے محصلین کو متعین کرتا ہے[120]"۔ سیاح کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو قسم کے صوبے ہوتے تھے ان میں سے ایک بادشاہ کی جانب سے جاگیردارانہ نظام کی بنیاد پر جاگیرداروں کے پاس ہوتا تھا اور دوسرے پر بادشاہ براہِ راست اپنے گورنروں یا نمایندوں کے ذریعہ حکومت کرتا تھا۔ یہ دو قسم کے صوبائی افسران ہماری بیان کی ہوئی تقسیم کے نایک اور گورنر تھے۔

نایکوں کی دستوری حیثیت ایک صوبے کے گورنر سے مختلف معلوم ہوتی ہے گو دونوں کو چند ملتے جلتے فرائض انجام دینے ہوتے تھے (۱) گورنر صوبے میں بادشاہ کا نمائندہ ہوتا تھا اور بادشاہ کی جانب سے اس پر حکومت کرتا تھا جبکہ نایک محض ایک فوجی باجگذار ہوتا تھا۔ اور اسے جاگیر میں جو ضلع دیا جاتا تھا وہ اصل میں اس لیے تھا کہ وہ اپنے مالی اور فوجی فرائض کو انجام دے سکے۔ (2) نایک کو اپنی جاگیر میں نسبتاً زیادہ آزادی حاصل تھی۔ اس کے ضلع کے داخلی نظم ونسق میں بظاہر بادشاہ کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نایکوں کا ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں تبادلہ نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن ایک نایک کو اس کے سپرد کیے ہوئے ضلع سے، برطرف کر دیا جانا خلاف معمول نہ تھا۔ لیکن اس طرح کے واقعات میں اس کی برخواستگی کی وجہ بظاہر اس کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکامی ہوتی تھی یا بادشاہ کی یہ خواہش کہ وہ اپنے کسی دوسرے پسندیدہ شخص کو اس مقام پر متعین کرے لیکن کسی گورنر کی منتقلی یا برطرفی غالباً انتظامی ضرورتوں کے پیشِ نظر کی جاتی تھی۔ (3) نایک کی ذمہ داریاں بڑی سخت ہوتی تھیں۔ جنگلوں کی صفائی زراعت کا کرانا اور تہذیب وتمدن پھیلانا چند وہ زیادہ اہم کام تھے جو نایکوں کے سپرد کیے جاتے تھے اور جنھیں وہ انجام دیتے تھے (4) گورنروں کو عموماً ڈنڈ نایک کہا جاتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ برہمن ہوتے تھے (5) نایک کا عہدہ جو ابتدائی دور میں شخصی ہوتا تھا، امتداد زمانہ کے ساتھ

ہی جب مرکز میں بادشاہوں کے اندر کمزوری اور زنانہ پن آگیا تو موروثی بن گیا۔

نایک شاہی صدر مقام پر دو طرح کے افسر متعین کرتے تھے۔ ان میں سے ایک تو دارالسلطنت میں تعنیات اپنے آقا کی فوج کا انچارج ہوتا تھا۔ نونیز نایکوں کی ایک مخصوص جماعت کا تذکرہ کرتا ہے جنھیں شہروں یا قصبات میں قیام پذیر ہونے کی زحمت کبھی نہیں اٹھانی پڑتی تھی تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ بادشاہ کی پہونچ سے دور ہو جائیں۔ لیکن جیسا کہ ایک سلسلہ میں پہلے ہی بتلایا جا چکا ہے نونیز کا یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر پائز کے بیان کے پیشِ نظر جو کرشن دیو رائے کے زمانہ کے امراء کی ایک جماعت کے متعلق بتلاتے ہوئے کہتا ہے "یہ سردار سلطنت کے امراء ہیں یہ جاگیردار ہیں اور مملکت کے شہر قصبات اور گاؤں ان کے تصرف میں ہیں[124]"۔ بظاہر نونیز ان نایکوں کے درمیان، جو اپنے اپنے علاقوں پر حکمرانی کرتے تھے اور دارالسلطنت میں مقیم ان کے فوجی نمایندوں کے درمیان، اشتباہ کر رہا ہے۔ ان نمایندوں کو گھر جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اس لیے کہ وہ (دربار میں) اپنے اپنے جاگیرداروں کے وکیل اور ضامن ہوتے تھے۔ ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ شاہی دربار کے یہ امراء محل کے برجوں کی حفاظت کرتے تھے جس طرح مدورا کے نایک کے دور میں پالائیگار (PALAIGAR) کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ وہ یہ کام انجام دیتے تھے تو ہم غلطی پر نہ ہوں گے کیونکہ مملکت وجے نگر کی صوبائی تنظیم مرکزی تنظیم ہی کا ایک مختصر چربہ ہوتی تھی۔

دوسرا افسر جسے نایک شاہی دربار میں متعین کرتے تھے وہ استھاناپتی (STHANA - PATI) یا غیر فوجی نمایندہ ہوتا تھا جو دارالسلطنت میں اپنے آقا کے مفادات کی نمایندگی کرتا تھا۔ نونیز اس افسر کے بارے میں مندرجہ ذیل بیان قلم بند کرتا ہے "بسنگا (BISNAGA) کی اس سلطنت کے سردار اور جاگیردار خواہ وہ دربار میں رہتے ہوں یا اس سے دور کہیں اور، ان میں سے ہر ایک کا ایک سکریٹری ہوتا ہے جو دربار جاتا رہتا ہے تاکہ اسے لکھ سکے اور مطلع کر سکے کہ بادشاہ کیا کر رہا ہے اور ان کا انتظام ایسا ہے کہ کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جس کی انھیں فوراً اطلاع نہ ہو جاتی ہو اور وہ شب و روز ہمیشہ دربار ہی میں رہتے ہیں[123]"۔ اس طرح رائے واشکمو کے مطابق مدورا کا وشوناتھ نایک وجے نگر میں ایک نمایندہ استھاناپتی رکھتا تھا اور یہ وہی شخص تھا جس نے رائے واشکمو کی تصنیف کی جس میں اس نے کرشن

دیورائے کے دور حکومت کے حالات لکھے[126]۔ نونیز کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو صوبائی گورنر شاہی دربار میں کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے اور جس کی بنا پر انھیں دارالسلطنت ہی میں مقیم رہنا پڑتا تھا، وہ بھی اپنے مفادات کی نگرانی کے لیے بادشاہ کے محل میں اپنے "سکریٹری" رکھا کرتے تھے۔

وجے نگر کے زمانہ کا نایین کرنظام چند اہم باتوں میں ہمیں عہد وسطیٰ کے یورپ کے نظام جاگیرداری کی یاد تازہ کراتا ہے۔ لیکن یہ مشابہت محض چند ہی باتوں تک محدود رہے اس لیے کہ نایین کرنظام میں جاگیرداری کا اصول اس حد تک نہیں بڑھا تھا جتنا کہ یہ یورپ میں تھا۔

نظام جاگیرداری کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے" زمین پرحق ملکیت کی وساطت سے سماج کی ایک مکمل تنظیم"، جس میں بادشاہ سے لے کر ایک معمولی زمین دار خدمت اور تحفظ کے معاہدہ کے تحت ایک ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ آقا کو اپنے جاگیرداروں کی حفاظت اور جاگیرداروں کو اپنے آقا کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ تحفظ اور خدمت اس زمین کی نوعیت اور وسعت پر مبنی ہوتی ہے جو ایک یا دوسرے کے قبضہ میں ہوتی ہے ان ریاستوں میں جو وسیع ہوکر (مختلف) علاقوں تک پھیل گئی تھیں وہاں دفاع اور خدمت کے حقوق کے ساتھ حاکمانہ حقوق بھی عطا کئے جاتے ہیں جاگیردار اپنے لگان داروں کے ساتھ انصاف کرتا ہے یا اس کی مدافعت کرتا ہے لگان دار اپنے جاگیردار کو خوش رکھتا ہے اور اسکی خدمت کرتا ہے جن ریاستوں میں جاگیردارانہ طرز حکومت ترقی کی بلند ترین منزلوں پر پہونچ چکی ہوتی ہیں، سیاسی، مالی اور عدالتی سارے عوامی امور کا نظم ونسق محض ایک نام کے اشارے پر چلتا ہے[127]"۔ اس طرح جاگیردارانہ نظام کے دو پہلو تھے ایک سیاسی اور دوسرا معاشیاتی۔ اول الذکر کے مطابق جاگیردار اپنی جاگیروں کے حاکم ہوتے تھے، انھیں چند اختیارات حاصل تھے اور اس کے معاوضہ میں انھیں آقا کی خدمت انجام دینی پڑتی تھیں خود آقا سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے جاگیردار کی حفاظت کرے گا۔ جاگیردارانہ نظام کا معاشیاتی پہلو اس حقیقت پر مشتمل تھا کہ جاگیردار کی حیثیت وطاقت پوری طرح اس زمین کی مقدار سے وابستہ تھی جو اس کے قبضہ میں ہوتی تھی۔

نایین کرنظام میں بھی ہم یہی پاتے ہیں کہ زمین کا اصل مالک بادشاہ ہی ہوتا تھا۔ نونیز

کہتا ہے "تمام زمین بادشاہ کی ہے اور اسی کی جانب سے جاگیردار اس کے مالک ہوتے ہیں . . . ان کی اپنی کوئی زمین نہیں ہے اس لیے کہ پوری مملکت بادشاہ کی ملکیت ہے[126]" عہد وسطیٰ کے یورپ کے باجگذار جاگیرداروں کی طرح نایک بھی ایک متعین سالانہ مالی خراج اور مقررہ فوجی دستے ملازم رکھنے کے عوض بادشاہ کی زمینوں کے بلاواسطہ یا بالواسطہ مالک ہوتے تھے۔ یہ لوگ بھی اپنی زمینیں انھیں شرائط پر جن پر وہ خود شاہی زمینوں کے مالک ہوتے تھے، چھوٹے چھوٹے لگان داروں کو دے دیتے تھے یہ طریقہ کار یورپ میں زمینوں کو چھوٹے لگان داروں کے حوالے کر دینے کے طریقہ (SUB INFEUDATION) کے مشابہ تھا۔

لیکن بعض دوسرے امور میں وجے نگر کا ناین کر نظام یورپ کے مماثل نظام سے مختلف تھا۔ اوّل تو اس طریقہ میں جس طرح یہ وجود میں آیا تھا یورپ کے کا نظام جاگیرداری دو طرح کے حالات کا نتیجہ تھا۔ خود سپردگی کا عمل جس کے مطابق ایک چھوٹا زمیندار اپنے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے خود کو ایک جاگیردار کے سپرد کر دیتا تھا، اپنی زمین اس کے حوالے کر دیتا تھا اور جو اسے اپنی خدمات کے عوض بطور جاگیر اسے واپس ملتی تھی اس وعدہ پر کہ جاگیردار اس کا تحفظ کرے گا، اور بخشش کا عمل جس کے مطابق جاگیردار چند مخصوص خدمات کی انجام دہی کے عوض لگان داروں کو زمینیں عطا کیا کرتا تھا۔ لیکن ناین کر نظام بادشاہوں کی ایک سمجھی بوجھی پالیسی کا نتیجہ تھا جس میں وہ فوجی خدمت اور ایک مقررہ مالی خراج کے عوض (کچھ) علاقے نایکوں کو جاگیر میں دے دیتے تھے۔

دوم یہ کہ وہ سیاسی عنصر جو یورپ کے نظام جاگیرداری میں سب سے غالب تھا، ناین کر نظام میں مفقود تھا۔ وجے نگر کا جو نایک، بادشاہ کی زمین کا مالک ہوتا تھا اس کا حق ملکیت اصل میں ایک فوجی جاگیر کی نوعیت کا ہوتا تھا جو امرام (AMARAM) کے نام سے معروف تھا مزید براں وجے نگر کے بادشاہ اس بات کے لیے بہت زیادہ تیار رہتے تھے کہ وہ نایکوں کو انتہائی کٹھن ذمہ داریاں سپرد کریں بہ نسبت اس کے کہ وہ ان کے مفادات کا تحفظ کریں جیسا کہ نونیز (بھی) کہتا ہے کہ اگر وہ اپنے فرائض کو بروقت انجام نہ دے پاتے تو وہ اس کے سزاوار قرار پاتے کہ انھیں تباہ کر دیا جائے اور ان کے مال واسباب ان سے واپس لے لیے جائیں[127]۔ لیکن یورپ کے جاگیردارانہ نظام میں "رضاکارانہ لگان داری بڑھ کر پوری زندگی کی لگان داری میں تبدیل ہوگئی جس نے پھر وسعت پاکر موروثی قبضہ کی شکل اختیار کرلی تھی[128]"۔

ایک دوسرا نکتہ جو ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ جبکہ عہد وسطیٰ کے یورپ میں پورا سماج زمین کے حق ملکیت کے رشتے میں گتھا ہوا تھا، وجے نگر کے زمانہ میں ناین کر نظام آبادی کے محض ایک حصّہ کو ایک رشتہ میں منسلک کرتا تھا۔ زمینوں کو چھوٹے چھوٹے ذیلی لگان داروں کے سپرد کر دیئے جانے کے طریقہ کار کی تدریجی ترقی ہندوستان میں تکمیل کی اس منزل تک نہ پہنچ سکی تھی جتنی کہ یہ یورپ میں پہنچ گئی تھی۔ مزید یہ کہ جاگیردارانہ اصول یورپ کی طرح ہندوستان کے تمام مناصب میں نافذ نہیں تھا اس لیے کہ یورپ میں عدل و انصاف کے شعبہ میں بھی جاگیردارانہ اصول کو اپنا لیا گیا تھا۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کا ناین کر نظام ایک مکمل جاگیردارانہ تنظیم سے بہت پیچھے تھا۔

یہاں ناین کر نظام کی خوبیوں اور خامیوں کا ایک جائزہ بیجا نہ ہوگا۔ زمین کے ان وسیع علاقوں کو جن پر اس وقت گھنے جنگل اور پتھریلی پہاڑیاں واقع تھیں یہ حوصلہ مند نایک اپنے تصرف میں لائے۔ وہاں شہروں کی تعمیر کی گئی، گاؤں آباد کیے گئے اور ان خطوں میں تہذیب و تمدن کی قندیلیں روشن کی گئیں آبپاشی کی بڑی بڑی سہولتیں بہم پہونچائی گئیں۔ ہندو تہذیب و تمدن کی ہر اچھی بات کی ترویج اور ہمت افزائی کی گئی۔ لیکن نایکوں کے ان کارناموں کی بنا پر ہم اس نظام کی بعض خرابیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے مدورا کے پالائی گاروں کے متعلق بتلاتے ہوئے کالڈ ویل (CALDWELL) یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ "یہ بات مشکل ہی سے کہی جا سکتی ہے کہ غیر مہذب اور سرکش جاگیردار امراء، جیسا کہ عام طور پر پالائی گار ہوا کرتے تھے، کی ایک جماعت کی وساطت سے ملک پر حکمرانی کا خیال خوشگوار ثابت ہوا ہوگا اس لیے کہ ۱۸۰۱ء میں برطانوی اقتدار کی مکمل ماتحتی اور اطاعت قبول کر لینے کے زمانہ تک، اگر وہ مرکزی طاقت سے برسر پیکار نہ ہوتے تو وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہتے تھے، نیز ان لوگوں سے مرکزی حکومت کا خراج اور واجب الادا محاصل کا وصول کرنا شاذونادر ہی ممکن ہو پاتا تھا الّا یہ کہ فوجی طاقت کا مظاہرہ کیا جائے جو وصولی کی غیر مقبولیت اور اس کے اخراجات دونوں ہی میں اضافہ کا موجب بنتا تھا۔ لیکن اسٹوارٹ پالائی گار نظام کی حمایت کرتا ہے اور لکھتا ہے "لیکن یہ تنقید ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے جاگیردارانہ اداروں پر بھی مساوی طور پر لاگو ہوتی ہے اور چونکہ یہ ادارے دنیا میں اپنے فروغ کے زمانہ میں اپنے مقاصد کو انجام دے رہے تھے لہٰذا یہ فرض کر لینا شاید درست ہوگا کہ اس نظام کے ذریعہ غیر ملکی دشمنوں سے ملک کی حفاظت اور اندرون

ملک امن وامان اور ترقی کی اس حد تک ضمانت مل گئی تھی جو کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہ تھی اگرچہ اکثر ظلم وتعدی اور بدانتظامی کا عنصر اس میں شامل رہتا تھا[13]۔ لیکن اس کے یورپ کے نظام جاگیرداری پر مبنی قیاس کو زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی اس لیے کہ (ہندوستان میں) یہ نظام مکمل طور پر جاگیردارانہ نہ تھا نیز اس کے دلائل میں (اس نظام) کی وکالت کا انداز ہے۔ اس نظام میں چند خرابیاں تھیں جنھیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں اپنے اپنے علاقوں میں جو آزادی حاصل تھی اس سے انھیں مقامی نوعیت کے جھگڑوں اور خانہ جنگیوں میں حصہ لینے کا موقعہ مل جاتا تھا کبھی کبھی وہ مرکزی حکومت کی بالادستی کو بھی نگاہ میں نہیں لاتے تھے جب وہ نااہل بادشاہوں کے زمانہ میں کمزور ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ بڑے بڑے نایک جو اپنی زمینیں اپنے لگان داروں کے درمیان بالکل اسی طریقے پر تقسیم کر لیتے تھے جس طرح وہ خود انھیں بادشاہ کی جانب سے حاصل ہوئی تھیں انھیں ماتحتوں سے خود اپنے مفاد کے لیے خراج اور فوجی خدمت لیا کرتے تھے۔ اسی لیے جن نایکوں کو بڑے نایکوں سے زمینیں ملتی تھیں وہ بادشاہ کو جوابدہ نہ تھے۔ چنانچہ جو نایک براہِ راست بادشاہ کو جوابدہ ہوتا تھا اگر وہ مرکزی حکومت کے خلاف کمربستہ ہو جاتا تھا تو اس کے ساتھ اس کے بہت سے ماتحت نایک ہوتے تھے جبکہ خود بادشاہ بالکل بے یارومددگار ہوتا تھا۔ یورپ کے نظام جاگیرداری کا بھی یہ ایک کمزور پہلو تھا۔ مدورا کے پالائی گار نظام کے متعلق تبلاتے ہوئے ہراس (HERAS) اس خیال کا اظہار کرتا ہے "مزید براں، اس بات سے تامل اور تیلگو سردار بلاامتیاز پالائی گار مقرر کئے جاتے تھے، یہ توقع کی جاتی تھی کہ رعایا اور ان کے غیرملکی حکمرانوں کے درمیان ضروری اتحاد اور دائمی امن وامان کے قیام کے لیے مفید ثابت ہو گی یہ اس زمانہ کا اہم ترین سیاسی واقعہ تھا اس حقیقت کے باوجود کہ اس سے چھوٹے چھوٹے سرداروں کی ہمتیں بڑھتی تھیں اور مدورا کا شاہی اقتدار، جس سے یہ سردار ابتدا ہی سے بہت حد تک آزاد تھے، کمزور ہو رہا تھا اگر وہ مرکزی طاقت سے کچھ زیادہ باضابطہ طریقہ پر وابستہ اور منحصر ہوتے تو ممکن تھا کہ مدورا کی ریاست بہت سی ان مشکلات سے نجات پا جاتی جو پالائی گاروں کے باعث اٹھ کھڑی ہوئی تھیں[14]"۔ وجے نگر کے نایں کر نظام کے بارے میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ وجے نگر کی تاریخ کے بعض اہم مواقع جیسے متنازع فیہ جانشینی یا غیرملکی حملوں کے وقت یہ نایک مرکزی حکومت کے ؟ جو رویہ اختیار کرتے تھے وہ اس تنظیم کی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے۔ مرکزی حکومت کا استحکام

سی وقت متعین ہو سکتا تھا جب ان نیم آزاد نایکوں پر زیادہ قابو رکھا جاتا۔ لیکن جزوی طور پر نایں کر کی بنیاد پر انتظام حکومت کی تنظیم وقت کا تقاضا تھی اور نظم حکومت کی ایک زیادہ بہتر اسکیم کی کمی کی بنا پر ہی اس نظام کو اپنایا گیا تھا۔ یہ نظام اپنی خامیوں کے باوجود کافی حد تک اپنا مقصد پورا کر رہا تھا۔

3- ماتحت حلیف (SUBORDINATA ALLEIS) ماتحت حلیف ان قدیم ریاستوں کے حکمراں ہوتے تھے جن کو فتح کر لیا گیا ہو۔ مملکت کے مضافات کے بعض علاقوں میں چند حکمراں خاندانوں کے افراد کو اس بات کی اجازت حاصل تھی کہ وہ وجے نگر کے حکمراں کو اپنا سالانہ خراج ادا کر کے اپنی چھوٹی ریاستوں پر حکومت کرتے رہیں۔ شاہی حکومت کی مداخلت کے اندیشہ کے بغیر انھیں اس وقت تک مکمل اندرونی خود مختاری حاصل ہوتی تھی جب تک وہ اپنے حاکم بالادست کو فوجیوں اور رقوم کی شکل میں اپنا سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ کرناٹک کے علاقہ میں اس قسم کی بہت سی نیم آزاد ریاستیں موجود تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، وہ پہاڑی سلسلہ جو ان کی جاگیروں کو مشرقی حصّوں سے الگ کرتا تھا۔ یقیناً وہاں کے حکمرانوں کو مطیع بنانے میں وجے نگر کے حکمرانوں کے لیے دقتوں کا باعث بنا ہوگا۔ مزید یہ کہ شاہی حکمرانوں کو ان کی حیثیت کو تسلیم کرنا پڑتا تھا اس لیے کہ جاگیرداروں کے مقابلہ میں درمیانی ریاست کے حکمرانوں کی حیثیت سے وہ ان کی زیادہ بہتر طریقے پر کام آسکتے تھے اور شاید اس علاقہ کے عوام نئے فاتحوں کے مقابلہ میں اپنے موروثی حکمرانوں کا مطیع بنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماتحت حلیف شاہی دربار میں اپنے نمائندے رکھتے تھے نونیز اس طرح کے چند حکمرانوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ حکمراں بنگا پور، گسوپا، بیکانور، کالیکو (CALECU)، اور بھٹکل کے بادشاہ تھے[133]۔ دوسرے حکمرانوں میں ہوناور (HONAWAR) کا بادشاہ تھا جو کبھی تو وجے نگر کا حلیف رہتا تھا اور کبھی بیجاپور کا۔ اور بسا اوقات پرتگالیوں کا بھی، پھر الل (ULLAL) کا بادشاہ تھا جو اکثر پرتگالیوں سے برسرپیکار رہتا لیکن کبھی کبھی انھیں خراج بھی ادا کرتا تھا۔ نیز گنگولی (GONGOLLY) کا بادشاہ تھا۔ وہ بھی وجے نگر کا ماتحت تھا۔

فصل چہارم

صوبائی تنظیم پر کنٹرول

اگرچہ مملکت کے صوبوں کو اندرونی خود مختاری دی جاتی تھی لیکن وجے نگر کے

بعد کے دور میں "مخصوص کمشنروں (SPECIAL COMMISSIONED) کا تقرر کر کے نایکوں
کی آزادی پر پابند لگانے کی کوشش کی گئی تھی ان کمشنروں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ
وہ ان نایکوں کو قابو میں رکھیں "یہ مخصوص کمشنر" عموماً غیر معمولی صلاحیت کے حامل اور
نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ اور انھیں حتی الامکان شاہی خاندان کے افراد میں سے
چنا جاتا تھا۔ اچیوت رائے کے دور حکومت میں جب باصلاحیت وشوناتھ نایک تقرر کے
ساتھ مدورا کے نایک کے عہدہ کی تاسیس ہو چکی تھی اور جنوبی اضلاع کے نظم و نسق کا معقول
انتظام کیا جا چکا تھا، اس کے بعد ہمیں اسی علاقہ میں ایک افسر نظر آتا ہے جس نے راجا
دھراج اور مہامنڈل الیشور کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ ابتداً" رام راج وٹھل کو تراونکور کی سرحدوں
کی جانب ایک مہم کی قیادت کے لیے اور ماہی گیری والے ساحلی علاقوں کی چند مشکلات
کے خاتمہ کے لیے بھیجا گیا تھا ان دشواریوں پر وشوناتھ قابو نہ پا سکا تھا شاید اس وجہ سے
کہ وہ ان جاگیروں کے نظم و نسق میں مشغول تھا جو اسے نایک کی حیثیت سے سپرد کی گئی تھیں
اپنی اس مہم کی کامیاب تکمیل کے بعد ہی غالباً رام راج وٹھل کو ایک "مخصوص کمشنر" بنایا گیا
تھا۔ اور پورا جنوبی ہندوستان اس کے حلقہ اختیار میں دے دیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ اس کی بالادستی کو بھوٹل ویر (BHUTAL VIRA) نے بھی تسلیم کر لیا تھا جس نے 722ء
کولم (KOLLAM 722) 47-1546ء میں اس بات کا انتظام کیا تھا کہ وٹھلیشور مہاراجہ کی پیدائش
کی تاریخ پر سچیندرم (SUCINDRAM) میں واقع وشنو کی زیارت گاہ پر خاص چڑھاوے
بڑھائے جائیں[135]۔ وہ تراونکور کے حکمراں جیسے جاگیرداروں کے ظلم و تشدد کی راہ میں ایک
زبردست رکاوٹ تھا اور اس نے پورے جنوبی ہندوستان پر شاہی تسلط قائم کر دیا لیکن
وشوناتھ نایک اور رام راج وٹھل کے درمیان حقیقی رشتہ کی وضاحت مشکل ہے۔ چند
کتبات میں وشوناتھ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ وٹھل کا ایک نمائندہ ہے۔ ایک کتبہ
کے مطابق وشوناتھ، وٹھل دیو کے ثواب کے لیے ایک عطیہ دیتا ہے[136]۔ شاید انھیں کتبات
کی روشنی میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اینگر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس عہد میں مدورا کے وائسرائے

وشوناتھ اور اس کے بیٹے کرشن اپا کو اس مخصوص افسر کا ماتحت بن کر رہنا پڑا تھا[137]۔ لیکن ہراس اس بیان پر اعتراض کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ چونکہ وتھل کی تقرری کا مقصد دوسرا تھا (لہٰذا) ایک دوسرے کی ماتحتی کی کوئی ضرورت نہ تھی" اور وہ مزید لکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مقصد کو آزادانہ طور پر پورا کر سکتا تھا تاہم وشوناتھ نے ترادنکو کے خلاف مہم میں وتھل کی مدد کی تھی[138]۔ وہ موجودہ دور کی ایک تمثیل کے ذریعہ ان کے درمیان دستوری رشتے کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتا ہے وتھل اور وشوناتھ کے درمیان ان رشتوں کا موازنہ موجودہ زمانہ میں گورنر جنرل کے نمائندہ اور ہندوستان کی باجگذار دیسی ریاستوں کے کسی راجہ کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے اس سے کیا جا سکتا ہے[139]۔ لیکن ہراس کی یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی اور نہ اس کی پیش کردہ عصر حاضر کی تمثیل ہی درست ہے۔ وشوناتھ قطعی طور پر کہتا ہے کہ وہ وتھل کا نمائندہ تھا اور وہ اس کی برتر حیثیت کو تسلیم کرتا ہے۔ کسی باجگذار ہندوستانی ریاست کا موجودہ دور کا کوئی راجہ گورنر جنرل کے نمائندہ (RESIDENT) کی ماتحتی کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ وہ صرف حاکم اعلیٰ کا ماتحت ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے نمائندہ کا کام بہت ہی محدود ہوتا ہے اور یہ صرف ربط کا ایک ذریعہ ہوتا ہے جس ریاست میں وہ حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے، اس پر حکمرانی کا اسے کوئی حق نہیں ہوتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وتھل کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ وہ جاگیرداروں پر اپنی بالادستی نافذ کرتا تھا، خود عطیات دیتا[140]، جھگڑوں کا فیصلہ کرتا[141] اور عملاً تمام امور ایک آزاد حکمراں کی حیثیت سے انجام دیتا تھا جنھیں عصر حاضر کے گورنر جنرل کا نمائندہ کسی ہندوستانی ریاست میں انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس طرح ہمارے پاس جو شواہد ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک " بالادست کمشنر" ہوتا تھا اور اسے جنوب کے نایکوں کی نگرانی کے فرائض تفویض کیے گئے تھے۔

سداشیو کی موت کے بعد وجے نگر کے تخت پر تیرومل کی تخت نشینی کے وقت اندرونی پھوٹ اور جاگیرداروں کی بغاوت کی وجہ سے مملکت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی لہٰذا بادشاہ نے کم و بیش زبان کی بنیاد پر اپنی وسیع مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے ہر ایک میں اپنے ایک بیٹے کو وائسرائے مقرر کر دیا۔ اس طرح شری رنگارائے تیلگو کے پورے علاقہ کا وائسرائے تھا جس کا دارالسلطنت پینوگونڈ (PENUGONDA) تھا[142]۔ رام مملکت کے مغربی حصوں کا حکمران تھا جس کا دارالسلطنت شری رنگا پٹم تھا[143]، جبکہ آخری شہزادہ وینکٹ، نویدیرا (جنجی) چولا (تنجور)

اڑپانڈیا (مدورا) کے علاقوں کا وائسرائے تھا جس کا دارالسلطنت چندرگیری تھا[124]۔ واسوچرترامو (VASUCA'ITRAMU) کا یہ قطعی بیان ہے کہ وہ "سلطنت چندرگیری پر وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی ماتحتی میں بہت سے جاگیردار تھے[125]۔" اس تصنیف کے اس بیان سے پہلے سے موجود نایکوں کے مقابلہ میں وائسرائے کی دستوری حیثیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے[126]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تامل کے اضلاع کا وائسرائے ایک "مخصوص کمشنر" ہوتا تھا جو جنجی، تنجور اور مدورا کے نایکوں پر ایک طرح کی نگرانی کا اختیار استعمال کرتا تھا۔ یہاں یہ فرض کرنا درست ہو گا کہ تیرومل کے زمانہ میں وتھل دیو مہاراجہ کی حیثیت یقیناً چندرگیری کے وائسرائے کے مانند رہی ہو گی اسی طرح شری رنگاپٹم اور رینیوگوندہ کے وائسرائے "مخصوص کمشنر کے عہدے" پر فائز ہوتے ہوں گے اور اپنے ماتحت جاگیرداروں کو قابو میں رکھتے ہوں گے۔

حواشی

باب ششم

۱ HISTORY OF INDIA ازایلیٹ (ELLIOT) 4، ص 105

2 سیول، ح، س، ص 55، TN 2، 1532 میں اسے نقل کیا گیا اور پرتگالی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔

3 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 7، HASON، 71۔

4 ملاحظہ ہو ایپی گرافیا انڈیکا 3، ص ص 224-230، (A SHORT HISTORY. of ceylon) از ایچ، ڈبلو، کوڈرنگٹن (H.W.CODRINGTON.) ص ص 84-85۔

5 1903 کا 141، 904 کا 566 اور 567، رپورٹ 1905، پیراگراف 31۔

6 1916 کا 144، رپورٹ، پیراگراف 60۔

7 سیول، ح، س، پیراگراف 302۔

8 1903 کا 146، رپورٹ 1904، پیراگراف 23۔

9 سیول، ح، س، ص 239۔

10 1897 کا 40، ملاحظہ ہو۔ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1900ء رپورٹ، پیراگراف 70۔

11 سیول، ح، س، ص 302۔

12 بربوسا، ۱، ص ص 198-199۔

13 COMMENTARIES. 6، ص 73۔

14 ایلیٹ، ح، س، 4، ص 103۔

15 سیول، ح، س، ص ص 122 اور 374۔ ملاحظہ ہو بربوسا، ۱، ص 199 .TN۔

16ھ اپی گرافیا انڈیکا 3 ،ص 24۔

17ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10 ، B.G. 10۔

18ھ ایضاً B.G. 70۔

19ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1919 ، پیراگراف 93 CHENNAP 255 کا 1909 ، 151-1914 کا 7۔

20ھ 1897 کا 118 ، 1909 کا 426۔

21ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10 ، دیباچہ ص 34 ، 1910 کا 196 ، 1912 کا 324۔

22ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 7 ، TIRTHAHALLI ، 154۔

23ھ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 08-1907ء ص 237 T.N. 7۔

24ھ 1909 کا 255۔

25ھ 1906 کا 66۔

26ھ 1905 کا 326۔

27ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10 ، SIDLAGHATTA ، 15۔

28ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 11 ، CHANNARAJAPATNA. ، 52۔

29ھ اپی گرافیا انڈیکا 3 ،ص 119 ، ایضاً 14 ،ص 313 ، اپی گرافیا کرناٹیکا 8 ، (TIRTH - AHALLI) ، 206۔

30ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10 ، SIDLOGHATTE ، 94۔

31ھ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4 ، نمبر 802 ، اپی گرافیا کرناٹیکا 12۔

32ھ 1926 کا 232۔

33ھ سلیٹور (SALETORE) اس پر شبہ کا اظہار کرتا ہے کہ ولنادو کی اصطلاح توندائی منڈلم سے باہر بھی مستعمل تھی SACIALAND POLITICALLIFE. 1 ،ص T.N.295) لیکن یہ بات میں درج ہے کہ مگدائی منڈلم میں بھی ایک ڈویژن تھا (1906 کا 66 ، 1909 کا 1909) اور دوسرے میں نگاریلی شولا منڈلم (NIGARILI SOLAMANDALAM) میں واقع راجندر شولا ولنادو (RAJENDRA SOLAVALNAIU) کا تذکرہ ملتا ہے۔ (اپی گرافیا کرناٹیکا 9 ، B.G. 59) سلیٹور کا یہ بھی خیال ہے کہ ولنادو۔ کوتم کے مقابلہ میں چھوٹا

ڈویزن تھا۔ لیکن اگرچہ چند کتبات ایسے ہیں جن میں درج ہے کہ ولنادو، کوتم کا ایک حصہ ہوتا تھا (ایپی گرافیا انڈیکا ص ۱۱۹) تاہم کچھ ایسے بھی ہیں جن میں کوتم کا تذکرہ ولنادو کے ایک ڈویژن کی حیثیت سے ملتا ہے (ملاحظہ ہو ۱۹۰۹ کا ۷۴۰، ۱۹۰۶ کا 66) مزید ایک مشکل یہ ہے کہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ ایک کوتم اور ایک ولنادو سے ایک ہی ڈویژن مراد ہوتا تھا (۱۹۱۱ کا 319) لہٰذا وسعت کے اعتبار سے کوتم کے ساتھ اس کے تعلق کو متعین کرنا مشکل ہے۔

34۔ 1887 کا 871، 1909 کا 740 بھی ملاحظہ ہو۔

35۔ ۱۹۱۱ کا 319۔

36۔ 1888 کا 73۔

37۔ 1905 کا 386۔

38۔ 1922 کا 68۔

39۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، SIDLAGHATTA، 94۔

40۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHA HALLI، 9، 1897 کا 186، ایپی گرافیا انڈیکا 13، ص ۱۱، ایپی گرافیا انڈیکا 3، ص 229، ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، ۷۰ S.G.۔ اگرچہ کتبات میں مذکور تاریخی تفصیلات کی صحت پر ہم شبہ کر سکتے ہیں لیکن یہ ممکن ہے کہ اس طرح کی اصطلاحات اس زمانہ میں رائج ہوں۔ لیکن شری گیری بھوپالا SRIGIRI BHUPALA کی MADRAS MUSEUM PLATES کے مطابق ایک نرورتی (NIRVRITHI) کوتم کے مقابلہ میں ایک بڑا ڈویژن تھا (ملاحظہ ہو۔ ایپی گرافیا انڈیکا 8، ص 315)۔

41۔ ایپی گرافیا انڈیکا 13، ص ۱۱۔

42۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۱، HIRIYUR، 88۔

43۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۹، DOD BALLAPUR، 42۔

44۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 3، NANJAIGUD ۱۰، ۱۱ HARIYUR، 36۔

45۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰۔

46۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIKARPUR 282۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB

51۔ کمپن کے بارے میں فلیٹ (FLEAT) کہتا ہے "کمپن، باد (BADA) کی ایک تغیر پذیر اصطلاح ہے جس کے دوسرے معنی شہروں کے ایک حلقے کے ہیں جو ایک انتظامی چوٗ، کی

کی تشکیل کرے "۔ ۔ ۔ باد سنسکرت (لفظ) وات (VATA.) کی بگڑی ہوئی ایک تدبھاؤ (TADBHAVA) شکل ہے (جس کے معنی) ایک شہر یا ایک گاؤں کے حصار، پشتہ، دیوار، جھاڑیاں وغیرہ کے ہیں۔ ۔ ۔ کمپن غالباً کنارا کے کمپلا، کمپیلو (یعنی) ایک جھنڈ، ڈھیر، مجموعہ، ہجوم وغیرہ کی ایک دوسری شکل ہے۔

47ھ اپی گرافیا انڈیکا، 12، ص 187۔

48ھ 1913 کا 212، ولیتا کے دیگر حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ 15-1914 کا باب اوّل۔

49ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHA HALLI ، 206۔

50ھ 1911 کا 444۔

51ھ اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 232، T.N.-9۔

52ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، CHANNERAYAPATNE، 150۔

53ھ 1892 کا 205۔

54ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10، KOLAR ، 252۔

55ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 9، HOSKOTE ، 121۔

56ھ اپی گرافیا انڈیکا 111، کاودی (CAVADI) سے متعلق چند دیگر حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو، J.B.B.R.A.S.S. ، 12، ص 350۔

57ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، SOROLE ، 375۔

58ھ ؞بلور انسکرپشنس، 2، NL. 28۔

59ھ ؞ی گرافیا کرناٹیکا 10، KOLAR ، 162 اور 222۔

60ھ ا؞ی گرافیا انڈیکا 3، ص ص 227 اور 228۔

61ھ ؞لور انسکرپشنس 2، Kn. 23۔

62ھ ؞بنا CHANNEPATNA ، 1۔

63ھ ؞ی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGAL 175۔

64ھ ؞یی گرافیا کرناٹیکا، 10، BOWRINGPET ، 15۔

65ھ ا؞ی گرافیا انڈیکا ص ص 173 اور 186 دلوائے اگرا ہارم کی تختیاں، جلد 23 تا 26۔

66ھ 1915 کا 43، اپی گرافیا کرناٹیکا، YELNDUR ، 16 سور سز از ایس۔ کے۔ اینگر

ص 221۔

67ھ ایس۔کے۔اینگر، ایضاً ص 302۔

68ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، ص 21۔

69ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHAHALLI ، 20، NAGAMANGALA 34

TIRTHAHA LLI ، 114۔

70ھ ایضاً TIRTHAHALLI ، 37۔

71ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، BONRINGPET ، 72۔

72ھ ایضاً، M.R. 3 اور 1۔

73ھ 1903 کا 141۔

74ھ 1901 کا 128۔

75ھ 1911 کا 100۔

76ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، دیباچہ ص 12۔

77ھ J.B.B.R.A.S. ، 4، ص 115

78ھ 28-1927 کا 376۔

79ھ 1912 کا 309۔

80ھ جرنل آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 707۔

81ھ ایضاً۔

82ھ 1912 کا 309۔

83ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10، MULBAGOL ، 58۔

84ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB ، 375۔

85ھ HIS PICRINS از پرکاز (PURCHAS) 10، ص 99۔

86ھ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 06-1907، ص ص 237-238۔

87ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1905 پیراگراف 31، COINSOFSAUTHS INDIA
از سروالٹرایلیٹ SIR WALTER-ELLIOT ، تختی 3، نمبر 92 اور انڈین انٹی کوئری جلد 20،
ص 304 بھی ملاحظہ ہو۔

88ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس ۱۹۲۹، پیراگراف ۹۰۔

89ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، CHILLORE ، 97۔

90ھ 1911 کا 324۔

91ھ 1918 کا 184۔

92ھ 1912 کا 309۔

93ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1905ء، 2۔

94ھ سیول، ح، س، ص 389۔

95ھ ملاحظہ ہو ANTA. ، ص 91۔

96ھ ایضاً ص 380۔

97ھ ایضاً، ص 389۔

98ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، GORILIDNUR ، 22۔ اس کتبہ کا مستند ہونا مشکوک ہے تاہم یہ حقیقت کہ صوبائی گورنروں کو بعض رواجی قسم کے اعزازات بخشے جاتے تھے، غلط نہیں ہو سکتی۔

99ھ 892 کا 257، اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 112۔

100ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، SHIKARPUR ، 281۔

101ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI ، 147۔

102ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGOL ، 7۔

103ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، BONRINGPET ، 72۔

104ھ 1911 کا 100۔

105ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، Sm. 89

106ھ اپی گرافیا انڈیکا ص 110۔

107ھ نیلور انسکرپشنس، 3، APP. 1، ص 1476۔

108ھ سیول، ح، س، ص 384۔

109ھ ایضاً، ص ص 384 — 389۔

110ھ سیول، ح، س، ص 374۔

111 ایضاً، ص 373۔

112 سیول، ح، س، ص ص 280-181۔

113 ایضاً، ص 380۔

114 ایضاً، ص 281۔

115 ایضاً، ص 282۔

116 ایضاً، ص ص 374 اور 389۔

117 باربوسا، 1، ص 209۔

118 ایضاً، حاشیہ۔

120 ایضاً، ص 200۔

121 سیول، ح، س، ص 374۔

122 سیول، ح، س، ص 280۔

123 ایضاً، ص 374۔

124 سورسز، از، ایس، کے، اینگر، ص ص 110-111۔

125 CONSTITUTIONAL HISTORY OF ENGLAND، 1، ص 288۔

126 سیول، ح، س، ص، 379۔

127 سیول، ح، س، ص 389۔

128 ENGLISH CONSTITUTIONAL HISTORY ازمیڈلی (MEDLAY) ص 28۔

129 HISTORY OF TINNEVELLY، ص 58۔

130 TINNEVELLY MANVAL، ص 42۔

131 ARAVIDU DYNASTY.، 1، ص 134۔

132 سیول، ح، س، ص 374۔

133 اس قسم کی ماتحت ریاستوں کی ایک فہرست کے لیے ملاحظہ ہو ہراس (HERAS) س، ص ص 186-190۔

134 1906 کا 6۔

135ھ 1896 کا 64، مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1900-1899، رپورٹ، پیراگراف 79۔

136ھ 1916 کا 599، 1915 کا 721 وغیرہ۔

137ھ دی نایکس آف مدورا، از ستیہ ناتھ ایر، ص 14۔

138ھ ARAVIDU DYNASTY. ، ا، ص 155۔

139ھ ایضاً، ص 155۔

140ھ 1901 کا 273۔

141ھ 1895 کا 140، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 704۔

142ھ SOURCES. ، ایس، کے، اینگر، ص 202۔

143ھ ایضاً، ص ص 302 اور 217۔

144ھ ایضاً، ص 302۔

145ھ ایضاً، ص 217۔

146ھ رچرڈس (RICHARDS) سالم گزیٹیر (SALAM GAZETTER) میں بیان کرتا ہے کہ "اس زمانہ میں مملکت چھ وائسرایوں کے ماتحت منقسم تھی (1) آندھرا (2) کرناٹک (3) مدورا (4) چندرگیری (5) جنجی اور (6) تنجور۔ یہاں مدورا تنجور اور جنجی کے تین مقامات کی وائسرائی کو تامل کی وائسرائی سے جس کا دارالسلطنت چندرگیری تھا مختلف بتایا گیا ہے۔ بظاہر یہ غلط ہے۔

باب ہفتم

مقامی حکومت

LOCAL GOVERNMENT

فصل اوّل

سبھا

ہندوستان میں ایک سیاسی ادارہ جو انقلابات، حکومتوں کی ردو بدل، حوادثات زمانہ اور غیر ملکی اقتدار کے اثرات کے باوجود بچ رہا وہ ہے مقامی حکومت۔ دیہی اداروں کی اہمیت تقریباً برطانوی حکومت کے آغاز تک قائم رہی ان دیہی جمہورتیوں VILLEGE UPABLICS. نے ہندوستان میں جو خدمات انجام دیں ان کے متعلق الفنسٹن ELPHINSTORE کہتا ہے "اگرچہ ایک نہایت بہتر نظام حکومت سے غالباً ان کا تقابل نہیں کیا جا سکتا تاہم ایک ناقص نظام حکومت کے لیے یہ ایک بہترین تدارک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ اس (بری حکومت) کی غفلت ولاپرواہی اور کمزوری کے برے اثرات کو روکتی ہیں اور اس کے ظلم واستبداد اور زیادتیوں کے خلاف بھی رکاوٹ کا کام کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ادارے مختصر پیمانہ پر اپنے اندر ایک ریاست کے تمام اسباب ووسائل رکھتے ہیں اور اگر کسی طرح کی کوئی حکومت نہ بھی ہو تو یہ (ادارے) اپنے یہاں کے افراد کے تحفظ کے لیے تقریباً کافی ہیں۔ ہندوستان کی دیہی زندگی اور تنظیم کے استحکام واستقرار ہی میں ہندوستان کے گذشتہ خوش گوار کارناموں کا راز سربستہ ہے"[1]

قدیم ہندوستان میں مقامی علاقوں کے انتظام کی ایک اہم خصوصیات ان اداروں کا سرگرم طرز عمل تھا جنھیں ہم مقامی اسمبلیوں کے نام سے پکار سکتے ہیں، اور جو مقامی علاقوں کا نظم ونسق چلاتی تھیں۔ اس دیہی نظام کو دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے (۱) ایک تو دیہی سبھا

اور اس کی مماثل اُر (UR) تھی (2) دوسری (NADU) تھی جو ذرا وسیع دیہی علاقے کی اسمبلی تھی ان کے علاوہ چند اجتماعی نوعیت کی انجمنیں تھیں جو اگرچہ مکمل طور پر سیاسی جماعتیں تو نہ تھیں لیکن پھر بھی وہ چند سیاسی فرائض انجام دیتی تھیں۔ ان میں قابل ذکر ہیں پیشہ وروں کی انجمنیں، تجارتی انجمنیں اور مندر، جو دیوتا کا گھر ہونے کے علاوہ مقامی علاقوں کی سیاسی و معاشی زندگی کا ایک اہم مرکز بھی ہوتا تھا۔

دیہی سبھا کی ابتدا راز میں ہے۔ لیکن یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ سبھائی (SABHAI) کی اصطلاح سنسکرت کے لفظ سبھا (SABHA) کی تامل شکل ہے جس کے معنیٰ اسمبلی کے ہیں اور اسمبلی کے معنیٰ میں اس اصطلاح کا استعمال ویدوں کے عہد میں بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض چند گاؤں کی اسمبلی ہی کو سبھائی کہا جاتا تھا اور یہ وہ گاؤں ہوتے تھے جو برہمنوں کو عطیہ میں دیئے جاتے تھے (برہمادیا گاؤں (BRAHAMADEYA VILLEGE)۔ برہمادیا گاؤں کی اسمبلی کے ساتھ ساتھ ار کی اسمبلی ہوتی تھی اور اس کو اُر (UR) کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سبھائی اور ایک ار کے درمیان کافی فرق تھا۔ پہلی تو صرف برہمنوں سے متعلق تھی اور صرف برہمادیا گاؤں میں ہوتی تھی جبکہ دوسری ایک غیر برہمادیا گاؤں یا ایسے گاؤں کے لوگوں کی اسمبلی ہوتی تھی جس کی اراضی کے مالک تنہا برہمن نہیں ہوتے تھے۔ اگرچہ کتبات میں ہمیں ار کے کچھ حوالے ملتے ہیں تاہم اس کے متعلق ہماری واقفیت بہت محدود ہے۔ لیکن برہمادیا گاؤں میں سبھا کی تشکیل اور اس کی کارکردگی کے بارے میں ہمیں بہت سی معلومات دستیاب ہیں۔ لیکن جن کتبات میں ان سبھاؤں کی کارکردگی کا تذکرہ ملتا ہے وہ چولا (COLA) عہد کے ہیں اور وجے نگر کے عہد سے پہلے کے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیں ان سبھاؤں کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ تقریباً وہی امور انجام دیتی تھیں جو چولا عہد کی سبھائیں انجام دیتی تھیں لہٰذا یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں بھی سبھائیں پرانے ہی خطوط پر عمل پیرا رہیں اور باضابطہ طور پر اپنے قدیم فرائض انجام دیتی رہیں۔

بعض مقامات پر مہاسبھا (MAHA SABHA) یا سبھا کی جماعت کو مہاجن (MAHA - JANS) کہا جاتا تھا۔ اگرم پتور (AGARAMPUTTUR) عرف مادھو چتورویدی منگلم (MAD - HAVA CATURVEDI MANGOLAM) کی اسمبلی کو مہاجن کہا جاتا تھا۔ ہر چتورویدی منگلم (برہمادیا گاؤں) ایک مرکزی گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا جس کے ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں

منسلک ہوتے تھے۔ گاؤں بہت سے محلوں (WORDS) میں منقسم ہوتا تھا۔ ہر چتورویدی منگلم میں ممبروں کی ایک مخصوص تعداد پر مشتمل ایک اسمبلی ہوتی تھی۔ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اعلیٰ معیار کی لیاقت کے حامل ہوں گے اور امید کی جاتی تھی کہ انھوں نے چاروں ویدوں کا مطالعہ کیا ہو گا نیز ان میں سے بعض کے لیے ضروری تھا کہ وہ سدن گا (SADANGA) کی بھی گہری واقفیت رکھتے ہوں یا پھر ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ انھیں قربانیاں کرنے اور قربانیاں انجام دلانے کے سلسلہ میں پوری پوری واقفیت حاصل ہو گی۔ ان سے یہ بھی امید کی جاتی تھی کہ ان علمی وتہذیبی استعدادات کے علاوہ ان کا بدن اچھا اور صحت مند ہو تا کہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہونے والی تکان کو وہ برداشت کر سکیں۔

کتبات سے ہمیں وجے نگر کے زمانہ کی دیہی اسمبلیوں کی نفری طاقت کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے۔ پانڈیچری کے علاقہ میں واقع تیروواں دار کوٹل (TIRUVANDARTKOYIL) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ تری بھون مہادیوی چتورویدی منگلم میں چار ہزار لوگوں پر مشتمل ایک اسمبلی تھی۔ یہ (اسمبلی) اتنی بڑی تھی کہ کسی کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا یقیناً بڑا مشکل ہوتا ہو گا۔ یہ اسمبلیاں عموماً کسی مندر کے ہال میں منعقد ہوتی تھیں یا اس کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں لوگ غالباً کسی دوسرے عوامی مقام پر جمع ہوتے تھے۔ پدوکوتائی ریاست کے ویراکیسلائی (VIRACCILAI) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق ایک بڑی اسمبلی پھولوں کے ایک باغ میں منڈونم (MANDAVANAM) میں جمع ہوئی تھی۔ ان اسمبلیوں کے اجتماعی کردار اور عظیم نفری طاقت کا اظہار اور آگا ایشیندا اورم (ISAND UROM) یا ناداگا ایشیندا ناتاوروم (NADAGA ISAINDA NATTA VAROM) وغیرہ کی اصطلاحات سے ہوتا ہے اگرچہ یہ اسمبلیاں کافی بڑی معلوم ہوتی تھیں تاہم یہ فرض کر لینا درست ہو گا کہ ان کی کارروائیاں محض چند افراد کے ذریعہ انجام پاتی تھیں، جو اس علاقہ کے ممتاز شہری ہوتے تھے۔ ان اسمبلیوں میں سے بعض کو کبھی کبھی مہاسبھا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۴۶۹-۷۰ء میں آرکٹ ضلع کے کاویری پاکم مقام پر ایک مہاسبھا ہوئی تھی۔

دیہی اسمبلیوں کو گاؤں کے نام پر اور گاؤں کی طرف سے زمینوں یا دوسری قسم کی جائدادوں کو فروخت کرنے یا خریدنے کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ اکّل (UKKAL) عرف وکرم آبھرن چتورویدی منگلم (VIKRAM ABHERAN CATURVEDI MANGALAM) کی اسمبلی نے آرش

آنی پالائی (ARASANTPALAI) کے گاؤں کو چھ سو کاشو (KASUS') کے عوض چولامنڈلم (COLAMANDALAM) کے ایک سب ڈویژن تنکرائی ایاکو ندانول نادو (TEN DARAI - UYYA KANDANVALANADU) میں واقع شرّور (SERRUR) کے ایک شخص کے ہاتھوں فروخت کردیا تھا۔ اسی اسمبلی نے چھ سال بعد اتی گائی پتو (ILLIGAIPATTU) کے گاؤں کو چار سو پنم کے عوض چند اشخاص کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔ تنجور ضلع کے آودائی یار کوئل (AVADAI-YARKOIL) مقام کی ایک دستاویز کے مطابق تیرو پیرونددرائی (TIRUPPERUNDURAI) کے گاؤں کی اسمبلی نے اسی گاؤں میں واقع شولاپانڈیا ونگرامبرومانار (SOLAPANDYA - VINNAGAR EMBERUMANOR) کے مندر کو دو قطع زمین تیرونامتّو کانی (TIRUNAMATTA - KKANI) کی حیثیت سے عطیہ میں دیا تھا۔

ان دیہی اسمبلیوں کے اس حق کی وضاحت جس کی بنا پر ان کو اپنے حلقہ اختیار میں واقع دیہاتوں کی اراضیاں، فروخت کرنے یا انھیں عطیہ میں دینے کا اختیار حاصل تھا، اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ ہم سبھا کے ادارے اور اس کے حلقہ اختیار میں پڑنے والی زمینوں پر اس کے ذاتی مالکانہ حق کو زمین پر حق ملکیت کے مسئلہ سے مربوط نہ کریں جیسا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں ہر برہادیا گاؤں میں ایک سبھا ہوتی تھی جو اسکی ایک نمائندہ جماعت ہوتی تھی اور اس بنا پر اسے گاؤں والوں کی طرف سے کسی کام کو کرنے کا اختیار حاصل تھا مزید یہ کہ اسمبلی ایک مشترکہ جماعت کی حیثیت سے ہی عطیات دیتی تھی اور مشترکہ طور پر گاؤں والوں کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے کام کرنے کا یہ حق اسمبلی کو اس مشترکہ حق ملکیت کی بنا پر حاصل تھا جس کے تحت گاؤں والے اراضیوں پر متصرف تھے۔ اس طرح کے دیہاتوں میں مالکان کا اپنی اراضیوں پر قبضہ مشترکہ ہوا کرتا تھا۔ اور وہ اپنی اراضیوں کو مشترکہ طور پر ہی فروخت کرسکتے تھے یا عطیہ میں دے سکتے تھے، انفرادی طور پر نہیں۔ یہاں گندبھوگم (GAND - ABHOGAM) اور ایکابھوگم (EKABHUGAM) کی اصطلاح جائزہ کی مستحق ہے گندبھوگم کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام کے تحت جو آراضیاں قبضہ میں ہوتی تھیں ان پر عوام کا قبضہ مشترکہ طور پر ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حق ملکیت بھی مشترکہ ہوتا تھا۔ لیکن ایکابھوگم نظام کے تحت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمین پر صرف ایک ہی شخص کا قبضہ ہوتا تھا اور اس لیے اس کو زمین پر مکمل اور غیر محدود حق حاصل ہوتا تھا۔ بعض دوسری صورتوں میں عطیہ میں دیئے ہوئے گاؤں کو متعدد وارتیوں (URTTIS) میں منقسم کردیا جاتا تھا جن میں سے ہر ایک کو یا ان وارتیوں) کی

ایک مخصوص تعداد کو کسی مخصوص فرد کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ہری ہر دوم کے زمانہ کی تانبے کی ایک تختی کی دستاویز کے مطابق بادشاہ نے اگرہارا (AGRAHARA) کے شرائط پر بیس گاؤں کا ایک عطیہ چند برہمنوں کی مشترکہ ملکیت (گندبھوگم) میں دیا تھا[9]۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیہات مشترکہ تھے لہٰذا عطیہ پانے والے لوگ ان بائیس گاؤں کی اراضیوں کو صرف مشترکہ طور پر فروخت یا عطا کر سکتے تھے۔ ان افراد میں سے کوئی شخص دوسروں سے آزاد رہ کر صرف تنہا اس جائداد کا کوئی معاملہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ایکا بھوگم گاؤں کا معاملہ بالکل مختلف تھا اس لیے کہ اس معاملہ میں عطیہ پانے والا شخص اس کے لیے پابند نہیں تھا جس جائداد کا وہ مکمل اور غیر محدود طور پر مالک ہے۔ اس کے فروخت کرنے یا عطیہ میں دینے کے لیے وہ دوسروں کے ساتھ مل کر کوئی معاملہ کرے۔ شاکھا سنہ 1451 میں اچیوت رائے نے پدائی ویدو وہاراجیہ میں واقع کادل آدی (KADALADI.) مقام کے ایک گاؤں کو سرومانیہ (SARVAMANYA) کے طور پر رام چندر دکشت نامی ایک شخص کو عطیہ میں دیا تھا کہ وہ اور اس کے اخلاف اس سے ایکا بھوگم حقوق کے تحت استفادہ کریں جس کا مطلب ہے ایک شخص کو جائداد پر بلا شرکت غیر مکمل حق واختیار حاصل تھا۔ البتہ جب کسی سرومانیہ گاؤں کو، جو ایکا بھوگم کی انھیں شرائط پر قبضہ میں ہو، متعدد اشخاص کے درمیان تقسیم کیا جاتا تھا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا تھا کہ انھیں اس گاؤں کی آمدنی سے استفادہ کا حق عطا کیا گیا ہے الّا یہ کہ عطیہ دینے والا شخص صاف طور پر یہ کہہ دے کہ وہ زیر بحث اراضی کو سرومانیہ کی حیثیت سے عطیہ میں دے رہا ہے۔ اس قسم کے واضح بیان کی غیر موجودگی میں ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ عطیہ دینے والے شخص نے جائداد پر اپنے حق کو محفوظ رکھا اور متعلقہ اشخاص کو صرف استفادہ کا حق عطا کیا۔ زیر حوالہ کتبے کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رام چندر دکشیت نے، جس کو اصل میں سرومانیہ کا عطیہ دیا گیا تھا، ملکیت کے حق کو خود اپنے لیے محفوظ رکھا تھا اور اپنی ذات کے برہمنوں کو صرف استفادہ کا حق عطا کیا تھا[10]۔

مشترکہ ملکیت کی چند قسموں میں فرق کیا جا سکتا ہے (۱) پہلی مکمل اور غیر محدود ملکیت ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر پوری قوم کو حق تھا۔ اس صورت میں جس مخصوص گاؤں میں یہ نظام رائج ہے وہاں یہ مشترکہ مالکان، اراضیوں پر مشترکہ طور پر کاشت کرتے ہیں اور مذکورہ گاؤں میں اپنی اپنی ورتون (VIRTTIS) کے تناسب سے مشترکہ طور پر منافع حاصل

کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی گاؤں چند اشخاص کے درمیان ۱۲۰ ورتوں میں منقسم ہو تو ان میں سے ہر ورتی دار، جس کی ملکیت میں فرض کر لیجئے کہ دو سے لے کر پانچ ورتیاں ہوں، اپنی ورتیوں کی تعداد کے تناسب سے اپنی محنت صرف کرے گا اور اسی تناسب سے پیداوار میں اس کا حصّہ بھی ہوگا (2) دوسری قسم وہ ہے جس میں گاؤں کا ایک مخصوص حصّہ گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت میں ہوتا ہے اور ان مشترکہ اراضیوں کے علاوہ ان کے پاس ان کے خود اپنے کھیت بھی ہوتے ہیں اپنی اراضیوں پر تو وہ عموماً دوسروں سے آزاد رہ کر خود اپنے طور پر کاشت کرتے ہیں لیکن گاؤں کی مشترکہ اراضیوں پر تمام حصّہ دار مشترکہ طور پر محنت کرتے ہیں اور مشترکہ طور پر اس کا منافع حاصل کرتے ہیں جس میں ہر ایک کا حصّہ ایک مقررہ تناسب کے مطابق ہوتا ہے جس کا تعین ہر ایک کے قبضہ میں جو اراضی ہوتی ہے اس کے تناسب سے برادری کرتی ہے۔ اس صورت میں برادری کی مشترکہ ملکیت میں گاؤں کا محض ایک حصّہ ہوتا ہے جبکہ گاؤں کے افراد کے پاس خود اپنی اراضیاں ہوتی ہیں اور اس کے ان اراضیوں کے استعمال میں مشترکہ برادری کا، جس کا وہ خود بھی ایک ممبر ہے، کوئی دخل نہیں ہوتا ہے (3) گاؤں کی ایک اور قسم وہ ہے جس میں پوری برادری گاؤں کی تمام اراضیوں کی مالک ہوتی ہے لیکن برادری نہ تو مشترکہ طور پر زمینوں کی کاشت کرتی ہے اور نہ ان پر صرف کی گئی محنتوں کے منافع سے مشترکہ طور پر مستفید ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اس گاؤں کی اراضیوں کو عمدہ، درمیانی اور خراب تین قسموں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور مشترکہ قوم کے ہر فرد کو ان تینوں قسموں کی زمینوں کا ایک ایک حصّہ دیدیا جاتا ہے۔ وہ ان عطا کردہ زمینوں کا مستقل مالک نہیں ہو جاتا بلکہ ایک مخصوص مدّت کے بعد اسے ان اراضیوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور اس کے عوض اسے تینوں قسم کی دوسری اراضیاں دے دی جاتی ہیں اس طرح برادری کی یہ مشترکہ اراضیاں قوم کے افراد کے درمیان وقفہ وقفہ پر از سرِ نو تقسیم کر دی جاتی ہیں اور جب تک یہ اراضیاں قبضہ میں ہوتی ہیں وہ اپنے حصّہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تنجور ضلع میں یہ نظام کرائی ایدو (KARAIYIDU) کے نام سے معروف ہے[11]۔ اس طرح پہلی صورت میں ملکیت مشترکہ طور پر برادری کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جہاں جائداد پر کسی فرد کا، سوائے مشترکہ برادری کے ایک فرد کی حیثیت سے، کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ دوسری صورت میں گاؤں پر مشترکہ برادری کا صرف محدود اختیار ہوتا ہے اس لیے کہ مشترکہ ملکیت میں گاؤں کا صرف ایک حصّہ ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ گاؤں کے

صرف اسی حصّہ پر اختیار رکھتی ہے، جبکہ گاؤں کی بعض اراضیوں پر ایک فرد خود اپنے مالکانہ حقوق رکھتا ہے جن سے وہ اپنے حق کے طور پر، برادری کی مداخلت کے بغیر استفادہ کرتا ہے۔ اور تیسری صورت میں مشترکہ برادری پورے گاؤں کی مالک ہوتی ہے۔ لیکن وہ ان اراضیوں کو تمام شرکا، میں تقسیم کر دیتی ہے تاکہ دوبارہ تقسیم سے قبل تک وہ ان سے فائدہ حاصل کرلیں۔

جن دیہاتوں میں آراضی کا ایک حصّہ برادری کی مشترکہ ملکیت میں ہوتا تھا، ان کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ باہر کے لوگوں کو کوئی حق یا حصہ خرید یا عطیہ کے ذریعہ حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ برادری اس بات کے لیے کوشاں رہتی تھی کہ کوئی باہری شخص ان اراضیوں کو خرید کر استفادہ نہ کر سکے۔ چینگل پٹ ضلع کے مانگ آدو (MANGADU) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق گاؤں کے باشندوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا تھا "کہ (مانگ آدو گاؤں) کا کوئی مالک زمین (جو چاہتا ہو کہ اپنی اپنی زمین) فروخت کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے اس گاؤں ہی کے کسی صاحب زمین کے ہاتھوں فروخت کرے، کسی باہری شخص کے ہاتھوں نہیں۔ نہ ہی وہ اس گاؤں کی اراضیوں کو کسی باہری شخص کو جہیز میں دے سکتا ہے[۲۱]" میسور ضلع کے ملاوتی (MALAVALLI) تعلقہ کے ایک کتبہ میں عوام کا ایک معاہدہ درج ہے کہ حصّہ داروں میں سے (جو بظاہر برہمن تھے) اگر کوئی شخص اپنے حصّہ کو شودروں (SUDRAS) کے یہاں گروی رکھے یا فروخت کرے تو اسے برہمن برادری سے خارج کر دیا جائے اور یہ حصّہ اس جگہ نہ دیا جائے گا[۲۲]" اگر باہری اشخاص کسی خاص گاؤں میں اراضی پر کاشت کرنا چاہتے تو ان کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کر دی جاتیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر رام راج وٹھل (RAME RAJA VITTAHALE) کے حکم پر ہدی نادو (HADINADU) راجیا باچرسیا (RAJAYYA BACARASAYYA.) اور چامرس گودا (CAMARASE GAUDA.) نے ہونگانور (HONGANUR) کی دھان کی اراضیوں میں کاشت کاری کے لیے مندرجہ ذیل ضابطہ بنایا تھا "اگر رہنے والی رعایا کے علاوہ مضافات کا کوئی اہم باشندہ (وہاں) کاشت کاری کرتا ہے تو وہ ماسنی کارا (MASANIKARA) ، پارو پٹیا گارا (PARUPETYAGARA) ، گودا (GAUDS) اور سینا بوا (SENABOVA) کے عطا کردہ پٹّی (PATTE) کے مطابق ہی ایسا کر سکتا ہے، اس اصول کے مطابق نہیں جو وہاں رہتے والی رعایا کے لیے ہے اس ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے شخص کو اگر کاودی (CAVADI) اور گودا کے کرانیکا (KARANIKA) اور سینابوا (SENABOVA) نے بروقت نہ روکا تو وہ

(گویا) گائے وغیرہ کو ذبح کرنے کے جرم کے مرتکب ہوں گے[131]۔ چنانچہ یہ گاؤں اس بات کے لیے بہت زیادہ کوشاں رہتے تھے کہ باہری لوگوں کو اپنے گاؤں میں داخل نہ ہونے دیں خواہ وہ کاشتکاری کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

اب آیئے گاؤں کی سبھا کی طرف۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ (سبھا) گن بھوگا (GANA - BHOGA) یا سمو دایم (SAMUDAYAM) گاؤں میں ہوتی تھی جہاں وہ گاؤں کی پوری برادری کے نام پر اور اس کی جانب سے کام کرتی تھی لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے قوی کردار ہی نے ان سبھاؤں کو جنم دیا تھا اور برادری کی طرف سے زمینوں کی خرید و فروخت کے سارے اختیارات انھیں حاصل تھے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا گاؤں کی برادری کے کسی حصہ دار فرد کو اسے جائداد کی خرید و فروخت کا کوئی اختیار نہ تھا سوائے بحیثیت ایک حصہ دار کے اور اسی بنا پر صرف سبھا کی وساطت سے لیکن یہ بات محض ان گاؤں پر صادق ہے جنکی ساری اراضیاں عوام کے مشترکہ قبضہ میں ہوں اور جہاں کوئی فرد گاؤں کی زمین کے ایک حصہ پر بھی آزادانہ قبضہ نہ رکھتا ہو۔ لیکن جس گاؤں میں محض ایک حصہ ہی پوری برادری کی مشترکہ ملکیت میں ہو اور ساتھ ہی رعیت کے کسی فرد کے پاس بھی زمین کے کچھ ایسے حصے بھی ملے ہوں جس کا وہ تنہا مالک ہو تو وہ اپنی نجی اراضیوں کو سبھا سے آزاد رہ کر فروخت کر سکتا ہے اگرچہ اسے ان اراضیات کی فروخت سے باز رکھا جا سکتا ہے جو سبھا کی ملکیت میں پوری برادری کی جانب سے ہوتی ہیں جس کا وہ خود ایک رکن ہو سکتا ہے اور جس کی بنا پر وہ پیداوار کے اخراجات میں حصہ بٹانے کے لیے پابند ہوتا ہے اور گاؤں کے اس حصہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ایک مخصوص حصہ کا مستحق ہوتا ہے۔ اس طرح، مدورا ضلع میں واقع پلانی (PALANI) مقام کے ایک کتبہ مورخہ 1370ء کے مطابق کلیان پتّور (KALAIYANPUTTUR) کی سبھا کے ایک رکن پیریا پیرومال نبی (PERIYA PERUMAL NAMBI) نامی ایک شخص نے (زمین کا) ایک عطیہ دیا[132]۔ یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیان پتّور کے مذکورہ گاؤں کی کچھ آراضیاں گاؤں کی برادری کی مشترکہ ملکیت میں تھیں جبکہ بعض دوسری آراضیاں انفرادی طور پر عوام کے قبضہ میں تھیں جنھیں مشترکہ برادری کے افراد کی حیثیت سے گاؤں کی سبھا میں بھی ایک جگہ حاصل تھی لہٰذا اسی بنا پر پیریا نبی سبھا کے دخل کے بغیر عطیہ دے گا۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے عطیہ اسی جائداد میں سے دیا ہو گا جو انفرادی طور پر اس کی ملکیت میں تھیں۔

گاؤں کی سبھا کی دوسری اہم ذمہ داری ٹیکسوں کی وصولی تھی۔ شاہی حکومت کو واجب الادا

ٹیکسوں کی وصولی کی ذمہ داری کبھی کبھی گاؤں کی سبھاؤں یا اروروں URAVAR کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ جن مقامات میں شاہی حکومت کو واجب الادا ٹیکسوں کی وصولی مقامی جماعتیں کرتی تھیں وہاں حکام کو ٹیکسوں کو وصول کرنے والے ان مقامی ایجنٹوں کو ٹیکسوں میں کسی معافی یا نئے عاید کردہ ٹیکسوں کی اطلاع دینی ہوتی تھی اور یہ مقامی ایجنٹ اپنے کھاتوں میں ضروری اندراجات کر لیتے اور حکم کی تعمیل کرتے۔ چنانچہ مثال کے طور پر جب سورائیکوڈی (SURAIKKUDI) کے وشیال دیو (VISAIYALADEVA) تیرومینی الگیار (TIRUMENI ALAGIYAR) عرف سینپیک رائے (SENPAKARAYA) نے اس کے نام پر انجام دی جانے والی ایک پوجا میں دیوتا پر چڑھاوے کے لیے ایک سو پچاس وال ال ولی تیرندان کولی شائی پنم (VALALVALI TIRANDANKULI SAIPANAM) کی رقسم جو پکائی پنم (PACCAIPANAM) کی حیثیت سے مندر پر سالانہ واجب الادا تھی، علیحدہ کر دی تو ناتور (ضلعی اسمبلی) نے بھی مذکورہ بالا رقم کو اپنے ٹیکس رجسٹر اور (گاؤں کے) کھاتوں دونوں ہی میں سے گھٹا دیا تھا[16]۔ اسی طرح تنجور ضلع میں واقع تیرومکوتائی (TIRUMAKKOTTAI) مقام کے ایک کتبہ میں پالائیور PALAIYUR عرف بھوپتی رائے سمدرم (BHUPATIRAYA SAMUDRAM) کے مہاجنوں کے نام ایک فرمان درج ہے کہ ملک کی حفاظت کے لیے ٹیکسوں کی غلّے کی شکل میں اور نقد وصولی کے اس وقت کے مروجہ دستور کے بجائے ٹیکسوں کی غلّے کی شکل میں وصولی کے قدیم طریقے کا دوبارہ آغاز کیا جائے[17]۔ ظاہر ہے کہ چونکہ مہاجن ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے لیے شاہی حکومت کے نمایندے تھے لہٰذا یہ فرمان ان کے نام جاری کیا گیا۔

ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے لیے حکومت کی نمایندہ ہونے کے علاوہ ان دیہی اسمبلیوں کو نئے ٹیکسوں کی وصولی اور پرانے ٹیکسوں کی معافی کے سلسلہ میں چند لازمی اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو ودتورائی (TIRUVADATTURAI) کے ایک کتبہ کے مطابق کری یوکر (KARI ...) کی اسمبلی اور تنتری مار (TANTRIMAR) نے زمین پر عاید ٹیکسوں کا ایک عطیہ دیا تھا[18]۔ سیرو وائل (SIRUVAYAL) کی اسمبلی نے ایک مخصوص دیوتا سے تعلق رکھنے والی سرو مانیا (SARVAMANYA) اراضیوں کو ٹیکسوں سے بری کرنے اور کچھ دوسری اراضیوں کو ٹیکس کے لیے شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا[19]۔ اسی طرح کولائی کولتور (KULAIKULATTUR) کے عوام نے بعض ٹیکسوں کی وصولی کا حق سوناروں

کو دے دیا تھا[۱۱۳]۔ لیکن ٹیکسوں کو، جو چھوٹ مقامی جماعتیں اپنے طور پر دیتی تھیں ان کا تعلق محض مقامی نوعیت کے ٹیکسوں سے ہوتا تھا جنھیں اسمبلی مقامی اخراجات کے لیے کرتی تھی اور شاہی خزانے میں داخل کیے جانے والے ٹیکسوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ یا اگر یہ شاہی ٹیکس ہی ہوتے تو یہ وہ ٹیکس ہوتے تھے جن کو مقامی جماعتوں کو اجارہ میں دے دیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی جماعت، جو بسا اوقات ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں حکومت کی نمایندہ ہوتی تھی، سرکاری حکام کی منظوری کے بغیر اگر شاہی ٹیکسوں کو معاف کرتی تھی تو وہ ایسا محض اپنے ہی خسارے پر کرتی تھی اس لیے کہ حکومت اس رقم سے کم لینے پر ہرگز تیار نہ ہوتی ہوگی جو وہ اسمبلی کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کے شرائط کے مطابق اس سے لینے کی حقدار تھی۔

لیکن حکومت کی اقتصادی پالیسی میں یہ مقامی جماعتیں بہت زیادہ اثرانداز ہوتی تھیں جن مقامات میں یہ اسمبلیاں موجود ہوتی تھیں وہاں حکومت ان کی منظوری کے بغیر نئے ٹیکسوں کو عاید کرسکتی تھی نہ پرانے ٹیکسوں کو معاف کرسکتی تھی اس لیے کہ یہ (جماعتیں) پوری توجہ سے برادری کے مفادات کی نگرانی کرتی تھیں چنانچہ مثال کے طور پر ابّاراجہ تیرومل راجہ (ABBARAJA TIRUMAL RAJA) نے مہانادو (MAHENADU) (جنرل اسمبلی) کی منظوری سے دیوتا تیرووینگل ناتھ (TIRUVEINGALANATHS) پر چڑھاوے کے لیے چند گاؤں کا مول ویشا (MULAVISA) عطیہ میں دیا تھا[۱۱۴]۔

کبھی کبھی ارور حکمرانوں کی اراضیوں کے پٹّہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے، چنانچہ ونّیانار اڈیکلّن گاتار (VANNIYANAR ADAIKKALANGATTAR.) عرف نادومدّتا وشیالائی دیو (NADUMADITTA VISAIYALAIYADEVA) نے تولائیانیلائی (TULAIYANILAI) اور پرلی (PARALI) کے ارور کو ایک قطع زمین دے دی تھی جو ایک کودی ننگادیودانم (KUDININGADEVADANAM) تھا ان کو نادو (NADU) کے ٹیکسوں کی ادائیگی کرنی ہوتی تھی لیکن انھیں بعض (دوسرے) ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

ان اسمبلیوں کو بعض عدالتی اختیارات حاصل تھے وہ بعض مقدمات کی سماعت کرسکتی تھیں اور مجرمین کو سزا دے سکتی تھیں۔ مثال کے طور پر ہم گذشتہ فصل میں دیکھ چکے ہیں کہ کوتتور

(KULATTUR)، آلم بلم (ALAM BALAM)، شداین پتو اور موتیاکرکچھا (MUTTIYA KURICHI)
کے اگر ھاروں کے مہاجنوں نے سالم ضلع میں واقع آرگلور مقام کے کامیشورم ادیا
نایناار کے مندر کے دو پجاریوں اور منتظمین کے درمیان مہینے کے تیسوں دن دیوتا کی پوجا کی
رعایت سے متعلق جھگڑے کے ایک مقدمہ کا فیصلہ کس طرح کیا تھا اور مندر کے متعلقہ حکام نے
اس فیصلہ کو کس طرح نافذ کیا تھا[23]۔ انھیں مجرموں کی اراضیوں کو ضبط کر لینے کا اختیار بھی حاصل
ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر تنجور ضلع میں واقع تیرو پیروندورائی (TIRUPPERUNDURAI) کی
دیہی اسمبلی نے شاکھا سنہ 1309 (سنہ 7-1386) میں شولا پانڈیا ونگر امبیرو مانار
(SOLAPANDYA VINNAGAR EMBERUMANAR) کے مقامی مندر کو تیرو نامتک کانی
(TIRUNAMATTUKKANI) کی حیثیت سے ایک ایسی زمین دی تھی جسے اس نے تیرو پتور
(TIRUPPATTUR) کے آن ان پلّائی (ANDANPILLAI) نامی ایک شخص سے اس کی کسی غلطی کی
بنا پر ضبط کر لیا تھا[24]۔

لیکن وجے نگر کی تاریخ کے آخری دور میں ان گاؤں کو غالباً اتنے وسیع اختیارات
حاصل نہ رہے تھے۔ انھیں بعض افراد کی زمینوں کی فروخت سے قبل شاہی حکومت کے
مقامی افسروں کی منظوری حاصل کرنی پڑتی تھی چنانچہ تنّی ویلی (TINNEVELLY.) ضلع کے شیر
مادیوی (SERMADEVI) مقام میں ہم دیکھتے ہیں کہ 1544ء میں رامپّا نایودو (RAMAPPAN
AYUDU)، چند افراد اور چیر مہادیوی (CERAMAHADEVI)، ایلاپورم (ELAPURAM)
اور نرساپورم (NARASAPURAM) کے تعلیم یافتہ لوگوں نے آپس میں ایک میٹنگ کی اور
یرووڈی تمیا (YERUVADI TIMMAYYA) نامی برادری سے خارج کردہ ایک برہمن کی اراضیوں
اور مکانات کو تیرو ونگل ناتھ (TIRUVENGALNATHS) کے مندر کو عطیہ میں دیدیا[25]۔
گاؤں کی اسمبلیاں مندر پر بھی بعض اختیارات رکھتی تھیں۔ موجودہ تنجور ضلع کے اناّئی میلا
گرام (ANAIMELAGARAM) مقام کی اسمبلی نے ان زمینوں پر موولور (MUVALUR.)
مقام میں واقع مندر کے حق کی توثیق کر دی تھی جو پہلے سے اس کے قبضے میں تھیں،
جو رفتہ رفتہ بعد میں اس کے قبضے میں آئیں نیز ان اراضیوں پر بھی جو کبھی دیوتا کال کوتر (KALA-
KUTTAR) کی ملکیت میں تھیں جس کا مندر جل کر برباد ہو گیا تھا[26]۔ کبھی کبھی بعض عوامی مقامات
مثلاً گاؤں کے تالاب، کے نظم و نسق سے متعلق مندر کے اختیارات میں سبھا بھی شریک رہتی

تھی۔ چنانچہ تینی ویلی ضلع کے نان گو نیری (NANGUNORI) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ مندر کے حکام اور شیو رمنگائی (SIVERAMANGAI) اور بعض دوسرے مقامات اسمبلیوں نے ہر سال تالاب کی ریت کو صاف کرنے کے عوض تالاب میں مچھلی مارنے کا حق عطا کیا تھا۔[27]

دیہی اسمبلی کو بعض افراد کو بعض خدمات کے عوض اعزازات عطا کرنے کا حق بھی حاصل تھا۔ مثال کے طور پر کو دالور اور کولامنگلم کے اوور نے پونن کون ایلومبن (PONN.- AN KON ELUMBAN) نامی ایک چرواہے کو مندر کے بعض اعزازات کے ساتھ کلنگاد کندن کون ایلمبن (KALANGADA KANDAN KON ELUMBAN) کا خطاب عطا کیا تھا کیونکہ اس نے کوتاتو ناکچیار (KONATTUNACCIYAR) کی تقریبات کے دوران مندر کے لیے بکری کے بچے فراہم کیے تھے۔[28]

دیہی اسمبلیاں بسا اوقات عوامی اوقاف اور خیرات کی محافظ ہوتی تھیں اور ان اوقاف کا نظم و نسق کرتی تھیں جن کے اخراجات ایک مخصوص زمینی جائداد یا ان تحویلوں سے پورے کیے جاتے تھے جو ان دیہی اسمبلیوں کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ چنانچہ شمالی آرکٹ ضلع کے پلی کونڈا مقام کے ایک کتبہ کے مطابق نندی کمپا چتور ویدی منگلم (NANDI KAMPA CATURVEDI MANGALAM) کی اسمبلی نے میر پادی (MERPADI) کے ونکن پونا لی نبی (VANAKKAN PONNALINAMBI.) نامی ایک تاجر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا۔ جس نے ویدوں کے عالموں کی ایک خاص تعداد کو روزانہ کھانا کھلانے کے لیے ویپور (VAIPPUR) کے گاؤں کی دو سو کولی (KULI) زمین دان پورم (DANPURAM) کی حیثیت سے وقف کر دی تھی۔[29] اسی مقام کے ایک دوسرے کتبے کے مطابق یہی اسمبلی چار سو کولی ٹیکس سے بری زمین کے ایک عطیہ کے عوض جسے امیال امائیال (UMAYAL AMMAIYAL) نامی ایک خاتون نے دان پورم کی حیثیت سے دیا تھا، چند درویشوں کو روزانہ کھانا کھلانے پر تیار ہو گئی تھی۔[30] اسی طرح جب چنپا نامی ایک تاجر کے بیٹے راکپا نے بکادوم کے دور حکومت میں دیوتا کالے دیو (KALLEDEVA) کی پوجا کے لیے جب ایک خشک زمین، جس میں دس کولگس (KOLAGAS) تخم ریزی کی صلاحیت تھی عطیہ میں دی تو اس کھیت کو گاؤں کے مہاجنوں کے سپرد کر دیا گیا۔[31]

نادو (NADU) ، گاؤں سے بڑی ایک سیاسی اکائی تھی۔ اس میں بھی ایک اسمبلی ہوتی تھی جو نادو کے نام سے موسوم ہوتی تھی جس کے ممبران کو ناتّور (NATTAVAR) کہا جاتا تھا۔ نادو کو وہی اختیارات حاصل تھے جو دیہی اسمبلی کو حاصل ہوتے تھے لیکن اس کے حلقہ اختیار میں زیادہ وسیع علاقہ تھا۔ مثال کے طور پر کان نادو (KANANADU) عرف ویرود راجہ بھینکر ولنادو (VIRUDARAJABHAYAINKARVALANADU) کے ناتور نے شورانکوڈی کے تیرومینی الگیار (TIRUMENI ALGIYAR) عرف نائی نارویشا لے دیو (VISAIYALAYADAVE) کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکڑا فروخت کیا تھا[32]۔ جنوبی آرکٹ ضلع کے پنّادم مقام کی ایک دستاویز کے مطابق کریپوکّو نادو (KARIPPOKKUNADU) کے ناتار اور تنتری مارنے زمین کا ایک سرومانیا عطیہ دیا تھا[33]۔ اسی طرح کری گائے نادو (KARIGAYANADU) کے ناتور چھ پون (PON) کا ایک عطیہ دیا تھا جو ایک مخصوص گاؤں کی آمدنی تھی۔ پھر جے شنگا کل کال نادو (KULAKALAVALNADU) میں واقع تنکرائی نادو کے باشندوں نے تیرکوکنّاموڈائیا نائنار (TIRUKKO KANNAMUDAIYA) کے مندر کو ایک زمین عطیہ میں دی تھی[34]۔ اس طرح نادو اور سبھا مقامی علاقوں میں نیم آزاد جمہوریتیں تھیں جو معاملات کا انتظام وانصرام کرتی تھیں اور جن پر مقامی علاقوں کی انتظامیہ کے بعض شعبوں کے نظم ونسق کی ذمہ داریاں عاید ہوتی تھیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامی جماعتیں حکومت کی جانب سے بالکل آزاد نہیں چھوڑ دی گئی تھیں اس لیے کہ جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو واماتّور مقام کے ایک کتبہ کے مطابق اس مقام کی نات نے سرکاری منتظمہ کیٹی دراج کاریا بھنڈار (RAGAKARYABHANDARA) کے سامنے عہد کیا تھا کہ آئندہ سے وہ بعض دوسرے مقامات کے رواج کے مطابق اس مقام کے دستکاروں کے تین طبقوں یعنی لوہاروں، سناروں اور بڑھیوں کو بھی بعض رعایتیں دیں گے نیز یہ کہ اگر کبھی انھوں نے اپنے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ اس کی سزا کے طور پر بارہ پون کا جرمانہ ادا کریں گے اور بارہ قسم کے "عتابوں" کرّموں (KURRAMS) کا شکار ہونا پڑے گا[35]۔

لیکن وجے نگر کے زمانہ میں یہ جمہوریتیں آہستہ آہستہ لیکن مسلسل زوال پذیر ہوگئیں 1382ء کے ایک مخصوص کتبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے وینکو باراؤ (VENKOVARAO) لکھتا ہے کہ "غالباً

یہ دیہی اسمبلیاں جو چولا عہد میں بااختیار مقامی ادارے کی حیثیت رکھتی تھیں، چولا عہد کے زوال کے بعد رفتہ رفتہ ختم ہوگئیں۔ مذکورہ بالا کتبات میں جن چند کارروائیوں کا ذکر ملتا ہے وہ غالباً اسمبلیوں کے مکمل خاتمہ سے قبل کی بالکل آخری کارروائیوں میں سے تھیں[36]۔ ایک دوسری جگہ 1386ء کے ایک کتبے پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "موجودہ کتبہ میں جو کارروائی درج ہے وہ دیہی اسمبلی کے بچے کھچے اختیارات کی ایک بہت بعد کی مثال ہے[37]۔ کے، وی، سبرامنیا ایر کا بھی یہی خیال ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ان اسمبلیوں کی اہمیت رفتہ رفتہ ختم ہوگئی تھی۔ وہ کہتا ہے "وجے نگر کے آخری (حکمران) خاندان کے بادشاہوں کے زمانہ میں اور ان تاریک دور میں جسے عام طور پر ملک کافور کے یادگار حملہ سے یاد کیا جاتا ہے، نیز بہمنی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان کی سرکاری انتظامیہ کے ساتھ ہی وہ سیاسی اور سماجی ادارے جو از منہ قدیم سے چلے آرہے تھے، بالکل متزلزل تھے[38]۔" لیکن سلیٹور کا خیال ہے کہ دیہی اسمبلیاں کافی عرصہ تک مقامی جمہوریتوں کی حیثیت سے کام کرتی رہیں اور وہ وینکو باراؤ کے خیال پر معترض ہے[39]۔ اس کا خیال اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وجے نگر کے سلاطین عوام کی پورومریادا (PURVAMARYADA) کا بہت خیال رکھتے تھے۔ وہ کہتا ہے "ہمارا خیال ہے وجے نگر کے بادشاہوں نے ایسے اقدام نہیں کیے تھے جن سے مقامی جماعتوں کے اختیارات مرکزی حکومت کو منتقل ہو گئے ہوں۔ اس کے برخلاف ہمیں یہ دہرانے کی اجازت ملے کہ پورومریادا (قدیم دستوری رواجوں) کی توصلہ افزائی کرنے والوں کی حیثیت سے وہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ خیروں کے قدیم طرز کو باقی رکھیں اور نئی حکومت میں بھی قدیم افسران کو برقرار رکھیں۔ اگرچہ . . . وہ مقامی جماعتوں پر مرکزی حکومت کے افسروں کو متعین کرکے اپنے آزادانہ قبضہ و اختیار کا مظاہرہ کرتے تھے[40]۔" لیکن پورومریادا کا یہ خیال و لحاظ محض ان چند رواجی حقوق تک ہی محدود تھا، جو بعض افراد یا جماعتوں کو ماضی میں ایک طویل مدت تک حاصل رہے تھے، دیہی جمہوریتوں کو فروغ دینے سے شاید کوئی تعلق نہ تھا۔ وجے نگر کے نظام حکومت کی انتظامیہ جو تمام تر مرکز کے تحت تھی، وہ دیہاتوں کے جماعتی اداروں کے صحت مند ترقی کو فروغ نہیں دے سکتی تھی۔ خود بادشاہوں کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ دیہی جمہوریتوں کا خاتمہ کردیں تاہم جس طرح وہ مملکت کے دور دراز علاقوں کو بھی اپنے کنٹرول میں رکھتے تھے وہ ان دیہی اداروں کے سرگرم اور معقول کارکردگی

کی ہمت افزائی نہیں کرسکتا تھا۔مزید یہ کہ حکومت کی طرف سے آئیگاروں (AYAGAR S.)
کے تقرر نے بھی دیہی جمہوریتوں کی آزاد زندگی کا گلا گھونٹ دیا۔

فصل دوم

آئیگار نظام

دیہی تنظیم کی ایک اہم خصوصیت آئیگار نظام تھا۔اس کے مطابق ہر گاؤں ایک علیحدہ اکائی تھی اور اس کا نظم و نسق بارہ عہدیداروں کی جماعت چلاتی تھی جو مجموعی طور پر آئیگار کے نام سے موسوم تھے کرنل وکس (Col. WILKS) مندرجہ ذیل الفاظ میں ان آئیگاروں کے فرائض کا ذکر کرتا ہے "ہر ہندوستانی گاؤں" ایک علیحدہ برادری یا جمہوریت ہے بلکہ حقیقتاً تو محسوس ہوتا ہے کہ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا رہا ہے۔گود (GAUD) یا پوٹیل (POTAIL) جج اور حاکم ہوتا ہے۔کرنم (KARANAM) یا شنبھوگ (SHNBHOG) رجسٹرار ہوتا ہے۔ تلیری (TALAIRY) یا استھلوار (STHULWAR.) اور ٹوٹی (TOTY) عموماً گاؤں اور فصلوں کے چوکیدار ہوتے ہیں نیرگنتی (NEERGANTEE) نہروں یا تالابوں کے پانی کو مختلف کھیتوں کے صحیح تناسب سے تقسیم کرتا ہے۔جوتشی یا نجومی تخم ریزی اور فصل کاٹنے کے موسموں نیز کھیتی باڑی کے تمام معاملات کے لیے "اچھے اور برے" دن اور ساعت کے فرضی فوائد بتلانے کی ضروری خدمت انجام دیتے ہیں۔لوہار اور بڑھی کاشتکاری کے بھدے اوزار اور کسانوں کے لیے اس سے بھی زیادہ بھدے گھر بناتے ہیں۔کمہار محض گاؤں میں استعمال ہونے والے برتن بناتے ہیں۔دھوبی ان چند پوشاکوں کو دھوتا ہے جو کسان کے گھر میں کاتے یا بنے جاتے ہیں یا قریب کے بازار سے خریدے جاتے ہیں حجام صفائی میں مدد کرتا ہے اور گاؤں کے پاخانوں کی صفائی میں مدد دیتا ہے۔سونار جو (معاشرہ میں) آرائش و زیبائش کے داخلے کی علامت ہے، سیدھے سادے زیورات بناتا ہے جس کے ذریعہ لوگ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو آراستہ کرتے ہیں اور یہ بارہ افسران جو برہلوتی (BARABULLAMUTTEE) یا اینگدی (AYANGADI) کہے جاتے ہیں، برادری کے ضروری افراد کی حیثیت سے اپنی خدمت کا

معاوضہ یا تو مشترکہ ملکیت کی زمین سے زمین کے عطیہ کی شکل میں حاصل کرتے اور یا اس فیس کی شکل میں حاصل کرتے ، جو گاؤں کے ہر کسان کی فصل کے ایک مقررہ تناسب پر مشتمل ہوتی تھی[41] ۔ انیسویں صدی کی ابتدا کے ہندوستان کے تقریباً سبھی برطانوی حکام آئیگار نظام کی اہمیت اور افادیت سے متاثر ہوئے ۔

ان دیہی عہدیداروں کا تقرر عموماً حکومت کی جانب سے ہوتا تھا ۔ اننت پور ضلع کے راول کیرووو (RAVULCERUVU) مقام کے کتبہ میں درج ہے کہ گتی راجیہ (GUTTI RRAJYA) میں واقع پنّا ماگانی (PENNAMAGANI) مقام پر سمپرتی تپّا راجیہ (SAMPRAPITIPPARAJAYYA) کے دور حکومت میں دو خاندانوں کو دھرم آورم (DHARAMA VARAM) پر رڈّی ایکم (REDDIRIKAM) کا مساوی حق عطا کیا گیا تھا ۔ یہ کتبہ ان متعدد افراد کا ذکر بھی کرتا ہے جو گاؤں میں مختلف عہدوں پر فائز تھے اور زمین کی اس مقدار کا بھی جو انھیں عطا کی گئی تھیں[42] ۔ تانبے کی ایک تختی کی سند میں ، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شری رنگا دوم کے زمانے کی ہے ۔ درج ہے کہ یلہنکا نادو پربھو امڈی کیمپے گودا (YALAHANKA NADU PRABHU IMMADI KEMPE GAUDA) نے چند گاؤں میں پنچانگا (PANCANGA) یا جنتری کو پڑھنے کا حق اووبل نرسمہا بھٹّا (AVUBALA NARASIMHA BHATTA) کو دیا تھا ۔ اور اس بات کا انتظام کیا تھا کہ ان گاؤں میں پنچنگا پڑھنے کے عہدے سے متعلق فیس سے وہ اور اس کے اخلاف استفادہ کرتے رہیں[43] ۔ کسی عہدہ پر ایک بار فائز ہو جانے کے بعد ان آئیگاروں کو اپنے عہدوں پر موروثی حق حاصل ہو جاتا تھا اور جب کبھی یہ تنازعہ ہوتا کہ ایک خاص عہدے کا حقدار کون ہے تو حکومت بڑی احتیاط سے یہ پتہ لگاتی کہ رواج اور قدیم عمل کی بنا پر اس پر کس کا حق ہے اور تب ان جھگڑوں کا فیصلہ کرتی چنانچہ 1565ء کے ایک کتبے کے مطابق جب چند اشخاص نے رام دیو مہارائے کے ایجنٹ سے یہ شکایت کی کہ سینا بووا (SENABOVA) اور جیوتش (JYOTISA) کے عہدے ، جو ان کے اسلاف کے زمانہ سے ان کے قبضہ میں تھے ، سسٹ (SIST) کے قبضہ میں چلے گئے ہیں اور یہ درخواست کی کہ یہ عہدے انھیں عطا کیے جانے چاہئیں ، تو اس نے اس معاملہ کی تحقیقات کرائی اور یہ اعلان کیا کہ "چونکہ پہلے سے آباد باشندوں نے یہ توثیق کی ہے کہ ایکھنج دنتھے (UCCANGE VENTHE) میں

واقع سنٹ بنّور شیمے (SANTE BENNUR SIME) سسینا بوداجیوتش ، پروہت
اور بعض دیگر عہدے تمہارے پاس تھے لہٰذا انھیں ہم رام کے لیے ایک تحفہ کے طور پر تمہیں
عطا کرتے ہیں تاکہ تم ، تمہارے لڑکے ، پوتے اور تمہارے اخلاف ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے
رہو اور سنٹ بنّور شیمے میں ان عہدوں سے متعلق ٹیکسوں اور حقوق کو (جن کا ذکر کردیا گیا ہے)
تم حاصل کرسکتے ہو۔[44]

آئیگاروں کو اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے عہدوں کو فروخت یا رہن رکھ
دیں۔[45] انھیں ٹیکس سے مستثنیٰ زمینیں (مانیم (MANYAMS) دی جاتی تھیں جن سے
وہ اپنی خدمات کے عوض دائمی طور پر استفادہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ویر شری رنگ
رائے دیو مہارائے (VIRA SRI HANGRAYA DEVA MAHARAYA) کے زمانہ میں مہانایک
آچاریہ رامیّا نامی ایک شخص نے نارائن آیا نامی ایک شخص کو کرنکا مانیہ (KARANIKAMANYA.)
کی حیثیت سے چندگاؤں میں کچھ اراضیوں کا ایک عطیہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ
عطیہ وصول کنندہ کو اپنی خدمت کے عوض ہوبلی HOBLI کے تمام گاؤں کی خشک وتر اراضیوں
سپاری کے باغوں نیز سینچائی کے کنوؤں پر عاید بعض ٹیکسوں کو وصول کرنے کا حق (بھی)
عطا کیا گیا تھا۔[46]

ان آئیگاروں پر اپنے اپنے علاقوں میں کٹھن ذمہ داریاں عاید تھیں۔ وہ اپنے اپنے حلقہ
اختیار میں امن وامان کے نگراں ہوتے تھے۔ ان دیہی عہدیداروں کے علم اور ان کی منظوری
کے بغیر کوئی جائداد نہ تو منتقل کی جاسکتی تھی اور نہ عطیہ میں دی جاسکتی تھی۔ مثال کے طور پر
کرنول ضلع میں واقع گنڈالا مقام کی ایک شکستہ حال دستاویز کے مطابق جب ڈوڈلا وینکٹ
نائے نین گارو (DODLA VENKATANAYANAI GARU) کا انتقال ہوگیا
تو اس کے بیٹے نے ایک نمائندے کا تقرر کیا تاکہ وہ ڈوڈلا کے اوقاف ، یعنی ڈھونی شیمے
(DHONI-SIME) کے گنڈلی (GUNDAL) مقام میں واقع چنّا کیشوا پیرومال
(CANNA KESVA PERUMAL) کے مندر کی پراکار (PRAKAR) دیوار شہ نشینوں ،
پھول کے باغات ، تالاب اور دوسری چیزوں کی نگرانی کرے۔ اور اس نے اسے گاؤں کے
رڈّی (REDDI) ، کرنم (KARANAM) اور تلاری (TALARI) کی منظوری سے تادورو
(TALURU) میں چند اراضیاں دے دیں۔[47] زمینوں کی فروخت بھی ان حکام کے علم میں لاتے

کے بعد ہی کی جا سکتی تھی اور کرنکا (KARANIKA) یا محاسب (ACCOUNTANT.) ہمیشہ بیعنامہ لکھا کرتا تھا جیسا کہ یہ بات آج بھی گاؤں میں رائج ہے۔

فصل سوم

پیشہ ورانہ انجمنیں اور برادیاں

ان سیاسی اور اجتماعی نوعیت کی جماعتوں کے ساتھ ہی ہمیں چند پیشہ ورانجمنیں، برادریاں اور تاجرین کی انجمنیں نظر آتی ہیں جو اسی قسم کے فرائض انجام دیتی تھیں جو پہلی قسم کی مقامی جمہوریتیں انجام دیا کرتی تھیں۔ مرکزی حکومت کے ساتھ ان کی دستوری حیثیت اچھی خاصی تھی اور مقامی نظم و نسق میں ان کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ لیکن قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اپنے اختیارات مقامی سبھا یا نادوسے آزاد ہو کر استعمال کر سکتی تھیں یا نہیں۔ ان کے اختیارات سے متعلق دستیاب شواہد کی روشنی میں یہ بات فرض کی ہے کہ انھیں مشترکہ طور پر سبھا اور نادو کے بعض اختیارات حاصل تھے اور وہ بیشتر معاملات میں ان کے فرائض کی انجام دہی میں ان کے ساتھ تعاون کرتی تھیں۔

چنانچہ ویرو پنّا ادے یار کے دور حکومت میں تیرو ورنگم، تیروپتی تیروونائیکاول (TIRUVANAIKKAVAL) اور بعض دوسرے مقامات کی چھوٹی چھوٹی اسمبلیاں، پلّیوں (POLLIS) کی تین اور پیشہ ور دستکاروں (رتھ کاروں) کی چار یا چھ قسمیں سب کی سب ایک ساتھ جمع ہوئی تھیں تاکہ کلّاولائکّارروں (KALLAVELAIKKARAR) کے درمیان جنھوں نے وہاں پناہ لی تھی فرائض تقسیم کریں اور اپنے تحفظ کے لیے مندر کو جو ٹیکس وہ ادا کریں گے اس کا تعین کریں۔[48] ۱۴۰۶ء میں پھر اتّم تانشورم ادیا نائنار (UTTAMATANIS - VARAM UDAIYANAYANAR) کیکولا مودلس (KAIKKOLA MUDALIS) اور کرانور کے اورور (URAVAR) نے گاؤں کے چند سوناروں کو سوونڈیرم (SUVAND - IRAM) کا ایک عطیہ دیا تھا۔[49] یہاں ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ آیا مندر کے معتمدین اور کیکولا مودلس کو ان عطیات کے سلسلہ میں وہی اختیارات حاصل ہوتے تھے جو دیہی اسمبلی

کو حاصل تھے جو یقیناً ایک زیادہ متحد اور زیادہ منظم سیاسی تنظیم تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اجتماعی اداروں کو جو نیم سیاسی کردار کی حامل ہوتے تھے۔ چند معاملات میں اسمبلی کے ساتھ معاونت کا حق حاصل تھا۔

افراد کی ایک دوسری جماعت جو ایک سیاسی گروہ کو تشکیل دیتی تھی اور بسا اوقات مقامی اسمبلیوں کے ساتھ تعاون بھی کرتی تھی وہ بھی جو 98 ذاتوں کی ولنگائی اور ایدنگائی کے نام سے معروف تھی۔ اگرچہ بنیادی طور پر ان کی حیثیت سماجی گروہوں کی تھی جن میں باہمی اختلافات اور اکثر آپسی جھگڑے رہتے تھے تاہم حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات میں وہ ایک منظم دستوری جماعت کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ چنانچہ تنجور ضلع کے تیروواٹیگاوور (TIRUVAIGAVUR) کی ایک دستاویز کے مطابق ولنگائی 98 ذاتیں اور ایدنگائی 98 ذاتیں پران تکنادو (PARANTAKNADU) کے مجتمع باشندوں کی معیت میں ایک ساتھ جمع ہوئیں اور انھوں نے حکومت (راج گرام ایرائی مورائی مائی (RAJAGARAMI IRAIMURAI MAI) یا مندر کو واجب الادا ٹیکسوں کی مختلف مدوں کی رقموں کے سلسلہ میں ایک فیصلہ کیا۔[59]
اسی طرح وردھا کلم مقام کی ایک نامکمل اور شکستہ دستاویز مورخہ 1429ء کے مطابق جس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے، ولنگائی ذاتوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی جانب سے متعین زبردستی ٹیکس وصول کرنے والوں کے ساتھ تعاون کریں گے اور ان کی بہیوں اور کھاتوں کا لکھنا منظور کریں گے۔[51] وہ ان کو جسمانی سزائیں دیں گے۔

ان کے ساتھ ساتھ بعض برادرانہ انجمنیں تھیں جو بعض پیشہ ور لوگوں پر مشتمل ہوتی تھیں یہ خود ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کرتی تھیں اور حکومت ان کی واضح یا بالکنایہ منظوری حاصل کرتی تھی۔ یہ مقامی علاقوں کے نظم و نسق میں مقامی حکام کی بڑی حد تک معاونت کرتی تھیں۔ چنانچہ مدّاہگد (MUDDA HEGGADE) ، کاپ (KAP) کے سب سے بڑے شہر پر اسمبلی، برادرانہ یا پیشہ وارانہ انجمنوں اور ماتحت افسران کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔[52] ان (انجمنوں) کی تعبیر کے لیے جو اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں وہ گن (GANA) اور پن (PANA) ہیں گن "کولاؤں (KULAS) کا ایک مجموعہ ہے"[53]۔ لیکن پن ایک فرقہ وارانہ تقسیم ہے۔ سترہویں صدی کے ایک کتبہ میں ایسے اٹھارہ پنوں کا تذکرہ ملتا ہے وہ یہ ہیں۔ دیوہاریکا (VYAVA - HARIKAS) ، پان چالا (PANCALA) لوہاروں کے پانچ فرقے، کمبھالیکا (KUMBHALIKAS)

کمہار تنتووائن (TANTUVAYINS) (بنکار)، وستر بھیدک (VASTRA - BHEDAKAS) (انگریز) تیل گھاتک (TILAGHATAKAS) (تیلی) کورتنک (KUR - ANTAKAS) کورتک (KURATAKAS) ؟ جوتا بنانے والا، وستر کسک (VASTRA - RAKSAS) (درزی)، ڈیوانگا (DEVANGAS) ، پرکیلیتی (PARIKELITI) پری کیلتے وارو PARIKELETTE-VARU ؟ باربردار بیل رکھنے والے گورکھک (GORA - KSAKAS) (چرواہے)، کیرات (KIRATAS) (شکاری) رجک (RAJAKAS) (دھوبی) اور کھورک KSAURAKAS (حجام) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان (برادریوں) نے مقامی اسمبلیوں کے ایک تسلیم شدہ جز کی حیثیت اختیار کرلی تھی ۔ بظاہر یہ مذکورہ بالا کوناندارکوئل (KUNNANDARKOYIL) کے کتبے کی اٹھارہ ذاتیں پدی نین بھومی سمے اتار (PALINENBHUMI SAMAYATTAR.) تھیں۔ سلیٹور (SALETORE) کو اس بات پر شک ہے کہ تقسیمیں محض "روایتی" نہ تھیں۔ لیکن پیشہ کے مطابق سماج کی تقسیم ضروری نہیں ہے کہ روایتی ہی ہو۔ یہاں چند اہم پیشہ وارانہ یا صنعتکارانہ برادریوں کا ذکر مناسب ہے۔ ان میں سب سے اہم ہنجامنیدوارو (HANJAMANEDAVARU) (برادری) تھی۔ قطعی طور پر یہ بتلانا مشکل ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ چند محققین یہ اصطلاح غیر ملکی لفظ انجمن (ANJUMAN) سے ماخوذ بتاتے ہیں جبکہ دیگر محققین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اصطلاح ان یہودی اور قدیم عیسائی تاجروں کی نشاندہی کرتی ہے جو مغربی ساحل پر آباد ہو گئے تھے لیکن یہ تعبیر ممکن نہیں کیونکہ کرشن پٹنم (KRSNAPATNAM) (نمبر 8) مقام کے ایک کتبہ میں جو نیلور ضلع میں واقع ہے جہاں شامی نوآبادی کی کوئی روایت نہیں ملتی، انجوونتار۔تیرو (ANJU VANNATTAR-TERU) کا لفظ آیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ تامل لفظ انجوونم (ANJU VANNAM) جس کا مطلب "دستکاروں کی پانچ برادریاں" ہیں، اس لفظ ہنجمن (HANJAMANA) کے مقابل رکھا جاسکتا ہے اور بظاہر یہ اس کی محض ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہی برادری مراد ہے جسے تیلگو کے کتبات میں پنچہانم وارو کے (PANCAHANAM VARU) پنچالم وارو (PANCALAM VARU) اور تامل کے کتبات میں پنچالتار (PANCALATTAR) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ دستکاروں کے ان طبقوں کا برادری کی حیثیت سے وجود ابتدائی دور میں ضرور رہا ہوگا۔ کیوں کہ ان پر اجتماعی طور پر ٹیکس عاید کیے جاتے تھے۔

اور حکمرانوں کی ہدایت پر انھیں عطیات بھی اجتماعی طور پر دیئے جاتے تھے[56]۔ اسی طرح کی ایک دوسری برادری ویشیاوانیانگرتا (VAISYAVANIYANAGARATTAR) تھی جس نے کوئمبٹور ضلع میں واقع دناکن کوتائی (DANAYA KANKOTTAI) مقام کی ایک دستاویز کے مطابق بعض تجارتی اشیاء مثلاً زنانہ کپڑے، سیاہ مرچ، سپاری، دھاگا، نمک، غلّے اور گھوڑے پر مقامی مندر کے فائدے کے لیے ایک متعین رقم دینا قبول کرلیا تھا[57]۔

ان کے علاوہ چند تجارتی انجمنیں تھیں جنھیں مملکت میں نیم سیاسی جماعت سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح ہر گاؤں میں ایک اسمبلی ہوتی تھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہر شہر اور ایک شہر کے درمیان حقیقی فرق یہی تھا کہ اول الذکر میں اس قسم کی کوئی انجمن نہیں ہوتی تھی جبکہ تقریباً تمام شہروں میں ایسی ایک انجمن ہوتی تھی جسے نگرتار (NAGARATTAR) کہا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ ہر شہر میں عموماً ایک ہفتہ واری میلہ سنتائی (SANTAI) لگا کرتا تھا جبکہ تمام دیہاتوں کی خصوصیت یہ نہ تھی۔

انھیں انجمنوں کی موجودگی کے متعلق عبدالرزاق لکھتا ہے "ہر انجمن یا پیشہ کے تاجرین اپنی اپنی دکانیں ایک دوسرے کے قریب قریب لگاتے ہیں۔ جوہری اپنے لعل و جواہر اور الماس و زمرد بازار میں کھلے عام فروخت کرتے ہیں[58]"۔ پائز بھی لکھتا ہے "ہر سڑک پر مندر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تمام دستکاروں اور تاجروں کے ایسے اداروں سے متعلق ہوتے ہیں جنھیں آپ ہمارے علاقوں میں برادری کے نام سے جانتے ہیں[59]"۔

انجمنیں (GUILDS) کتبات میں نگرتار یا شیٹوں کے نام سے معروف تھیں۔ تاجرین کی یہ انجمنیں بعض مشترک خصوصیات کی حامل ہوتی تھیں جو عہد وسطیٰ کے اداروں کا مطالعہ کرنے والے ایک طالب علم کو متوجہ کرتی ہیں۔ ایک مشترکہ مفاد ہی کی خاطر یہ انجمنیں وجود میں آئی تھیں۔ اور یہ ان کی مشترکہ کوشش تھی کہ اپنے مفادات کو بڑھاویں۔ یہ انجمنیں محض مقامی نوعیت کی ہوتی تھیں لہٰذا ایک انجمن کا دستور اور اس کا طریقہ کار یقیناً مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں مختلف رہا ہوگا۔ ہر انجمن کا ایک سربراہ ہوتا تھا جس کو تنظیم کے کام و کاج پر کچھ اختیارات بھی حاصل تھے اور وہ حکومت کے ساتھ تنظیم کے معاملات میں اس کے ایک معتمد نمایندے کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ کناڑا اور تیلگو کے اضلاع میں وہ پٹنا سوامی (PATTANASVAMI) یا شیٹی کے نام سے معروف تھا۔ غالباً وہ کسی ایک مقام کی تمام تجارتی انجمنوں کا بھی سردار ہوتا تھا۔ آخر میں عہد وسطیٰ

کے ہندوستان کی انجمنوں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی مذہبی فرقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بھی کسی مذہبی عقیدہ سے وابستگی تھی جو عہد وسطیٰ کی انجمنوں کو متحد رکھنے کا بہت بڑا سبب تھی۔

عام طور پر حکومت ان انجمنوں سے اس وقت مشورہ کرتی تھی جب ان پر واجب الادا محاصل کسی کو عطیہ میں دینے ہوتے تھے۔ بلّاری (BALLARY) ضلع کے ہوسپیٹ مقام کے ایک کتبہ کے مطابق پردھان تیرو مل راجہ کے ایجنٹ آبّاراجہ تمپّا (ABBARAJA TIMMAPPA) نے چند گاؤں کے مول وِشا (MULAVISA) کو تیرووِنگل ناتھ دیوتا پر چڑھاوے کے لیے گاؤں کے شیٹی پٹن سوامیوں (سر برآوردہ تاجروں) اور ناھا نادو (عام اسمبلی) کی منظوری کے بعد عطا کیا تھا[60]۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اچیوت رائے کے ایک افسر کمّیا دیوانا نامی ایک شخص نے غلّوں پر عاید چند ٹیکسوں اور شادیوں پر عاید فیسوں کو نانا دیشی (NAN-ADISI) تاجروں کی منظوری سے عطیہ میں دے دیا تھا[61]۔ یہ (انجمنیں) مقامی نوعیت کے بعض ٹیکس اور محاصل بھی وصول کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر وہ بازاروں سے ایک چنگی وصول کرتی تھیں اور اسے مندروں کو دیدیتی تھیں۔ 1534ء کے ایک کتبہ کے مطابق مقامی تاجروں نے لیپاکچھی (LEPAKSI) میں واقع وِشویشوردیوپورا (VISVERADEVAPURA) کے گاؤں اور ہرُنادو (HARUNADU) اور ہوسورونادو (HOSURUNADU) میں ہر اتوار کو لگنے والے بازاروں سے ٹیکس اور چند دیگر چنگیاں وصول کرتے تھے اور انھیں مندر کو دے دیا کرتے تھے[62]۔

ان انجمنوں کو کچھ اعلیٰ عہدیداروں کو بعض اعزازات عطا کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا مثال کے طور پر نکر پریوار (NAKARAPARIVARA) اور ممّوری ڈنڈ (MUMMURIDANDA) کے افراد نے " اپنے ماتحت تین سو بلّاؤں (BILLA) اور وجے نگر کے ہولیاؤں (HOLEYAS) کے ساتھ دیوتا ویروپاکس کے مقدس قدموں میں ہیرے کا ویسنیج (VAISANIGE) نچھاور کرنے کے بعد اس کے سامنے بیٹھ کر باہمی رضامندی سے مدّیا دنّایک (MUDDAYYA DANNAYAKA) کو جو کہ ہمارے 56 علاقوں کے محاصل کی دیکھ بھال کرنے والا افسر تھا زمین دیرتھوی شیٹی تن (PRTHVISETTITANA) پر سرداری کا (MAYORALTY) اعزاز بخشا تھا[63]"

انجمنوں کو اپنے افراد کے لیے بعض ضوابط حتیٰ کہ سماجی اور مذہبی نوعیت کے قوانین بنانے کا اختیار بھی حاصل تھا۔ مثال کے طور پر تمکور ضلع کے تپتور تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق باگور (BAGUR) کی بہت سی شیٹّوں نے ان عورتوں کے متعلق جن کی شادی نہیں ہو سکی تھی ۱۴۴۹ء (۹) میں کچھ قوانین بنائے تھے[64] لیکن بدقسمتی سے کتبہ نامکمل ہے اور ہم اس دلچسپ ٹکڑے سے کوئی مفہوم نہیں نکال پاتے۔

یہ انجمنیں حکومت کی پالیسی کو بھی بہت زیادہ متاثر کرتی تھیں۔ بسا اوقات کسی مخصوص کام کے لیے یہ حکومت سے درخواست کرتی تھیں جس کو انجام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ عظیم وڈّبیا وہاری (VADDEBYAVAHARI) ، نانا دیشیوں (کی دونوں ذاتوں) کے سردار ارجو بھٹیا - ARJJU) (BHATTAYYA کے بیٹے مہادیون نے جب بکّن ودیار (BAKKANNA VADEYAR) سے "لکشمی پورا کو ۔ ۔ ۔ چنگ ناد (CANGANAD) میں بنانے کی" درخواست کی تو بادشاہ نے اپنے وزیر اعلیٰ سوپّا (SOVAPPA) کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ اور اس نے ناویلی (NAVILE) ، ہنڈرنج (HANDARANGE) ، پوسناد (POSANAD) ، الآل پٹن (ALLALAPATTANA.) اور دوسرے مقامات کے کسانوں کے تعاون سے اس فرمان کی تعمیل کی۔

فصل چہارم

مقامی حکومتیں

مندر

دوسرا ادارہ جو مقامی حکومت کے نظم و نسق میں ایک اہم رول ادا کرتا تھا وہ مندر تھا مذہبی زندگی اور اس کے رسوم کا ایک مرکز ہونے کے علاوہ عہد وسطیٰ کے مندر کے بعض معاشی اور سیاسی مشاغل بھی تھے یہ ایک زمیندار اور آجر ہوتا تھا۔ مندر کے حکام بسا اوقات بعض مقدمات کے سلسلہ میں جج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مندر کا خزانہ ایک بینک ہوتا تھا۔ جو وقت ضرورت لوگوں کو روپے قرض دیتا تھا۔ مندروں کے ذریعہ دیہی صنعتوں اور دستکاروں کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ چنانچہ عہد وسطیٰ کے جنوبی ہندوستان کا مندر ان تمام سمتوں میں

سماجی فلاح وبہبود کے لیے بہت زیادہ کام کرتا تھا۔

مندروں کے انتظام والنصرام میں بادشاہ اور عوام دونوں کا دخل تھا۔ بادشاہ مندروں کی تعمیر کراتا اور ان کے اخراجات کی تکمیل کے لیے اراضیاں عطا کرتا اور ان اراضیوں کو دیودان (DEVADANA) اور بسا اوقات دیودائے (DEVADAYA) کے نام سے پکارا جاتا مندروں کی یہ شاہی سرپرستی یا تو سرومانیہ (SARVAMANYA) کے طور پر اراضیوں کے عطیہ کی صورت میں ہوتی تھی جن سے مندر ہمیشہ استفادہ کر سکتے تھے اور یا ان مخصوص ٹیکسوں کے عطیہ کی شکل میں جنھیں اس مقام کے لوگ حکومت کو ادا کرتے تھے جن کے لیے مندر کے حکام کو اجازت تھی کہ وہ ان محاصل کو مندروں کے اخراجات کی تکمیل کے لیے وصول کریں چنانچہ کمپن کے فرمان کے مطابق اس کے وزیر وتپر (VATTAPPAR) نے شیروائی آلوداٹیا نائینار (SERVAI ALUDAIYA NAYNAR) کے مندر کو مادم باکم (MADAMBAKKAM) کا ایک عطیہ دیا تھا۔ کتبہ میں درج ہے کہ "یہ گاؤں، پورے کا پورا، جو اس دیوتا کی مقدس ملکیت ہے، اپنی چاروں حدود کے ساتھ، جس میں گاؤں کی افتادہ، قابل زراعت اور باغ کی زمینیں، ان کی فرقہ وارانہ فرائض کے ساتھ (جیسے مثلاً) کرگھوں پر عائد شدہ ٹیکس، کولھوؤں کے چلانے پر ٹیکس وغیرہ نیز گاؤں کے ملازمین کو رکھنے پر عاید ٹیکس اور اسی طرح کے دیگر نئے اور پرانے ٹیکس جو اس کے بعد ہر لگان دار پر عاید کیے جا سکتے ہیں ان (سب) کو ہم سرومانیہ عطیہ کے طور پر پوجا پاٹ اور مرمت کے لیے مندر کو عطا کرتے ہیں تاکہ یہ (مندر) اس وقت تک باقی اور دائم رہے جب تک چاند اور سورج باقی ہیں[66]"۔ کرشن دیو نے چولا منڈلم میں واقع شیو اور وشنو کے مندروں کے حق میں دس ہزار وراہ (VARAHAS) معاف کر دئے تھے جو کہ جوڈی (JODI)، ارشوپیرو (ARASUPERU) اور شولوری (SULAVARI) سے حاصل ہونے والی آمدنی تھی[67]۔ ان ٹیکسوں کو خود مندر وصول کیا کرتے تھے اس مقام پر، دیہی اسمبلیوں کی طرح، ان ٹیکسوں کے درمیان جنھیں مندر کے حکام بعض گاؤں پر مرکزی حکومت سے آزادانہ طور پر عاید اور وصول کرتے تھے اور ان ٹیکسوں اور محاصل کے درمیان فرق کر لینا چاہیئے جنھیں وہ حکومت کی منظوری سے یا اس کی ہدایت پر وصول کرتے تھے۔ اول الذکر معاملہ میں) وصول کردہ ٹیکسوں کی نوعیت ایسے رواجی ٹیکسوں کی ہوتی تھی جنھیں لگان دار مالک زمین کو ادا کرتا تھا جبکہ موخر الذکر معاملہ میں عوام پر واجب الادا حکومت کے بعض ٹیکسوں اور

چنگیوں کو وصول کرنے کا حق مندر کے استفادے کے لیے مندر کو دے دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر دیوراائے دوم نے چندر گیری کے شری گری ناتھ کے نام ایک نیرو پا (NIRUPA) یا حکم جاری کیا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ وہ چندر گیری راج کو تیروپو کولی (TIRUPP- UKKULI) سے حاصل ہونے والے ٹیکسوں میں سے 131 پون PONS اور 1/2 6 پنم جودی (JODI) یانی پون دس پنم کے حساب سے 1/2 16 پنم عطا کر دے تاکہ یہ رقم اس مقام کے پورِرّو پیرومال (PORERRUPERUMAL) کے مندر کے لیے استعمال کی جا سکے۔[68] چولامنڈلم میں شیوا اور وشنو کے مندروں کے حق میں کرشن دیو رائے کے ذریعہ بعض ٹیکسوں کے عطیہ کی نوعیت بھی یہی تھی۔[69]

بسا اوقات مندر کے حکام مندر کے لگان داروں کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے اور یہ مندر کے حکام ہی تھے جن کی وساطت سے مندر کے لگان دار اور اس مقام کے اور لوگ سرکاری افسروں کی جابرانہ پالیسی کے موقع پر حکومت کے سامنے اپنی شکایات پیش کرتے تھے۔ تیرووری یور (TIRUVORRIYOR) سے دستیاب دیوراائے دوم کے زمانہ کے ایک کتبہ کے مطابق مندر کے مہیشوروں نے بادشاہ کے پاس یہ شکایت کی تھی کہ مندر کی ملکیت کے دیہاتوں کے لگان دار، ملازمین اور دیگر باشندے جودی گم پاروائی (MUGAMPARVAI) انگ سالائی (ANGASALAI)، سمبادم (SAMBADAM) اور ویشیس آدایم (VISESADAYAM) جیسے ٹیکسوں کے نفاذ اور حکومت کے افسروں کے ذریعہ اجارہ داری کے آغاز کے وجہ سے بہت پریشان حال ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ آئندہ مذکورہ بالا محاصل اور ارشی کانم (ORISIKANAM)، اچھے بیل، اچھی گائیں، وٹی (VETTI) اور کتایم (KATTAYAM) (کے ٹیکس) مندر کے مہیشور وصول کیا کریں گے نیز یہ کہ اجارہ پر دی جانے والی جن زمینوں کی ادائیگی ہو چکی ہے انھیں شاہی خزانچی سے روپے لے کر واپس لے لیا جائے۔[70]

مندر کے حکام کو دیہی اسمبلی کی طرح اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ بعض مخصوص حالات میں وہ مندر کی زمینوں کو فروخت اور نئی زمینوں کو خرید سکتے تھے۔ ایک کتبہ مورخہ 1442ء کے مطابق کولار (KOLAR) ضلع کے مالور (MALUR) تعلقہ میں واقع کوروندمل (KURUNDAMALE) مندر کے پجاریوں داستھانیکوں نے تمن (TIMMANN) نامی

ایک شخص کو پچاس ہون (HONNU) کے عوض کو روندمل شیمے میں سدّا سمدر - SIDDA)
(SAMUDRA نامی ایک نئے تالاب کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک دھرم شاسن DHAR -)
(MA SASANA. یا ایک بینامہ عطا کیا تھا[71]۔ شمالی آرکٹ ضلع میں واقع تیرو پانن گادو - TIRU)
(PPANANGADU مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ اس مقام کے مندر کے حکام نے گاؤں
کے تالاب کے بعض شگافوں کی مرمت کے لیے مندر کی کچھ اراضیاں فروخت کر دی تھیں اسلیے
کہ ان کے پاس کوئی فنڈ نہ تھا اور یہ اراضیاں مدّت سے غیر مزروعہ پڑی تھیں[72]۔ اسی طرح تیرو ملی
شائی آلوار (TIRUMALI SAI ALVAR) کے خزانے نے الووکانی (ULVUKANI)
کی حیثیت سے زمین کے قطع خریدے جو پدائی پرّو (PADAIPARRU) عرف تپیرو مال نلور
(TEPERUMALNALLUR) میں واقع مندر کی ملکیت میں تھے اور جو بلند سطح پر ہونے کی بنا
پر آبپاشی کے لائق نہ تھے۔ ان زمینوں کو از سرنو زیر کاشت لایا گیا اور مندر نے دو سو پنم سالانہ کے
عوض ان کو اجارہ پر دے دیا[73]۔

مندر کے حکام مندر کی اراضیوں کو رہن رکھنے سے متعلق قوانین وضع کرتے تھے۔ چنانچہ
جنوبی آرکٹ ضلع کے چنتامنی مقام کی ایک دستاویز میں ایک سمجھوتے کا تذکرہ ملتا ہے جو ابھے
ودانت آچاریہ ایتور تیرو ملائی کمار تاٹ اچاریہ (UBHAYA VEDANTA -
ACARYA ETTUR TIRUMALAI KUMARA TATACARYA.) کے ایجنٹ کونیتی ایّن
(KONITI AYYAN) اور مدورانتکم (MADURANTAKAM) کے سربرآوردہ افراد
اور مندر کے خزانچیوں کے درمیان ہوا تھا کہ دیودلوان کی زمینیں جو کونیٹی اینگار (KONETI -
AYYANGAR) کے دور حکومت میں پہلے ہی رہن سے نکل چکی ہیں، انھیں کسی بھی صورت میں
دوبارہ رہن نہیں رکھا جائے گا[74]۔

بہت سے حالات میں مندر کا خزانہ ایک مقامی بینک کا کام دیتا تھا۔ اور مشکل میں
لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ جب وہ قرض میں دی ہوئی رقم وصول نہ کر پاتا تو قرض دار کی اتنی زمین خرید
لیتا جتنی قرض چکانے کے لیے ضروری ہوتی پدوکوتائی ریاست کے شیولور (SEVALUR)
مقام کے ایک کتبہ کے مطابق تیرو بھومی شام ادیانا نار (TIRUBHUMI SAMUDDI YA-
NAYANAR) کے مندر کے حکام نے تین سو شکر پنم (SAKKARA PONAMS) ،
تینورودپرّو (TENURU VADAPPARRU.) کے ارور (URAYARA) کو قرض دیا

تھا جو اس نے کانکائی ادا کرنے کے لیے لیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ قرض واپس نہ کر سکے لہٰذا انھوں نے اپنی کچھ زمینیں مندر کے حکام کو فروخت کر دیں[75]۔ اسی طرح پدوکوتائی ریاست ہی میں واقع تیرو ورنگولم (TIRUVARANGULAM) کے مندر کے خزانے، پالائکودی (PALAIKKUDI) کلنگودی (KALANGUDI) اور کیلی نلور (KILINALLUR) کے گاؤں کے باشندوں اور ان گاؤں میں پادی کاول (PADIKAVAL) کے حقوق رکھنے والوں کو ایک قرض دیا تھا تاکہ وہ ان ٹیکسوں کو ادا کر سکیں جن کا مطالبہ ان سے سوامی نارسا نائیکر نے کیا تھا اور جس کو وہ بغیر قرض لیے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ آگے چل کر تقریباً 1520ء میں باشندوں اور پادی کاول کے حقوق رکھنے والوں نے مندر کے خزانے سے جو قرض لیا تھا اس کے عوض کچھ زمینیں مندر کے حکام کے ہاتھ فروخت کر دیں[76]۔ اس طرح لوگوں کو روپے قرض دے کر مندر بینک کا کام انجام دیتے تھے۔

مندر کے معتمدین ججوں کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہم پہلے ہی اس بات کا جائزہ لے چکے ہیں کہ چنگل پٹ ضلع کے تیرو کلی کن رم (TIRUKKALIKKUNRAM) مقام میں واقع تیرو کلی کن رمیشورم ادیانائنار (TIRUK - KALIKUNRAMISVA RAMNAYANAR) کے مندر کے معتمدین نے مندر میں ہونے والی ایک چوری کے مقدمہ کا فیصلہ کس طرح کیا تھا[77]۔

لوگوں کی سہولت کے لئے مندر شفا خانے بھی چلاتے تھے ترچنا پلی ضلع کے سری رنگم مقام کے ایک کتبہ مورخہ 1493ء میں اس مقام کے مندر میں ایک اسپتال (آروگی شالائی) (AROG - YASALAI) اور ایک خدائی طبیب دھن ونتری (DHANVANTARI) کی زیارت گاہ کی موجودگی کا حوالہ ملتا ہے[77] - الف

وجے نگر کے زمانے میں مندروں کی کارکردگی کا ایک دوسرا پہلو جو یہاں قابل ذکر ہے وہ چھوٹی چھوٹی صنعتوں کی حوصلہ افزائی ہے جو وہ کرتی تھیں۔ ہندوستان کی مقامی برادریوں پر گفتگو کرتے ہوئے سر جارج برڈوود (SIR GEORGE BIRD WOOD.) اس خیال کا اظہار کرتے ہیں "دیہی برادریاں ہندوستان کے روایتی فنون کا گڑھ ہیں اور جہاں جہاں یہ فنون گاؤں کی سرحدوں سے نکل کر دنیا کی وسعتوں تک پہونچے ہیں وہاں اب بھی منو (MANU) کا ذات پات کا نظریہ غیر ملکی فیشن کے مضر اثرات اور انحطاط کے خلاف ان کا بہترین محافظ رہا ہے[78]"۔ یہ تبصرہ مندروں پر بھی صادق آتا ہے اس لیے کہ وہ بھی چھوٹی چھوٹی صنعتوں کی کافی ہمت

افزائی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر چنگل پٹ ضلع میں واقع پیرو نگر کے مندر کے حکام نے مقامی مندر کی تیرو ملائی ویلاگم (TIRUMALAI VILAGAM) میں واقع زمین کے بیس ٹکڑوں کو جو شمبو ورائے کے زمانہ سے ہی بیکار پڑے تھے۔ چند جولاہوں کے ہاتھوں ان کے آباد ہونے کے لیے فروخت کر دیا تھا اور اس کی آمدنی ان (مندروں) کی مرمت و اصلاح پر خرچ کی گئی[79]
اسی مقام کی ایک دوسری دستاویز کے مطابق انھوں نے پیرو نگر کے جلاہوں پر واجب الادا بعض ٹیکسوں میں بطور رعایت تخفیف کر دی تھی تاکہ وہ ان قدیم علاقوں میں دوبارہ قیام پذیر ہو جائیں جن کو انھوں نے ٹیکس ادا کیے بغیر چھوڑ دیا تھا[80]۔ من پادی (MANAPADI) کے ایک کتبہ میں اجارہ کی ایک دستاویز (ادائی اولائی (ADAI-OLAI) کا تذکرہ ملتا ہے جو جولاہوں کو دی گئی تھی تاکہ وہ وان وسندر نائنار (VANAVASUNDRA NAYANAR) کے مندر کی زمین پر واقع ایک سڑک پر چند شرائط کے عوض جو ان ٹیکسوں سے متعلق تھیں جو ان پر مندر کے لیے واجب الادا تھے۔ آباد ہو سکیں[81]۔ اس طرح مندر دستکاری اور صنعتوں کی بڑی حد تک حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

مندروں کو ایک اور اختیار جو حاصل تھا وہ یہ تھا کہ وہ مخصوص افراد کو اعزازات بخش سکتے تھے۔ جب اچیوتپا نائینن گار (ACCYUTAPPA NAYANINGARU) نے چودہ گاؤں کا ایک عطیہ دیا، جنوبی آرکٹ کے شری موشنم (SRIMUSNAM) میں واقع آدی وراہ پیرومال (ADIVARAHA PERUMAL) کے مندر کے حق میں دیگر 28 گاؤں پر عاید جودی، ویراد (VIRADA) ، کرنک (KARANIKA) اور دیگر ٹیکسوں کو معاف کر دیا اور منوال (MANAVALA) ، شودی کودتا ناکیار SUDI KODUTTA NACCIYAR اور دوسرے آلواروں (ALVARS). کے بتوں کو مندر میں نصب کیا، خود اپنے اخراجات پر مندر کے متعدد زمینوں کو قابل کاشت بنایا، کھیتوں کے لیے جنگلوں کی صفائی کی۔ سینچائی کے لیے نہریں کھدوائیں، تالاب تعمیر کرائے، باغ لگوائے۔ دیوتا کے سامنے ہیروں کے بہت سے تحفے پیش کیے اور مندر میں خدمت کے لیے بارہ موسیقاروں اور 360 ملازموں کا انتظام کیا تو مندر کے شری بھنڈار (SRI BHANDARA) کے اراکین نے اسے نیرواہ (NIRVAHA) اور سمپرتی (SAMPRATI) کا عہدہ دیا اور یہ اجازت دی کہ مندر کے توشہ خانہ پر وہ دوسروں کے ساتھ اپنی مہر بھی لگا سکتا ہے، وہ شری موشنم کے شہر اور اس سے

متعلق گاؤں کی تلارک (TALARIKA) اپنے پاس رکھ سکتا ہے نیز یہ کہ وہ مقدس بھنڈار کے دیوتاؤں کے بتوں کا محافظ ہوگا۔[82]

اسی طرح بادشاہ کرشن دیو رائے اور اس کے ماتحت افسر نرسمہا رائے مہارائے کے حکم سے تیروپتی (TIRUPATI) کے مندر کے تانتار (TANATTAR) یا منتظمین نے ویاسرائے تیرتھا سشری پادو دیار (VYASARAYA TIRTHA SRIPADA VODEYAR) کو ایک مکان اور چند اعزازات بخشے تھے۔[83] شری موسنم کے مذکورہ بالا کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ مندر کو پولیس کے بعض فرائض بھی انجام دینے ہوتے تھے جنھیں اس نے چند افراد کو منتقل کر دیا اس لیے مقامی ادارے اور شہر کے افراد دونوں ہی اس طرح پادی کاول اختیارات کے متمنی رہتے تھے۔

فصل پنجم

مقامی معاہدے

وجے نگر کی تاریخ کے بعض ادوار میں جب مرکزی حکومت اتنی مستحکم نہ تھی کہ وہ مرکز گزیر رجحانات کا قلع قمع کر سکے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مقام کے بااثر لوگ آپس میں سمجھوتے کر لیتے تھے تاکہ وہ اپنی حیثیت کو مستحکم کر سکیں اور اپنے حقوق و مراعات پر باہری لوگوں کی دست اندازی کو روک سکیں۔ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے لوگوں کا یہ رویّہ اپنے اندر یقیناً ایک بہتر پہلو رکھتا تھا، اس لیے کہ اگرچہ یہ مرکزی حکومت کے انحطاط کا ایک واضح ثبوت تھا اس کے باوجود یہ مختلف طبقوں کے ان لوگوں کو متحد کر دیتا تھا جو مدّت سے آپس میں غیر دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور اب اپنی دشمنی کو چھوڑنے پر اور دوستانہ طور پر زندگی گذارنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ چنانچہ ۲۰-۱۶۱۹ء میں بھوپتی ادیار کے بیٹے ویر امینن ادیار کے دورِ حکومت میں ایک طرف پیرامبور کے نرسنگ دیو ادیار اور اس کے ہم نواؤں، اور دوسری طرف کیلائی کوریچی (KALAIKURICCI) کے باشندوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا معاہدے کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔ واضح ہے کہ سیہ نرسنگ دلو کے زمانہ سے لے کر ادائیگی کلم کا تا

نرسنگ دیو (ADAIKKALAM KATTA NARASINGA DEVA) کے زمانے تک ہمارے درمیان زبردست دشمنی رہی۔ دونوں جانب کے سیکڑوں آدمی مارے اور قید کیے گئے اب موخرالذکر سردار کے زمانہ میں ہم سب ایک دوسرے سے ملے اور یہ فیصلہ کیا کہ اس طویل المدّت دشمنی کی بنا پر آئندہ ہمیں ایک دوسرے کے مفادات کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہیے۔" ان لوگوں نے اس حد تک اتفاق کر لیا کہ مذکورہ بالا گاؤں کے کسی بھی شخص کے دشمن کو وہ اپنا مشترکہ دشمن سمجھیں گے۔ انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جو لوگ اس کے خلاف کریں گے وہ دیوتا نان گپتی (NAN GUPATTI) کے خلاف گناہ کے مرتکب ہوں گے یہ سمجھوتہ تین ملائی (TENMALAI) ، کیرنور (KIRANUR) ، پودووائل (PUDUVOYAL) اور مودوشورکودی (MUDUSORKUDI) کے باشندوں کے سامنے ہوا تھا"۔[84] اسی عہد میں ہمیں جنوبی کنارا ضلع کے بااثر لوگوں کے درمیان بھی اسی طرح کے آپسی سمجھوتے ملتے ہیں۔ شاکھا سنہ 1412 (جو غلط ہے) میں دیورادیا (DEVARADYA) عرف کنداہگد (KUNDAH -) BGGADE نامی ایک شخص اور رکنگ ہگد نامی ایک دوسرے شخص نے یلورو (YELLURU) کے دیوتا مہالنگ (MAHELINGA) کے روبرو ایک دوسرے کی زمین پر دست اندازی کیے بغیر ہمیشہ کے لیے دوستانہ طور پر زندگی گذارنے کا معاہدہ کیا تھا۔[85] چند سالوں کے بعد شاکھا سنہ 1421 میں (مرحوم) سید مارتی۔ سنکراتی ہنڈ ہگڈ (SAN KARADI - HUNDA HEGGADA.) نامی ایک شخص اور تیرومل ارشا مدا ہگد (TIRUMALA - ARASA MADDA HEGGADA) نامی ایک دوسرے شخص نے آپسی وفاداری کا ایک سمجھوتہ کیا اور طے کیا کہ وہ ہمیشہ یلورو (YELURU) اور کاپو (KAPU) پر حملہ آور دشمنوں کے خلاف وفادارانہ خدمت انجام دیں گے۔[86] اس طرح کے کتبات کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں باہمی تعاون اور پرانی عداوتوں کو ترک کر دینے کے سمجھوتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔[87] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے مقامی سمجھوتے ویروپاکچھا (VIRUPAKSA -) کے دور حکومت کے آخری سالوں میں وجے نگر کی سیاست میں انتشار کا نتیجہ تھے۔ ان ادوار میں مرکزی طاقت کا کوئی ذکر نہیں آتا۔[88] لیکن اس طرح کے مقامی سمجھوتے نہایت مفید تھے اس لحاظ سے کہ انھوں نے مقامی علاقوں میں امن وسلامتی کی ضمانت دی اور مرکزی حکومت کو نظم وضبط کی برقراری کی ذمہ داری سے بڑی حد تک چھٹکارا

دلا دیا۔

فصل ششم

چھوٹے چھوٹے مقامی افسران اور عہدیدان

یہاں ہمیں ان چند مقامی افسروں کے فرائض کا جائزہ لینا ہے جو شاہی حکومت اور مقامی عہدیداروں کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت رکھتے تھے۔

ان افسروں میں سب سے پہلے جو قابل ذکر ہیں وہ پاروپتیاگار PARUPATYAGAR ہیں۔ لفظ پاروپتیا گار سے مراد ایک انتظامی افسر یا کاموں کا نگراں ہے عموماً یہ افسر کسی خاص علاقہ میں بادشاہ یا صوبائی گورنر کا ایک نمائندہ ہوتا تھا اور حکومت کے بعض اہم انتظامی امور کو انجام دیتا تھا۔ وہ کسی خاص علاقہ میں ٹیکسوں کا اعلیٰ محصل ہوتا تھا۔ وہ قلعوں کی مرمت اور ان کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا، وہ بادشاہ کی جانب سے عطا کی گئی جاگیروں کا منتظم ہوتا تھا۔ مقامی علاقوں میں بادشاہ کے نمایندے کی حیثیت سے پاروپتیاگار ایک ایسا حاکم تھا جس کے پاس عموماً شاہی احکامات پہونچائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر جب ایک مقامی حکمراں نے ایک سرومانیہ عطیہ دیا تو اس نے یہ حکم پاروپتیا پیریا کیشو نایک (PARUPATYA PARIYA KESAVA NAYA KA) نامی ایک شخص کے پاس بھیجا جو بلا شبہ اس مقام کا ایک افسر تھا جہاں عطیہ دیا گیا تھا[86]۔

مورخہ 1423ء کے ایک کتبہ میں ایک پاروپتیاگار کا تذکرہ ملتا ہے جسے ایک خاص علاقہ میں اراضیوں کے بعض عطیات کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ کتبہ میں اس الاؤنس کا بھی ذکر ہے جو اس کے لیے منظور کیا گیا تھا[90]۔ تیرکن آمبی (TERAKANAMBI) کے پاروپتیاگار چکا نجیا (CIKKA NANJAYYA.) کو 1507ء میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ مندر میں رتھ کے تہوار کے موقعہ پر اخراجات کی تکمیل کے لیے چند گاؤں سے حاصل ہونے والی بعض برآمدی چنگیوں (EXPORT DUTIES) سے رتھ کا ایک ٹیکس ادا کرے[91]۔ 1542ء میں ہم سیرنگاپٹم کے علاقہ میں کامپا نایک نامی ایک پاروپتیاگار کو بعض ایسی چنگیاں اور ٹیکس وصول کرتے

ہو جاتے ہیں جن کا پہلے وجود نہ تھا[93]۔ 1508ء میں ایک فرمان جاری کیا گیا تھا کہ کولار ضلع کے ... تعلقہ میں واقع ایک مخصوص گاؤں کے پارو پتیا کے عہدہ کا جو کوئی بھی حامل ہوگا اسے ایک نصف قلعہ تعمیر کرانا ہوگا[93]۔ پارو پتیا گار عوام کی سہولت کے لیے بعض عوامی مفاد کے کاموں کو انجام دینے کی ذمہ داری اٹھاتے تھے۔ چنانچہ رامپا نامی ایک شخص نے جو 1532ء میں ... رجاگیر میں واقع درگا گرہارا (DURGGAGRAHARA) مقام میں پارو پتیا کے عہدے پر ... تھا، زمین کی کھدائی اور ضروری مرمت کر کے پتھروں کا ایک مقدس تالاب بنوایا تھا[94]۔ ایک ... سے قحط کے دوران جب تمام غلوں کی قیمتیں میسور ضلع کے کامراج نگر تعلقہ میں فی ہن ... تک بڑھ گئی تھی اور آدمی آدمی کو کھانے لگا تھا، پارو پتیا گارادیار دیو نے کالے ملی کارجونا (KALE HALLI KARJUNA) کی مدد سے ایک کنوئیں کی مرمت کرائی تھی[95]۔ اس نے نئے گاؤں بھی تشکیل دئے۔ بارگور شیمے کے پارو پتیا گار نے چنگیوں کے نرسمیا (NARASIMMAIYA) کی درخواست پر ایک پیٹھ (PETHE) کی تعمیر کرائی اس کا نام کرشنا پورا رکھا اور اس میں لوگوں کو آباد کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے افسران سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ ہمیں یہ بات اننت پور ضلع کے کوٹپلی (KOTTOPPALLE) مقام کی ایک نامکمل دستاویز سے معلوم ہوتی ہے جس میں بظاہر ملک ایاجی وویارو (MALIKA AYYAJI VODAYARU) ، پرشورا ما پنڈٹرو (PARISURAMA PANDITTARU) ، پیرورو (PIRURAV) میں مقیم افسر نیز گاؤں کے گودے، سینا پتیا اور کسانوں کے نام کندریپی شیمے (KUNDREPPI SIMR) کے پارو پتیا گار (جس کا نام ضائع ہو گیا ہے) کے چند احکامات درج ہیں[97]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً کرشن دیورائے کے زمانہ تک پارو پتیا گار کو مندر کے نظم و نسق سے متعلق چند اختیارات حاصل تھے۔ لیکن کامراج نگر تعلقہ کے ایک خاص مندر کے متعلق کرشن دیورائے نے مندرجہ ذیل حکم دیا تھا "تمام عطیات کی نگرانی دیوتا کے مندر کا نمائندہ الپا (ALLAPPA) کرے گا۔ وہ انھیں اپنی ملکیت میں لے لے گا اور جن ملازمین کا وہ چاہے گا تقرر کر کے مندر کی وقتاً فوقتاً خدمات کو برقرار رکھے گا۔ پارو پتیا گار کو مندر کے معاملات کی چھان بین کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ الپا صرف مندر کا نمائندہ ہوگا کسی اور کا نہیں[98]۔" ہمیں یہ نہیں معلوم کہ بادشاہ کا یہ حکم مندر کے انتظام و انصرام کو عام نظم و نسق سے علیحدہ رکھنے کے

سلسلہ میں اس کی عام پالیسی کی صرف ایک مثال ہے یا یہ محض ایک مخصوص معاملہ تھا جو اس طرح کے ایک حکم کا متقاضی تھا۔ اس دلچسپ مسئلہ پر اس کے خیالات کا اظہار اس کی آمکتا مالیدا میں کیا گیا ہے۔ جہاں وہ مندروں اور برہمنوں وغیرہ کو دی جانے والی خیراتوں کے نظم ونسق کے لیے ٹیکس کے محاصل کے تقرر کو پسند نہیں کرتا تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ اسے اپنے ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں ہونے والے خسارے کی تلافی انھیں ذرائع سے کرنے پر آمادہ کرے۔ نیز وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ خیراتوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک مخصوص افسر کا تقرر کیا جانا چاہئے[99]۔ لہٰذا یہ سمجھنا درست ہوگا کہ بادشاہ کا مندر کے نظم ونسق کو پارو پتیاگار سے الگ کرکے دوسرے ایسے فرد کے حوالے کر دینے کا حکم جو بظاہر ریاست میں کسی دوسری ذمہ داری کا حامل نہ تھا، اس بات کا محض ایک مظاہرہ تھا کہ اس نے اپنے نظریات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا تھا۔

دوسرا اہم افسر جس کا وجے نگر کے زمانہ میں بہت زیادہ ذکر ملتا ہے وہ ادھیکاری تھا۔ وہ غالباً ایک "خصوصی افسر" ہوتا تھا جس کا تقرر (محض) اہم شہروں اور گاؤں میں کیا جاتا تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مملکت کے تمام اہم شہروں اور گاؤں میں ایک ایک ادھیکاری ہوتا تھا اس لیے کہ ہمیں اس افسر کا محض اکادکا حوالہ ملتا ہے لیکن چونکہ ہمیں ۱۴۰۵ء کا ایک ایسا کتبہ دستیاب ہے جس میں دیوتا کے سامنے روزانہ کے چڑھاوے سے متعلق جنوبی کنارا کے ادھیکاری اور جگت تومونورو (JAGA TUMUNU RU) (دیہی اسمبلی) کے وضع کیے ہوئے چند قوانین کا ذکر ہے[100]۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ بہت سے اہم گاؤں میں ایک ایک ادھیکاری ہوتا تھا۔ لیکن بظاہر اس کے اختیارات اور اہمیت مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں مختلف ہوتے تھے۔

حکومت کے ایک افسر کی حیثیت سے دستاویزات کے تکملہ کے وقت اس کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ جنوبی کنارا ضلع کی تانبے کی ایک تختی کے مطابق تقسیم کی ایک دستاویز کا تکملہ مہاپردھان میل (MAHAPARADHANA MALE) ملّیہ (MALLAYA) دنایک اور گاؤں کے ادھیکاری گوپتا کی موجودگی میں ہوئی تھی[101]۔ افراد جو عطیات دیتے تھے ان کی توثیق بھی اسی اہم افسر کو کرنی پڑتی تھی۔ ایسا وہ ہمیشہ خود نہیں کرتا تھا بلکہ بسا اوقات وہ اپنے ماتحتوں سے کہتا تھا کہ وہ یہ فرض انجام دے دیں۔ ایسا غالباً وہ کاموں کی زیادتی کی وجہ سے کرتا ہوگا۔ مثال کے طور پر تیگل ادھیکاری ([illegible]) دیو دارو اشورنایک

(DEVA VARU ESVARA NAYAKA) اور ایک دوسرے افسر نے، جس کے واقعی فرائض کا علم ہمیں نہیں ہو سکا ہے، نرسنگا راجہ ودیار نامی ایک شخص کے نام ایک حکم جاری کیا کہ وہ سومیا دیونامی ایک شخص کے ذریعہ چند یشور کو دی گئی اراضیوں کے عطیہ کی توثیق کر دے اور اس فرمان کی فوری طور پر تعمیل کی گئی[ق]۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسر چند ایسی جماعتوں اور انجمنوں کی منظوری اور تعاون کے بغیر جو اس زمانہ میں نیم سیاسی کردار کی حامل ہوتی تھی، خود کوئی عطیہ نہیں دے سکتا تھا۔ جنوبی کنارا ضلع کی تانبے کی ایک تختی سے اس دلچسپ اطلاع کا انکشاف ہوتا ہے کہ 1556ء میں کاپ (KAP) کے سردار تیرومل رمس عرف مدّا ہگدے نامی ایک شخص نے میلار (MAILAR) کے گاؤں کی زمین کو اسمبلی (نلینا وارو NALINA VARU) فرقہ وارانہ اور پیشہ ور انجمنوں دگن پن (GANA PANA) اور ماتحت افسروں (سامنتا SAMANTA) کی منظوری کے بعد عطیہ میں دیا تھا[ق ۱۰۳]۔ اس طرح ان علاقوں میں جہاں فرقہ وارانہ انجمن موجود تھیں وہاں ادھیکاری کے آزادانہ طور پر کام کرنے کے اختیارات محدود معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کو سخت فرائض انجام دینے ہوتے تھے اور وہ مقامی علاقوں کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا۔

یہاں وجے نگر کا گورنر قابلِ ذکر ہے جس کا ذکر پائز اور نونیز دونوں ہی نے کیا ہے۔ سالو واتما کا بھائی گودراجہ دارالسلطنت کا گورنر تھا[ق ۱۰۴]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اہم شخصیت کا حامل تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے پائز اور اس کے دوستوں کو محل کے گرد و پیش اور دوسری عمارتوں کی سیر کرائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چند عسکری فرائض بھی انجام دیتا تھا چنانچہ جب کرشن دیورائے نے رائچور کی مہم پر روانہ ہوا تو وہ 30 ہزار پیادوں، ایک ہزار گھوڑوں اور دس ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوا[ق ۱۰۵]۔

ایک دوسرا افسر یا افسروں کی جماعت جس کو اسمبلی کے کاموں میں اس کے ساتھ تعاون کا اختیار حاصل تھا، عموماً تنتری مار (TANTRIMAR) کے نام سے معروف تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ موجودہ زمانہ میں ملابار میں مندر کے پجاریوں کا ایک طبقہ تنتریوں کے نام معروف ہے۔ لیکن وہ کتبات جن میں دیہی اسمبلی کے کاموں میں اس کے ساتھ کام کرنے والے کی حیثیت سے تنتری مار کا ذکر ملتا ہے، زیادہ تر تامل کے اضلاع میں ملتے ہیں لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ تنتری مار کی اصطلاح سے مالابار کے تنتری مراد ہوں۔ مزید یہ کہ جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو ککلوودی (TIRUK - KAKKUDI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1459ء شاکھا کے مطابق مندر کے حکام اور گاؤں کے

تنتری مارنے ستما نایک نامی ایک شخص کے ذریعہ ایک گاؤں کو دوبارہ بسانے کے بارے میں آپس میں ایک سمجھوتہ کیا تھا[106]۔ اگر یہاں تنتری مار کا مندر کے نظم و نسق یا مندر کی خدمات سے کچھ تعلق ہوتا تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان دو جماعتوں کے درمیان ایک سمجھوتے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن لفظ تنترین (TAN TRIN) سے ایک سپاہی بھی مراد لیا جاتا ہے اور اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہمارا تنتری مار لوگوں کے ان مخصوص طبقوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں سے فوج کے لیے لوگوں کو بھرتی کیا جاتا تھا۔ تنّی ویلی (TINNE VELLY) ضلع میں پانڈے عہد کے چند کتبات ملتے ہیں جو فوجی طبقہ کی ایک برادری (پدائیک کانور PADAIKKNVAR) کا ذکر کرتے ہیں جن کے قائد ڈنڈ نایکم سشیوار (DANDANAYAKAM SEYVAR) کے نام سے معروف تھے جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کہتا ہے بعض صورتوں میں فوجی طبقات (پیرو مبدا ئیوم) (PERUMBADAI YOM) کی بڑی برادریوں کا مع اپنی دس کمانوں کے ذکر ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ تنتر یا مہا تنتر سے تعلق رکھتی تھیں[107]۔

لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وجے نگر عہد کے تنتری مار کا ان فوجی جماعتوں سے کوئی تعلق تھا۔ اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ ان لوگوں کا مقامی حکومت سے کوئی زیادہ تعلق ہوگا۔ تنتر کے معنی حکومت کے بھی ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ہم تنتری مار سے مقامی علاقوں کی حکومت کے ان افسروں کو مراد لے سکتے ہیں جو دیہی اسمبلیوں اور دیگر مقامی تنظیموں کے کام کاج کی نگرانی کرتے تھے اس اصطلاح کا یہ مفہوم ان کے فرائض کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیہی اسمبلیاں خود کسی خاص کام کو انجام نہیں دے سکتی تھیں بلکہ انھیں اپنے بیشتر کاموں کے لیے حکومت کی منظوری لینی پڑتی تھی یہ (افسران کا تقرر) مقامی اسمبلیوں پر جو دیسے مطلق العنان تھیں ایک روک تھی چنانچہ کراپٹو کو نادو (KARAIPPOKKUNADU) کے ناتار اور تنتری مارنے تیرو تون گانائی مادم ادیا مہا دیو (TIRU TTUNGANAI MADAM UDAIYA MAHADEVR) کے مندر کو کارائیور کی زمین سروما نیہ عطیہ میں دی تھی[108]۔ تنتری مار کی اسی جماعت نے اسی اسمبلی کے ساتھ تنکر تورائی نیلوائے (TANKARA TTURAI NELVAY) کے مندر کی مرمت اور پوجا کے لیے تنکرائی سشیرد کو دلور (TENKARAI SIRUKUDAIUR) میں واقع اراضیوں پر عاید بعض ٹیکسوں کا ایک دوسرا عطیہ دیا تھا۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنتری مار مقامی علاقوں میں حکومت کے افسر ہوتے تھے۔

دوسرا افسر جو ناتّو نایکم شیوار (NATTUNAYAGAM SEYVAR.) یا محض ناتّو نایکر (NATTUNAYAKKAR.) کے مختلف ناموں سے جانا جاتا تھا جس کے معنی ایک نادو کے نگراں کے ہوتے تھے، ایک اہم شخصیت کا حامل تھا۔ لیکن اگرچہ کتبات میں اس کا ذکر نادو کے ایک اہم افسر کی حیثیت سے ملتا ہے تاہم ہمیں اس کے واقعی اختیارات کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم ہے اور نہ ہم اس کے بارے میں قطعی طور پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ نادو میں ایک شاہی افسر تھا یا وہ اس مقام کا محض ایک با اثر شخص تھا جسے حکومت نے چند اعزازی اختیارات عطا کر دیئے تھے۔ ۱۳۴۶ء کی ایک دستاویز کے مطابق ہری ہرا دیارا اور بکّن ادیار نے تیکل نادو (TEKALNADU) کے نگراں ویّن کوموپّن (VAIYANNAN KOMUPPAN) کو اسی نادو میں شامل مادرائی شانپلّی (MADARAI SANAPALLI) کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کو دنگائی (KUDENGAI) کی حیثیت سے عطیہ میں دیا تھا۔ اسے اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ سابقہ عطیات کے علاوہ وہ گاؤں کی تمام خشک و تر اراضی پر، اپنی خواہش کے مطابق جو فصل چاہے اگا سکتا ہے اور اسے یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ دائمی طور پر تمام ٹیکسوں کو (جن کا ذکر موجود ہے) وصول کر سکتا ہے[109]۔ اس اہم عہدیدار کے متعلق ہمیں چند اور بھی حوالے ملتے ہیں۔ ۱۳۷۹ء کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ مہاساونت ادھیپتی سونیا نایکر (MAHASAVANT ADHI - PATI SONNAIYA NAYAKAR.) کا بیٹا انکیا نایک (ANIKAYA NAYAKA) نوندنگولی نادو (NONDAINGULINADU) کا نگراں تھا۔

گودیک (GAUDIKE) اور استھلا گودیک (STHALEGAUDIKE) مقامی علاقوں کے دو دوسرے افسر تھے[110]۔ لیکن ان دونوں افسروں کے درمیان فرق کو سمجھنا اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ ہم یہ فرض نہ کرلیں کہ استھلا گودا (نسبتاً) ایک بڑا عہدیدار تھا اور اس کے اختیارات پورے استھلا پر پھیلے ہوئے تھے جبکہ معمولی گودا (ORDINARY GAUDA) ایک چھوٹا عہدیدار تھا اور اس کے اختیارات اسی گاؤں تک محدود ہوتے تھے جہاں اس کا تقرر کیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے عہدے چند اشخاص کو بعض ان خدمات کے عوض عطا کیے جاتے تھے جو وہ حکومت کے لیے انجام دیتے تھے تقریباً ۱۵۳۳ء کے ایک کتبہ کے مطابق مہا نایک آچاریہ ہرتی ایمنگل پتّل نایک آچاریہ (MAHA NAYAKACARYA HARATI AIMAINGALA TIPPALA NAYAKACARYA.)

۔نہ کندبلی کے بالن گوداکی وساطت سے وڈاایران بووا (VRDDA IRANA BOVA) کو
دھرم پور سمت (SAMMAT) کا ایک گاؤں، چند تحائف اور گاؤں کا استھلا گودیک عطا کیا
تھا اس لیے کہ اس نے 250 گدیان (GADYANAS) خرچ کرکے کالنہالی کے قلعہ کے
لیے چار بلند میناروں کی تعمیر کی تھی[112]۔ چند سالوں بعد 1547ء میں اس شخص کو سوگور (SUGUR)
کے گاؤں پر استھلا گودیک عطا کر دیا گیا کیونکہ اس نے دو سو[200] ورا ہوں (VARAHAS) کے
خرچ سے اس مقام کے قلعہ کے لیے چار میناروں کی تعمیر کی تھی[113]۔ اسی طرح 1634ء میں کولن
وہنلی اندی رانا بیرگودرائے (KOLAVANHALLI IMMADI - RANA BAIRE -
GOUDARAY) نے گیمہ گودا (GIMUGAUDA) نامی ایک شخص کو سابقہ مانیا
(MANYA) ، کے ساتھ آیا AYA ، سوامیا (SVAMYA) ، بتو (BATU) بوتو (BOTU)
اور نو گاؤں کا استھلا گودیک عطا کیا تھا[114]۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گودا بعض افسران کو ان کی لیاقت
و قابلیت کی بنا پر عطیات دے سکتے تھے۔ چنانچہ 1537 کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ اولیر ہلی
uli yarahalli کے کو کسیا گودا (KOKKAYA GAUDA) نے تہاساونت
ادھیتی ہبرنا یک (HEBBERA NAYAKA) کے بیٹے بایکیا نایک (BAYICAYA
NAYAKA) کی لیاقت و قابلیت کی بنا پر اس کو زمین کا عطیہ دیا تھا[115]۔ ہمیں نادو گودا کا ذکر
بھی ملتا ہے لیکن ہم اس کے اختیارات کی وضاحت نہیں کر سکتے[116]۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان
عہدوں کے حاملین اپنے اپنے عہدوں کو فروخت کر سکتے تھے[117]۔

اسی طرح ہمیں ایک گاؤں کے سینابووا (SINABOVA) اور ایک نادو کے سینابووا
کا ذکر بھی ملتا ہے۔ چنانچہ تہاساونت ادھیتی سکا کلا یا نائیک (CHIKAKALLAYA NAYAKA)
اور کدا گودی (KADAGODE) استھلا کے تمام کسانوں نے ستانی (SINI)
سلطنت کے سینابووا کو ایک عطیہ دیا تھا[118]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادسینابووا (NADSENABOVA)
نادو کے مال گذاری کے رجسٹر کا انچارج ہوتا تھا۔ 1589ء کی ایک دستاویز کے مطابق ہیریہلہ
کاویریا (VIRAYA) نامی ایک شخص 156 گاؤں کا سینابووا یا اکاؤنٹنٹ تھا[119]۔ معلوم ہوتا ہے کہ
زیادہ بڑے علاقوں کے کارنک یا سینابووا کا تقرر بادشاہ کرتا تھا۔ یہ اندازہ ہم ایک کتبہ میں درج
تفصیلات سے کرتے ہیں جس میں کرشن دیو رائے کی طرف سے ایک شخص کو اکاؤنٹنٹ کا عہدہ
عطا کئے جانے کا ذکر ہے[120]۔

ایک اور عہدیدار جس کا وجے نگر کے عہد میں بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ وہ مدھیہ استھا (MADHY ASTHA) یا ثالث تھا وہ بظاہر مقامی علاقوں کا ایک با اثر شخص ہوتا تھا اور جب کوئی زمین فروخت کی جاتی تو اس کی قیمت کا تعین کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار اسے حکومت کی جانب سے ملا ہو۔ چنانچہ جب وتیا نامی ایک شخص نے اپنی اراضیاں بیلور کے نرشیوادیو کے بیٹے شنگنا نامی ایک شخص کے ہاتھوں 30 ہون میں فروخت کی تھیں تو اس کی قیمت ثالثی کے ذریعہ متعین ہوئی تھی[121]۔ اسی طرح جب 1406ء میں ہوناہول (HONNAHALE) کے جگن ہگدے (JAKKANNA HE - GGADE) نامی ایک شخص اور چند دیگر لوگوں نے نیمبرسا (NIMBARASA) نامی ایک شخص کے ہاتھوں اپنی چند زمینیں فروخت کیں تو زمینوں کی قیمتیں ثالثوں نے طے کی تھیں[122]۔ مہاناد پربھو (MAHANAD PRABHU) اور نادیا جان (NADYA JAMEN) دو دوسرے مقامی عہدیدار ہیں جو ہمیں متوجہ کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو حیثیت پٹن سوامی (PATTANSVAMI) کی شہروں میں تھی وہی حیثیت مہاناد پربھو کی دیہی علاقوں میں تھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نادو کا پربھو بسا اوقات کئی گاؤں کا سردار ہوتا تھا چنانچہ سنکنا پٹھن (SANKANA PIT - HAMANE) نامی ایک شخص جو گاؤں کا سردار تھا جو ناگر کھنڈ ملوناد (NAGARA KHANDA MAL - UNADU) کے 26 کوپتور (KUPATUR) میں سب سے پہلا تھا، نادکا پربھو (بھی) تھا[123]۔ ان عہدوں کو عموماً بادشاہ ہی عطا کرتے تھے مثال کے طور پر 1645ء میں کولال شیمے (KOLLALA SIME) کی پربھوتوم (PRABHUTAVAM) بادشاہ شری رنگارائے نے بوگاوتیا کو عطا کی تھی[124]۔ بنگلور ضلع کے ایک کتبہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان سرداروں (یجمانوں) (YAJAMANS) کو معاوضہ کس طرح دیا جاتا تھا۔ 1527ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ نادو کے یجمان (YAJAMEN) (سرداری) کے عہدے پر فائز ہونے کی بنا پر بیرپا نایکن (BAYIRAPPA NAYAKKAN) کو وجے پورا کے تمام نادگوداؤں نے عطیہ میں ایک کھیت دیا تھا جس کی پیداواری صلاحیت نصف کھندوگا (KHANDUGA) تھی لیکن ہم نہیں جانتے کہ ان عہدیداروں کو ان کی خدمات کا کوئی دوسرا معاوضہ بھی ملتا تھا یا نہیں[125]۔

تامل کے کتبات میں پیریا ناتھوولان (PERIYANATHUVALAN) کے نام سے موسوم ایک اور عہدیدار کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں بھی ہمیں اس کے ان واقعی فرائض کا علم نہیں ہوسکا جو وہ انجام دیتا تھا۔ لیکن ہم دستاویزات کی توثیق کے سلسلہ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس افسر

نے تیروودائی یاتم گاؤں کے ارور کی منظوری سے دو ناڈوں کے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے[126]۔ جب بادشاہ بھوپتی ادئیار نے جنوبی آرکٹ ضلع کے تیروونے نلور (TIRUVENNAIN - ALLUR) مقام میں واقع پولم بلناتھ (POLLAMBALANATHA) کے مندر کی آمدنی کے بعض ذرائع کے ایک قدیم عطیہ کو جسے اس سے قبل ناتار نے عطا کیا تھا، تجدید کرنی چاہی اور اس سلسلہ میں ایک پروانہ عطا کیا تو اس پر تین اشخاص نے دستخط کیے تھے۔ (1) تیرو مونیپ پادی۔ ناٹوولان (TIRUMUNAIPPADI. NATTUVELAN) (2) مگدئی منڈلم (MAGADAIMANDALAM) کا پیریا ناٹوولان (PERIYANATTUVELAN) اور (3) ایرونگو لپ پادی نادو (IRUNGOLAPPADINADU) کا پیریاناٹوولان (PERIYANATTUVELAN)[127]۔ یہاں سرکاری ماہر کتبات اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ۔ ان اشخاص نے اس دستاویز پر دستخط منظوری کے اظہار کے طور پر کیے تھے، نادو (ضلع) کے ان عوام کی نمایندوں کی حیثیت سے، جنھوں نے اصل دستاویز مندر کے معتمدین کے حوالے کی تھی[128]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیریاناٹوولان کی اصطلاح سے نادو کے عوام کا نمایندہ مراد لینا کچھ مناسب ہے۔ ولان کے معنیٰ ایک ماہر زراعت کے ہوتے ہیں لہٰذا اس اصطلاح سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس افسر کا تعلق کسی بھی طرح ضلع کے عوام یا اسمبلی سے ہوتا تھا۔ لیکن پیریاناٹوولان کی اصطلاح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ مہا نادپربھو کا تامل ترجمہ ہے۔ حقیقتاً اس سے بہتر کوئی ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کچھ اہمیت کا حامل ایک مقامی عہدیدار ہوتا تھا۔ لیکن ان مقامی عہدیداروں میں سے بہت سے جو فرائض انجام دیتے تھے ان کی نوعیت کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ جو شواہد ہمیں دستیاب ہیں وہ بھی اتنے ناکافی ہیں کہ اس طرح کے بہت سے سوالوں کے حل میں ان سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

باب ہفتم

حواشی

سے[1] ملاحظہ ہو STUDEIS COLA HISTORY AND ADMINSTRATION ، از کے۔ اسے نیل کانت شاستری، ص 73

سے[2] ملاحظہ ہو HISTORICAL SKETCHES OF ANUINT DEKHAN ، از کے، وی، سبرامانیدائیر K.V.SUBRAHMONYA AYYAR. ، ص ص 318

سے[3] 1917 کا 217، رپورٹ 1918، پیراگراف 67

سے[4] انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 705

سے[5] 1905 کا 392

سے[6] 1923 کا 389

سے[7] 1923 کا 358

سے[8] 1925 کا 509

سے[9] J.B.B.R.A.S. 12، ص 357 ''، 120

سے[10] اپی گرافیا انڈیکا ۱۴، اچیوت رائے کے زمانے کے کادل آدی برتن، (KADALADI PLATES OF ACYUTA RAYA) متن، اشلوک ۴۹ اور ص 313۔

سے[11] انڈین انٹی کوئری 3، ص ص 65 ۔ 69

سے[12] 1908 کا 354، رپورٹ، ۱۹۰۹، پیراگراف 67

سے[13] اپی گرافیا کرناٹیکا 3، MALAVALLI 121

سے[14] اپی گرافیا انڈیکا ۴، CHANNARYAPATNA 38

15ـہ 1893 کا 609، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 285

16ـہ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 699

17ـہ 1917 کا 259

18ـہ 1928-29 کا 211

19ـہ 1922 کا 178

20ـہ 1914 کا 384

21ـہ 1922 کا 681، رپورٹ، 1923، پیراگراف 83

22ـہ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 720

23ـہ ملاحظہ ہو

24ـہ 1925 کا 509

25ـہ 1917 کا 718

26ـہ 1925 کا 21

27ـہ 1927-8 کا 262

28ـہ انسکرپشنس آف دی پودوکوتا اسٹیٹ

29ـہ 1925 کا 470

30ـہ 1925 کا 469

31ـہ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، پیراگراف 51

32ـہ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ

33ـہ 1928-29 کا 261

34ـہ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 691

35ـہ 1922 کا 65 رپورٹ، 1922، پیراگراف 54، 1921 کا 378 بھی ملاحظہ ہو رپورٹ پیراگراف 54

36ـہ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1923-24، پیراگراف 40

37ـہ ایضاً، 1925-26، پیراگراف 35

38ـہ HISTORICAL SKETCHES OF ANCIENT DEKHAN، ص 313

39ـہ SOCIAL AND POLITICAL LIFE، جلد ا ص 342

40ھ ایضاً

41ھ Hist. SKETCHES OF MYSORE. ، جلد ۱، ص ، آئیگار نظام کے کام وکاج کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو فرمنگر (FIRMINGER) ، (FIFTH REPORT.) مدراس، ص 15

42ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 26-1925 15

43ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1916، پیراگراف 105، بہر حال کتبہ مورخہ 1631 کا ہے۔

44ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، 62 c e

45ھ میسور گزٹ از رائس (RICE) جلد ۲، ص 581

46ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 105، پیراگراف 92

47ھ 1913 کا 138

48ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 689، 1914 کا 368 بھی رپورٹ 1915، پیراگراف 42

49ھ ایضاً 690

50ھ 1914 کا 59

51ھ 1918 کا 92

52ھ اپی گرافیا انڈیکا 20، ص 90

53ھ کولانام ہی سموہاس توگنہ سمپرکرتیتہ (KULANAMHI SAMUHA STUGONAH SAMPRAKIRTITAH)، (KATYAYAN VIRANITTRODAYA) ، ص 426 بحوالہ ECONOMIC CONDITIONS IN ANCIENT INDIA. ، ص 54 ، از ڈاکٹر پران ناتھ (DR. PRAN NATH)

54ھ اپی گرافیا انڈیکا، 20، ص 90، T.N. مدراس اپی گرافیا رپورٹس 1918، پیراگراف 84 اور 85، اسی سلسلہ میں ملاحظہ ہو SOUTH INDIAN GUILAS از کے، آر، آر شاستری، ص ص 6-32۔

55ھ SOCIAL AND POLITICAL LIFE. ، جلد 2 ص 26 T.N.

56ھ 28-1927 کا 406، رپورٹ، پیراگراف 36

57ھ 1906 کا 442

58 ایلیٹ، ح، س، 4، ص 107

59 سیول، ح، س، ص 256

60 1922 کا 681، رپورٹ 1923، پیراگراف 83

61 1922 کا 679، رپورٹ 1923، پیراگراف 83

62 1912 کا 570، سیول کے لسٹ کا نمبر ا بھی ملاحظہ ہو۔

63 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بلاّ BILLA 757

64 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 12، ٹپتور TIPTUR 86

65 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5، A.K 68

66 1911 کا 324، رپورٹ 1912، پیراگراف 49

67 1903 کا 74، 1904 کا 125، 1905 کا 511، 1917 کا 355، 1925 کا 167، 1925 کا 184، 1925 کا 226، 1926 کا 214، وغیرہ۔

68 مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1916، رپورٹ، پیراگراف 60

69 1903 کا 74

70 1913 کا 226، رپورٹ 1913، پیراگراف 54

71 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGAL 259

72 1906 کا 251

73 1919 کا 258

74 1922 کا 408

75 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 723

76 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 733

77 1894 کا 185، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 479، ملاحظہ ہو ANTE ص

78 الف ایپی گرافیا انڈیکا، 24، ص 90

78 INDUSTRIAL ARTS OF INDIA، ص 137

79 1923 کا 368

80 1923 کا 370

۸۱ 1923 کا 381

۸۲ 1916 کا 270، رپورٹ، پیراگراف 73

۸۳ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1921، پیراگراف 87،

۸۴ 1914 کا 344، رپورٹ، 1915، پیراگراف 106،
انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 698

۸۵ 28-1927 کا 393

۸۶ 28-1927 کا 392

۸۷ چند دیگر کے لیے ملاحظہ ہو 28-1927 385، 386، 391 وغیرہ

۸۸ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 28-1927، رپورٹ، پیراگراف 57

۸۹ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس کا 52-الف، ۴، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس میں نمبر 52-الف، 5،
ص 516

۹۰ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI، ۲-

۹۱ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۴، GUJRAT، 6-

۹۲ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، SERINGAPATAM، 6-

۹۳ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰، BAGEPALLI، 5-

۹۴ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۴ YELAUDUR، 45

۹۵ ایضاً CHANNARAYAPATNE، ۱۰۸-

۹۶ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۱، HOLALKERE، ۱۱۲-

۹۷ 1926 کا 358

۹۸ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۴، CHANNARAYAPATNA، 99-

۹۹ کھنڈ ۴، اشلوک 218

۱۰۰ 29-1928 کا 498

۱۰۱ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 29-1928 16

۱۰۲ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰ MULBAGAL، 253-

۱۰۳ مدراس اپی گرافی رپورٹس 22-1921 کا 8-

104 سیول (SEWELL) ح، س، ص 284

105 ایضاً، ص 327

106 1916 کا 48 اور 49

107 مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1917 رپورٹ، پیراگراف 11 اور 1918ء، رپورٹ، پیراگراف 43، THE PANDYAN KINGDOM از کے، اے، نیل کانت شاستری ص ص 39 - 238 بھی ملاحظہ ہو۔

108 1928-29 کا 261

109 اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MADARAL SANAPALLI 39

110 اپی گرافیا کرناٹیکا، 9، (HOSKOLE) ، چند دیگر حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، اپی گرافیا کرناٹیکا، 9، میسور آرکیو لوجیکل رپورٹس، 14-1913ء، پیراگراف 93

111 ڈاکٹر فلیٹ (FLEET) کا خیال ہے کہ لفظ گودا، سنسکرت کی اصطلاح گرام ادھیا (GRAMADHYA) کی تامل شکل ہے (J.B.B.R.A.S.) ، 12، ص 398، T.N. 27، انڈین انٹی کوئری 5، ص T.N. 344

112 اپی گرافیا کرناٹیکا، 11، HARATI 36

113 ایضاً HARATI 39

114 اپی گرافیا کرناٹیکا، 12 Mi 43

115 میسور آرکیو لوجیکل رپورٹس، 14-1913، پیراگراف 111

116 میسور آرکیو لوجیکل رپورٹس، 1925، نمبر 5

117 اپی گرافیا کرناٹیکا، 11 CHITRADURGA 48

118 اپی گرافیا کرناٹیکا 9، SENALOVA 147

119 میسور ارکیو لوجیکل رپورٹس، 1918، پیراگراف 113

120 ایضاً، 1920، پیراگراف 87

121 اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI 134

122 اپی گرافیا کرناٹیکا، 6، SUNGANNA 26

123ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، SORAB . 265

124ھ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 75

125ھ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1925، نمبر 5

126ھ تیرو ملائی تیرو پتی دیوستھم انسکرپشنس - (TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPTIONS) نمبر 201

127ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1922، رپورٹ، پیراگراف 44

128ھ ایضاً

باب ہشتم

معاشرہ

فصل اوّل

مملکت کی ذاتیں اور فرقے

وجے نگر کی وسیع و عریض مملکت بہت سے فرقوں اور سماجی گروہوں سے تشکیل پاتی تھی۔ مروجہ چار ذاتوں میں سے ہر ایک مختلف ذیلی ذاتوں اور فرقوں میں منقسم تھی جن میں سے بیشتر ان مخصوص حقوق و مراعات کے لئے جو اکثر روایتی قسم کے ہوتے تھے، آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔

دارالسلطنت میں ایک مستحکم مرکزی حکومت کے قیام اور مملکت کے دور دراز علاقوں پر سخت کنٹرول کے نتیجہ میں ان علاقوں میں کچھ خاص افسروں اور ایجنٹوں کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ وجے نگر کے سلاطین صوبوں کے وائسرائے اور ضلعوں کے حاکموں کی حیثیت سے کرناٹک اور تیلگو کے جنرلوں کا تقرر کرتے تھے اور وہ مملکت کے دور دراز علاقوں میں بھی خدم و حشم کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے ایک خاص فرقہ کے ذریعہ صوبوں میں اس طرح کی نو آبادکاری خود فرقہ اور متعلقہ مقامات میں اہم تبدیلیوں کا باعث بنی۔ ان حالات میں لسانی اختلاف نے بھی ایک اہم رول ادا کیا۔

ایک خاص فرد کی ذات بالعموم اس کے پیشہ کی بنیاد پر طے پاتی تھی۔ اگرچہ پیشہ کے متعلق بھی پوری صداقت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس فرقہ پر منحصر تھا جس سے وہ تعلق رکھتا تھا۔ اس طرح وجے نگر میں اتنی ہی ذاتیں تھیں جتنے وہاں پیشے تھے۔ اسی کے ساتھ کچھ فرقے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم تھے مثال کے طور پر صنعت کاروں کے پانچ طبقے تھے اور ہر طبقہ

نے ایک خاص پیشہ اپنایا تھا۔

خود قدامت پرست ہندو، اور قدیم ہندو روایات کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے وجے نگر کے بادشاہوں نے ذات یا ورن آشرم دھرم (VARANA SARAMA DHARAMA.) ہے اس لیے ان کے مطابق ذات پات کا نظام ان کے مذہب کا جزو لاینفک تھا ہندوؤں کے کے دستور کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھا خصوصاً مسلمانوں کے حملوں کی بنا پر بادشاہ اور ان کی رعتیں یہ سمجھتی تھیں کہ ان کے درمیان اتحاد کا مستحکم ہونا ان کے مذہب کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری سماجی اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے وجے نگر کے حکمرانوں کی فکر و تشویش ان القاب سے پوری طرح عیاں ہے جنھیں وہ اختیار کرتے تھے مثلاً چاروں ذاتوں اور طبقوں کا حامی۔ ورن آشرم دھرم کا محافظ، تمام ذاتوں کے فرائض کو سنبھالنے والا وغیرہ وغیرہ، چونکہ چاروں ذاتیں، متعدد ذیلی ذاتوں اور فرقوں میں منقسم تھیں اور حکومت ان میں سے ہر ایک کا تحفظ کرتی تھی، لہٰذا وجے نگر کے چند بادشاہوں نے "مملکت کی تمام ذاتوں کا محافظ" کا لقب اختیار کیا تھا۔ چاروں ذاتوں کے سماجی اتحاد کو قائم رکھنے میں بادشاہوں کی دلچسپی کا اظہار کرشن دیو رائے کی جام بوتی کلیانم (JAMBA - VATI KALYANAM) کے آخری اشعار سے ہوتا ہے جہاں شاہی شاعر کہتا ہے۔

دھرم پادچتشتن کرتوت ستھریم سما لمبام

DHARMAM PADACATUS TAYENA KRTAVAT
STHAIRYAM SAMALAMBALAM

چتورورنیم اپیتوکرم سنتم سو سوادھی کارو چیتم

CATURVARNYAM UPAITUKARMA SATATAM
SVAS VADHI-KAROCITAM

شیشکیھا دھرنا یکسیا کرپیا سپتارن ومدھیا گم

SESAKS MADHARA NAYAKASYA KRPAYA
SAPTAVNA VIBAUHYAJAM.

رکچھن گامیھ کرشن رائے نر بتیر جیات سہسرم سماہ

RAKSAN GATHA KRSNRAYANPATIR
JIYAT SAHASRAM SAMAH

برہمن

قدیم ہندوستان کی طرح وجے نگر کے زمانہ میں بھی سماج کے معزز ترین لوگ برہمن تھے تقریباً ہر غیر ملکی سیاح جو وجے نگر کے دربار میں آیا وہ برہمنوں کو جو عزت حاصل تھی اور جو سادہ زندگی وہ گذارتے تھے اس سے متاثر ہوا۔ عبدالرزاق کا خیال ہے کہ "وہ (دیورائے دوم) دوسرے لوگوں کی بہ نسبت برہمنوں کی بڑی عزت کرتا[6]۔ پائز کہتا ہے کہ کرشن دیورائے برہمنوں کی بڑی قدر کرتا تھا اور انھیں بہت عزیز رکھتا تھا[7]۔ کرشن دیورائے بھی کہتا ہے "خیرات دویجوں (DVIJAS) کی حفاظت کے لیے ہے[8]۔ برہمنوں کو بعض مخصوص مراعات حاصل تھیں اور انھیں قتل نہیں کیا جاسکتا تھا خواہ انھوں نے کیسا ہی جرم کیوں نہ کیا ہو[9]۔ چنانچہ نونیز کی حکایت کے مطابق یہی وجہ تھی کہ کرشن دیورائے نے تیرومل کے مبینہ قتل کے جرم میں سالوواتما کو قتل نہیں کیا تھا[10]۔ ایک مقدس (SACERDOTAL) طبقہ کے فرد ہونے کے باوجود برہمن زندگی کے ہر پہلو پر چھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ پجاری تھے اور مندروں سے منسلک تھے ان کے متعلق بتلاتے ہوئے پائز لکھتا ہے "جو لوگ مندر کے نگراں ہیں وہ تعلیم یافتہ ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں کھاتے جس کو موت لاحق ہوتی ہو[11]"۔ ان میں سے چند جاگیروں کے مالک ہوتے تھے اور وہ ان زمینوں کی پیداوار پر گذر اوقات کرتے تھے[12]۔ چند تجارت کا پیشہ اپنا لیتے تھے اور تاجروں کی طرح رہائش اختیار کرتے تھے جبکہ کچھ دوسرے ایسی خانقاہوں ہی میں مکین رہ جاتے تھے جن کے محاصل بہت زیادہ ہوتے تھے[13]۔ موخرالذکر اپنے اوقات کا بیشتر حصہ گہرے مطالعہ اور غور و فکر میں گذارتے تھے۔

اگرچہ ان میں سے بیشتر ایک پرسکون زندگی بسر کرتے تھے تاہم ان میں سے بعض فعال سیاست داں، منتظمین اور جنرل بھی تھے۔ مملکت کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کارگزار برہمن وزراء کا ایک سلسلہ تھا جس نے عموماً وسیع و عریض مملکت کی قسمت کا فیصلہ کیا۔ مادھو اور ساین، جو بکا اول اور ہری ہر دوم کے زمانہ کے لائق وزراء تھے، برہمن ہی تھے۔ ویروسنت مادھو جس نے مملکت کو مغرب میں گوا تک وسعت دی، ایک برہمن تھا۔ دیورائے اول اور دیورائے دوم کے زمانہ میں برہمنوں نے سماج میں اپنی ممتاز حیثیت برقرار رکھی۔ ان میں سے وٹھن ادیار (VITTHANNA UDAIYAR) اور انمتا رادھیا

(ANNAMA RADHYA) قابلِ ذکر ہیں اور کرشن دیورائے کے زمانہ میں ہمیں برہمنوں کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جو ریاست کے اہم عہدوں پر فائز تھے۔ ان میں چند جو یہاں قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں۔ سالو واتما، نادندلا گوپا منتری (NADAN DLA GOPA MANTRI) سالو واگوندارا جا، رائے سم، کوندم رسو (KUNDANA RASU) تمّرسو TIMMARASU ایاپّرسو (AYYAPPARASU)، کرنک منگرسیّا (KARANI KA MANGARA - SAYYA.) باچرسیّا (BACAR SAYYA)، کرنک لکھمی نارائن اور سالو وانرسنگا رائے دنّایک ملقب بہ سیلپا (SELLAPPA)۔

وین لنسکوٹن (VANLINSCHOTEN) کے بیانات سے اس بات کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے۔ وہ برہمنوں کے متعلق یوں رقم طراز ہے "ہندوستان کے غیر اہل کتاب لوگوں میں برہمن سب سے زیادہ ایماندار اور نہایت معزز قوم ہے کیونکہ یہی لوگ ہمیشہ بادشاہ کی جانب سے متولیوں، نگراں، سفرا اور اسی طرح کے دوسرے اہم ترین عہدوں پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ ہندوستانی عوام میں ان کے اختیارات بہت وسیع ہیں کیونکہ بادشاہ ان کے مشورے اور ان کی منظوری کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔"[14] ان برہمنوں کو تیلگو اضلاع میں نیوگی (NIYOGIS) کہا جاتا تھا۔

کرشن دیورائے اس بارے میں بعض دلچسپ خیالات کا اظہار کرتا ہے کہ ایک برہمن کو ریاست کے ان اہم عہدوں پر کیوں مقرر کرنا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے "اس لیے کہ ایک برہمن خطرے کے موقع پر بھی اپنے عہدے پر ڈٹا رہتا ہے اور وہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے خواہ اسے کسی چھتری یا شودر کا ماتحت ہی کیوں نہ بنا دیا جائے یہ بات ہمیشہ ایک بادشاہ کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے افسروں کی حیثیت سے برہمنوں کا تقرر کرے۔"[15] دوسری جگہ وہ لکھتا ہے "وہ بادشاہ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھ کر اطمینان کے ساتھ سو سکتا ہے جو اپنے قلعوں کے مالک کی حیثیت سے ایسے برہمنوں کا تقرر کرتا ہے۔ جو اس کے ساتھ منسلک ہیں، مختلف علوم وفنون کے عالم ہیں، دھرم کے تابع ہیں، بہادر ہیں اور اس کی حکومت سے قبل اس کی ملازمت میں رہ چکے ہیں، جو ان قلعوں میں شیر کے پنیر (TIGERS CHEESE.) پولی جنّو (PULI - JUNNU) دوسری نادر اشیاء کے ذخیرہ رکھنے کا انتظام کرتے ہیں تاکہ وہ ایک نسل تک چل سکیں۔ ۔ ۔ جو اس کی آمدنی کو دوگنا اور اخراجات میں کمی کر سکے اس کے خزانے کو اس طرح

بڑھاتے ہیں کہ عوام کی مشکلات باقی نہ رہیں ۔ ۔ ۔ جو اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اسے اور اس کی رعایا کو کوئی تکلیف نہ پہونچے اور جو صرف اس کے دشمنوں کو تکلیف پہونچاتے ہیں"[16] اس طرح کرشن دیو رائے یہ تاکید کرتا ہے کہ اہم سرکاری عہدوں پر برہمنوں کا تقرر کیا جائے۔ بسا اوقات بادشاہوں کی مہمات پر راج گرو (RAJAG URU) ان کے ساتھ ساتھ جاتے تھے چنانچہ ویاس رائے (VYASA RAYA) ،سالو وانرسمہا کے ساتھ جنوب کی طرف گیا تھا[17]۔ کتبات کے شواہد سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کس طرح برہمن میدان جنگ کی طرف فوجی دستوں کی قیادت کرتے تھے چنانچہ تیروکڈی یور (TIRUKKADIYUR) کے آپت سہاین (APATSAHAYAN) نامی ایک شخص نے کرشن دیو رائے کی رائچور مہم میں حصہ لیا تھا[18]۔ وجے نگر کی تاریخ کے آخری ادوار میں بھی برہمنوں نے معاشرہ میں اپنا اعلیٰ مقام وحیثیت برقرار رکھی۔ انھیں متعدد عطیات عطا کیے جاتے تھے اور برسر اقتدار حکمراں ان کی کافی عزت افزائی کرتے تھے۔

لیکن سترہویں صدی کی ایک قلمی نسخہ مہیشور نرپتی وجیا (MAHISURA NARAP - ATI VIJAYA) میں درج ہے کہ رام راج برہمن مخالف رجحانات کا حامل تھا۔ اس تصنیف میں درج ہے۔

جاماتا بھوم مہیپالہ رام رائے ایتی سمرتہ

JAMATA BHUM MAHIPALAH RAMA RAYA ITISMRTAH

ساکاموشماپنہ نیتم ڈیوتیکا نسٹ مہیتہ

SAKAMAVA SAMAPANNAH NITYAM DYUTECA NISTHITAH

براہمن آنم گورون آمکا نیتم اپریم آتنوٹ

BRAHAMANAM GURUNAMCA NITYAM APRIYAMATANOT.

لیکن رام راج کے متعلق اس طرح کا خیال مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ نہ تو اس عہد کے کتبات میں اور نہ ہی ادب اور تاریخوں میں اس کے برہمن مخالف رجحانات کے متعلق کچھ ملتا ہے۔ یہ تصنیف بہت بعد کی ہے لہٰذا رام راج کی تصویر کے سلسلہ میں زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ علاوہ بریں، یہ تصنیف ایک مادھو کی معلوم ہوتی ہے جس کی اپنی توقعات پوری نہ ہو سکی تھیں اور وہ اس بات پر مایوس تھا کہ بادشاہ کے گرو کے اعلیٰ عہدے پر تاتاچاریہ (TATACARYA) کی جگہ گووند وشک (GOVINDA DESIKA) کو فائز کر دیا گیا تھا۔ اس کتاب کا مصنف بظاہر

تاتاچاریہ کا حمایتی تھا اور اس کا حمایتی ہونے کی بنا پر وہ چاہتا تھا کہ رام راج کی تصویر کو بگاڑ کر پیش کرے۔

سترہویں صدی کا ایک شاعر ویمن (VEHANA) کہتا ہے "اگر کوئی شخص پرایر- (PAR AIAR) کے اصولوں پر یقین رکھتا ہو اور پھر بھی پرایروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے تو وہ دوبارہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ وہ ہر اچھائی سے محروم ہے ؟ دروغ گوئی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ یہ ایک مذموم عادت ہے جو منہ کے ساتھ ہمیشہ لگی رہتی ہے۔ بہت سے لوگ کتنے کمینے ہوتے ہیں جو اپنے لیے دوبارہ پیدا ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں ؟ دنیا کے حاکم (یعنی برہمن) کہتے ہیں۔ ہم پاک ہیں، ہم آسمانی کتابوں کے عالم ہیں، وہ ہر اس شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنی فطری حالت پر ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک معمولی ترین راہب ان شیخی بگھارنے والوں سے بہتر ہے[21]۔ لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ ایک معلم اخلاق اور ایک مصلح ہونے کی بنا پر ویمن کی نظر میں ذات پات کے اصول اور سماج میں برہمنوں کے مقام کی کوئی اہمیت نہیں تھی لہٰذا یہ بات مشکوک ہے کہ اس کا بیان اس کے زمانہ کے عام خیالات کی عکاسی کرتا ہے۔

برہمن عام طور پر اپنے اپنے گاؤں میں نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے ویدوں اور شاستروں کا مطالعہ کرتے دقیق فلسفیانہ موضوعات پر بحث و مباحثہ کرتے اور روزانہ ان مذہبی رسوم کو بجالاتے جن کی برہمنوں سے توقع کی جاتی ہے ان کے لباس کے متعلق لنسکوٹن (LINSCHOTEN) لکھتا ہے۔ "وہ برہنہ رہتے تھے سوائے اس کے کہ اپنی کمر میں ایک کپڑا لپیٹتے تھے تاکہ اپنی شرم گاہ کو چھپا سکیں جب کبھی وہ غیر ممالک میں جاتے تو ایک سوتی گون جس کو کبائیہ کہا جاتا ہے اس طرح کندھے پر ڈال لیتے کہ اس کا ایک سرا زمین پر لٹکتا رہتا جیسا کہ بہت سے دوسرے ہندوستانیوں کے یہاں گرار ہتا ہے اپنے سروں پر وہ ایک سفید کپڑا باندھتے تھے جو دو یا تین مرتبہ لپیٹا ہوا ہوتا تھا تاکہ اس سے وہ اپنے ان بالوں کو چھپا سکیں جنھیں وہ کبھی نہیں ترشواتے تھے بلکہ وہ انھیں بڑھائے رکھتے تھے اور عورتوں کی طرح اس کا جوڑا بناتے تھے[22]۔ غیر ملکی سیاح بھی برہمنوں کے اس مقدس دھاگے سے جسے وہ پہنتے تھے اور "گائے کے گوبر" کی اس راکھ سے جسے وہ "اپنی پیشانیوں اور ناک پر مل لیتے تھے بہت زیادہ متاثر تھے[23]۔" وہ کان کے زیورات بھی پہنتے تھے۔

لیکن کچھ برہمنوں کے کردار کے بعض خصائص نے غیر ملکی سیاحوں کو ان سے متنفر کر دیا تھا مثال کے طور پر بربوسا لکھتا ہے کہ وہ بڑے پیٹو تھے اور سوائے اچھی طرح کھانے کے کوئی کام نہیں کرتے

تھے ۔اس کا خیال ہے کہ "وہ محض اچھا کھانا کھانے کی غرض سے[25]" چھ دن کے سفر پر فوراً روانہ ہوجاتے ہیں[26]۔ نونیز بھی انھیں خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے "بادشاہ ہمیشہ خیرات میں بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ محل میں ہمیشہ دو یا تین ہزار برہمن رہتے ہیں جو اس کے پجاری ہیں اور بادشاہ انھیں خیرات دیئے جانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ برہمن پجاری انتہائی قابل نفرت لوگ ہیں۔ ان کے پاس ہمیشہ بہت زیادہ پیسہ رہتا ہے۔ اور وہ اتنے گستاخ ہوتے ہیں کہ دروازے کے محافظین اپنے لات اور گھونسوں کو استعمال سے بھی انھیں روک نہیں پاتے ہیں[26]"۔ ایسی مثالوں کی کمی نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ برہمن ریاست میں منتظمین اور جنرلوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ تاہم ان کی بڑی اکثریت پرسکون اور مطمئن زندگی بسر کرتی تھی۔ چنانچہ پائز اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ "ان میں اسلحوں کو استعمال کرنے کی ہمت برائے نام تھی[27]"۔

ویراولنودین

وجے نگر کے آخری زمانے کی معاشرتی تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت مملکت کے مختلف فرقوں میں معاشرتی شعور کا ارتقاء ہے۔ یہ وہ دور تھا جب انھوں نے اپنے اندر سماجی اتحاد کو بڑھانے کی کوشش کی۔ ہر فرقے نے چند ایسے مخصوص مراعات اور اعزازات کے حصول کے لیے ہنگامہ کیا جو انھیں دوسروں سے ممتاز کردے۔

اسی طرح کی ایک کوشش ایک طبقہ نے کی تھی جس کو ویراونودین کہا جاتا تھا۔ براؤن کا خیال ہے کہ یہ شعبدہ باز برہمنوں کا ایک طبقہ تھا۔ لیکن شاستری یہ بتاتا ہے کہ وہ گنجم (GANJUM) اور وزاگاپٹم (VE ZAGAPATAM) کے اضلاع کے لوگ تھے جو اب برہمن نہیں رہ گئے تھے بلکہ شودر ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے وہ ان کے پیشے کے برے اثرات بتاتا ہے[28]۔ وہ مملکت میں اسقدر پھیلے ہوئے تھے کہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ وہ ودیانگر بیداکوٹ (BEDAKOTA) ، کٹک اور دراویڈدیش (DRAVIDADESA) میں رہتے تھے ان سے متعلق چند کتبات سولہویں صدی کے ہیں۔ 1554-55ء میں بعض ویراونودینوں نے رنگن ہالو (RANGANAHALU) کے گاؤں میں دیوتا ہنومنت کی کارتک پوجا انجام دینے کا فیصلہ کیا[30]۔ دو سال بعد ان میں سے بعض نے اسی گاؤں کے دیوتا چنا کیشو اکی دھنرماسا (DHANURMASA) پوجا کے لیے چینا ہو تورو (CINAHOTURU) کے گاؤں سے حاصل ہونے والی اپنی آمدنی کو عطیہ میں دے دیا تھا[31]۔ 1556-57ء میں ان

میں سے چند نے جو مختلف شاکھاؤں اور سوتروں سے تعلق رکھتے تھے، چولورو CAULURU کے مہاجنوں کو ٹیکسوں کا ایک عطیہ دیا[31]۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یہ تمام کتبات سولھویں صدی کے نصف آخر کے ہیں۔ لیکن یہ فرض کرنا درست ہوگا کہ اس وقت سماج کے بعض طبقوں کے حالات میں بہتری لانے کے لیے ایک طرح کا سماجی انتشار تھا اور انھیں میں سے ایک (طبقہ) ویراونودین کا تھا۔

دستکار

دوسرا فرقہ جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ پانچالوں (PANCOLAS) یا دستکاروں کا فرقہ ہے۔ یہ لوہاروں، سوناروں، پیتل کے برتن بنانے والوں، بڑھیوں اور بت سازوں پر مشتمل تھا۔ دیورائے اوّل کے زمانہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ پانچالوں کے 74 فرقے تھے[33]۔ اس کے افراد بعض حقوق و مراعات کے لیے اکثر لڑتے لڑتے رہتے تھے[35]۔ 1525ء میں لوہاروں اور سناروں کے درمیان ایک تنازعہ کا فیصلہ رام ناد ضلع کے آتّور (ATTUR) مقام پر ہوا اور انھیں زمین عطا کی گئی[34]۔ اسی طرح جب 1555ء میں کاشتکاروں اور پانچالوں کے درمیان ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا فیصلہ ودانتی رام راجیپا (VEDANTI RAMA RAJEYAPA) شری ویشنو کے 88 برہمنوں، رام راج تیرومل راجیا کے ایجنٹ بندرسیا (BANDARASAYYA) اور رامپّیا (RAMAPPAYYA) کے معاملات کے ایجنٹ شینباشٹی (SENABASETTI) نے کیا تھا۔ فیصلہ کے مطابق بیلور کی جنوبی سرکٹ پانچالوں کے لیے متعین کردی گئی۔ چاروں حدود پر (جن کا ذکر کردیا گیا ہے) پتھر نصب کردیئے گیے جس کے اندر انھیں ایک قطار سے مکانوں کے تعمیر کرنے، ذات کے رسوم انجام دینے اور جواہرات بنانے کی اجازت تھی اور چنّی گرائے (CANNIGARAYA) کے مندر میں انھیں وہی حیثیت اور مراعات حاصل تھیں جو ودیا نگر میں جشن رتھ کے موقعہ پر پانچالوں کو عطا کی گئی تھیں۔ یہ فیصلہ رام راجیا تیرومل راجیا کے ذریعہ کیے گئے ایک پرانے فیصلہ پر مبنی تھا[35]۔

ایک خاص موقعہ پر ان کے درمیانی جھگڑے نے اتنی سنگین صورت اختیار کرلی تھی کہ ان لوگوں نے ایک سماجی قانون کی رو سے ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ان دو کتبات میں جن میں سترہویں صدی کی پہلی چوتھائی میں تنی ویلی ضلع کے کلکدائی کورکسی (KALLADAI - KURICCI) مقام پر اسی قسم کے ایک جھگڑے اور اس کے تصفیہ کا ذکر ہے، درج ہے

کہ تدورا کے ورپّانایک نے دستکار فرقہ کی پانچ ذیلی برادریوں کو ایک شاہی پروانہ عطا کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکیں اور بعد میں فرقہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ علیحدگی کے اسباب بیان نہیں کیے گئے ہیں . . . ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرمان کی ابتدا خود بادشاہ کی جانب سے نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ خود ذیلی برادریوں کی پیش قدمی کا نتیجہ تھا . . . پروانہ کی حیثیت ایک رعایت کی تھی جسے ادن کتم انیجان، (UDANKUTTAMANAINJAN) یا ادن کتم پادگنا نینجان کولاشیکھرن اشاری (UDANKUTTAM PADAGANANAINJAN KULASEKHARAN ASARI) کی موجودگی میں عطا کیا گیا تھا جو بظاہر کان مالی فرقے کا لیڈر تھا۔[36] برہمادیشم (BRAIMADESAM) کی مندر کے حکام نے بھی اپنے ماتحتوں کی مفاد کی خاطر اسی قسم کا اعلان جاری کیا تھا۔

وجے نگر کے زمانہ کی سماجی تاریخ کا ایک دلچسپ پہلو اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ مملکت کے مختلف سماجی گروہ بعض سماجی مراعات اور عوامی تہواروں اور مندروں میں بعض اعزازات کے حصول کے لیے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ 1573ء میں وینکٹپا نے جو شری رنگا رائے کے ایجنٹ ویلوکوتی تمپا نائے نین کارو (VELUGOTI TIMMAPPA NAYANINIGARU) کا سکریٹری تھا، اس بات کے لیے بعض انتظامات کیے تھے کہ نیلور کے پلّی کوندناتھ (PALLIKONDANATHA) کے تہوار کے زمانے میں ان پانچاہنوں (PANCAHANS) (دستکاروں کے پانچ طبقوں) کی عزت واحترام کیا جائے جو رتھ میں (سوار ہو کر) آتے تھے جس طرح تیرویتی میں ہوتا تھا اور ان آداب کے بجا لانے کے لیے استھلاکرنموں (STHALAKARANAMS) ، کایوں، شیٹوں اور یا کارڈیوں (یا کنادو کے رڈیوں) کو رضامند کر لیا۔[37] ادے گیری تعلقہ کی ایک دستاویز کے مطابق رام راجو کونیتیا دیو (RAJU KONETAYYADEVA) کے بیٹے تمّاراجو نے دیوتا رگھونایکلو (RAGHUNAYAKALU) کے لیے ایک گوپورا (GOPURA) اور منٹپ (MANTAPA) بنوایا تھا۔ کتبہ میں یہ بھی درج ہے کہ جب رتھ اس پر سوار نا تووں (NATTUVAS) اور ملازموں کے ساتھ سڑکوں پر سے گذرے تو پانچاہنوں میں کا ایک فرد ایک کپڑا سر پر لپیٹے اور دوسرا ڈھیلے ڈھالے طور پر کمر باندھے، دونوں بھنووں کے درمیان صرف صندل کا ایک نشان لگائے، بغیر پان کھائے ہوئے ہاتھوں میں ایک چھینی، ایک موگرا، ایک کیل اور ایک ہنیا لیے

رتھ کے سامنے چاروں طرف چلے اور اس میں یہ بھی درج ہے کہ یہ رسومات لازمی طور پر انجام دی جاتی تھیں[38]۔ انگی راسا (ANGIRAS) کے قرنی سال (CYCLICYEAR) میں جنوبی آرکٹ ضلع میں واقع تیرواماتور (TIRUVAMATHUR) گاؤں کے ناتار نے شری رنگ دیو مہارائے (1632-33ء) کے زمانہ میں راج کاریہ بھنڈار (RAJAKARYA BHANDARA) کو اس بات کی ایک ضمانت دی کہ شمالی پرّو میں واقع متعدد گاؤں کے دستکار فرقوں (کنمالر KANMALAR) بڑھیوں، لوہاروں اور سوناروں کے ساتھ اب نہ تو کوئی برا سلوک کیا جائے گا اور نہ انھیں ان کے حقوق سے محروم رکھا جائے گا نیز یہ کہ جو حقوق و مراعات پدائی وید وسینجی (SENJI) تیرووَنا ملائی اور رکانچی پورم میں مقیم ان کے ہم پلہ طبقوں کو حاصل ہیں وہ انھیں بھی دیئے جائیں گے اور اگر انھوں نے (ناتار نے) وعدہ خلافی کی تو اس کے نتیجہ میں انھیں بارہ پون PON کا ایک جرمانہ ادا کرنا پڑے گا اور بارہ عدد رسوائیاں (کرم KURRAMS) اٹھانی پڑیں گی۔ بہر حال چند ایسے مقامات بھی تھے جہاں کے دستکاروں کو دوسری جگہوں میں مقیم اپنی برادری والوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ حقوق و مراعات حاصل تھے۔ چنانچہ ادائیار و پرّو (IDAIYAR - RUPARRU) سرنگور پرّو (SIRRINGURPARRU) اور رایدائیارو (IDAIYARU) کے ناتور نے جو بالترتیب اپنے سرداروں کونگرایر (KONGARAYAR) نایبنار ککیارایر (NAYINAR KACCIYA RAYAR) اور کوندمنایکر (KONDAMANAYAK - KAR) کرشنانایکر (KRSNAMA NAYAKKAR) کے نمائندے تھے، اور رائےسم تیرو ملائی ین (RAYASAM TIRUMALAIYAN) کی وساطت سے بادشاہ کو یہ ضمانت دی تھی کہ وہ بعض سماجی مراعات مثلاً پاوادائی (PAVADAI) اور پری وتم (PARIVATTAM) کے استعمال کا حق جو انھیں اب تک حاصل تھا۔ کنمالوں (KANMALAS) سے واپس لے لیں گے اور اس طرح وہ انھیں اسی مقام اور مرتبہ پر لے آئیں گے جس پر پدائی وید وسینجی اور تیرووَنا ملائی میں مقیم ان کی برادریاں تھیں[39الف]۔

کیکولا

(KAIKKOLAS)

کیکولا مملکت وجے نگر کا دوسرا با اثر طبقہ تھا۔ وہ عموماً مندر کے گرد و نواح میں رہتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سڑکیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مثال کے طور پر مادم باکم MADAMBAK KAM

مقام کے ایک کتبہ میں کیکولاؤں کی سڑکوں کا تذکرہ ملتا ہے۔[40] ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مندر کے نظم ونسق اور مقامی ٹیکسوں کی وصولی میں کیکولاؤں کا کتنا دخل تھا۔ بنکاروں کی حیثیت سے وہ اپنی صنعت کو چھوٹے پیمانہ پر چلاتے تھے۔ دستکاروں کی حیثیت سے کیکولاؤں نے بھی بعض سماجی مراعات کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ کانچی پورم اور ورنچی پورم کے کیکولاؤں کو ڈنڈو (DANDU) (پالکی) اور شنگو (سنکھ SANGU) کے استعمال کی مراعات حاصل تھیں 1485-86ء میں یہی رعایتیں ارمل اتا نایینار (ARMALTTA NAYENAR.) نے کونگرایر (KONGURAYAR) کنگرایر (KANGARAYAR) اور کچرایر (KACCIRAYAR) کے مشورہ سے ولودیلم بتوراجیہ (VALUDILAM BATTU RAJYA) کے کیکولاؤں کو دیدی گئی تھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولودیلم بتوراجیہ کے کیکولاؤں کو یہ مراعات دینے سے کچھ قبل یہی رعایتیں کانچی کے کیکولاؤں کو بھی عطا کی گئی تھیں اس لیے کہ انھوں نے ارمل اتا نایینار کے یہاں اس بات کے لیے ایک عرض داشت کی تھی۔[42] 1503-4ء میں تمام اچھے اور برے مواقع پر،[43] ڈنڈو اور شنگو رکھنے کی رعایتیں تری بھون مہادیوی پرّو (TRIBHAVANAMAHADEVIPARRU.) ، ندووکرائی پرّو (NADU VUKARAI PARRU) اور نینملی پرّو (NENMALIPARRU) کے تین گاؤں کے کیکولاؤں کو بھی دی گئیں جس طرح کہ یہ مراعات دریائے پنائی (PENNAI) کے کنارے بسے ہوئے گاؤں کے بنکاروں کو حاصل تھیں۔ جس کتبہ میں یہ بات درج ہے اس میں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے جو لوگ اس حق پر اعتراض کریں گے انھیں بھی وہی سزا بھگتنی پڑے گی جو سیلنگا نلّور (SELINGANALLUR) کے کتبے میں اس کے لیے متعین کی گئی ہے۔[44] اسی طرح تیروویدی راجیہ (TIRUVADI RAJYA) میں سداشیو کے ایجنٹ ورپّا نایک کے زمانہ میں ایلائی وانیار (ILAIVANIYAR) نے اس مقام کے کیکولاؤں کے لیے وہی حقوق ومراعات منظور کیے جو ایک پرانے سنگی کتبے کے مطابق، جسے کسی نے مٹا دیا ہے، پہلے رائج تھے۔[45]

حجّام

سولھویں صدی کے نصف آخر میں حجاموں کو ریاست کی جانب سے کچھ رعایتیں ملی تھیں۔ سداشیو اور اس کے وزراء نے حجاموں کو خصوصی عنایتوں کا مستحق کیوں سمجھا اس کی قطعی وجہ معلوم نہیں ہے۔ 1945ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ رام راج اڈیلر نے کوندجا (KONDOJA)

حجام سے خوش ہوکر علاقہ (تمکور ضلع) کے حجاموں کو بعض ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔[46]
1547-48ء کے ایک دوسرے کتبہ میں درج ہے کہ بلائی (شہر) کے تموّجا کو ندوجا اور بھدری نے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرلی تھی اور اس بادشاہ (سداشیو) نے ان کی طرف سے کی ہوئی ایک درخواست کی بنا پر انھیں مانیا (MANYA) کے طور پر ایک ٹیکس عطا کر دیا تھا۔[47] لیکن 1550ء کے ایک دوسرے کتبے میں درج ہے کہ تموّجا کاندوجا نے ایک درخواست رام راجیا کو دی جس نے خود سداشیو سے درخواست کی چنانچہ اس نے سلطنت کے چاروں حدود کے اندر بعض محاصل اسے اور اس کے خاندان کو عطا کر دیئے۔[48] تیلگو شاعر ردریا (RUDRAYYA) اپنی نیرن کوشوپاکھیانم (NIRAN KUSOPAKHYANAM) میں لکھتا ہے کہ اس نے سداسیو سے ملاقات کا موقع بادشاہ کے ایک مقرب حجام کوندوجو کے توسط سے حاصل کیا تھا جس نے ان حجاموں پر عاید ٹیکسوں کی معافی کے حصول میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس معافی میں جبری محنت متعینہ لگان، زمین کا محصول، مہانومی (MAHANAAMI)، مشعلین، اور برادا (BIRADA) وغیرہ شامل تھے۔[50]

ڈومبرا
(DOMBARAS)

ڈومبر عام طور پر تماشا دکھانے والے لوگوں کا ایک فرقہ تھا۔ غیر ملکی سیاحوں مثلاً عبدالرزاق اور لنسکوٹن (LINSCHOTEN) نے ان سے متعلق چند بیانات چھوڑے ہیں۔ وہ پیسہ کمانے کے لیے زیادہ تر پالتو سانپوں کا استعمال کرتے تھے۔ وہ جادوگری اور فال نکالنا جانتے تھے۔ ایرانی سیاح یہ بتلاتا ہے کہ یہ تماشا دکھانے والے کس طرح ڈنڈوں پر ناچتے تھے اور اپنے کرتبوں میں ہاتھیوں کو استعمال کرتے تھے۔ یہ لوگ ان عوام اور خاص کے لیے جو مہانومی کے جشن کے لیے دارالسلطنت میں جمع ہوتے تھے بڑی تفریح کا سامان فراہم کرتے تھے۔[51] ان کے مکانات بہت چھوٹے اور نیچے ہوتے تھے۔ جو گھاس پھوس سے ڈھکے ہوتے تھے اور جن میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ ان میں گھاس کی چٹائیاں، انجیر کے پتے اور کھانے پکانے کے لیے مٹی کے برتن ہوتے تھے۔ یہ تماشا دکھانے والے لوگ بسا اوقات آپس میں متفق ہوکر مندروں کو بعض عطیات دیتے تھے۔ شاکھا 1451ء کے ایک کتبہ کے مطابق ڈومبر ذات کے دو افراد نے وہ رقم تیروونگل ناتھ (TIRUVENGALANATHA) کے مندر کو عطیہ میں دے دی تھی۔

جو وہ ہر سال عطیہ (تیاگم (TYAGAM) کے طور پر گاؤں سے حاصل کرتے آئے تھے۔ (اس) ذات کے افراد نے اس بات کا بھی ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ وہ گاؤں میں اپنے تماشے نہیں دکھائیں گے۔

دائیں بازو اور بائیں بازو کی ذاتیں (RIGHT HAND AND LEFT HAND CASTES.)

مملکت کے متعدد قومیں دو جماعتوں میں منقسم تھیں۔ جو ولنگائی (VALANGAI) اور ایڈنگائی (IDANGAI) جماعتوں یا دائیں بازو اور بائیں بازو کے طبقات کے نام سے معروف تھیں چند کتبات میں درج ہے کہ ہر جماعت اسی طرح کے ۹۸ ذیلی فرقوں میں منقسم تھی۔ اگرچہ ہمیں ہر جماعت کے فرقوں کی تعداد کا ذکر ملتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ واقعتاً یہ ۹۸ فرقے کون کون سے تھے۔ لیکن ان فرقوں کے ساتھ ساتھ اٹھارہ پیشہ ور ذاتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ غالباً یہ ۹۸ فرقے انھیں ۱۸ ذاتوں کے ذیلی فرقے تھے۔ بچانن (BUCHANAN) کو، جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں میسور آیا تھا، مندرجہ ذیل ذاتیں ملی تھیں جو دائیں بازو اور بائیں بازو کے طبقات کی تشکیل کرتی تھیں۔

بائیں بازو کے طبقات

(1) پانچالر (PANCALA)

(2) بیری چٹی تاجرین (BERRICETTY MERCHANTS.)

(3) دیوانگا (DENVANGA) بنکاروں کا ایک طبقہ۔

(4) ہگنی گارو (HEGANIGARU) وہ لوگ جو ملون (MILL) میں دو بیلوں کا استعمال کرتے تھے۔

(5) پلی وانلو (PALIACANLU) کاشتکاروں کے دو قبیلے جو کرناٹک نسل کے نہیں ہیں۔

(6) بائی درو (BAYIDARU) شکاری۔

(7) مادی گرو (MADIGARU) چمڑا کمانے والے یا جوتا بنانے والے۔

پانچالر پوری جماعت کے سربراہ تھے۔ اور مادی گرو دونوں طبقوں کے درمیان تمام جھگڑوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے جنگجو تھے۔

دائیں بازو کے طبقات

(1) متعدد تجارتوں کے بنجی گرو (BANJIGARU)

(2) ودی گرو (WADIGARU) شودر ذات کے اور کرناٹک نسل سے تعلق رکھنے والے کاشتکار۔

(3) جوتی پھنّا (JOTIPHANA) تیل نکالنے والے جو کولھو میں ایک بیل استعمال کرتے تھے۔

(4) رنگرو (RANGARU) کپڑوں پر چھپائی کرنے والے اور درزی۔

(5) لدرو (LODERU)

(6) گجراتی (GUJARATI)

ان دونوں جماعتوں کی اصل کا مسئلہ بہت سے محققین کی توجہ کا مرکز بنا لیکن اس دلچسپ مسئلہ کا کوئی قطعی حل پیش نہیں کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ دقت طلب اس بنا پر رہے کہ ہر جماعت میں مختلف ذاتوں، مختلف دھندوں، مختلف پیشوں اور مختلف تجارتوں میں لگے ہوئے افراد ملتے ہیں اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ برہمن اور چند دیگر فرقے، جو چھتری اور ویشیا ذاتوں کے تحت آسکتے تھے خود کو ان دونوں جماعتوں کے حدود سے علیحدہ رکھتے تھے۔ مزید براں ان کی اصل کے سلسلہ میں بہت سی روایتیں ہیں۔

ٹی۔ ڈبلو۔ ایلیس (T.W. ELLIS) کا خیال ہے کہ غیر ملکی قوموں کے ساتھ میل جول نے جنوبی ہندوستان کے لوگوں کے ایک طبقہ کے عادات و اطوار میں بعض تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں جن کی بنا پر مالکان زمین جو عموماً قدامت پسند تھے، انھیں ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ یہ سماجی اختلافات ولنگائی اور ایڈنگائی طبقات کے وجود کا سبب بنے جن میں سے "اول الذکر میں تمام کاشتکار قبائل شامل ہیں جو بالکل مختلف حالات میں اپنی قدیم برتری کو قائم رکھنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور موخر الذکر طبقہ میں زیادہ تر تاجر پیشہ اور صنعت کار قبائل شامل ہیں جو اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ اس سے اپنا دامن بچالے جائیں[46]" اور موجودہ دور میں وہ عام طور پر اس میں کامیاب بھی ہیں ڈاکٹر گسٹو اپرٹ (DR. GUSTAVAPPERT) کا خیال یہ ہے کہ یہ صنعت کاروں کی کاشتکاروں کے خلاف ایک گروپ بندی تھی، اول الذکر کی جینوں (JAINS) کی ماتحتی میں، اور موٴخر الذکر کی برہمنوں کی ماتحتی میں[47]۔ اگرچہ موٴخر الذکر (برہمنوں) نے خود کو ان طبقات سے الگ رکھا۔

ایم۔ سری نواس آینگر کچھ اور خیالات پیش کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان دو جماعتوں کے درمیان سماج کی تقسیم یا تو اس بنا پر عمل میں آتی تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ سماجی سطح

پر بلند ہونے کی خواہش مند تھے یا جینوں اور برہمنوں کی باہمی نفرت وکدورت نے انھیں منقسم کر دیا تھا[55]۔ لیکن . . . اگرچہ عوام کو دو جماعتوں میں منقسم کر دینے میں ان اسباب کا کچھ دخل ضرور تھا لیکن ان کے جھگڑوں کی زیادہ تر وجہ ان مراعات کا مسئلہ تھا جو بعض سماجی اور مذہبی مواقع پر حاصل ہوتی تھیں۔ ان مواقع کا ذکر کرتے ہوئے جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے تھے، ابے دوبیس (ABBE DUBAIS) اس خیال کا اظہار کرتا ہے "جھگڑوں کی اصل وجہ شاید شادیوں کے موقعوں پر چپل پہنے یا گھوڑے کی پشت اور پالکی پر سوار ہو کر سڑک پر چلنے کا حق ہے۔ کبھی تو دوران سفر مسلح چوبداروں کو رکھنے کا حق اس کا سبب بنتا ہے۔ اور کبھی جلوس کے آگے آگے ڈھول بجانے یا عوامی جشن کے موقعوں پر مقامی موسیقاروں کو ساتھ رکھنے کی رعایت اس کا باعث بنتی ہے۔ یہ شاید یا تو معمولی قسم کا ایک مخصوص باجا ہے جو ایسے مواقع پر استعمال ہوتا ہے جو جھگڑے کا سبب بنتا ہے اور یا اس کا سبب ان جشنوں کے موقع پر کچھ مخصوص رنگوں کے جھنڈوں یا دوسرے ساز و سامان کو لے جانے کا حق ہوتا ہے[56]۔

ولنگائی اور ایدنگائی طبقے جو پانڈیچری کے قریب رہے تھے چند مخصوص رعایتوں کے لیے آپس میں لڑتے رہتے تھے جیسے مثلاً شومک کلی (SAVALAKKALI) ، سفید چھتری، سفید گھوڑے اور پانچوں شیموؤں (SEMBUS) کو استعمال کرنے کا حق[57]۔ اسی طرح ایدنگائی اور ولنگائی کیفیت (VALANGAIKAIFIYAT) میں ان کے آپسی جھگڑوں کے متعلق جو ان کے درمیان بعض مخصوص سماجی مراعات مثلاً گرودا جھنڈے (GARVDABANNER) کو استعمال کرنے کے حق کے لیے ہوتا تھا اور ان جھگڑوں کے تصفیہ کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے[58]۔

وجے نگر کے زمانہ میں بھی یہ جماعتیں اکثر آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ اور 1393-94ء کے ایک کتبے کے مطابق اس طرح کا ایک جھگڑا چار سال تک جاری رہا[59]۔ شمالی آرکٹ ضلع کے ملیم پٹو (MALAYAMPATTU) مقام کی ایک نامکمل دستاویز میں ایدنگائی اور ولنگائی فرقوں کے درمیان ایک جھگڑے کے تصفیہ کا ذکر ملتا ہے۔ اس تنازعہ میں دونوں جانب کے لوگوں کی جانیں ضائع ہوئی تھیں[60]۔ 1438-39ء میں ایک جگہ کے لوگوں نے آپس میں سمجھوتہ کیا تھا کہ اگر ولنگائی یا ایدنگائی طبقے کا کوئی فرد کسی تنازعہ کا سبب بنے گا یا عوامی تہواروں کے موقعوں پر آپس میں جھگڑا کرے گا تو ایسے اشخاص کو بلا تکلف بھالوں سے اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا[61]۔ ان دونوں طبقات

کا باہمی تعہ... ا... ت... سنت تھا کہ ۶۶-۱۶۶۵ء میں دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر واقع ایرن گول پانڈی ولنادو (IRUNGO LAPANDI VALNADU) کے اطراف میں آباد اٹھارہ فرقوں میں سے دو کے ولنگائی اور ایدنگائی طبقوں کے سماج میں ان کے طور طریقوں سے متعلق ایک سمجھوتہ کیا گیا۔[62]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں فرقہ وارانہ نوعیت کا ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا چنانچہ زنگائی ہمیں ایدنگائی وری (IDANGAI VARI) کا حوالہ ملتا ہے۔[63] ان جماعتوں کی مشترکہ سرگرمی نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی دستوری انجمنیں (CAUSTITUTIONAL ASSOCIATION) بنائیں اور حکومت کے ساتھ ایک منظم جماعت کی حیثیت سے معاملہ کریں انھوں نے ٹیکسوں کی ان رقموں کو متعین کر دیا جو انھیں حکومت کو ادا کرنی تھیں اور ایک زمانہ میں تو انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ برہمنوں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو جسمانی سزا دیں گے جو ان سے اس رقم سے زیادہ کا مطالبہ کریں گے جتنا انھوں نے ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔[64]

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، تامل کے علاقہ پر تیلگو اور کنارا لوگوں کے قبضہ کر لینے کے باعث بہت سے سماجی مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے تامل کے علاقہ میں ان کی نو آبادکاری کی بنا پر اصل باشندوں کے سماجی حیثیت پر سخت اثر ڈالا۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنے آقاؤں کی پیروی کی اور ان کے ساتھ وہاں آباد ہو گئے۔ چنانچہ فاتح کی حیثیت سے لوگوں کے مقابلہ میں ایک بلند سماجی حیثیت کے حامل تھے۔ ایم۔ شری نواس آہنگر کا خیال ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم باشندوں نے اپنے اصل پیشوں کو چھوڑ کر ادنیٰ اور معمولی پیشوں کو اختیار کر لیا۔ مثال میں وہ سیمنوں کا نام لیتا ہے جنھوں نے . . . غالباً نئے لوگوں کی آمد پر چمڑا کمانے کے پیشے کو چھوڑ کر معمولی پیشے اختیار کر لیے تھے۔[65]

توتین

(TOTTIYANS)

ان نو آبادکاروں میں سب سے پہلے جو ہمارے جائزہ کے مستحق ہیں وہ، توتین یا کمبل اتار (KAHABALATTAR) ہیں۔ یہ اصلاً گڈریے تھے لیکن جنوب میں انھوں نے معمولی پولیگاروں (PALIGARS) کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔[66] ان میں تعدد شوہر اور مابعد البلوغ شادیاں رائج تھیں۔ اور بسا اوقات دولہا دلہن سے چھوٹا بھی ہوتا تھا۔ ان میں عورتوں کی عصمت کی کوئی

اہمیت نہ تھی۔اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کے باپ یا اس کے دوسرے رشتہ داروں سے ازدواجی تعلقات قائم رکھ سکتی تھی۔طلاق، عقد بیوگان اور بعض معاملات میں ستی (SATI) بھی جائز تھی۔توتین (TOTTI YANS) عموماً ویشنوائی ہوتے تھے۔لیکن ان کے سب سے بڑے دیوتا جکّن (JAKKANNA) اور بومکّا (BOMMAKKA) تھے جنھوں نے ستی کا ارتکاب کیا تھا۔[67]

توتین کی خود اپنی فرقہ ورانہ تنظیم تھی۔1369ء میں پولیّوناد (PULLI YAnad) کے توتین نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو کوئی ایک خاص ٹیکس ادا نہیں کرے گا اسے نادو، اسمبلی، پنچالم (PONCALAM) پشیائی اور 18 نادؤں،، سے خارج کر دیا جائے گا۔[68]

سوراشٹر
(SOURASTRAS)

عوام کا ایک دوسرا گروہ جس نے جنوب میں نوآبادی بنائی تھی۔وہ سوراشٹر تھے۔ان کا اصلی وطن غالباً گجرات تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر جنوب میں آباد ہو گئے تھے۔وہ جزیرہ نما میں کپڑوں کی سپلائی کرتے تھے۔وہ طویل مدّت تک وجے نگر میں رہے لیکن جب یہ مملکت جنوب کی طرف پھیلی تو وہ بھی اسی طرف چلے گئے اور مدورا کے اردگرد آباد ہو گئے۔بڑی حد تک شاہی سرپرستی میں رہنے اور امراء کے لیے اعلیٰ و نفیس کپڑے بہم پہونچانے کی بنا پر وہ جلد ہی جنوبی ہندوستان کی ایک خوشحال قوم بن گئے جو اپنی صنعتی سرگرمیوں میں مصروف تھی بہت سے دوسرے فرقوں کے افراد کی طرح انھوں نے بھی اپنی سماجی حیثیت بلند کرنے کی کوشش کی۔انھوں نے برہمن ذات کے نام اختیار کر لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اصلاً وہ برہمن تھے لیکن انحطاط کا شکار ہو گئے تھے، انھوں نے کچھ افسانوں کو شہرت دی۔بعض حقوق کے سلسلہ میں ان کا برہمنوں کے ساتھ جھگڑا تھا اور بسا اوقات ریاست کو اس سلسلہ میں مداخلت کرنی پڑتی۔مثال کے طور پر منگمال (MANGAMMAL) کی حکومت کے زمانہ میں مدورا کے گورنر نے برہمنوں کی اپاکرم (UPAKARMA) کی رسم کو ادا کرنے یا مقدس دھاگے (کی رسم) کو از سر نو آغاز کرنے کی وجہ سے سوراشٹر فرقہ کے اٹھارہ افراد کو گرفتار کر لیا تھا۔ ملکہ نے ان رسوم و رواج کی ادائیگی کے لیے پٹّونل کارنوں (PATTUNAL KERANS) کی حقوق کی تحقیق و تفتیش کے لیے شاستروں کے عالموں کی ایک میٹنگ طلب کی۔اس میٹنگ نے مدعا علیہم کے حق میں فیصلہ کیا

چنانچہ ملکہ نے انھیں کھجور کے پتہ کا ایک انعام دیا جواب تک مدورا میں محفوظ ہے[69]۔ اسی زمانہ سے سوراشٹروں نے "کھانے، پینے، لباس، پوجا پاٹ کے طریقوں اور ناموں سے متعلق، جنوب کے برہمنوں کے بہت سے طریقوں کو اپنا لیا اور اب تو انھوں نے برہمنوں کے بہت سے خطابات بھی مثلاً ایر (AIYAR) اچاریہ اور بھاگوتر (BHAGUVATAR) اختیار کر لیے ہیں[70]۔"

رڈی

(REDDIS)

تیلگو علاقہ کے رڈی جو عموماً کاشتکار تھے، وجے نگر کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ دو طبقوں میں منقسم تھے۔ پونگلی رڈی (PONGULA RADDIS) اور پنتا رڈی (PANTA REDDIS)۔

مختلف ذاتوں اور فرقوں کے مہاجرین کے ایسے بہت سے ریلے تھے جو شمال سے ہندوستان کے تامل کے علاقہ میں چلے گئے تھے۔ ان میں سے تیلگو برہمن، اپلین (UPPILIANS) (نمک بنانے والے) تیلگو کے دھنئے اور رنگ ساز، شینین (SENIANS) (تیلگو بنکار)، حجام چمار، دھوبی، اڈن (ODDANS)، ڈومبن (DOMBANS) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فصل دوم

سماجی رسمیں

شادی

کسی بھی ملک کی سماجی رسموں میں سے شادی (کی رسم) سب سے زیادہ اہم ہے اگرچہ ہندوؤں کے نزدیک شادی ایک مذہبی رسم ہے لیکن یہ زبردست سماجی اہمیت کی حامل ہے۔

اگرچہ قدیم سنسکرت ادب میں شادی کی آٹھ قسموں کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تمام قسمیں وجے نگر کے زمانہ میں بھی رائج تھیں۔ کنیادان ہی شادی کی ایک ایسی قسم تھی جو سب سے زیادہ رائج اور مقبول تھی۔

اس ذیل میں یہاں شادی بیاہ سے متعلق چند ضمنی خصوصیات مثلاً جہیز کی رسم اور بچپن میں شادی

کے رواج کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ وجے نگر کے زمانہ میں جہیز دینے کا رواج عام تھا اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کے خلاف لوگوں میں سخت ناراضگی تھی۔ اس رواج کی موجودگی کی توثیق بہت سے کتبات سے ہوتی ہے۔ 1379ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ پولی یورنادو (PULLIYURNADU) کے ایک تہائی حصہ کا گاؤں پنگائی پلی (PANGAIPALLI) جو نمبی اروی شٹی یار (NAMBI IRAVI SETTIYAR) نامی ایک شخص کے قبضہ میں تھا اس کی لڑکی کے لڑکوں اروی نین (IRAUIYANNAN) کیشوشٹی یار (KESAVA - SETTIYAR) اور دوسروں کو بطور جہیز عطا کر دیا تھا[71]۔ بسا اوقات موجودہ زمانہ کی طرح اس زمانہ میں بھی شادی کے اخراجات کی رقم جائداد کی فروخت کے ذریعہ فراہم کی جاتی تھی۔ چنانچہ 1404ء میں اچپا (ACAPA) کے بیٹے وتپا (VITTAPPA) نامی ایک شخص نے "شادی کے موقع پر" دیگر اراضی کے ساتھ ساتھ کندولی (KANDAVELLI) کے گاؤں کو فروخت کر دیا تھا[72]۔ 1424ء کے لگ بھگ آلوا پربھو بومی یکا ہگدیتی (ALVA PRABHU BOMMI YAKKALLEG - GADITI) کے بیٹے نے شادی کے موقع پر استھانک (STHANIKA) مندر کے پجاری) دیوپنا ایا (DEVAPPANNA AYYA) کے بیٹے بونا ایا (BOVANNA AYYA) کے ہاتھوں کچھ زمین فروخت کی تھی[73]۔

گاؤں والوں نے اکثر اپنے یہاں کی زمینوں کو جہیز کے طور پر باہری لوگوں کے پاس منتقل کرنے کے خلاف قوانین بنائے۔ چنانچہ مان گادو (MAINGADU) (چینگل پیٹ ضلع) کے گاؤں کے باشندوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا تھا کہ استری دھن (STRIDHANA) کے طور پر کسی باہری شخص کو زمین ہرگز نہیں دی جائے گی[74]۔

دیورائے دوم کے زمانہ میں پڈائی ویدو سلطنت کے برہمنوں نے دلہن کی قیمت کی رسم کی برائی کو اس شدت سے محسوس کیا کہ اس مقام کے برہمنوں نے جو مختلف ذیلی فرقوں سے متعلق تھے، آپس میں ایک سمجھوتہ کیا جس کی حیثیت سماجی قانون کے ایک حصہ کی سی ہے جس کتبے میں یہ قانون درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "پڈائی ویدو سلطنت (راجیم) کی مذہبی تعلیمات کے ہر شعبہ کے بڑے بڑے لوگوں نے ارکاپوسس کرنی (ARKAPU SKARANI) کے (دیوتا) گوپی ناتھ کے روبرو ایک دستاویز (جو) ایک سمجھوتہ (پر مشتمل ہے) کو ترتیب دیا جس میں مقدس قانون طے کیا۔ (اس دستاویز) کے مطابق پڈائی ویدو گوتر (GOTRAS)، سوتر

(SUTRAS) اور شاکھا (SAKHAS) کے ہوں، اگر کوئی سلطنت (راجیم RAJYAM)
(یعنی) کناڈیگا (KANNADIGAS) ، تمیرا (TAMIRAS) ، تیلونگا (TELUNGAS)
ایلات (ILATAS) وغیرہ کے برہمن خواہ وہ کسی شادی کو انجام دیں تو آج سے اسے کنیا دان
کے ذریعہ انجام دیں۔ جو لوگ کنیادان کے طریقہ کو اختیار نہ کریں گے (یعنی) وہ لوگ جو سونا لے کر
لڑکی بیاہیں گے اور وہ لوگ جو سونا دے کر شادی کریں گے دونوں ہی ۔ ۔ ۔ بادشاہ کی جانب
سے سزا کے مستحق ہوں گے اور انھیں برہمنوں کے فرقہ سے خارج کر دیا جائے گا یہ تھا اس دستاویز
کا مضمون جو انھوں نے ترتیب دیا تھا[75] یہاں ایک دلچسپ نکتہ توجہ کے لائق ہے وہ یہ حقیقت
ہے کہ یہ اصلاح کا ایک معاہدہ تھا جسے پدائی ویدوراجیم کے برہمن فرقے نے خود اپنے طور پر کیا تھا
ریاست نے اس میں کوئی مداخلت نہ کی تھی سوائے اس کے کہ جو معاہدہ برہمنوں نے اپنی مرضی سے
کیا تھا، ریاست نے اسے نافذ کر دیا[76]۔

جس طرح دلہن کی قیمت کے متعلق ہوا اسی طرح لوگوں نے 1553ء میں آپس میں ایک
معاہدہ چند مریاداؤں (MARYADA) کے بارے میں کیا۔ مذکورہ بالا سال میں کوندپلی
(KONDAPALLI) سے لے کر راجا مہندراپورم (RAJA MAHENDRAPURAM)
تک کے پورے علاقے کے عوام نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلی شادی کے موقعہ پر اولی مریادا
(OLIMARYADA) چینم (CINNAM) سونا ہونا چاہئے۔ نیز یہ کہ لڑکے والے $12\frac{1}{2}$
(چینم ؟) چاندی اور لڑکی والے $20\frac{1}{2}$ (چینم ؟) سونا دیں گے[77]۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ "جانبین میں سے کم از کم ایک کی جانب سے شادی کے لیے
سودے بازی کی یہ بری رسم شاکھا 1347 (1425ء) میں اسی طرح رائج تھی جیسے کہ یہ موجودہ دور
میں ہے"[78]۔ بہر حال ہمیں یہ نہیں معلوم کہ شادی سے متعلق پدائی ویدوراجیہ میں کی گئی اصلاحات
کی نقل برہمنوں نے مملکت کے دوسرے حصوں میں کی یا نہیں۔

ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں کے احکامات کے بموجب مملکت وجے نگر کے برہمن
اپنی لڑکیوں کی شادی نسبتاً کم عمری ہی میں کر دیتے تھے۔ لنسکوٹن (LINSCHOTEN) جس
نے اپنے سفر کے دوران اس رسم کا مشاہدہ کیا تھا، لکھتا ہے "جب لڑکی سات سال کی اور لڑکا 9
سال کا ہو جاتا ہے تو ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ لیکن وہ اس وقت تک ایک دوسرے
کے قریب نہیں آتے جب تک کہ لڑکی اتنی بڑی نہ ہو جائے کہ اس کے یہاں بچے ہو سکیں"[79] برہمنوں

کے اس رواج کی تقلید بڑی حد تک چند دیگر طبقوں نے بھی کی چنانچہ فرشتہ کے مطابق ہندوستان کے رواج کے بموجب نہال نامی ایک کسان لڑکی کی شادی اسی ذات کے ایک نوجوان کے ساتھ بچپن ہی میں کر دی گئی تھی۔

ستی
(SATI)

وجے نگر کے زمانہ میں اتنی ہی اہمیت کی حامل ایک دوسری سماجی رسم سہگمن (SAHA-GAMANA) یا ستی تھی۔ کنارا کے اضلاع میں ایسے متعدد ستی کل (SATI KALS) یا ماستی کل (MASTIKALS) ملتے ہیں جہاں ستی کرنے والی عورتوں کی پتھروں پر تراشیدہ تصویریں ملتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض تصویروں کے نیچے کچھ عبارتیں (بھی) کندہ ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ کن حالات کے تحت سہگمن انجام دیا گیا تھا۔ تقریباً ہر غیر ملکی سیاح جو وجے نگر آیا اس نے ستی کی رسم کے عام رواج کا مشاہدہ کیا اور اس کے متعلق ایک بیان بھی قلمبند کیا ہے۔ بربوسا (1516ء)، نونیز (1535-36ء)، سیزر فریڈرک (1567ء)، لنسکوٹن (1583ء) برآداس (1614ء) پیٹرو ڈلا وَلے (PIETRODELLAVALLE) (1623ء) یہ تمام سیاح اس کی نہایت واضح اور سچّی تصویریں پیش کرتے ہیں کہ کس طرح ستی کو انجام دیا جاتا تھا۔ لیکن جس طرح اس رسم کو انجام دیا جاتا تھا اس کی تفصیلات کے سلسلہ میں ان میں آپس میں اختلاف ہے جس کی تین توجیہیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ (1) عوام کے ایک طبقہ نے جو طریقہ اپنایا تھا وہ دوسرے طبقہ کے رسم و رواج کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس طبقہ کے ذریعہ اپنائے گئے طریقہ کار سے یقیناً مختلف رہا ہوگا۔ اس لیے کہ مملکت کا ہر فرقہ اس طرح کے سبھی معاملات میں اپنا ایک مخصوص رواج رکھ سکتا تھا۔ (2) مرورِ ایّام کے ساتھ ساتھ رسوم و رواج میں کچھ تبدیلیاں آگئی ہونگی۔ (3) ایک مقام کا رواج دوسرے مقام سے مختلف ہوتا ہوگا اور چونکہ تمام سیاح صرف ایک ہی مقام پر نہیں آئے تھے اور نہ وہ ایک دوسرے کے ہمعصر تھے، لہٰذا انھوں نے اس رسم سے متعلق اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق مختلف بیانات قلمبند کر دئے۔ بربوسا لکھتا ہے کہ اگر عورت غریب اور "نیچی نسل" کی ہوتی تھی تو وہ خود کو اپنے شوہر کی جلتی ہوئی چتا میں ڈال دیتی تھی اور نذرِ آتش ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر وہ اونچی نسل کی ہوتی تھی تو وہ خود کو فوراً نہیں جلا دیتی تھی بلکہ شعلوں کی نذر ہونے سے پہلے وہ بعض رسومات ادا کرتی تھی۔ وہ کچھ وقت موسیقی، ناچ، گانوں اور دعوتوں میں گذارتی تھی۔ اس کے بعد وہ قیمتی

لباس زیب تن کرتی اور بقیہ جائداد کو اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور دوستوں میں تقسیم کر دیتی پھر وہ ہلکے خاکی رنگ کے یا سفید گھوڑے پر سوار کی جاتی اور سڑکوں سے ہو کر شمسان گھاٹ لے جائی جاتی جہاں اس کے لیے آگ روشن کی جاتی تھی۔ وہاں ایک مختصر کپڑے کے علاوہ جو اس کی کمر پر ہوتا تھا اپنے تمام کپڑے اتار دیتی تھی پھر وہ ایک مختصر سی تقریر کرتی جس میں وہ وہاں پر مجتمع لوگوں کو بتلاتی کہ وہ اپنے شوہر کی محبت میں اپنے آپ کو نذر آتش کر رہی ہے اگرچہ وہ اس کے لیے پابند نہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے سر پر تیل انڈیل لیتی اور شعلوں میں کود کر جان دے دیتی۔ نونیز بھی تقریباً انھیں تفصیلات کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کا اضافہ کرتا ہے کہ شوہر کی لاش کو آگ لگا دیئے جانے کے بعد . . . ایک برہمن، اپنے یہاں کے قانون کے مطابق بیوہ کے ساتھ چند رسمیں ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے تمام ہیرے جواہرات اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیتی ایک زرد پوشاک زیب تن کرتی، اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ چتا کی طرف بڑھتی اور تین بار اس کا طواف کرتی تھی، پھر اس سیڑھی پر جو اس مقصد کے لیے بنی ہوئی تھی چند سیڑھیاں چڑھتی، اور اپنے ہاتھ میں ایک چٹائی لے کر تاکہ وہ آگ کو نہ دیکھ سکے، سیڑھی کے بالکل اوپر چڑھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جو لوگ وہاں اکٹھا ہوتے تھے آگ میں دو کپڑے پھینکتے تھے، جس میں سے ایک میں اس کی کنگھی، آئینہ اور پان، اور دوسرے میں چاول بندھا ہوتا تھا بالآخر وہ ان سے رخصت ہوتی اور اپنے سر پر ایک پیالہ تیل انڈیل کر سر کے بل آگ میں کود جاتی تھی۔ چاول اور پان اس کے شوہر کے کھانے کے طور پر ہوتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو تیل وہ اپنے سر پر انڈیلتی تھی وہ اس کے شوہر کے بال کے سنگھار کے لیے ہوتا تھا اگرچہ یہ تیل خود اس کی اذیت کو کم کرنے کے فوری مقصد میں کام آتا تھا۔

سیزر فریڈرک یہ کہتا ہے کہ عورتیں شوہروں کی موت کے دو یا تین ماہ بعد خود کو نذر آتش کرتی تھیں۔ جس خاص دن وہ خود کو نذر آتش کرتی تھی، اس دن وہ ایک دلہن کی طرح کپڑے پہنتی تھی اور اسے گھوڑے یا ہاتھی کی پشت پر یا کسی چھوٹی اسٹیج پر جسے آٹھ آدمی اٹھائے ہوتے تھے، شہر کا گشت کرایا جاتا تھا اور اس مقام تک پہونچایا جاتا تھا جہاں مردوں کو جلایا جاتا تھا۔ وہ دعوتیں کرتی اس کے بعد دریا میں غسل کرتی تاکہ اپنے گناہوں کو دھو ڈالے۔ پھر وہ ایک زرد پوشاک پہنتی اور اس بلندی پر چڑھ جاتی جو اس مقصد کے لیے بنائی جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے سر پر تیل انڈیل لیتی اور خود کو ان شعلوں کے نذر کر دیتی جو اس کے لیے روشن کیے جاتے تھے۔[83]

اگرچہ عوام کے چند طبقات کی عورتیں یا تو اپنے شوہروں کے ساتھ ہی یا چند دنوں بعد اس آگ میں جل کر ستی کی رسم انجام دیتی تھیں جو اسی مقصد کے لیے روشن کی جاتی تھی۔ لیکن کچھ دوسری اور خاص طور پر بنگایت (طبقہ کی عورتیں) اپنے مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ دفن ہو کر اس رسم کو انجام دیتی تھیں۔ نونیز اس طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے "یہ (عورتیں) بڑی خوشی سے اس قبر میں اتر جاتی ہیں جس کے اندر مٹی کی دو جگہیں بنائی جاتی ہیں۔ ایک شوہر کے لیے اور دوسری عورت کے لیے۔ لوگ ان میں سے ہر ایک کو اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں اور انھیں آہستہ آہستہ ڈھانپتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوری طرح ڈھک جاتے ہیں۔ اور اس طرح عورت اپنے شوہر کے ساتھ مرجاتی ہے[85]۔ بربوسا کہتا ہے کہ جو لوگ عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ دفن کرتے تھے وہ اپنی گردنوں میں تمبرن (TAMBARANE) پہن لیا کرتے تھے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ یہ لوگ گردن کی بلندی تک کا ایک بڑا گڈھا کھودتے ہیں اور اسے اس میں زندہ اتار دیتے ہیں۔ اسے اس کے پیروں پر کھڑا کر دیتے ہیں اور اس کے ارد گرد بیلچوں سے مٹی ڈالنے لگتے ہیں اور مٹی اپنے پیروں سے روندتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گردن تک اچھی طرح کسی ہوئی مٹی سے ڈھک جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس کے اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح وہ وہاں موت و زیست کے درمیان مٹیوں میں گڑی کھڑی رہتی ہے۔ اور لوگ اس کے لیے دوسری رسمیں انجام دیتے ہیں[86]۔ . . ۔ سیزر فریڈرک کا خیال ہے کہ 'ادنیٰ قسم کے لوگوں' کے درمیان یہ رواج تھا کہ وہ عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے تھے اور انھیں مٹیوں میں بند کرنے سے پہلے ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے[87]۔ گسپرو بلبی (GASPERO BALBI) جس نے 1582ء میں اس رسم کا مشاہدہ کیا تھا، کہتا ہے کہ یہ رسم سوناروں میں عام تھی۔ ستی کے اس طریقہ کا تذکرہ بھی اس عہد کے کتبات میں ملتا ہے[89]۔

عوام کا جو طبقہ سہگمن انجام دیتا تھا وہ عموماً مملکت کے امرا کا طبقہ ہوتا تھا، جو بادشاہ، بڑے بڑے رؤسا، امرا، اور فوجیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ کتبات کے مطابق جو کافی تعداد میں ہیں عوام کے وہ طبقات بھی جو گودا اور نایک کے ناموں سے معروف تھے سہگمن یا ستی کو انجام دیتے تھے[90]۔ آخیر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کی بیوائیں بھی ستی کی رسم انجام دیتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ ستی کی انجام دیہی کے متعلق جو بیان نسکوٹن نے پیش کیا ہے وہ برہمن فرقے ہی کی رسم سے تعلق رکھتا ہے[91]۔ اگرچہ خود کو ہلاک کرنے کا رواج وجے نگر کے زمانے میں بہت زیادہ مقبول عام تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیواؤں کے لیے لازمی نہیں قرار دیا گیا تھا۔ غالباً اس کی ادائی

میں شوہر کی محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا اور اسے رضا کارانہ طور پر انجام دیا جاتا تھا۔ بربوسا قطعی طور پر کہتا ہے کہ متعدد عورتیں، اپنی ہلاکت سے تھوڑی دیر قبل تک بھی خود کو ہشاش بشاش رکھتی تھیں اور اپنے ارد گرد اکٹھا لوگوں سے درخواست کرتی تھیں کہ وہ غور کریں کہ ان کی بیویوں کا ان پر کیا حق ہے جو خود مختار ہونے کے باوجود خود کو ان کی محبت میں نذر آتش کر دیتی ہیں۔[92]

شیموگا ضلع کے سورب (SORAB) تعلقہ کی ایک دستاویز کے مطابق بوما گودا (BOMMA GAUDA) نامی ایک شخص کی بیوی نے "بڑے شوق سے" سہگمن انجام دیا تھا۔[93] اسی طرح 1376ء کے ایک کتبہ کے مطابق جب آولی (AVALI) کے باچی گودا (BACI GAUDA) کا انتقال ہوا تو اس کی دوسری بیوی مدی گوری MUDDI GAURI نے سہگمن انجام دیا تھا۔[94] لیکن اس کتبہ میں اس کی پہلی بیوی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سہگمن کی ادائیگی کو انفرادی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

اگرچہ ستی محض ایک رضا کارانہ عمل تھا لیکن مملکت وجے نگر میں اس کی عام مقبولیت کی وجہ بتلانا مشکل ہے۔ اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہوئے ہروی (HERVAY) اس خیال کا اظہار کرتا ہے "اپنی عورتوں کے (ممکنہ) ناجائز تعلقات کے انتہائی حسد نے، جس کی آگ ہندو شہزادوں کے سینوں میں بھڑکتی رہتی تھی، ان تاناشاہوں کو سماج کی عام بندشوں اور صنف نازک کے محافظ کی حیثیت سے ان کے ناگزیر فرائض سے اس حد تک بے بہرہ کر دیا تھا کہ اپنی بیوہ عورتوں کے ذریعہ نئے تعلقات کے کسی بھی امکان کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے اپنے ظالمانہ اختیارات کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مذہب کے لبادے میں انھوں نے اس رواج کا آغاز کیا کہ شوہروں کے انتقال کے بعد غم و افسوس کے فوری تاثر کی رو میں بیوہ عورتوں کو زندہ جلا دیا جائے۔"[95] ستی کے عام رواج کی دوسری وجہ مرنے والے شخص کی عظمت اور تقدس کا اظہار رہا ہوگا۔ ہندو معاشرہ مرد کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ فطری طور پر عورتوں کے لیے جو مرد کے لیے اور مرد کے ذریعہ زندگی گزارتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی موت کے بعد زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا ہے۔ ان کے مطابق "بیوگی ایک ایسا دہشتناک اور پر اذیت تجربہ تھا کہ اس سے بہتر ان شعلوں کی نذر ہو جانا تھا جو اس کے شوہر کی لاش کو جلاتے تھے۔"[96]

ستی کی ادائیگی کی یادگاریں قائم کی جاتی تھیں جو ستی کل (SATIKALS) کے نام

سے معروف ہیں۔جن پران بیوہ عورتوں کی تصویریں نقش ہیں جو اپنے شوہروں کی موت پرستی ہوگئی تھیں۔یہ (تصویریں) عموماً ایک نوکدار کھمبے یا ستون پر تراشی جاتی ہیں۔جس سے عورت کا داہنا ہاتھ باہر نکلا ہوا ہوتا ہے جو کہنی سے اوپر کی جانب مڑا ہوتا ہے۔ہاتھ اس طرح اٹھا ہوا ہوتا ہے کہ اس میں انگلیاں کھلی ہوئی ہوتی ہیں اور عموماً انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان ایک لیمو رکھا ہوا دکھلایا جاتا ہے یہ وہی (تصویر) ہے جس کی طرف پرانے کتبات میں اشارہ کیا گیا ہے جہاں عورتوں کے متعلق . . . یہ بتلایا جاتا ہے کہ انھوں نے "بازو اور ہاتھ حوالے کردیئے"[97]۔ ستی کل میں عموماً دو تصویریں ہوتی ہیں۔نچلی تصویر ایک یا دو بیویوں کے ساتھ شوہر کی ہوتی ہے اور بالائی تصویر میں ایک لنگ یا گھونگا دکھایا جاتا ہے۔جو علی الترتیب شیو اور وشنو کی علامت ہوتی ہے جس کے بغل میں شوہر اپنی بیوی یا بیویوں کے ہمراہ کھڑا ہوتا ہے۔اس طرح یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ تمام کے تمام جنت میں پہونچ گئے ہیں۔ستی کل میں اٹھے ہوئے ہاتھ کے متعلق رائس کہتا ہے "انسانی ہاتھ کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ اسے کو مدن کائی (MADANA-KAI) کہتے ہیں یعنی مدن یا کوپد (CUPID) پیار یا محبت کا ہاتھ[98]۔

ہگمن کے مسئلہ کا یہ پہلو کہ آیا یہ ایک اختیاری عمل تھا یا جبری ، ہمیں اتنے ہی اہم ایک اور مسئلے کی تحقیق کی طرف لے جاتا ہے۔یعنی شوہر کی موت پر بیوہ عورت کا اپنے سر کے بالوں کو صاف کرادینا۔یہ ایک انوکھی رسم ہے جو ہندو معاشرے میں اور خاص طور پر برہمنوں میں رائج ہوگئی ہے۔اس رسم کے بارے میں بربوسا نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ واضح ہے کہ جو عورتیں ہگمن انجام نہیں دیتی تھیں انھیں بہت ہی ذلیل سمجھا جاتا تھا۔اور ان کے اعزہ ان کے سروں کو مونڈ دیتے تھے اور انھیں خاندان کے لیے ننگ و عار سمجھ کر نکال دیتے تھے[99]۔نکوٹن بھی اس رواج کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے "اگر اتفاقاً کبھی ایسا ہوجاتا ہے ، اس لیے کہ عموماً ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ جل کر مرجانے سے انکار کردیتی ہے ، تو لوگ اس کے سر کے بال بالکل کاٹ دیتے ہیں اور وہ اپنی آئندہ زندگی میں ہیرے اور جواہرات کا استعمال ہرگز نہیں کرسکتی ہے۔اور اسی وقت سے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔اور اس کو ایک بے دیانت عورت شمار کیا جاتا ہے[100]"۔اس طرح سروں کے بال مونڈ دینا ان عورتوں کے لیے سزا کی حیثیت رکھتا تھا جو ستی کی عام رسم کی خلاف ورزی کرتی تھیں[101]۔

فصل سوم

عورتیں

کسی مخصوص زمانہ میں عورتوں کی حیثیت کے مطالعہ کے لیے بہتر ہے کہ انھیں دو گروہوں یا دو قسموں میں منقسم کر دیا جائے ان (دو گروہوں) کو ہم عام گھریلو عورتوں اور عوامی عورتوں کا نام دے سکتے ہیں۔ گھریلو عورتیں، جو فطرتاً گھر ہی میں رہنا پسند کرتی تھیں، شاذ و نادر ہی وجے نگر کے سماجی تیوہاروں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کے لیے گھروں سے باہر نکلتی تھیں، صرف عوامی عورتیں ہی، جو بڑی تعداد میں راجدھانی میں رہتی تھیں، ان میں حصّہ لیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود عوامی عورتیں دو گروہوں پر مشتمل تھیں۔ ایک وہ جو راجدھانی میں آزادانہ طور پر رہتی تھیں اور سماجی جشنوں میں حصّہ لیتی تھیں اور دوسری وہ رقاصائیں تھیں جو مندروں سے منسلک ہوتی تھیں۔ جن کا دربار کے جشنوں یا تیوہاروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ کسی بھی غیر ملکی سیّاح نے جو وجے نگر آیا تھا گھریلو عورتوں کے بارے میں کوئی تفصیلی بیان قلم بند نہیں کیا ہے۔ البتہ پائز نے ایک مختصر لیکن درست بیان قلم بند کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "یہ لوگ (برہمن) تمام کے تمام شادی شدہ ہیں اور ان کی بیویاں بڑی خوبصورت ہیں، یہ بیویاں بالکل گھر ہی میں رہنا پسند کرتی ہیں اور شاذ و نادر ہی گھروں سے باہر نکلتی ہیں۔ یہ عورتیں ہلکے رنگ کی ہوتی ہیں اور ان برہمنوں کی برادری میں تو ملک کے انتہائی صاف رنگ کے مرد اور عورتیں پائی جاتی تھیں۔ اگرچہ دوسری برادریوں میں بھی بالعموم ہلکے رنگ کے مرد پائے جاتے ہیں تاہم ان کی تعداد کم ہے[102]۔"

ہاں حرم ضرور بہت سے غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا ہے تمام مشرقی بادشاہوں کی طرح وجے نگر کے حکمراں بھی ایک بڑا حرم رکھتے تھے۔ گو حرم بڑا ہوتا تھا لیکن ان میں سے صرف چند ہی عورتوں کو شاہی ملکہ کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ اور اسی بنا پر ان کا درجہ زیادہ بلند ہوتا تھا۔ بادشاہ متعدد بیویاں رکھتے تھے[103]۔ لیکن ان میں سے چند ہی خاص بیویاں ہوتی تھیں چنانچہ کرشن دیورائے کی قانونی طور پر بارہ بیویاں تھیں۔ جن میں سے تین خاص تھیں "ان تینوں بیویوں میں سے ہر ایک کے بیٹے سلطنت کے وارث تھے[104]۔ وینکٹ پتی دوم (VENKATIPATI)

کی چار بیویاں تھیں[105]۔ بربوسا کہتا ہے کہ بادشاہ کا دل جیتنے کے لیے ان عورتوں میں آپس میں اس قدر حسد اور رقابت ہوتی تھی کہ ان میں سے بعض بعض کو مار ڈالتی تھیں اور بعض خود زہر کھا لیتی تھیں[106]۔ لیکن . . . ۔ پائز کہتا ہے کہ بادشاہ کی خاص بیویوں میں سے "ہر ایک کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو دوسری کے حاصل ہوتا تھا تاکہ ان کے درمیان تفرقہ یا ناخوشگواری رونما نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ان میں سے آپس میں بڑی دوستی تھی اور ان میں سے ہر ایک اپنے تئیں زندگی گذار رہی تھی[107] . . .

ان میں سے ہر بیوی کے پاس ایک گھر، خادمائیں، گھر کی دیکھ بھال کرنے والی اور محافظ عورتیں اور ضروری نوکرانیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہ تمام کی تمام عورتیں ہوتی تھیں۔ سوائے ان خواجہ سراؤں کے جنھیں ملازمت پر رکھا جاتا تھا۔ ان (شاہی) عورتوں کو دیکھنے کی کسی شخص کو بھی اجازت نہ تھی۔ الّا یہ کہ وہ اعلیٰ حیثیت کا ایک نہایت بوڑھا شخص ہو اور جسے بادشاہ کی جانب سے خصوصی اجازت حاصل ہو۔ بادشاہ کی بیویوں کو عموماً بند ڈولیوں میں لے جایا جاتا تھا تاکہ انھیں کوئی دیکھ نہ سکے اور ان کے صرف خواجہ سرا ان کے بالکل پیچھے پیچھے ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس غیر معمولی دولت اور ہیرے اور جواہرات ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس متعدد خادمائیں ہوتی ہیں جو "بے شمار ہیرے اور جواہرات، لعل و یاقوت اور چھوٹے چھوٹے موتیوں سے اتنی آراستہ و پیراستہ ہوتی تھیں، جتنا ممکن ہو سکتا تھا[108]۔" پائز یہ بتاتا ہے کہ بادشاہ اپنی بیویوں کو اپنے پاس بلانے کے لیے کس طرح حکم دیتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ ایک خواجہ سرا کو حکم دیتا تھا کہ وہ جائے اور فلاں مخصوص بیوی کو بلا لائے۔ خواجہ سرا اس کی اطلاع محافظ خواتین کو دیتا تھا اور خود زنان خانے کے باہر انتظار کرتا تھا۔ محافظ خواتین ملکہ کو مطلع کرتیں کہ انھیں بادشاہ نے یاد کیا ہے۔ اس کے بعد یا تو خود ملکہ بادشاہ کے قصر میں چلی جاتی یا خود بادشاہ اس کے محل میں۔

محل میں ملازم عورتوں کے مکانات، محل کے مضافات ہی میں ہوتے تھے۔ بربوسا کہتا ہے کہ وہ تمام کی تمام محل کے اندر ہی مجتمع رہتی تھیں جہاں وافر مقدار میں ان کی تمام ضروریات اور بہترین رہائش گاہیں موجود ہوتی تھیں[110]۔ پائز بھی بادشاہ کی بیویوں کے مکانات اور ان کی خدمت میں لگی ہوئی عورتوں کا تذکرہ کرتا ہے[111]۔

حرم میں عورتوں کی تعداد کے متعلق ہمارے ماخذوں میں اختلاف ہے۔ لیکن ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سی عورتیں ہوتی تھیں۔ نیکولوڈی کونٹی NICOLODEICONTI
ســــہ میں دجے نگر کے بادشاہوں کے متعلق تبلاتے ہوئے لکھتا ہے" وہ اپنے
لیے بارہ ہزار بیویاں رکھتا ہے جن میں سے چار ہزار بیویاں جہاں کہیں بھی وہ جاتا ہے اس کے
ساتھ ساتھ پیدل چلتی ہیں اور وہ محض باورچی خانے کے کاموں میں لگی رہتی ہیں۔ اتنی ہی تعداد
میں بیویاں جو نہایت اچھی طرح مسلح ہوتی ہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر چلتی ہیں باقی ماندہ کو لوگ
ڈولیوں میں لے کر چلتے ہیں۔ ان میں سے دو یا تین ہزار کو بیویوں کی حثیت سے اس شرط پر
منتخب کیا جاتا ہے کہ وہ اس کی موت پر خود کو رضا کارانہ طور پر اس کے ساتھ نذر آتش کر دیں گی
جو ان کے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا"[112] عبدالرزاق، دیورائے دوم کے حرم کا ذکر کرتے ہوئے
لکھتا ہے کہ اس میں" تقریباً ۷۰۰ شہزادیاں اور مدخولہ عورتیں" تھیں[113]۔ لیکن پائز لکھتا ہے کہ کرشن
رائے کے حرم میں بارہ ہزار عورتیں تھیں[114]۔ اس مخصوص تفصیل کے سلسلہ میں نونیز کا خیال
ہے کہ اچیوت کے زمانہ میں ان کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی[115]۔

شاہی حرم کی عورتیں اعلیٰ مرتبے کی ہوتی تھیں۔ ان میں سے بعض سلطنت کے بڑے
بڑے امراء کی بیٹیاں ہوتی تھیں۔ جبکہ بعض مدخولہ عورتیں ہوتی تھیں اور بعض خادمہ کے فرائض
انجام دیتی تھیں جیسا کہ بربوسا کا بیان ہے، اس مقصد کے لیے پوری مملکت سے نہایت
خوبصورت اور صحتمند عورتیں حاصل کی جاتی تھیں تاکہ وہ نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ
اس کی خدمت کر سکیں۔ اس مصنف کے مطابق یہ عورتیں ناچ اور گانے کے ذریعہ بادشاہ
کو انتہائی محظوظ کرتی تھیں[116]۔ کسی لڑکے کو دس سال کی عمر کو پہونچ جانے کے بعد ان کے ساتھ
رہنے کی اجازت نہ تھی۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ جب بھی مملکت کے کسی حصّہ میں کوئی خوبصورت
لڑکی پائی جاتی تو اس کی ماں اور باپ کی اجازت کے بعد اسے خرید لیا جاتا۔ حرم میں نہایت
اعلیٰ پیمانہ پر اس کی پرورش کی جاتی اور اس کے بعد کوئی (مرد) اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن
اس کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا[117]۔

محل میں عورتیں بہت سی خدمات انجام دیتی تھیں۔ بربوسا کہتا ہے کہ وہ (محل کے)
دروازے کے اندر تمام کام کرتی تھیں اور محل کے تمام فرائض انجام دیتی تھیں[118]۔ اس کے خیالات
بظاہر ان عورتوں سے صرف چند پر لاگو ہوتے ہیں جو بعض کاموں میں خاص طور پر لگی ہوتی تھیں
اس مسئلہ میں نونیز کا بیان بالکل صاف اور واضح ہے جب وہ یہ لکھتا ہے" بادشاہ ان کے

علاوہ کچھ اور عورتوں کو بھی رکھتا ہے۔ اپنی ذاتی خدمت کے لیے وہ دس باورچی عورتوں کو رکھتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر باورچی عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ان موقعوں کے لیے ہوتی ہیں جب وہ شاہی ضیافتیں منعقد کرتا ہے۔ لیکن یہ دس (باورچی عورتیں) بادشاہ کے علاوہ کسی اور کا کھانا نہیں پکاتیں اس کے پاس ایک خواجہ سرا ہے جو باورچی خانہ کی حفاظت پر مامور ہے اور وہ زہر کے خوف سے کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا ہے دسترخوانوں پر کھانا چننے کے فرائض بھی عورتیں اور خواجہ سرا ہی انجام دیتے ہیں[119]۔ یہ عورتیں محل کی بہت سی اندرونی اور بسا اوقات بہت سی بیرونی خدمات پر بھی مامور ہوتی تھیں۔ ان میں سے چند وہ تھیں جو محل کے اندرونی حصّہ میں نہ صرف بادشاہ کی بیویوں کو بلکہ خود بادشاہ کو بھی اپنے کاندھوں پر لے جاتی تھیں اس لیے کہ بادشاہ کے مکانات بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ اور ایک مکان اور دوسرے مکان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوا کرتا تھا۔ پرتگالی مصنف کے بیان کے مطابق ان کے علاوہ کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتی تھیں جو پہلوانی کرتی تھیں ۔ نجومیوں اور قصہ گوؤں کا تو خیر ذکر ہی کیا کچھ اور عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ان تمام اخراجات کا حساب وکتاب رکھتی تھیں جو محل کے اندر واقع ہوتے کچھ دوسری عورتوں کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ مملکت میں ہونے والے تمام واقعات کو قلمبند کرتیں اور بیرونی محررین کی تحریروں سے اس کا مقابلہ کرتیں۔ ان سب کے علاوہ محل میں موسیقار عورتیں بھی ہوتی تھیں جو آلات موسیقی بجاتی۔ اور گانا گاتی تھیں[120]۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے پائز لکھتا ہے "کچھ عورتیں تو وہ ہیں جو تلوار اور ڈھال چلاتی ہیں، کچھ پہلوانی کرتی ہیں، کچھ اور بانسریاں اور دیگر باجے بجاتی ہیں اور اسی طرح ان کے یہاں ایسی عورتیں ہیں جو بوجھ اٹھاتی ہیں، کپڑے دھوتی ہیں اور (محل کے) دروازوں کے اندر دوسرے کام انجام دیتی ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح بادشاہ کے محل کے خانہ داری کے کاموں کو سنبھالنے کے لیے عورتیں ہوتی تھیں[121]۔

نونیز کہتا ہے کہ ریاست میں عورتیں ذمہ دار عہدوں پر فائز تھیں[122]۔ اگر اس کا بیان درست ہے تو حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دیگر غیر ملکی سیاح جو وجے نگر آئے تھے ان عورتوں کے متعلق کچھ نہیں بتلاتے لیکن نونیز کی شہادت کی بنا پر ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ عورتوں کو زنان خانہ کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہوگی ۔ (اس لیے کہ) یہ بات نہایت مشتبہ ہے کہ عورتوں کو (بھی) حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا۔

بہت سی عورتیں فوج کے ساتھ چلتی تھیں۔ بسا اوقات خود رانیاں بھی فوج کے ساتھ

میدان جنگ میں جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ جب کرشن دیورائے نے 1515ء میں کوند ویدو کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اس کی دو رانیاں چنّا دیوی اما اور تیرو مل دیوی اما اس کے ساتھ تھیں۔ وہ امریشور کے مندر میں بھی انھیں ساتھ لایا تھا[122]۔ یہ بات پہلے ہی ذکر کی جا چکی ہے کہ باربوسا کا بیان ہے کہ جنگوں کے موقعہ پر بادشاہ تمام لوگوں کو اپنی بیویوں، بچوں اور گھریلو ساز و سامان کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیتا تھا۔ اس لیے کہ جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "جب بیویوں بچوں اور گھریلو ساز و سامان کی ذمہ داریاں ان پر عاید رہیں گی تو وہ بہتر طور پر لڑیں گے[124]۔" ان کے علاوہ اور عورتیں بھی ہوتی ہونگی اس لیے کہ جو فوج رائچور گئی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے نونیز کہتا ہے کہ بادشاہ کی فوج کے ساتھ بیس ہزار عورتیں گئی تھیں[125]۔

دربار میں جشنوں کے انعقاد کے موقعہ پر ان عورتوں کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر مہانومی منائے جانے کے موقعہ پر یہ ایک اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ عوامی عورتیں اور بیادر (BAYADERS) (مندر اور محل کی رقاصائیں) نو دنوں کے اس جشن میں ہر صبح مندر اور بتوں کے سامنے دیر تک ناچتی تھیں۔ اسی جشن کے ایک دوسرے موقعہ پر پچیس[25] یا تیس[30] دربان عورتیں اپنے ہاتھوں میں چھڑی اور اپنے کندھوں پر کوڑے لیے ہوئے بہت سے خواجہ سراؤں اور عورتوں کے ہمراہ جو ڈھول، بگل، بانسریاں، وائلن اور بہت سے دوسرے باجے بجاتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے چلتی تھیں۔ نیز قیمتی لباسوں میں ملبوس دربان عورتوں کے ہمراہ اس مقام پر آتی تھیں جہاں جشن منعقد کیا جاتا تھا۔ اور تین بار وہ ریاست کے ان گھوڑوں کا طواف کرتی تھیں جو جشنوں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں کو میدان سے ہٹائے جانے کے بعد بادشاہ کی خوبصورت ترین بیویوں میں سے چھتیس بیویاں سونے جواہرات اور چھوٹی بڑی موتیوں سے آراستہ و پیراستہ وہاں آئی تھیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں سونے کا ایک ظرف ہوتا تھا جس میں تیل کا ایک چراغ جلتا رہتا تھا۔ ان خواتین کے ہمراہ بادشاہ کی تمام خادمائیں اور دوسری بیویاں اپنے ہاتھوں میں سونے کی مٹھوں والی چھڑیاں اور جلتی ہوئی مشعلیں لیے ہوئے آتی تھیں۔ وہ خوبصورت اور نوعمر ہوتی تھیں۔ ان کی عمریں سولہ[16] سے بیس[20] سال کے درمیان ہوتی تھی اور وہ ملکہ کی قابل عزت خادمائیں ہوتی تھیں[126]۔

ان (عورتوں) کے علاوہ دارالسلطنت میں بہت سی اور عوامی عورتیں بھی تھیں عبدالرزاق

ان دل لوٹنے والیوں کے حسن، ان کے نازو ادا اور نظر بازیوں سے "بہت متاثر تھا۔ ان میں سے ہر ایک موتیوں، قیمتی پتھروں اور گراں بہا پوشاکوں سے آراستہ رہتی تھی اور ہر ایک کے پاس ایک یا دو کنیزیں ہوتی تھیں جو ان کی خدمت میں حاضر رہتیں اور دو لوگوں کو عیش و عشرت کی دعوت دیتی تھیں۔ دارالسلطنت کے متعدد قلعوں میں اس طرح کے بہت سے قحبہ خانے تھے۔[127]

بیشتر عوامی عورتیں غیر معمولی مال و دولت رکھتی تھیں۔ بربوسا ایک مخصوص عورت کی دولت کا تخمینہ کرتے ہوئے لکھتا ہے " ان میں سے بعض . . . اتنی دولت مند ہیں کہ کچھ دنوں پہلے ان میں سے ایک نے جس کے انتقال کے وقت کوئی لڑکا یا لڑکی نہ تھی، بادشاہ کو اپنی تمام جائداد کا وارث بنایا۔ چنانچہ جب بادشاہ نے اس کی چھوڑی ہوئی جائداد کو اکٹھا کرنے کے لیے (اپنا آدمی) بھیجا تو اس کو معلوم ہوا جو ترکہ اس نے چھوڑا ہے وہ ستر ہزار پرداؤ تھا نیز بارہ ہزار کی مالیت اور تھی جسے اس نے اپنی زندگی ہی میں الگ کر دیا تھا اور اسے اپنی ایک ملازمہ کے سپرد کر دیا تھا جس کی اس نے بچپن سے پرورش کی تھی۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ دنیا میں پائی جانے والی تجارتی اشیا میں یہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ قیمتی شے ہے[128]۔ پائز کو بھی اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ ان عوامی عورتوں کے پاس اتنی زیادہ دولت تھی اس لیے کہ اس کے بیان کے مطابق ان میں ایسی عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ایسی زمینوں کی مالک ہوتی تھیں جو انھیں ڈولیوں اور خادماؤں کے ساتھ دی جاتی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ دارالسلطنت میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک لاکھ پرداؤ کی مالک تھی[129]۔

عبدالرزاق اور پائز کے بیانات کے مطابق یہ عورتیں شہر کی بہترین سڑکوں پر رہتی تھیں اور نہایت بدکردار تھیں۔ ان کے محلوں میں بہترین مکانات کی قطاریں تھیں۔ ان کے متعلق ایرانی سفیر کہتا ہے کہ "بعد ظہر وہ گھروں کے دروازوں پر، جو نہایت خوبصورتی سے آراستہ ہوتے ہیں، کرسیاں اور صوفے لگا دیتی ہیں جن پر یہ عورتیں بیٹھ جاتی ہیں۔ جو شخص بھی وہاں جاتا ہے وہ اپنی پسند سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے[130]۔" پائز بھی کہتا ہے " ان کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے اور انھیں ان معزز عورتوں میں شمار کیا جاتا ہے جو سرداروں کی داشتائیں ہوتی ہیں۔ کوئی بھی باعزت شخص بلا کسی احساس جرم کے وہاں آ جا سکتا ہے[131]۔"

ان عورتوں کو بعض مخصوص مراعات حاصل تھیں۔ انھیں بادشاہ کی بیویوں کے روبرو

جانے اوران کے ساتھ وقت گذارنے، نیزان کے ساتھ پان کھانے کی اجازت بھی حاصل تھی"۔ یہ وہ بات تھی جو کسی دوسرے شخص کے لیے ممکن نہ بھی خواہ اس کا مرتبہ کچھ ہو"۔ ان عورتوں کو بادشاہ کی موجودگی میں بھی پان کھانے کی اجازت حاصل تھی۔[132]

بربوسا یہ بیان کرتا ہے کہ وہ کس طرح بادشاہ کو خوش کرتی تھیں وہ کہتا ہے کہ یہ (عورتیں) گاتی ہیں اور اٹھکھیلیاں کرتی ہیں اور بادشاہ کے سامنے ہزاروں قسم کے دیگر خوش کن مظاہرے پیش کرتی ہیں۔ وہ روزانہ متعدد تالابوں میں غسل کرتی ہیں جو اسی مقصد کے لیے ہیں۔ بادشاہ انھیں غسل کے دوران دیکھنے جاتا ہے اوران میں سے جو اسے سب سے زیادہ محظوظ کرتی ہے وہ اسے اپنے محل میں بلا بھیجتا ہے[133]"۔ عورتوں کے نہاتے وقت تالابوں پر بادشاہ کی یہ آمد ڈارٹے بربوسا کے دماغ کی ایک اپج نہیں معلوم ہوتا اس وقت جب ہم اس کے بیان کا تقابل اس بیان سے کرتے ہیں جو مدھورا وجیم میں درج جس میں گنگا دیوی بیان کرتی ہے کہ کس طرح اس کا شوہر کمپن داشتاؤں اور دوسری عورتوں سے، جن میں سے ایک یہ گنگا دیوی خود بھی تھی، ان کے غسل کے دوران ان سے دل لگی کرتا تھا۔[134]

طوائفوں پر ایک ٹیکس عاید کیا جاتا تھا اور اس رقم سے جو بارہ ہزار فنم (FANAM) تک پہونچ گئی تھی پولیس کے سپاہیوں کی اجرتیں ادا کی جاتی تھیں طوائفوں پر اس ٹیکس کا عاید کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وجے نگر میں قحبہ گری کو قانونی حثیت حاصل تھی۔[136]

ان داشتاؤں کے علاوہ، جو محل سے منسلک تھیں اور دارالسلطنت میں رہتی تھیں دوسری عوامی عورتیں بھی تھیں، جن کا ذکر پہلے ہی کیا جاچکا ہے، یہ مندروں سے وابستہ تھیں جہاں یہ اہم خدمات انجام دیتی تھیں۔ شاید اس بناپر کہ ان عورتوں کا دربار کے جشنوں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا، غیر ملکی سیاحوں نے، جو داشتاؤں کا تذکرہ نہایت خوش کن و دل کش انداز میں کرتے ہیں رقاصاؤں کے اس طبقہ کے بارے میں کوئی خاص تفصیل نہیں دی ہے۔ ہاں کہیں کہیں ان کا کچھ ذکر ملتا ہے۔ پائز مندروں کے بعض تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کسی مندر میں کسی تہوار کا موقعہ آتا تو لوگ فتح کی کچھ گاڑیاں ساتھ ساتھ لے کر چلتے تھے اور رقاصائیں اور دوسری عورتیں موسیقی بجاتی ہوئی ان کے ساتھ چلتی تھیں۔[137] ایک یسوعی، امینوئل ڈی ویگا (EMANUEL DEVELIGA)، جس نے تیرووالور میں جشن کا ایک جلوس دیکھا تھا، لکھتا ہے کہ اس (جلوس) کے آگے آگے بیس ناچنے والی عورتیں چل رہی تھیں۔ اس کے

بیان کے مطابق ان عورتوں نے خود کو ہمیشہ کے لیے بتوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا وہ لکھتا ہے" وہ شادی نہیں کر سکتیں لیکن زیادہ تر عصمت فروشی کرتی ہیں۔ تمام کی تمام بہترین اور قیمتی لباس زیب تن کیے ہیں اور روشن قندیلیں لیے ہوئے ہیں"[138] پیٹرو ڈیلا ویلے (PIETRODELLAVALLE) ان رقاصاؤں کے ناچتے اور گاتے ہوئے جلوسوں کے ساتھ چلنے کے رواج کا ذکر کرتا ہے[139]۔

یہ عورتیں روزانہ مخصوص اوقات میں دیوتاؤں کے سامنے ناچا اور گایا کرتی تھیں۔ ان کی اس خدمت کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دیوتاؤں کو خوش کرتی ہے۔ اسی بنا پر یہ عورتیں دیوردیال (DEVARADI YAL) کے نام سے معروف ہیں۔ یہ حقوق موروثی ہوا کرتے تھے۔

ان عورتوں کو عموماً مندر کے فنڈ سے معاوضہ ملتا تھا۔ مثال کے طور پر تیکل (TEKAL) کی ایک دستاویز کے مطابق تیروپّلاندو (TI RUPPALLANDU) پڑھنے کے معاوضہ میں تیکل کے مندر کے حکام اور شوکا پیرومال۔ داسر (SOKKA PERUMADASAR) نامی ایک شخص نے ناچنے گانے والی دو لڑکیوں کو چند زمینیں عطیہ میں دی تھیں۔ مندر کے حکام اور داسر نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ رقص و موسیقی میں ان کی مہارت کے وجہ سے اگر کسی شخص نے ان عورتوں کو پکڑا اور لے جانا چاہا تو وہ انھیں چھڑائیں گے[140]۔

کبھی کبھی یہ دیوداسیاں ان مندروں کی جانب سے جن کی وہ خدمت انجام دیا کرتی تھیں بادشاہ کے پاس جانے والے وفود کی قیادت بھی کرتی تھیں 1433-34ء کے ایک کتبے کے مطابق ایک کیکولا کی بڑی بہن ارم ولتا ناچھیار (AREMVALATTA NACCIYAR) نامی ایک عورت نے جو مادم (MADAM) میں واقع اگنیشور کے مندر سے منسلک تھی، ایک مندر کی جانب سے بادشاہ دیورائے دوم سے ملاقات کی اور اس سے تانبے کی ایک تختی کا عطیہ حاصل کیا جو ایک گاؤں کے سرمایہ عطیہ پر مشتمل تھا اس عورت کی ان خدمات کے عوض مندر کے رودر مہیشوروں (RUDRAMAHESVERAS) نے اسے روزانہ ایک پدکو (PADAKKU) غلہ اور فی ماہ دو نیم روپیہ عطا کرنا منظور کیا تھا[141]۔

مملکت وجے نگر کی عورتوں کا ذکر ان کے علمی و فنی کارناموں کے تذکرہ کے بغیر نا مکمل رہ جائے گا۔ بربوسا کہتا ہے کہ انھیں بچپن ہی سے گانے بجانے، ناچنے گردش کرنے اور ہلکے

قدموں سے چلنے کی تعلیم دی جاتی تھی[142]۔ ان فنون کا علم رکھنے کے علاوہ ان میں بہت سی کافی تعلیم یافتہ ہوتی تھیں۔ کپن کی بیوی اور ویرکم پراسے چرتیم (VIRAKAN PARAYACARITAM) کی مصنفہ ان علمی شہرت رکھنے والی عورتوں میں ایک معزز مقام کی مستحق ہے جب اچیوت رائے نے سوورن میرو (SUVARNAMERU) کا ایک عطیہ دیا تھا تو وورو تیرو ملما (VODURU TIRUMALAMBA) نامی ایک شخص نے جس کی شناخت ورادامبی کا پرنیم (VARADAMBI KAPARINAYAM) کی مصنفہ تیرو ملامبا (TIRUMALAMBA) سے کی گئی ہے۔ سنسکرت میں ایک شعر لکھا جس میں وردامبا کے ساتھ اچیوت کی شادی کا تذکرہ ہے[143]۔ ۔ ۔ یہ فہرست نامکمل رہ جائے گی اگر ہم یہاں رگھوناتھ آبھی یودیم (RAGHUNATHABHYUDAYAM) کی مصنفہ راما بھدرامبا (RAMBHADRAMBA) کا خصوصی تذکرہ نہ کریں ۔ ۔ ۔ وہ کہتی ہے کہ رگھوناتھ کے دربار میں بہت سی باکمال عورتیں تھیں جو چاروں قسموں کی نظمیں (چترا (CITRA)، بندھا (BANDHA)، گربھا (GARBHA)، اور اسو (ASU) لکھنے میں ماہر تھیں اور مختلف زبانوں کی تصنیفات کے بیان کی اہلیت رکھتی تھیں۔ وہ ست لیکھینی (SATALEKHINI) کے فن اور شعری معمول (پدیا پورنم (PADYAPURANAM) کی خانہ پری میں ماہر ہوتی تھیں وہ ایک گھنٹہ میں سو اشعار کہنے (گھٹی کا شٹ (GHATIKASATA.) اور آٹھ بھاشاؤں (سنسکرت، تیلگو اور چھ پراکرت) لکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ یہ جانتی تھیں کہ مشہور شعراء کی نظموں اور ڈراموں (کاویوں اور ناٹکوں) کا بیان اور تشریح، دونوں قسموں کی موسیقی (کرناٹا اور دیسی) کی وضاحت کس طرح کی جائے۔ وہ انتہائی خوش گلوئی کے ساتھ اور وینا (VINA) اور اسی طرح کے دوسرے آلات موسیقی مثلاً راون ہشت (RAVANAHASTA) کو بجانا بھی جانتی تھیں[144]۔

فصل چہارم
درباری زندگی

کسی بھی مشرقی دربار کی زندگی کا مطالعہ عموماً دلچسپ ہوتا ہے دربار کی شان وشوکت

بادشاہ کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا طریقہ، بادشاہ کے تفریحی مشاغل، اس کے (ریاستی) امور کے انجام دہی کے طریقہ کار اور مروجہ اعزازات جو بعض افسروں اور ملازمین کو عطا کیے جاتے ہیں۔ ان سب کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔

وجے نگر کا بادشاہ بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا۔ وہ جب اپنا دربار منعقد کرتا تو وہ سلطنت کی انتہائی پرعظمت نشانیوں سے گھرا ہوتا تھا اور اس کے دائیں اور بائیں ایک دائرے کی شکل میں بے شمار لوگ کھڑے رہتے تھے[145]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر میں بادشاہ دربار کے انعقاد کے دوران اپنی نشست کے لیے صرف گدّوں کا استعمال کرتے تھے مثال کے طور پر وینکت دوم محل کے بیرونی ہال میں بیٹھتا تھا . . . وہ چٹائی پر ایک تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھتا تھا . . . بادشاہ کے پہلو میں . . . اس کا ولی عہد بھی بیٹھتا تھا . . . بادشاہ کے دوسری جانب، ولی عہد کے بالمقابل، اوبو (ODO) (اوبارائے (OBERAYA) اور اس کا بھائی بھی بیٹھتا تھا[146]۔ مہانومی کے جشن کے موقع پر بادشاہ ایک تخت شاہی پر بیٹھتا تھا جس کی وضاحت عبدالرزاق نے ان الفاظ میں کی ہے۔ یہ سونے کا بنا ہوا ایک نہایت وسیع (تخت) تھا جس میں خوبصورت [illegible] ہوتے تھے اور اسے انتہائی نزاکت اور عمدگی سے مزین و آراستہ کیا گیا تھا تاکہ دنیا کی کسی مملکت میں اس سے بہتر (تخت) تخلیق نہ کیا جا سکے۔ تخت شاہی کے سامنے زیتونی (ZAITUNI) ساٹن کا ایک گدا تھا جس کے گرد تین قطاروں میں نہایت خوبصورت اور عمدہ ہیرے جڑے ہوتے تھے[147]۔ (الف) نیکولس پمنٹا (NICHOLAS PIMENTA) جو 1599ء میں جنجی آیا تھا۔ وہ وہاں کے نایک کے دربار کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "ہم نے اسے ایک لمبی ریشمی پوشاک میں ایک ریشمی قالین پر "دو گدّوں پر ٹیک لگائے" لیٹا ہوا پایا۔ اس کی گردن سے ایک بڑی زنجیر اس کے سینہ پر لٹک رہی تھی جو ہیرے اور جواہرات سے پر تھی اس کے لمبے لمبے بال تاج پر ایک جوڑے کی شکل میں بندھے ہوتے ہیں جو ہیرے اور جواہرات سے مرصع تھا اور چند شہزادے اور برہمن اس کی خدمت میں حاضر تھے[148]۔"

جن اہم ترین تہواروں میں بادشاہ کی موجودگی ضروری ہوتی تھی ان میں سے ایک مہانومی تھا۔ اس تہوار نے جو اصلاً مذہبی نوعیت کا تھا، رفتہ رفتہ سیاسی و سماجی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ اس تہوار کی صدارت، جو نو دنوں تک جاری رہتا تھا، بادشاہ کرتا تھا۔ ان نو دنوں میں رقص، کشتیاں اور تفریح کے دوسرے اسباب فراہم ہوتے تھے۔ جیسا کہ

عبدالرزاق لکھتا ہے "یہ شاہی میلا نہایت رنگ برنگی نمائشوں کے ساتھ جاری رہتا۔ کوئی شخص بغیر تفصیل میں گئے ان مختلف قسم کے پٹاخوں، آتشبازیوں اور دوسری تفریحات کو بیان نہیں کر سکتا جن کا انتظام وہاں کیا جاتا تھا۔[149] پائز بھی مہانومی کی تقریبات کا ایک دلچسپ بیان پیش کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ کس طرح ان تقریبات میں بادشاہ کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔[150]

وجے نگر کے بادشاہ اپنی فوج کا سالانہ معاینہ کرتے تھے۔ سپاہیوں، ہاتھیوں گھوڑوں اور سرداروں کے میدان میں اکٹھا ہو جانے کے بعد مجمع میں انتہائی خوشی اور مسرت کے نظاروں کے درمیان بادشاہ اپنی فوج کا معائنہ کرتا تھا۔[151]

مشرقی درباروں کی زندگی کی ایک اہم خصوصیت جاگیرداروں اور سرداروں کے ذریعہ بادشاہ وقت کو سلامی (SALAM) دینے کی رسم ہے۔ ہر غیر ملکی سیاہ، جو وجے نگر کے دربار میں آیا، وہ اس رسم سے متاثر ہوا اور اپنے بیانات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ پائز لکھتا ہے کہ سردار دروازے پر منتظر رہتے اور روزانہ بادشاہ کو سلامی دیتے تھے جس میں وہ اپنے سروں کو جھکاتے اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اپنے سروں پر ملا لیتے تھے۔ وہ لکھتا ہے "جیسے ہی وہ سامنے آتے ہیں وہ اسے سلامی دیتے ہیں اور اس سے دور دیواروں سے لگ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ آپس میں گفتگو نہیں کرتے اور نہ وہ اس کے سامنے پان کھاتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنی قمیصوں (کبیا . COBAYAS) کی آستینوں میں ڈال لیتے ہیں اور آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں. جب بادشاہ ان میں سے کسی سے گفتگو کرنا چاہتا ہے تو ایک دوسرے شخص کی وساطت سے کرتا ہے۔ تب وہ شخص جس سے بادشاہ گفتگو کرنا چاہتا ہے اپنی نگاہیں اوپر اٹھاتا ہے اور بادشاہ اس سے جو سوال کرتا ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے اور پھر اپنی جگہ واپس آجاتا ہے یہ (سردار) اسی انداز سے کھڑے رہتے یہاں تک کہ بادشاہ انھیں جانے کی اجازت دیتا ہے چنانچہ اس کے بعد وہ سب کے سب اسے سلامی دینے کو مڑتے ہیں اور باہر چلے جاتے ہیں۔"[152] نونیز نے بھی اس رسم کا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ہر شخص خود آتا تھا اور بعض افسران جن کی تعداد دس یا بارہ ہوتی تھی بادشاہ سے اس کا تعارف کراتے تھے ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ جب یہ سردار آجائیں تو وہ کہیں "اعلیٰ حضرت اپنے فلاں سردار کو ملاحظہ کیجئے جو آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔"[153] ایک دوسری اتنی ہی اہم رسم بادشاہ کی قدمبوسی تھی جس کے بارے

یں محسوس ہوتا ہے کہ یہ خصوصی شرف محض چند ہی اشخاص کو حاصل ہوتا تھا۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ دنائیک (DANAIK) کو اس کی سیلون سے واپسی کے بعد "بادشاہ کی قدمبوسی کا اعزاز بخشا گیا تھا"[153]۔ نونیز اس رسم کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے "بادشاہ کی طرف سے یہ بہت بڑی عزت افزائی ہے اگر وہ کسی شخص کو اپنی قدمبوسی کی اجازت دے دے اس لیے کہ وہ اپنے ہاتھ کبھی نہیں بڑھاتا کہ کوئی اسے بوسہ دے"[154]۔

ایک اور رسم جو محسوس ہوتا ہے کہ رائج تھی لیکن جس کو غیر ملکی سیاح محسوس نہ کر سکے وہ اسے تحائف پیش کرنے کی رسم تھی جب کوئی شخص بادشاہ سے ملاقات کے لیے جاتا۔ چنانچہ مثال کے طور پر پلوتاندی کپا چاری امبلکارن (PALUTTANDI KUPPAGARI – AMBALAKKARAN) نامی ایک شخص نے جب تیرو ملائی نایک اور کیلون سیتوپدی مدورام لنگا پانڈادئیان (KILAVAN SETUPADI MUDDU RAMA LINGA – PANDUDAIYAN) کی خدمت میں تانبے کی تختی پر ایک عطیہ کے لیے درخواست دی تو کہا جاتا ہے کہ اس نے سینی شکرائی (SERI SAKKARAI) (یعنی دانے دار شکر) نذر میں پیش کر کے ان لوگوں تک رسائی حاصل کی تھی۔ اس ضمن میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اعلیٰ عہدیداروں سے ملاقات کے لیے یہ قدیم دستور آج بھی ہے[155]۔

سفر ہو یا حضر بادشاہ کے جلو میں افسروں اور ملازمین کی ایک چھوٹی سی جماعت موجود رہتی تھی جو اس کے ذاتی عملہ کی حثیت رکھتے تھے اور جن سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہیں گے۔ ان میں سے اہم ترین وہ شخص تھا جسے نونیز سکریٹری کے نام سے پکارتا ہے یہ شخص جو کچھ بادشاہ کہتا، جو عطیات وہ دیتا، جن لوگوں سے وہ گفتگو کرتا اور جن موضوعات پر گفتگو کرتا اور اسی طرح کی دوسری تفصیلات کو قلمبند کر لیتا تھا۔ نونیز کہتا ہے کہ ان لوگوں کو ایونخلوں (EVANGALISTS) کی حثیت دی جاتی تھی اس لیے کہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب کبھی بادشاہ کچھ کہتا تھا تو اس میں یقیناً کوئی نہ کوئی (اہم) بات ضرور ہو گی جس کو قلمبند کر لینا چاہیے[156]۔ ایک پان بردار ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا جس کو کتبات میں ادپم (ADAPPAM) کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ بادشاہ کا محض ایک معمولی "پان کا ملازم" تھا مگر ریاست میں اس کی حثیت، وقار اور اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ نونیز ہمیں بتاتا ہے کہ جو ملازم کرشن دیو رائے کو پان پیش کرتا تھا اس کے پاس پندرہ ہزار پیادے اور

دو سو گھوڑے تھے[157]۔ بربوسا ہمیں بتاتا ہے کہ مدورا کا عظیم نایک (NAIGUE) بسنگا (BISNAGA) کے بادشاہ کا پانوں کا ملازم تھا اور بادشاہ کو چھ لاکھ پگوڈا ٹیکس کے طور پر ادا کرتا تھا اور بہت سے بادشاہ اور امرا اس کے باجگذار تھے[158]۔

چند دوسرے ملازمین بادشاہ کے پوشاک خانہ کے نگراں تھے۔ نونیز کہتا ہے کہ بادشاہ کسی لباس کو ایک بار سے زیادہ نہیں پہنتا تھا اور جیسے ہی وہ اس لباس کو اتارتا، اسے ان مخصوص افسروں کے حوالے کر دیتا جو اس ڈیوٹی پر متعین تھے یہ افسر جن کپڑوں کے نگراں ہوتے انھیں اس کا باقاعدہ حساب پیش کرنا ہوتا تھا۔ ان مخصوص افسروں کی ضرورت اس بنا پر تھی کہ بادشاہ کپڑے گوناگوں قسم کے اور نہایت قیمتی ہوتے تھے[159]۔ ربادشاہ کے ہاں) چوری (CAURI) اور چامر (CAMARA) بردار بھی ہوتے تھے جو انھیں بادشاہ کے دربار عام میں جلوہ افروز ہونے کے وقت اس کے سر پر جھلتے تھے۔ پائز کہتا ہے کہ یہ پر (PLUMIS) عظمت وقار کی علامت ہوتے تھے[160]۔

وجے نگر کے دربار کی شان و شوکت کا انحصار دوسرے تمام مشرقی درباروں کی طرح بڑی حد تک گھوڑوں اور سرداروں کی اس تعداد پر تھا جو دربار کی شان و عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے ملازم رکھے جاتے تھے۔ درحقیقت وجے نگر کے دربار میں سرداروں کی اعلیٰ سماجی حثیت ان کے فرائض کی نوعیت سے متعین ہوتی تھی جو وہ دربار میں انجام دیتے تھے۔ محل کے محافظ دستوں اور محل کی پیادہ فوج کے سرداروں کو مستقبل کے مغل دربار کی طرح ایک امتیازی حثیت حاصل تھی۔ یہ سردار جہاں کہیں بھی بادشاہ جاتا اس کے ہمراہ رہتے اور دوران سفر خیموں میں بھی دربار کی شان برقرار رکھتے تھے۔ نونیز کہتا ہے کہ جب بادشاہ سوار ہو کر نکلتا تھا تو عموماً دو سو سوار اس کے محافظ دستہ کے جنھیں وہ تنخواہ دیتا تھا، اور ان سرداروں کے علاوہ، جن کی تعداد چالیس یا پچاس ہوتی تھی اور جو ہمیشہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتے، سو ہاتھی بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتے تھے اچھی حثیت کے دو ہزار آدمی بھی ڈھالیں لٹکائے اور داہنے اور بائیں قطار میں بادشاہ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ القائد (ALCAID) کا سربراہ بھی تقریباً تیس سواروں کے ہمراہ دربانوں کی طرح اپنے ہاتھوں میں ڈنڈے لیے آگے آگے چلتا تھا لیکن القائد کے سربراہ کے ہاتھوں میں ایک دوسرے قسم کا ڈنڈا ہوتا تھا۔ میر آخور دو سو سواروں کے ساتھ عقب کے دستہ کے ساتھ چلتا تھا، سوار دستہ

کے پیچھے سو ہاتھی ہوتے تھے جن پر نہایت اعلیٰ مرتبے کے لوگ سوار ہوتے تھے۔ میر آخور کے آگے بارہ گھوڑے ہوتے تھے جن پر زین کسے ہوتے تھے اور ان کے آگے پانچ ہاتھی چلتے تھے یہ سب کے سب خاص طور پر بادشاہ کے لیے رہتے تھے۔ ان ہاتھیوں کے آگے پچیس سوار اپنے ہاتھوں میں جھنڈے لیے اور نقارے باجے اور موسیقی کے دوسرے آلات کو زور زور سے بجاتے ہوئے چلتے تھے ان لوگوں کے بھی آگے ایک بڑا ڈھول (پیچا PICHA) ہوتا تھا جس کو لوگ دونوں طرف سے اٹھائے ہوئے اور بجاتے ہوئے چلتے تھے۔ بادشاہ خود گھوڑے پر سوار ہو جانے کے بعد دو سو سواروں، سو ہاتھیوں اور محافظ دستہ کے ڈھال برداروں کو شمار کرتا تھا اور جو وہاں نہیں ہوتا تھا اسے سخت سزا دی جاتی اور اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی تھی۔[162]

جب وینکٹ نے اپنی بیویوں کو باغ میں ایک ضیافت دی تو وہ شہر سے باہر باغ کی جانب اپنے خدم وحشم کے ساتھ اس طرح روانہ ہوا تھا: "مقدمتہ الجیش سواروں کے ایک بہترین دستہ پر مشتمل تھا جس کی قیادت ایک مسلمان سردار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ چار پانچ سردار تھے اس دستہ میں بہت سے ریشمی جھنڈے تھے جن کے بعد بگل اور وینا بجانے والوں کی جماعت تھی۔ یہ جماعت متعدد اونٹوں پر سوار تھی۔ بہت سے پیادہ سپاہی بھی موجود تھے۔ ان کے بعد ڈیلی وائے (دلوائے DELEVAIS (DALAVAYS)) یا بڑے بڑے سردار تھے یہ سب پیدل چل رہے تھے اور پورے طور پر مسلح تھے۔ ان کے پیچھے ایک شاہی ہاتھی تھا جس پر شاہی جھنڈا تھا۔ اس کے گرد و پیش دربار کے بہت سے امراء تھے۔ ان کے پیچھے لوہے کا ایک بہت بڑا گھنٹہ جس کو چار مزدور لے کر چل رہے تھے اور چار سپاہی اسے مستقل بجا رہے تھے۔ ان کے بعد خود بادشاہ ایک طلائی پالکی پر آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے گرد متعدد درباری اور ملازمین تھے جو اپنے ساتھ چار نہایت خوبصورت چھتریاں لیے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہی شاہی نشانات دکھائی دے رہے تھے۔ ایک سفید جنگلی گائے کی بالدار دم، جسے مشرق میں بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے ایک مچھلی اور ایک شیر کی بڑی شبیہیں اور اس کے بعد ایک اور جھنڈا۔ ان کے پیچھے مملکت کا بڑا ڈیلی وائے چل رہا تھا اور سب سے آخر میں بادشاہ کی بیویوں کی معیت میں جن کے ساتھ طلائی اور نقرئی ڈولیوں پر سوار بہت سی عورتیں، نہایت شان و شوکت سے شہزادہ (رنگا) چل رہا تھا۔ رانیاں سونے کی چمکتی ہوئی ڈولیوں پر سوار تھیں

جو قیمتی پتھروں سے آراستہ سونے کے غلافوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ہر ڈولی کے ساتھ دو چھتریاں لگی تھیں تاکہ انھیں دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھا جا سکے۔ ان کے علاوہ بہت سی خادمائیں بھی تھیں جو اپنی مالکاؤں کے ارد گرد پنکھے جھل رہی تھیں یہ تھی اس کے شاہی جلوس کی ترتیب جب وہ شہر کے مضافات میں ایک باغ میں چھٹی گذارنے کے لیے گیا تھا۔ وہ غروب آفتاب کے بعد اسی دن لوٹ آیا چنانچہ راستے میں اتنی قندیلیں روشن کی جاتی تھیں کہ رات میں دن کا سماں بن جاتا تھا[۱۶۶]۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے سلاطین اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے ایک باضابطہ نظام الاوقات پر عمل کرتے تھے۔ کرشن دیو رائے اپنی آمکتا مالیا د میں لکھتا ہے "ایک بادشاہ کو صبح کے وقت عالموں، نجومیوں اور ان افسران کی صحبت میں گزارنا چاہئے جو اس کی فلاح و بہبود کی تحقیق و تفتیش میں کوشاں رہتے ہیں اور اس کے بعد اسے یاما (YAMA) ٹیکس وصول کرنے والے (کایستھا KAYASTHA) اور وزرا، اور ان کے ماتحتوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ دوپہر قاصدوں، کشتی لڑنے والوں، بہترین باورچیوں اور شکاریوں کی صحبت میں گزارنی چاہیے۔ سہ پہر کو اور دیوتا کی پوجا کے اوقات میں اسے عظیم لوگوں (آریا ARYA) کے مذاہب (DHORBIS) سے اچھی واقفیت رکھنے والے زاہدوں کی صحبت میں رہنا چاہیے اور راتیں اپنی محبوباؤں (حرم) کی صحبت میں گزارنی چاہیے[۱۶۷]۔"

لیکن پائز جس کو بادشاہ سے ذاتی تعارف حاصل تھا وہ کرشن دیو رائے کے مستقل نظام الاوقات کے بارے میں ایک مختلف بیان دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ ہر روز طلوع آفتاب سے قبل ایک کوارٹلھو (QUARTILHO) (تین چوتھائی پائنٹ) جنجلی کا تیل پینے کا عادی تھا۔ اور اس تیل کی اپنے پورے جسم پر مالش کرتا تھا۔ وہ اپنی کمر میں ایک چھوٹا سا کپڑا باندھ لیتا اور اپنے ہاتھوں پر مٹی کے بنے بھاری بوجھ اٹھاتا تھا اور اس کے بعد تلوار لے کر اس وقت تک مشق کرتا رہتا جب تک وہ تیل کو پسینے کے ساتھ بہا نہ دیتا تھا پھر اپنے پہلوانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ کشتی لڑتا۔ اس کے بعد وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو جاتا اور پو پھوٹنے تک اسے میدان میں ایک جانب سے دوسری جانب دوڑاتا اس کے بعد ایک برہمن کی مدد سے جو اس کا بڑا مقرب تھا غسل کرتا اور پھر محل کے اندر اپنے عبادت خانے

میں چلا جاتا اور رواج کے مطابق عبادتیں اور رسمیں بجالاتا۔ ان تمام چیزوں سے فراغت کے بعد وہ دربار عام میں جاتا اور اپنی سلطنت کے عہدیداروں اور اپنے شہروں پر حکومت کرنے والے افراد کے ساتھ اپنے امور انجام دیتا۔ اور اس کے محبوب و پسندیدہ لوگ اس سے گفتگو کرتے ان اشخاص کے ساتھ دلچسپ موضوعات پر گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جو امراء اور سردار دروازے پر اس کے منتظر رہتے تھے، وہ آتے اور اسے سلامی دیتے۔[165]

نونیز یہ تمام تفصیلات نہیں بتاتا بلکہ صرف اتنا کہتا ہے کہ صبح دس یا گیارہ بجے جب بادشاہ اپنی بیویوں کے پاس آتا تھا تو امراء اسے سلامی دینے جاتے تھے۔[166] چنانچہ اس کے بیان کے مطابق بادشاہ دربار عام میں دس بجے کے قبل نہیں آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بیان دوسرے یاما سے متعلق ہے جسے بادشاہ کو "آمکتا مالیاد" کے مطابق کا یستھوں کے ساتھ گذارنا چاہیے تھا۔ بہرحال کرشن دیورائے کی تصنیف میں ورزش اور محل کے اندر عبادت خانے میں عبادت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس کا تذکرہ پائز نے خاص طور سے کیا ہے۔ چند امور کو اپنے "مقربین" کے ساتھ انجام دینے سے متعلق پائز کا بیان بظاہر ان افسروں اور جاسوسوں کی طرف اشارہ ہے جو بڑی تعداد میں ملازم رکھے گئے تھے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ امراء بادشاہ کو سلامی دینے کے لیے آتے تھے۔

جو لوگ نمایاں خدمت انجام دیتے تھے انھیں بادشاہ بعض اعزازات اور خصوصی مراعات عطا کرتا تھا۔ نونیز کہتا ہے کہ سب سے بڑا اعزازی تمغہ جو اچیوت رائے کسی امیر کو دیتا تھا وہ سونے اور قیمتی پتھروں سے مزین گایوں کی سفید دموں سے بنے دو پنکھوں اور کنگنوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق، جب وہ اپنے سرداروں یا ان اشخاص کو جنھوں نے اس کے لیے بہترین خدمات انجام دی ہوں یا جن سے وہ بہترین خدمات لینا چاہتا تھا، خوش کرنا چاہتا تو انھیں ان کے ذاتی استعمال کے لیے اعزازی گلوبند عطا کرتا تھا۔ چنانچہ ان تحائف کو بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ یہ تمغے جو امراء کو دیئے جاتے تھے عموماً زمین پر رکھ دئے جاتے تھے جہاں سے وہ (امراء) انھیں اٹھا لیتے تھے جب کسی مخصوص شخص کا کسی اہم عہدے پر تقرر ہوتا تو اسے بھی کچھ چیزیں اس کے عہدے اور مرتبے کی علامت کے طور پر عطا کی جاتی تھیں۔ کرشن دیورائے کے دو کتبات کے مطابق نندنلا آپا (NADENDLA APPA) کو "پُر شکوہ بادشاہ اور اس کے وزیر تما کی جانب سے ایک

پالکی (کو استعمال کرنے کا حق)، دو کوڑیاں (COURIS) اور ایک چھتری وینی کوندا، گتی اور کنک گیری شہر سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ اور ایک بڑی فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ . . . نیز اس سلطنت کی مکمل گورنری کا عہدہ عطا کیا گیا تھا[167]۔"

فصل پنجم

طرزِ رہائش، کھانا اور لباس

رہائش گاہیں

غیر ملکی سیاحوں نے جو وجے نگر اور دوسرے اہم صوبائی مرکزوں میں گئے تھے، ان مقامات کے بڑے بڑے شہروں، اور بہترین قصروں اور مکانات سے متعلق شاندار بیانات قلمبند کیے ہیں لیکن ہندوستان دیہاتوں کا ملک تھا، جیسا کہ وہ آج بھی ہے اور گاؤں کی زندگی اتنی زیادہ پرکشش نہ تھی کہ سیاحوں کا قلم اس طرف متوجہ ہوتا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ پیش کرنا مشکل ہے کہ مملکت میں دیہاتوں کی صحیح تعداد کیا تھی۔ عبدالرزاق مغربی ساحل کے علاقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ "ہر دن کسی ایسے شہر یا گاؤں میں" پہونچتا تھا جو کافی آباد ہوتا تھا[168]۔ روسی سیاح نیکیشن کہتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں کے درمیان بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے نیز یہ کہ روزانہ اس کا گذر ایسے ایسے تین اور بسا اوقات چار مقامات پر سے ہوتا تھا[169]۔ پائز بھی بہت سے شہروں اور فصیل سے گھرے گاؤں کا تذکرہ کرتا ہے[170] لیکن مملکت میں گاؤں کی تعداد سے متعلق ہمیں کوئی قطعی اندازہ نہیں ہے[171]۔

وجے نگر کے شہر اور اس کے بلند و بالا محلوں کی تفصیلی بیان کے لیے غیر ملکی سیاحوں کی تحریریں ناگزیر افادیت کی حامل ہیں ایرانی سفیر کہتا ہے کہ شہر وجے نگر کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ اس میں سات مستحکم دیواریں تھیں جو ایک دوسرے کے اندر واقع تھیں اور یہ ساتواں (اندرونی) قلعہ تھا جس کے اندر بادشاہ کا محل واقع تھا۔ پائز بھی اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ بادشاہ کا محل بھی دوسرے محلوں کی طرح ایک نہایت مستحکم دیوار سے گھرا ہوا تھا اور اس کے اندر نہایت کشادہ جگہیں تھیں[173]۔ بادشاہ کے محل کے دروازے کے باہر دو تصویریں

میں جن کی نقاشی اس طرح کی گئی تھی گویا وہ زندہ ہوں۔ پائز کے مطابق وہ کرشن دیورائے اور اس کے باپ کی تصویریں تھیں۔ (دروازے) کے اندر بائیں طرف تلے اوپر دو ہال تھے ایک نچلا ہال دو چھوٹی سیڑھیوں کے برابر زمین کی سطح سے نیچے تھا۔ ان سیڑھیوں کا بالائی حصہ پر نانبہ چڑھا ہوا تھا۔ یہاں سے اوپر جانے کے تمام راستے پر سونے کی لائنیں پڑی ہوئی تھیں اور بیرونی حصہ گنبد نما تھا۔ اس میں بید کا بنا چار سمتی ایک پورچ تھا جس میں قیمتی پتھروں کے نقش ونگار بنے تھے۔ اس ہال میں ایک بستر لگا ہوا تھا۔ محل کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں تراشے ہوئے پتھروں اور ہاتھی دانت کے بنے ہوئے کھمبے تھے ان کے عقب میں وہ ہال تھا جہاں رقص ہوتا تھا[174]۔

محلوں کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ تھی کہ ان کی دیواروں پر تصویروں کی نقاشی کی گئی تھی۔ پائز کہتا ہے کہ وجے نگر کے بادشاہ کے محل میں بہت سے ہال تھے اور ان میں سے ایک کے سامنے" افسانوی جنگجو عورتوں کی طرح، تیر و ترکش سنبھالے ہوئے عورتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں[175]۔

وجے نگر کے امراء بھی ہر طرح کی ضروریات سے آراستہ اور پر مکانات میں رہتے تھے بر بوسا بتلاتا ہے کہ شہر میں بادشاہ کے محلوں کے طرز پر بنے ہوئے بہت سے محل تھے (جس میں بہت سے گھرے ہوئے صحن اور بہترین طریقے پر بنے ہوئے بڑے بڑے مکانات ہوتے تھے) ان میں بڑے بڑے جاگیردار اور گورنر رہا کرتے تھے[176]۔ بادشاہ کے محلوں کی طرح عموماً امراء کے مکانات میں بھی احاطے ہوتے تھے۔ پائز کے بیان کے مطابق دارالسلطنت کی دوسری فصیل سے لے کر بادشاہ کے محل تک بہت سی سڑکیں تھیں اور مکانوں کی قطاریں تھیں جن پر" نہایت خوش کن تصویریں اور نقش ونگار" بنے ہوئے تھے[177]۔ شہر کے مالدار تجار بھی ایسے ہی مکانات میں رہتے تھے۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ وہاں ایک کشادہ اور خوبصورت سڑک تھی جس پر عمدہ عمدہ مکانات تھے جو ان مالدار لوگوں کی ملکیت میں تھے جو ان میں رہنے کے اخراجات برداشت کر سکتے تھے[178]۔ شہر میں رہنے والی رقاصائیں بھی ایسے ہی عمدہ مکانات میں رہتی تھیں۔ عبدالرزاق لکھتا ہے کہ دارالضرب کے پیچھے ایک طرح کا بازار تھا جو تین سو گز سے زیادہ لمبا اور بیس گز چوڑا تھا۔ اس کے دونوں جانب مکانات خانہ ہا ( ) اور بابری صحن (صفہ ہا)

تھے۔ ان کے سامنے کرسیوں کے بجائے بہترین پتھروں کے بلند نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں[179]۔ امرا اور رقاصاؤں کے ان مکانات کے درمیان جو گذرگاہیں بنتی تھیں ان کے دونوں جانب شیر، چیتے، ریچھ اور دوسرے جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں جن کو اس خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا کہ وہ زندہ معلوم ہوتی تھیں[180]۔ پاری جاتا پہرنمو (PARI - JATAPAHRANAMU) بھی ذکر کرتا ہے کہ ان مکانوں میں چڑیوں، ہنسوں، کبوتروں، طوطوں اور دوسرے پالتو جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں[181]۔

اگرچہ وہ لوگ جو ان تمام چیزوں کا بار اٹھا سکتے تھے، اس قسم کے بڑے بڑے مکانات میں رہتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی طبقہ کے لوگوں کو یہ آرام و آسائش میسر نہ تھی۔ پائز کہتا ہے کہ وجے نگر میں ایک لاکھ سے زیادہ رہائشی مکانات تھے جو تمام کے تمام یک منزلہ تھے اور ان کی چھتیں مسطح تھیں ان میں سے ہر ایک کے چاروں طرف نیچی چہار دیواری تھی[182]۔ وہ بظاہر ان مکانات سے بہت متاثر تھا اور وہ کہتا ہے کہ مکانات کا مجموعی نقشہ بہت عمدہ تھا اور وہ کھلی ہوئی چھتوں کے مانند تھے[183]۔ لیکن غریب لوگ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور پھوس کے مکانات میں رہتے تھے جس میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہوتا تھا[184]۔ درمیانی طبقہ کے لوگوں کے مکانات پیشہ کے اعتبار سے لمبی لمبی سڑکوں پر ترتیب دئے گئے تھے اور ان میں کافی کشادہ اور کھلی جگہیں تھیں[185]۔ پیشہ کے اعتبار سے لوگوں کے مکانات کی اس ترتیب کی توثیق بھی کتبات سے ہوتی ہے جن میں اس طرح کی سڑکوں مثلاً کمّالتیرو (KAMMALATTERU) (یعنی صنعت کاروں کی سڑک) اور کیکوتیرو جلاہوں کی سڑک کا تذکرہ ملتا ہے[187]۔ اس طرح کے بیشتر مکانات کے فرش مٹی کے ہوتے تھے۔ انھیں گوبر اور پانی کی پوتائی کر کے صاف و ستھرا رکھا جاتا تھا[188]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں بعض وہ مخصوص سہولتیں مہیا تھیں جو چھوٹے چھوٹے شہروں اور گاؤں میں حاصل نہ تھیں۔ ان میں سب سے مقدم خوشنما تفریحی باغ یا پارک تھے۔ مثال کے طور پر شہر وجے نگر میں درختوں کے بہت سے باغات تھے۔ بادشاہ کے محل کے قریب کھجور اور دوسرے زیادہ پھل دینے والے درختوں کا ایک باغ تھا۔ موری باشندوں (MOORISH) کے محلے کے قریب بھی پھلدار درختوں کے بہت سے باغات تھے۔ بیشتر حصہ میں آم، سپاری کے درخت اور کٹھل، نارنگی اور لیمون کے درخت

ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوتے تھے کہ ایک گھنے جنگل کا منظر پیش کرتے تھے[189]۔ ان علاقوں میں بہت سی جگہ پانی کی نہریں تھیں جو ان تک پانی پہونچاتی تھیں اور بعض علاقوں میں جھیلیں بھی تھیں[190]۔ ایک اور سہولت جو وجے نگر جیسے بڑے شہروں کو غالباً حاصل تھی وہ شہری نوبت تھی جو دن میں صحیح وقت معلوم کرنے کے واسطے میں لوگوں کے لیے بڑی مددگار ثابت ہوتی تھی[191]۔

غذا

کھانے پینے کی جن چیزوں کی مملکت وجے نگر میں کاشت کی جاتی تھی وہ تھے چاول، جوار، غلے، سیم اور لوبیا وغیرہ اور دوسری فصلیں تھیں۔ غلوں کی مقدار بہت زیادہ ہوتی تھی اس لیے کہ لوگوں کے لیے بطور غذا استعمال ہونے کے علاوہ وہ گھوڑوں کے لیے بھی استعمال ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ اچھے قسم کے گیہوں کی کاشت بھی کی جاتی تھی اگرچہ چھوٹے پیمانہ پر۔ ان چیزوں کو، سیم، مونگ، دال، گھوڑے کا چنا اور بہت سے دوسرے بیجوں کو بازار میں رکھا جاتا تھا اور نہایت سستے داموں پر فروخت کیا جاتا تھا۔ پائز کہتا ہے کہ گیہوں دوسرے غلوں کی طرح اتنا عام نہ تھا اس لیے کہ موروں (MORS) کے علاوہ انھیں کوئی اور نہیں کھاتا تھا۔ مرغے اور پرندوں کے گوشت کو بھی عوام کے بعض طبقے غذا کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ شہر کے اندر تین پرندوں کا گوشت ایک ونٹم (VINTEM) میں خریدا جا سکتا تھا جبکہ شہر سے باہر چار میں[193]۔

جب عبدالرزاق وجے نگر کے دربار میں آیا تو اسے روزانہ دو بھیڑیں، چار جوڑی پرندے پانچ من چاول اور ایک من مکھن نیز ایک من شکر دی جاتی تھی[194]۔ نونیز اشیائے خوردنی کی ایک دلچسپ فہرست دیتا ہے جو وجے نگر کے سلاطین کی غذا میں شامل تھیں۔ وہ لکھتا ہے "بسنگا کے یہ بادشاہ ہر قسم کی چیزیں کھاتے ہیں سوائے گائے اور بیل کے گوشت کے اس لیے کہ بت پرستوں کے پورے ملک میں انھیں کہیں نہیں مارا جاتا تھا کیونکہ وہ ان کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ لوگ بکری کا گوشت، سور، ہرن، تیتر، خرگوش، فاختہ، بٹیر اور ہر قسم کے پرندے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گوریاں، چوہے، بلیاں اور چھپکلیاں بھی، اور یہ سب کے سب شہر بسنگا کے بازار میں فروخت ہوتے ہیں[195]"۔ اس بیان سے پائز اور بربوسا کے بیانات کا موازنہ کیا جا سکتا ہے

بائزان جانوروں پر مشتمل غذا کا ذکر کرتے ہوئے، جو وجے نگر میں استعمال ہوتی تھی۔ کہتا ہے کہ شہر میں جو بھیڑیں ذبح کی جاتی تھیں ان کی تعداد بے شمار تھی اس لیے کہ ہر گلی میں ایسے لوگ موجود تھے جو اتنا زیادہ صاف اور فربہ گوشت فروخت کرتے تھے کہ وہ سور کا گوشت معلوم ہوتا تھا" اور بعض مخصوص گلیوں میں کچھ قصائیوں کے مکانات میں تو سور بھی تھے جو اتنے سفید اور صاف تھے کہ "کسی شخص کو کسی دوسرے ملک میں بھی اس سے بہتر نہیں مل سکتے تھے"[196] اشیائے خوردنی سے متعلق بربوسا کا بیان بھی نونیز کے انتہائی، مبالغہ آمیز بیان میں ایک توازن پیدا کر دیتا ہے اس لیے کہ وہ کہتا ہے کہ گائے کے گوشت کے علاوہ جس کی "ان کی تنگ نظر اصنام پرستی نے ممانعت کر دی تھی"[197] یہ لوگ دوسرے گوشت اور مچھلی کھاتے تھے"۔

اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ گوشت استعمال کرتے تھے لیکن بظاہر تمام لوگوں میں اس کا استعمال رائج نہ تھا۔ برہمن اور لنگایت صرف سبزیاں کھاتے تھے۔ نونیز وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اول الذکر نہ تو کبھی کسی جاندار کو مارتے تھے اور نہ کھاتے تھے[198] بربوسا بھی لکھتا ہے کہ ان کی غذا شہد، مکھن، چاول اور شکر پر مشتمل تھی جسے دال یا دودھ کی طرح دھیمی آنچ پر پکایا جاتا تھا۔ اسی طرح جنگم (JANGAMAS) بھی نہ تو گوشت ہی کھاتے اور نہ مچھلی[199] برہمنوں کے گھروں کے کھانے کا کچھ اندازہ ہمیں آمکتا مالیاد سے بھی ہوتا ہے۔ موسم بہار میں یہ کھانا چار یا پانچ عمدہ مسالہ دار سالن، گھی، مکھن، ودام (VADAMS)، ورول (VARAVALS) اچھے چاول کے کھانے اور رسم (RASAM) پر مشتمل ہوتا تھا اور ان سب کے پکانے میں ناریل کا استعمال کیا جاتا تھا۔ موسم گرما کا کھانا۔ کولو (KULU)، اکسورسم (IKSUR ASAM)، ناریل کا پانی، پھل، خوشبودار پانی، آم اور ان دوسری اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا۔ جو موسم کے لحاظ سے خوشگوار ہوتی تھیں[200]۔

شاہی باورچی خانے سے متعلق معلومات ہمیں نونیز کی کتاب سے ملتی ہیں وہ کہتا ہے کہ اپنے کھانے پینے کے سلسلہ میں بادشاہ کے کوئی اخراجات نہ تھے (اس لیے کہ روزانہ اسے اس کے امراء بھیج دیتے تھے) جو چاول، گیہوں، گوشت اور جنگلی پرندوں اور تمام ضروری اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا شاہی باورچی خانے میں تقریباً دو سو ادنیٰ محافظین ہوتے تھے جنکے اوپر چار اشخاص (نگراں) اور محافظ دستہ کے دو افسران بھی ہوتے تھے جو سپاہیوں کے سردار تھے لیکن ان پاسبانوں، کو چار یا پانچ دروازوں سے زیادہ اندر جانے کی اجازت نہ تھی اس

لیے کہ اندر صرف خواجہ سرا اور عورتیں ہوتی تھیں[201]۔ بہرحال یہ مورخ خود اپنے بیان کی تردید کر دیتا ہے جب وہ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ بادشاہ اچیوت رائے کے پاس اس کی ذاتی ملازمت میں دس کھانا پکانے والی عورتیں تھیں جو بادشاہ کے علاوہ کسی اور کا کھانا نہیں پکاتی تھیں[202]۔ لیکن کبھی کبھی جب بادشاہ ضیافتیں ترتیب دیتا تو چند اور افراد کو بھی اس کام پر مامور کر دیتا اس کے پاس ایک خواجہ سرا تھا جو باورچی خانے کے دروازے کی نگرانی کرتا تھا جس کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ یہ دیکھے کہ زہر کے خدشہ کی بنا پر محل میں کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ بادشاہ بالعموم تنہا کھانا کھاتا تھا اور اسے وہ عورتیں کھانا کھلاتی تھیں جو کھانا تیار کرتی تھیں۔ وہ اس کے لیے تین پائے کا ایک اسٹول رکھ دیتیں تھیں جو گول اور سونے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور اس کے اوپر کھانا چن دیا جاتا تھا جو سونے کے بڑے بڑے ظروف میں لایا جاتا تھا جبکہ چھوٹے برتن سونے کی کشتیوں میں لائے جاتے تھے جن میں سے چند قیمتی پتھروں سے مزین ہوتی تھیں۔ میز پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا البتہ ایک کپڑا اس وقت لایا جاتا تھا جب بادشاہ کھانا ختم کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھوں اور منھ کو دھوتا تھا[203]۔

عبدالرزاق کہتا ہے کہ "کافروں" کے یہاں یہ رواج تھا کہ وہ ایک دوسرے کی موجودگی میں نہیں کھاتے تھے[204]۔ لیکن نونیز دیورائے دوم کے بھائی کی طرف سے دی گئی ایک دعوت کے متعلق بتلاتے ہوئے کہتا ہے کہ مدعو امراء اپنی اپنی میزوں پر تھے البتہ وہ یہ (ضرور) لکھتا ہے کہ ان کے یہاں کا رواج یہ تھا کہ کھانے اور پینے کی جو چیزیں بھی وہاں موجود ہوتی تھیں ان سب کو میزوں پر چن دیتے تھے اور ہال میں ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں کھانے کے لیے آئے ہوتے، کوئی اور موجود نہ ہوتا تھا[205]۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ کھانا کھانے کے لیے پتوں کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ 1524ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ شوریّا راجا نامی ایک شخص نے ایک مندر کے تمّل ملازمین کو چند امور انجام دینے کے عوض اس بات سے بری کر دیا تھا کہ وہ اس مندر کے لیے پتوں کو (جو کھانا کھانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے) مفت مہیا کیا کریں۔ بظاہر سپاری کے پتّے بھی کھانا کھانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے[206]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم مقامات پر کھانا کھلانے کے لیے عوامی مکانات ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر وجے نگر میں اس طرح کا ایک کھانے کا مکان تھا جس میں پتھر کی پٹیاں جن میں چاول

اور شوربے کے لیے جگہیں بنی ہوتی تھیں، کھانا کھانے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ ممکن ہے کہ سیاحوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہو کہ وہ ان پٹیوں کی نوعیت کے مطابق پیسے ادا کریں جن کا انھوں نے کھانے کے لیے انتخاب کیا تھا[208]۔ اس طرح کے مقامات کے علاوہ بہت سے سرائے بھی تھے جہاں چند مخصوص دنوں تک سیاحوں کو مفت کھانا کھلایا جاتا تھا مثال کے طور پر چنگل پت ضلع میں واقع کوڈوائے مقام سے دستیاب 1489-90ء کی ایک دستاویز میں برہمن سیاحوں کے کھانے کے لیے کمبو (KAMBU) کا اہتمام کیے جانے کا تذکرہ ملتا ہے[209]۔ مملکت کے بعض مقامات پر بظاہر مٹھائیوں (مٹھائی انگڈی (MITAYIANGADI) کی دوکانیں بھی ہوتی تھیں[210]۔

لباس

سلاطین ایک بڑی رقم اپنے لباس پر خرچ کرتے تھے۔ دیورائے دوم زیتون (ساٹن) کی پوشاک میں دربار میں آتا تھا[211]۔ پائز کے بیان کے مطابق کرشن دیورائے مخصوص قسم کا سفید لباس پہنتا تھا جس پر سونے سے گلاب کے پھول کڑھے ہوتے تھے[212]۔ نونیز بھی کہتا ہے کہتا ہے کہ بادشاہ نہایت اعلیٰ درجہ کی سلک کے کپڑے (پچھوئی (PACHOUS) پہنتا تھا جس پر سونے کا کام کیا ہوا ہوتا تھا۔ جو ایک کپڑا دس پرداؤ کی قیمت کا ہوتا تھا۔ یہ سلاطین کبھی کبھی اسی طرح کی ایک بجوری (BAJURIS) بھی پہنتے تھے جو اسکرٹ کے ساتھ منسلک قمیصوں کے مانند ہوتی تھیں[213]۔ جب وہ جنگ کے لیے جاتے تھے تو گدّے دار سوتی کپڑے پہنتے تھے جس کے اوپر ایک دوسری پوشاک پہنی جاتی تھی جس پر سونے کی ایک تہہ چڑھی ہوئی ہوتی تھی اور چاروں طرف ہیرے جواہرات ٹکے ہوتے تھے[214]۔

بادشاہ "دو بالشت لمبی سونے کے کامدار کپڑے کی ایک ٹوپی" بھی پہنتے تھے جو پائز کے مطابق گلیشیائی (GALICIAN) کلاہ کے طرز کی ہوتی تھی اور اس کے اوپر ایک باریک کپڑا چڑھا ہوتا تھا جو پورے کا پورا سلک کا ہوتا تھا[215]۔ نونیز جس نے بھی، اچیوت کو ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا تھا، یہ بتلاتا ہے کہ اس کی قیمت ۲۰۰ کروزدو (CRUZADOS) تھی اور مزید یہ بھی کہتا ہے کہ جب اس ٹوپی کو وہ اپنے سر سے اتارتا تھا تو پھر اسے دوبارہ نہیں پہنتا تھا[216]۔

عام لوگ نیچے کمر بھر کپڑے پہنتے تھے" جو کئی لپیٹ میں کسکر بندھا ہوتا تھا اور سوتی یا سلک یا معمولی کا مدار کپڑے کی سفید چھوٹی سی قمیص پہنتے تھے" جو دونوں جانگھوں کے درمیان تک آتی تھیں لیکن سامنے سے کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔ وہ اپنے سروں پر چھوٹی چھوٹی پگڑیاں باندھتے تھے جبکہ کچھ لوگ سلک یا کامدار کپڑوں کی ٹوپیاں پہنتے تھے[219] سیزر فریڈرک بھی عوام کے لباس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ بیزنگر (BEZENDGER) میں جو پوشاک لوگ استعمال کرتے ہیں وہ آدمی کی حثیت کے مطابق مخمل، ساٹن، سلک، اسکارلٹ (SCARLET) یا سفید بمباسٹ (BUMBAST) کے کپڑوں کے ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر ایک لمبا ہیٹ ہوتا تھا جسے کولائی (COLAE) کہا جاتا تھا جو مخمل، ساٹن سلک، اسکارلٹ کا بنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی کمروں میں لنگوٹ باندھنے کے بجائے کوئی عمدہ بمباسٹ کا کپڑا پہنتے تھے۔ وہ ترکوں کے طرز پر جانگھیا پہنتے تھے۔

اون کا استعمال بہت کم کیا جاتا تھا۔ نیکو کونتی کہتا ہے کہ یہ لوگ جسم کے گرد ایک سوتی کپڑا پہنتے تھے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ یہ لوگ گرمی کی شدت کی بنا پر زیادہ کپڑے نہیں پہن سکتے تھے[221]۔

لوگ جوتوں کے استعمال کے بھی عادی تھے۔ نیکولوڈی کونتی نے یہ لکھا ہے کہ لوگ ارغوانی اور سرخ فیتوں کے سینڈل پہنتے تھے[222]۔ بربوسا نے بھی لوگوں کے اپنے پیروں میں بلاموزہ کے بھدّے قسم کے جوتے پہننے کے رواج کا ذکر کیا ہے[223]۔ پائز جوتوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے"۔ جوتوں کے کنارے قدیم طرز پر نوکیلے ہوتے ہیں (اس کے علاوہ) کچھ دوسری طرح کے جوتے بھی ہوتے ہیں جس میں تلّے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا لیکن اوپر چند تسمے ہوتے ہیں جو انھیں پیروں میں رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان کی بناوٹ ویسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ قدیم رومی لوگ پہنا کرتے تھے اس لیے کاغذات یا دستاویزات میں اٹلی سے آنے والی چیزیں آپ کو بس اتنی ہی ملیں گیں کہ آپ انھیں انگلیوں پر شمار کرلیں[224]۔ سیزر فریڈرک بھی لکھتا ہے کہ لوگ اپنے پیروں میں ایک مسطح اونچی چیز پہنا کرتے تھے جسے اسپیرکھ (ASPERGH) کہا جاتا تھا[225]۔ لیکن یہاں بھی صرف مالدار لوگ ہی جوتے پہنتے تھے کیوں کہ جیسا کہ خود پائز کہتا ہے کہ" لوگوں کی اکثریت یا تقریباً تمام لوگ ملک میں ننگے پیر رہتے ہیں[226]۔ بکیتن بھی کہتا ہے کہ دکن کے لوگ ننگے پیر چلتے پھرتے تھے[227]۔

چھتریاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ بربوسا تصویرکشی کرتا ہے کہ انھیں کس طرح پکڑا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے "یہ لوگ (امراء اور بادشاہ) ایک اور شخص کو لے کر چلتے ہیں جو انھیں سایہ بہم پہونچانے اور بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک چھتری (لغواً ایک سایہ دار ہیٹ جس میں ایک دستہ لگا ہوتا ہے) لیے رہتا ہے اور ان (چھتریوں) میں سے کچھ تو انتہائی اعلیٰ درجہ کی تیار کردہ سلک کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں سنہرے جھالر قیمتی پتھر اور چھوٹے چھوٹے موتی ٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ نیز انھیں اس طرح بنایا جاتا ہے کہ انھیں کھولا اور بند کیا جاسکے اور ان کی قیمت تین یا چار سو کروزدو ہے"[228] بظاہر یہ تمام چیزیں عام لوگوں کی بابت نہیں ہیں اس لیے کہ وہ انتہائی غربت" کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ورتھما کہتا ہے کہ عام لوگ کپڑے کے اس ایک ٹکڑے کے علاوہ جوان کی کمر پر ہوتا تھا بالکل برہنہ رہتے تھے۔[229]

عورتیں یعنی داشتائیں اور امراء کی بیویاں بھی نہایت قیمتی کپڑے پہنتی تھیں۔ بربوسا یہ کہتا ہے کہ یہ عورتیں یا تو انتہائی باریک سوتی کپڑے کی پوشاکیں پہنتی تھیں اور یا شوخ رنگوں کی ریشمی پوشاکیں جو پانچ گز لمبی ہوتی تھیں اور جن کا ایک حصہ نچلے حصہ میں لپیٹ کر نا ندھا جاتا اور دوسرا حصہ ان کے سینوں پر سے گذار کر ایک کندھے پر اس طرح ڈال دیا جاتا تھا کہ ایک بازو اور کندھا کھلا رہتا تھا۔[230] پیٹرو ڈیلا ویلے بھی عورتوں کے لباس کے بارے میں ایک بیان قلمبند کرتا ہے۔ اس کے مطابق عورتیں کمر سے نیچے سلک کے ایسے لباس پہنتی تھیں جن پر صورتیں بنی ہوتی تھیں۔ بالائی پوشاک کے بارے میں وہ لکھتا ہے "وہاں (کمر) سے (ان کا) اوپری حصہ یا تو برہنہ رہتا ہے یا بالکل خالص سوتی کپڑے سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے جو یا تو ایک ہی رنگ کا ہوتا ہے یا ان پر متعدد رنگوں کی دھاریاں بنی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جسموں پر دو کپڑے پہنتی تھیں ایک چھوٹا ہوتا تھا جو صرف سامنے کے حصہ کو ڈھانکتا تھا اور دوسرا کچھ بڑا ہوتا تھا جو پورے جسم کو ڈھانک لیتا تھا۔ نیکولوڈی کونتی کہتا ہے "تقریباً سبھی لوگ، مرد اور عورتیں دونوں ایک سوتی کپڑا پہنتے ہیں جو جسم کے گرد لپٹا ہوا ہوتا ہے تاکہ سامنے کا حصہ اس سے ڈھک جائے یہ گھٹنوں تک لٹکتا رہتا ہے اور اس کے اوپر سوتی یا سلک کی ایک پوشاک ہوتی ہے جو . . . عورتوں کے یہاں ٹخنوں تک (لٹکتی) رہتی ہے"[232] آمکتا مالیاد میں بھی اس قسم کے دوہرے لباس کا، جو عورتیں استعمال کیا کرتی تھیں، حوالہ ملتا ہے جب اس میں پاوادا (PAVADA) اور پٹیا (PAITA) (بیرونی لباس) کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔[233]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں کبھی کبھی سر پر بھی کوئی چیز پہنتی تھیں۔ پائز لکھتا ہے کہ جو عورتیں مہانومی جشن میں حصہ لیتی تھیں وہ اونچی اونچی ٹوپیاں (COKAES) پہنتی تھیں جن پر موتیوں کے بنے ہوئے پھول کشیدہ ہوتے تھے[234]۔ لیکن نہ تو بربوسا اور نا ہی پٹرو ڈیلا ویلے سر کے اس لباس کا کوئی ذکر کرتا ہے جسے عورتیں پہنتی تھیں، بلکہ اول الذکر کہتا ہے کہ ان کا سر کھلا رہتا تھا اور بال "سر کے بالکل اوپر ایک جوڑے میں بندھے رہتے تھے[235]۔" موخرالذکر بھی کہتا ہے کہ ان کے "سر زرد اور سفید پھولوں سے آراستہ ہوتے تھے جو ایک اونچے بڑے تاج کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ کچھ تو اس طرح چمکتے تھے جیسے سورج کی کرنیں اور کچھ ایک دوسرے میں گوندھے ہوتے تھے اور مختلف انداز میں نیچے اس طرح لٹکتے رہتے تھے کہ ایک نہایت خوشنما منظر پیش کرتے[236]۔" چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر کا لباس بعض رسوم و رواج کے موقعوں پر صرف کچھ ہی عورتیں استعمال کرتی تھیں۔

چند مقامات پر عورتیں جوتے (بھی) پہنتی تھیں۔ نیکولوڈی کونتی جس نے اس رواج کا ذکر کیا ہے، کہتا ہے "چند مقامات پر عورتیں جوتے پہنتی ہیں جو پتلے چمڑے کے بنے ہوتے ہیں اور سونے اور سلک کے ملمع سے مزین ہوتے ہیں[237]۔"

لیکن یہ تمام تفصیلات صرف اعلیٰ طبقے کی عورتیں کی بابت ہیں اس لیے کہ اور تمام عورتیں اتنے سارے سامان تعیش کی استطاعت نہ رکھتی ہونگی۔

فصل ششم

سامان تعیّش

دربار کی شان و شوکت اور عوام کے چند طبقوں کے کردار نے چند چیزوں کی ضرورت پیدا کی جس کو پورا کیا جانے لگا۔ لوگ عیش و عشرت کے چند ایسے ساز و سامان کی خواہش مند تھے۔ جو نہ صرف ان کی حیثیت و مرتبے کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا تھا بلکہ ان کے جذبۂ نمائش کی تسکین کے لیے بھی یہ اسباب تعیش، زیورات عطریات، پان، اور دیگر نشاط انگیز اشیاء پر مشتمل تھے۔

زیورات

ہندو قیمتی زیورات کے بڑے دلدادہ تھے۔جنھیں وہ عموماً اہم مواقع پر پہنا کرتے تھے۔کوئی بھی غیر ملکی سیاح، جو وجے نگر آیا تھا، ان قیمتی ہیرے جواہرات سے جنھیں بادشاہ اور عوام دونوں ہی استعمال کرتے تھے، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔مثال کے طور پر عبدالرزاق ان زیورات کا تذکرہ کرتے ہوئے جنھیں دیورائے دوم پہنا کرتا تھا، لکھتا ہے کہ" اس کی گردن کے گرد ایک ایسا کالر تھا جو شاہی حسن رکھنے والے سچے موتیوں سے بنا ہوا تھا۔جس کی قیمت کا تعین کرنا ایک جوہری کے لیے مشکل ہوگا۔[238] پائز نے بھی کرشن دیورائے کی گردن میں ہیروں کا ایک پٹکا (پدم (گلے میں) لٹکنے والا) دیکھا جو نہایت قیمتی تھا۔[239]

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا عام لوگ بھی خود کو قیمتی زیورات سے آراستہ کرتے تھے۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ" ملک کے سارے باشندے، خواہ اونچے طبقے کے ہوں یا نیچے طبقے کے، یہاں تک کہ بازار کے دست کار، اپنے کانوں، اپنی گردنوں، بازوؤں، کلائیوں اور انگلیوں میں ہیرے کے اور ملمع کیے ہوئے زیورات پہنتے ہیں۔[240] باربوسا بھی قیمتی پتھروں سے مزین بہت سی انگوٹھیوں اور ان کے کانوں میں آویزاں بہت سے کان کے چھلوں کا ذکر کرتا ہے جن میں بہت سے عمدہ موتی جڑے ہوئے تھے۔[241]

جو زیورات عورتیں پہنتی تھیں ان کے متعلق بھی ہمیں ایسی ہی قیمتی تفصیلات ملتی ہیں۔باربوسا عمدہ سونے کے تار کی بنی ناک کی کیل، جس کے ساتھ ایک موتی نیلم یا یاقوت کا آویزہ لٹکتا رہتا تھا، متعدد ہیرے جڑی ہوئی کانوں کی بالیاں، سونے، جواہرات اور نہایت عمدہ مرجانی موتیوں سے بنے ہوئے ہار، اور مرجانی موتیوں کے بنے کنگنوں کا جو وہ اپنے ہاتھوں میں پہنے رہتی تھیں، تذکرہ کرتا ہے۔[242] عورتوں کے متعلق پائز کا بیان زیادہ تفصیلی ہے۔جو عورتیں مہانومی کے جشن کے موقع دارالسلطنت میں اکٹھا ہوئی تھیں، ان کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی گردن میں سونے اور جواہرات کے گلوبند، جن میں بکثرت زمرد، ہیرے، یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے جب۔ ہاتھوں میں متعدد کنگن اور (کمر میں) سونے اور قیمتی پتھروں کے متعدد پٹکے پہنے ہوئی تھیں جو تقریباً نیچے نصف ران تک تلے اوپر لٹکے ہوئے تھے۔ان کے علاوہ عورتیں بہت سے دوسرے زیورات

جیسے مثلاً ٹخنوں کے گرد موتیوں کی زنجیریں بھی پہنے ہوئی تھیں[243]۔

کتبات بھی ہمیں ان زیورات کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں جو اس زمانہ میں استعمال ہوتے تھے ۱۴۴۶ء کے ایک کتبہ میں مندرجہ ذیل زیورات کا تذکرہ ملتا ہے۔ تلج (پٹہ) گردن کی زنجیر (پٹہ کارائی PALLAKKARAI) جڑے ہوئے گردن کے دو چھلّے (ایرندوپٹہ کارائی IRANDUPATTAKKARAI) ناک کا زیور دموکوتی - MUKK ULLE) بتوں کے لیے آنکھیں (تیروکن مار TIRUKKANMALAR) سینے کے زیورات (پدکم PADAKKAM) وغیرہ[244]۔

ممتاز اشخاص امتیازی علامت کے طور پر گندپندارم (GANDAPENDARAM) یا بہادروں کی پنڈلیوں کا ایک زیور (ANKLEST) بھی پہنا کرتے تھے۔

عطریات اور پھول

خوشبو کے لیے لوگ عطریات کا استعمال کرتے تھے۔ وہ غسل کے بعد سفید سندل کی لکڑی، ایلوا (ALOES)، کافور، مشک اور زعفران کی، جو تمام کے تمام اچھی طرح پسے ہوئے اور گلاب کے عرق میں گوندھے ہوتے تھے، اپنے بدن پر مالش کرتے تھے[245]۔ عورتیں موسم سرما میں اپنے سینوں پر زعفران یا مشک لگاتی تھیں[246]۔ عطریات کے ساتھ خوشبودار پھول بھی قابل ذکر ہیں جو عورتیں استعمال کرتی تھیں[247]۔

پان

ایک نشاط انگیز چیز جسے آج کل کی طرح اس زمانہ میں بھی لوگ استعمال کرتے تھے وہ پان تھا جسے لوگ چونے اور سپاری کے ساتھ کھاتے تھے۔ ایرانی سفیر اس رواج کا ذکر کرتا ہے اور بڑی سادگی سے اس بات کا اضافہ کرتا ہے کہ "یہ غالباً پان کے پتے اور اس کی نشاط انگیز خصوصیتوں ہی ہیں جنھوں نے اس ملک (وجے نگر) بادشاہ کو اس لائق بنایا ہے کہ وہ اتنے بڑا حرم رکھے[248]۔" یہ پان تمام رواجی جشنوں کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا تھا اور مہمانوں کو سب سے پہلے پیش کی جانے والی چیز یہی تھی[249]۔ لیکن وجے نگر کے دربار کا یہ ایک خصوصی دستور تھا کہ ناچنے والی عورتوں کے علاوہ کسی اور کو بادشاہ کے

سامنے پان کھانے کی اجازت نہ تھی۔[250]

بستر

عیش و عشرت پر اسرافات کا اظہار، جو وجے نگر کے دربار میں رائج تھے۔ ان قیمتی اور انتہائی آراستہ و پیراستہ بستروں سے بھی ہوتی ہے جو محل میں استعمال ہوتے تھے۔ پائز اور نونیز محل میں استعمال ہونے والے بستروں اور بچھونوں کی دلچسپ تفصیل پیش کرتے ہیں۔ محل کے سونے کے ایک کمرے کا ذکر کرتے ہوئے پائز لکھتا ہے "اس میں ایک چارسمتی پورچ (PORECH) ہے جو بید کا بنا ہوا ہے اور اس کے اوپر لعل و جواہر نیز دیگر قیمتی پتھروں اور موتیوں کا کام ہے اور پورچ کے اوپر سونے کے دو آویزے ہیں تمام قیمتی پتھر دل کی شکل میں تراشے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان چھوٹی موٹی موتیوں کے کام کے ذریعہ وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ گنبد پر اسی قسم کے آویزے ہوتے ہیں۔ اس کمرے میں ایک بستر تھا جس کے پائے اسی طرح کے تھے جیسے پورچ کے (محراب کے) تھے اور (اس کی) پٹیوں پر سونا منڈھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر سیاہ ساٹن کی ایک توشک تھی اس کے چاروں طرف ایک بالشت چوڑی موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ اس کے اوپر دو تکیے تھے اور کوئی اور غلاف نہیں تھا۔"[252] اس کے علاوہ وہ "پردوں والی چاندی کی ایک مسہری" کا ذکر کرتا ہے۔ نونیز کے یہاں بھی وجے نگر کے محل کے بستروں کا کچھ ذکر ہے۔ اچیوت رائے کے بارے میں بتلاتے ہوئے وہ کہتا ہے "وہ مسہریاں جن پر اس کی بیویاں سوتی ہیں چاندی کی تختیوں سے ڈھکی اور مزین ہیں۔ ہر بیوی کے پاس اس کا اپنا ایک بستر ہے جس پر وہ سوتی ہے اور خود بادشاہ کی مسہری پر سونے کی تختیاں اور کنارے ہیں اور اس کے سب پائے سونے کے بنے ہوئے ہیں اس کی توشک سلک کی ہے اور اس کے گاؤ تکیوں کے کناروں پر چھوٹے بڑے موتیوں کا کام کیا ہوا ہے اس طرح کے چار تکیے اس کے پائینتی بھی ہیں اور اس (بستر) کے اوپر سلک کے ایک کپڑے کے علاوہ کوئی چادر نہیں ہے۔ بادشاہ کے ہمراہ ہمیشہ ایک مچھ دانی رہتی ہے جس کا فریم چاندی کا ہے[253] اس کا ایک مکان لوہے کے ٹکڑوں کا بنا ہوا ہے جس کے اندر ایک بڑا بستر ہے جو ان موقعوں کے لیے ہے جب وہ میدان جنگ

میں جاتے[255]۔" وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر اس کا بیٹا یا بیٹی بھی اس کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے تھے تو وہ ہاتھی کے دانت کی بنی اور طلائی کام سے مرصع ایک مسہری بھی اپنے ساتھ لے جاتا تھا[256]۔

جھولنے والی مسہریاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ پائز کہتا ہے کہ ایک مخصوص دالان میں ایک مسہری تھی جو چاندی کی زنجیروں کے ذریعہ لٹکی ہوئی تھی" مسہری کے پائے سونے کی چھڑوں کے ایسے عمدہ بنے ہوئے تھے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں اور مسہری کی پٹیوں پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس مسہری کے پائے سونے کے تھے جس میں بہت سے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے اور پٹیوں پر سونا چڑھا ہوا تھا[257]۔

ظروف

دربار کے تعیش کا اظہار ان برتنوں سے بھی ہوتا جو محل میں استعمال کیے جاتے تھے۔ تمام وہ اشیاء جو محل میں دسترخوان پر استعمال ہوتی تھیں۔ مثلاً تسلے، پیالے، تپائیاں، صراحیاں اور دوسری چیزیں سونے اور چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔ کمروں (کی دیواروں) پر چاندی کی تختیاں اور سونے کے تار جڑے ہوئے تھے۔

فصل ہفتم

کھیل کود اور تفریحات

عوام کی سماجی سرگرمیوں کا بیان کھیل کود اور ان تفریحات کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہ جائے گا جن سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے۔ حقیقتاً یہ عوام کی زندگی کے زیادہ روشن پہلوؤں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر ان کی سماجی سرگرمیاں زیادہ پرکشش اور دلچسپی کا باعث نہیں بن سکتیں۔

ایک کھیل جس میں اونچے اور نیچے طبقے کے لوگ بہت زیادہ حصے لیتے تھے وہ کشتی تھا۔ اس طرح کی کشتیوں کی ایک عجیب خصوصیت یہ تھی کہ ان میں انتہائی سنجیدگی سے ایسے زبردست گھونسے مارے جاتے تھے کہ دانت ٹوٹ جاتے، آنکھیں پھوٹ جاتیں،

چہرے بگڑ جاتے اور کبھی کبھی تو دکشتی لڑنے والے) لوگوں کو ان کے دوست اس حالت میں اٹھا کر لے جاتے کہ ان کی آواز نہ نکل رہی ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ کبھی کبھی بہترین کشتیوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ان کے کپتان اور رج ہوتے تھے جو میدان میں ہر ایک کے لیے مساوی حیثیت متعین کرتے اور جیتنے والے کو اعزازات بھی عطا کرتے تھے[259]۔ نونیز، پائز کے مندرجہ بالا بیان کی توثیق کرتا ہے جب وہ لکھتا ہے "ان جشنوں کے لیے بادشاہ کے پاس ایک ہزار کشتی لڑنے والے ہیں جو بادشاہ کے سامنے کشتی لڑتے ہیں لیکن ہمارے طرز پر نہیں کیونکہ ان کے ہاتھوں میں دو نوکدار کڑے ہوتے ہیں جن سے وہ حملہ کرتے ہیں اور (ان میں) جو شخص زیادہ زخمی ہو جاتا ہے وہ جاتا ہے اور ایک ریشمی کپڑے کی شکل میں اپنا وہ انعام لے لیتا ہے جسے بادشاہ ان کشتی لڑنے والوں کو دیتا ہے، ان کا ایک کپتان ہوتا ہے اور یہ لوگ (پہلوان) مملکت میں کوئی اور کام نہیں کرتے ہیں[260]۔"

ڈوجیرک (DUJARRIE) کشتی کے مقابلوں کے متعلق مندرجہ ذیل بیان دیتا ہے "جو شخص کشتیاں لڑنے والا ہوتا ہے وہ اپنے کپڑے اتار دیتا ہے۔ اس کے بعد متعدد مضبوط اور کسرتی بدن رکھنے والے نوجوان جنھیں گیٹا (GEITA) کہا جاتا ہے اور جو پہلے ہی سے تیار رہتے ہیں، اس شریف آدمی (کے جسم) کی مالش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اسے مضبوط بنانے کے لیے وہ اس کے ساتھ گھونسے بازی، اچھل کود، شمشیر زنی کی مشق اور دوسری مشقیں کرتے ہیں اور وہ ایسا اس وقت تک کرتے رہتے ہیں کہ اس کے خوب پسینہ بہنے لگے۔ پھر گیٹا لوگ اس شخص کے پورے جسم پر مٹی ملتے ہیں اور اس کی مالش کرتے ہیں نیز اس کے ہاتھوں اور پیروں کو ہر سمت توڑتے مروڑتے ہیں اس طرح گویا وہ اس کے جوڑ جوڑ کو الگ کر دیں گے۔ آخر میں اس شخص کا بدن جھاڑا جاتا ہے، اس پر تیل کی مالش کی جاتی ہے اور اسے گرم پانی سے دھویا جاتا ہے اور جب (بدن) خشک ہو جاتا ہے تو وہ کپڑے پہن لیتا ہے۔ یہ لوگ اس قسم کی مشقیں شب کے کھانے سے قبل تقریباً روزانہ کرتے ہیں تاکہ وہ چاق چوبند اور صحت مند رہ سکیں اس طرح ستر برس کا بوڑھا آدمی بھی صرف تیس سال کا محسوس نظر آتا ہے[261]۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ خود کشتی کی مشق کرتے تھے اس لیے کہ پائز کہتا ہے کہ کرشن دیورائے اپنے پہلوانوں میں سے ایک کے ساتھ روزانہ کشتی لڑا کرتا تھا[262]۔

کشتیوں کے ساتھ ساتھ غالباً ڈوئیل (DUEL) کا رواج بھی تھا۔ ان اشخاص کی بڑی عزت کی جاتی تھی جو کوئی ڈوئیل لڑ چکے ہوتے تھے اور مر جانے والے شخص کی جائداد زندہ رہ جانے والے کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ نونیز کے مطابق، جس نے مندرجہ بالا تفصیلات قلمبند کی ہیں، کوئی شخص بھی وزیر سے اجازت لیے بغیر ڈوئیل نہیں لڑ سکتا۔ البتہ یہ اجازت بالکل رسمی ہوتی تھی اور فوراً ہی عطا کر دی جاتی تھی[263]۔ بر بوسا بھی ان ڈوئیلوں کا تذکرہ کرتا ہے جنھیں اس نے خود دیکھا تھا اور اس کے بیانات اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہیں کہ ان میں ان (مقابلوں) سے متعلق دلچسپ تفصیلات ہیں۔ وہ کہتا ہے "ان کے یہاں ایک دوسرے کو ڈوئیل کے مقابلہ کے لیے چیلنج کرنے کا رواج ہے اور جب چیلنج قبول کر لیا جاتا ہے اور بادشاہ اپنی اجازت دے دیتا ہے تو جن کو مقابلہ کے لیے چیلنج دیا گیا ہے وہ ڈوئیل کا دن مقرر کرتے ہیں۔ جو ہتھیار استعمال ہوتے ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ پیمائش کے مطابق ہوں یعنی ایک شخص کے ہتھیار کی لمبائی اتنی ہی ہو جتنی کہ دوسرے شخص کے ہتھیار کی ہے۔ بادشاہ ہر فریق کے حامیوں اور مقابلہ کے لیے میدان کا تعین کرتا ہے اور جب یہ باتیں مکمل ہو جاتی ہیں تو وہ وہاں نہایت ہشاش بشاش (تقریباً) برہنہ میدان میں جاتے ہیں۔ چیزوں کے ساتھ صرف ایک چھوٹا سا کپڑا ان کی کمر میں بندھا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنی اپنی دعائیں مانگنے کے بعد وہ لڑائی شروع کرتے ہیں اور چونکہ وہ (تقریباً) برہنہ ہوتے ہیں لہٰذا بادشاہ اور اس کے دربار کی موجودگی میں صرف چند ہی ضربوں کے بعد مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے مقابلہ کے دوران ان کے حامیوں کے علاوہ جو اپنے آدمی کی طرف کھڑے ہوتے ہیں کوئی دوسرا شخص ان سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ ان کے یہاں (اس مقابلہ کا) یہ دستور اس قدر عام ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص روز ہی قتل ہو جاتا ہے[264]"۔ کسٹن ہڈا (CASTANHEDA) بھی اس دستور کا ذکر کرتا ہے اور وہ مزید کہتا ہے کہ جس شخص کو بادشاہ ڈوئیل کی لڑائی میں زیادہ بہادر سمجھتا تھا اسے سونے کی ایک زنجیر دیتا تھا اور بادشاہ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس (بہادر) کی اس شخص کے مقابلہ میں حفاظت کرے گا جو اس (کی بہادری) کو چیلنج کرے گا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کچھ لوگ عورتوں کی محبت میں بھی ڈوئیل لڑتے تھے اور اس کے اوپر کبھی کبھی اپنی جانیں گنوا بیٹھتے تھے[265]۔

جہاں اس طرح کے ڈوئیل اور کشتیاں لڑی جاتی تھیں وہاں ان کے لیے بظاہر مخصوص ورزش گاہیں (GYMNASIUM) ہوتی تھیں اور ان کے اخراجات کے لیے انھیں ٹیکسوں سے

مستثنیٰ زمینیں عطا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ چندر وَلی (CANDRAVALLI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1677ء میں ایک ورزش گاہ کے اخراجات کے لیے ٹیکس سے بری ایک زمین کے عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے[266]۔ رگھوناتھ آبھی ادیم (RAGHUNATHA BHYUDAYAM) میں بھی تنجور مقام میں اس قسم کی ایک پرورش گاہ کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے[267]۔

فادر ڈوجیرک چندرگیری کی ورزش گاہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: "اس کے لیے موزوں مکان کے وسط میں ایک صحن ہوتا ہے جس کے فرش پر چونے کی ایک تہ ہوتی ہے جو اتنا صاف ہوتا ہے کہ آئینہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک راستہ سا بنا ہوتا ہے جس پر سرخ مٹی بچھی ہوتی ہے جس پر وہ اس طرح آرام کرتے ہیں گویا نرم بستر پر ہوں[268]"۔

تفریح کا ایک اور ذریعہ شکار کھیلنا تھا جو نہ صرف بادشاہوں کی بلکہ عوام کی بھی ایک تفریح تھی۔ وجے نگر کے بادشاہ ہاتھیوں کے شکار میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ دیورائے دوم کو گجیت کارا (ہاتھیوں کا شکاری) کہا جاتا تھا[269]۔ بادشاہ ہاتھیوں کا شکار ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی بہت محظوظ ہوتے تھے۔ یہ بات گجوتائی کندوارولیا (GAJAVETTAI KANDUARULIJA) (جس نے ہاتھی کے شکار کا مشاہدہ کیا) کے خطاب سے عیاں ہے[270]۔ ہاتھیوں کا شکار کرنے اور انھیں پکڑنے کے لیے جو طریقے اپنائے جاتے تھے عبدالرزاق تفصیلی سے ان کا ذکر کرتا ہے[271]۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سوروں اور ہرنوں کا شکار بھی کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اکثر گجر گیا دہار (GAJEMRGAYAVIHAR) (ہاتھیوں کا تفریحاً شکار کرنے والے) کا خطاب اختیار کرتے تھے[272]۔ دیورائے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے سور کے ایک شکار کی کوشش کی تھی[273]۔ ان تمام شکاروں میں بظاہر باز اور شکرے کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا جاتا تھا جیسا کہ سالووا (SALUVA) اور رائے پکسی سالووا (RAYAPAKSI SALUVA) جیسے الفاظ و خطابات سے ظاہر ہوتا ہے[274]۔ لیکن فرشتہ کہتا ہے کہ شکرے کے استعمال سے ہندو نابلد تھے[275]۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے کیوں کہ ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو باز و شاہین کے استعمال سے واقف تھے جیسا کہ مذکورہ بالا خطابات سے عیاں ہے[276]۔

لوگوں کی ایک تفریح شہ سواری بھی تھی۔ مندر کی دیواروں پر گھوڑوں پر سوار افراد کی تصویروں کا کندہ ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کتنے بڑے پیمانے پر گھوڑے جنگوں میں استعمال

کیے جاتے تھے۔ الپا نایک نامی ایک سردار کو 1383ء کے ایک کتبہ میں منڈلیکاؤں (MANDALIKAS) کا چمپین کہا گیا ہے۔ جو ایک اسٹول یا رکاب کی مدد سے گھوڑے پر پر سوار ہوتا تھا[277]۔ اس خطاب سے ظاہر ہے کہ شہ سواری کس قدر مقبول تھی۔

عوام کی دوسری تفریحات میں سے ایک شطرنج کا کھیل تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ کرشن دیورائے کی لڑکی اس کھیل میں مہارت رکھتی تھی[278]۔

ان کھیلوں کے علاوہ جن سے لوگ محظوظ ہوتے تھے، تھیٹر اور رقص و سرور بھی ان کے لیے بڑی تفریح اور دل کے بہلاوے کا باعث بنتے تھے۔

وجے نگر کے ناٹک کے متعلق ہمیں کچھ تفصیلات اس عہد کے ادب میں ملتی ہیں ملیکا رجنارائے (MALLI KARJUNA RAYA) کے ایک ہم عصر شاعر گنگا دھر نے پاواچالا (PAVACALA) ریاست کے حکمراں کی درخواست پر سنسکرت میں گنگاداس پرتاپ ولاسم (GANGADA SAPRATEPAVITASAM) نامی ایک اعلیٰ درجہ کا ڈرامہ لکھا تھا اس تصنیف پر اسے کنک آبھیشیک (KANAKABHISEKA) (سونے میں غسل) کے اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ لیکن دربار میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس ڈرامے کو اسٹیج کرتا لہٰذا ملیکارجنا کے دربار کے ایک اداکار نے یہ تجویز رکھی کہ وہ گنگاداس کے دربار میں جاکر اس نئے ڈرامے کو اسٹیج کرے[279]۔ کرشن دیورائے نے، جو جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، بذات خود بڑا عالم تھا، جامباوتی کلیانم (JAMBAVATIKALYANAM) نامی ایک ڈرامہ سنسکرت میں لکھا تھا۔ تصنیف کے دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ اس ڈرامہ کو ان لوگوں کے سامنے اسٹیج کیا گیا تھا جو وجے نگر میں ویروپاسیا کے چترا (CHAITRA) (موسم بہار کے) جشن میں شرکت کے لیے جمع ہوئے تھے[280]۔ کتباتی ثبوت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں لوگ تھیٹر سے واقف تھے۔ 15-1514ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ تیروپتور (TIRUPPATTUR) کے سوم رس کے بیٹے کرنم بس پرسا (KARANAM BASAPARASA) نے نتوا ناگیا نامی ایک شخص کو، جس کا باپ جگیا (CEGAYYA) تائی کندن آٹک (TAYIKUNDANATAK) نامی ڈرامے سے متعلق تھا، اور پوتاوری کے نتوا تمیا (NALLUVA TIMMAYA) کی بیٹی کو، جو ایک پاتری (PATRI) (اداکارہ؟) تھی زمین کا ایک تحفہ دیا تھا[281]۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ناٹک

نہ صرف یہ کہ لکھے جاتے تھے بلکہ عوام کے سامنے انھیں اسٹیج بھی کیا جاتا تھا۔

ڈرامے ہی کی ایک مختصر پیمانے پر نقل کٹھ پتلی کا تماشا تھا جو وجے نگر کے زمانہ میں بہت مقبول معلوم ہوتا ہے۔ 1521ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ اپاکونتی پیل (UPPAKUNTIPALE) کے گاؤں کو جو سدلی (SADALI) کی ملکیت میں تھا، گنگارائے دیو مہاراجہ اپانامی ایک شخص نے کٹھ پتلی کا تماشہ دکھانے والے دیو ّالات (BOMMATAL) پردتی پرنرویرپا کے بیٹے کرشپا کرشنپا (KRSNAPPA) کو عطیہ میں دیا تھا۔[282] اس سے پہلے کی ایک دستاویز میں بھی کٹھ پتلی کا تماشا دکھانے والوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے "جس طرح اسٹیج کا منتظم کٹھ پتلی کا تاگا کھینچتا ہے اور اسے نچاتا ہے اسی طرح (؟) وہ میرے افعال کو کنٹرول کرتا ہے . . . ."[283]

رقص کسی بھی تھیٹر کی ایک لازمی خصوصیت ہے اور وجے نگر کے دربار میں اس فن کی بہت زیادہ ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ گوپا ٹپا نے ناچ اور گانے پر ایک کتاب لکھی تھی۔[284] وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں یہ فن کمال کے اس درجہ پر پہونچ چکا تھا کہ مثال کے طور پر، جب عبدالرزاق نے مہانومی ۔ کے جشن کے موقعہ پر بتوں کے سامنے اس کا مظاہرہ دیکھا تو وہ اتنا محظوظ ہوا کہ وہ کہتا ہے کہ "لڑکیوں کے پیر اس خوبصورتی سے تھرکنے لگے کہ عقل اپنے حواس کھو بیٹھی اور روح خوشی سے مدہوش ہوگئی۔"[285] دیوداسیاں (خدا کے خدمت گزار) جس نام سے کہ رقاصائیں معروف تھیں، مندروں سے منسلک رہتی تھیں اور جب دیوتا کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تھا تو وہ بتوں کے سامنے ناچتی تھیں اور خود اسے (دیوتا کو) کھانا اور دوسری ضروری اشیا، پیش کرتی تھیں۔[286] نونیزان رقاصاؤں کے متعلق، جو مندروں سے منسلک تھیں، بتلاتے ہوئے کہتا ہے کہ ہر سنیچر کو وہ پابند تھیں کہ محل میں جاکر بادشاہ کے بت کے سامنے، جو محل کے اندرونی حصّہ میں ہوتا تھا رقص کریں۔[287] باربوسا کہتا ہے کہ ان ناچنے والی لڑکیوں کو ناچنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ محل میں رقص کے لیے ایک ہال تھا جہاں عورتیں داشتائیں ضروری تربیت حاصل کرتی تھیں۔ پائز اس ہال کا تفصیلی بیان پیش کرتا ہے۔ ہال طویل اور پتلا تھا جس کے چاروں طرف متعدد ستون تھے جن پر ملمع تھا۔ ہر دو ستونوں کے درمیان لکڑی کی ایک پٹی تھا جن پر تصویریں بھی بنی ہوتی تھیں اور ان تصویروں اور کھمبوں کے درمیان منقش طشتریوں کی طرح پھول پتیاں بنی ہوئی

تھیں جو تمام کی تمام سرخ و نیلی پٹیوں کے مخصوص رنگوں سے آراستہ ہوتی تھیں یہ تصویریں رقاصاؤں کی ہوتی تھیں جو چھوٹے چھوٹے ڈھول لیے ہوتی تھیں۔ (ستونوں کے درمیان کی) پٹیوں پر بنی ہوئی تصویروں میں کسی ناچ کے اختتام کے وقت رقاصاؤں کی حالت کی عکاسی اس طرح کی گئی تھی کہ ہر پٹی پر ایک رقاصہ ناچ کے اختتام پر ایک مخصوص انداز میں دکھائی گئی تھی۔ یہ عورتوں کو سکھلانے کے لیے تھا تاکہ اگر وہ اس انداز کو بھول جائیں جن پر انھیں اپنا ناچ ختم کرنے کے بعد کھڑا رہنا چاہیے تھا تو وہ ان پٹیوں کو دیکھ لیں جہاں اس حالت کو دکھایا گیا جس پر انھیں ناچ کے خاتمے پر ہونا چاہیے تھا۔ اس کے ذریعہ وہ اپنے ذہن میں یہ رکھ سکتی تھیں کیا کرنا ہے۔ وہاں ایک رنگا ہوا طاق بھی تھا جسے عورتیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتی تھیں تاکہ وہ اپنے جسم اور ٹانگوں کو اچھی طرح پھیلا سکیں اور ڈھیلا کر سکیں یہاں انھیں یہ سکھایا جاتا تھا کہ وہ اپنے پورے جسم کو لچکدار بنا دیں تاکہ ان کا رقص زیادہ پُرکشش ہو سکے۔ بادشاہ ان رقصوں کو دیکھتے تھے۔ ہال کی دیوار پر وسط میں بارہ سال کی ایک لڑکی کی ایک طلائی تصویر رکھی ہوئی تھی جس کے ہاتھ اس حالت میں تھے جو وہ ناچ کے اختتام پر اختیار کرتی تھیں۔[288] تنجور کا رگھوناتھ نایک رقص کے فن اور اس کے قوانین میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ اس نے ناچ کا ایک نیا طرز وضع کیا جو اس کے نام پر رگھوناتھ ولاس کے نام سے معروف ہے۔[289]

ناچ کے ساتھ ساتھ کولاتّم (KOTALLAM) یا چھڑیوں کا ایک کھیل بھی تھا۔ نوجوان لڑکیاں خوش وضع لباس اور چھوٹے چھوٹے جتھوں میں سڑکوں پر گشت کرتی تھیں۔ ان سب کے دونوں ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی گول رنگین چھڑیاں ہوتی تھیں جو تقریباً ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ لمبی ہوتی تھیں جنھیں وہ ایک دوسرے پر موسیقی کی کسی دھن میں بجاتی تھیں جن سے ڈھول اور دوسرے آلات موسیقی کی سی آوازیں نکلتی تھیں اور گروہ کی سب سے زیادہ مشّاق لڑکی کسی گانے کا ایک مصرعہ گاتی جس کے خاتمے پر وہ تمام کی تمام اپنی دھن کی بحر کے مطابق سات یا آٹھ بار کول، کول، کول (COLE) کے الفاظ دہرا کر اس کا جواب دیتیں۔[290] اس طرح وہ سب کی سب مندر میں جاتیں اور ان کے پیچھے پیچھے دوسری عورتیں ہوتیں اور رات گئے تک مندروں میں حلقہ بنا بنا کر ناچتی رہتیں۔[291] پیڑو ڈیلا ویلے جس نے اس رسم کو قلمبند کیا ہے، لکھتا ہے کہ یہ ایک جشن تھا جسے وہ ملودک (MALODAKA)

کی بیوی، گوری (GAURI) کے اعزاز میں دی گئی ایک دعوت کے اختتام پر تین دن تک مناتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ اس جشن کو لڑکیاں مناتی تھیں[292]۔

وجے نگر کے دربار میں موسیقی کی بڑی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ کتبات میں بعض آلات موسیقی کے نام درج ہیں مثلاً بھیری، ڈنڈوبھی (DUNDUBHI) مہاموراج (MAHAMURAJA) اور وینا[294] طنبور (TAMBURU) کے استعمال سے بھی لوگ بخوبی واقف تھے اور 1533ء کے ایک کتبے میں زمین کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جسے الپا نایک نامی ایک شخص نے ہوروولی (HURUVALI) میں واقع ہنومنت مندر کے طمبورین (TAMBURU) بجالانے والوں تماتوکراریج (TAMMATU KARARIGE) کو عطیہ میں دیا تھا[295]۔ ینگ یائی شیلنگ لین (YINGYAI SHENGLAN) کے مطابق کالیکٹ کے لوگوں کا آلہ موسیقی بوتل نما تونبے کا بنا ہوتا تھا جس کے تار تلنبے کے ہوتے تھے۔ اس میں درج ہے کہ ساز بجاتے وقت دھات کے ٹکڑوں کے بجنے کی آوازیں سروں میں سنی جاسکتی تھیں[296]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پندرہویں اور سولہویں دوصدی کے دوران جنوبی ہندوستان میں علم موسیقی میں بہت سی تبدیلیاں لائی گئیں جو اس موضوع پر کتابوں کی تصنیف کا باعث بنیں گوپاٹپا (GOPATIPPA) نے موسیقی پر ایک کتاب لکھی جس میں ناچنے اور گانے کے مختلف طرزوں کا تعین کیا[297]۔ کہا جاتا ہے کہ موسیقی اور خطابت میں کرشن دیورائے کا کوئی ہمسر نہ تھا[298]۔ کرشن جو ایک بہت بڑا عالم موسیقار اور وینا بجانے کے فن کا ماہر تھا اور جو راگھویندر (RAGHUVENDRA) کا پرنانا تھا اس نے کرشن دیورائے کو وینا بجانے کے فن کی تعلیم دی تھی اور اس سے گرودکشینا کے طور پر قیمتی موتیوں کا ایک ہار اور دیگر جواہرات حاصل کیے تھے[299]۔ شری پادرائے سوامی کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سالووا نرسمہا کا استاد تھا اس سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ اس نے موسیقی کے سیکڑوں سروں کو ترتیب دیا تھا مثلاً اوگا بھوگا، سولادی، گیتا اور پربندھا۔ شری وادی راجا سوامی، پورندر داس اور کنک داس نے جو داس کوٹا (DASAKUTA) سے تعلق رکھتے تھے، کی دو قسم کے گانوں کو ترتیب دیا تھا۔ ایک گیتا اور پربندھا اور دوسرا اگا بھوگا[300]۔ کہا جاتا ہے کہ پورندر داس نے ہر راگ کی وضاحت یک گانے سے کی تھی اور اس کے ترتیب دئے ہوئے راگوں کی مجموعی تعداد کا تخمینہ 475000 ہے[301]۔ رام رائے وینا کی موسیقی اور گانے سے بہت محظوظ ہوتا تھا[302]۔ مزید یہ کہ رامیا

ماتیا (RAMAYANATYA) کی سورمل کانیدھی (SVAREMEL KALANIDHI.)
کے مطابق رام رائے اپنے اوقات موسیقی اور دیگر فنون میں ماہر عالموں کے درمیان گذارا کرتا تھا
اس راما ماتیا نے فن موسیقی میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وینکٹادری کے مشورہ پر اس نے اپنی کتاب
سورمل کانیدھی بھی لکھی تھی جو فن موسیقی پر ہے اور اس تصنیف میں اس نے عالموں کے درمیان
موسیقی کے متعدد متنازع فیہ نکات کے تصفیہ کی کوشش کی ہے[303]۔

تنجور کا رگھوناتھ نایک موسیقی کا مستند ماہر تھا۔ وہ نئے راگ مثلاً جینتا سین (JAYANTA - SENA)
اور نئے تال مثلاً رامانندا (RAMANANDA) کا موجد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے
متعدد موسیقاروں کو وینا بجانے کی تعلیم بھی دی تھی۔ اس نے خود اپنے نام پر ایک نئے میل (MELA)
کو بھی ایجاد کیا تھا جس پر کسی بھی معروف راگ کو بجایا جا سکتا تھا[304]۔

تنجور کے گوندا دکشت کے بیٹے وینکٹامکھی (VENKATA MAKHI) نے علم موسیقی پر
چتر ڈنڈی پرکاشیکا (CATURDANDI PRAKASIKA) نامی ایک اہم کتاب لکھی تھی۔ وہ
تانپاچاریا (TANAPPACARYA) کا ایک شاگرد تھا جو شارنگا دیو (SARANGADEVA)
کے تعلیم یافتہ خاندان کا ایک فرد تھا۔ اس کی کتاب موجودہ زمانے کے جنوبی (ہندوستان کے)
طرز موسیقی کی بنیادوں کا تجزیہ پیش کرتی ہے اور اس کے راگوں کی قسموں کو بیان کرتی ہے" (اس میں) راگوں
کو بہتر ابتدائی راگوں میں ترتیب دیا گیا ہے جس کو میل کرت (MELAKORTAS) کہا جاتا ہے۔
اور ان کے ساتھ وہ متعدد راگ بھی منسلک ہیں جو انھیں سے مشتق ہیں۔ اس مصنف نے راگوں کی وضاحت
کے لیے صرف بارہ[12] سروں (SEMINOTES) کو استعمال کیا ہے[305]"

عورتیں بھی کرناٹا اور دیشا دونوں قسموں کی موسیقی کو سمجھنے پر قدرت رکھتی تھیں۔ وہ نہایت شیریں
انداز میں گانے اور وینا اور اسی طرح کے دوسرے آلات موسیقی مثلاً راون ہست RAVANHASTA
کو بجانے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ رگھوناتھ نے ان سب کی مہارت کا امتحان لیا اور انھیں کنک
آبھیشکا (KANAKABHISEKA) کا اعزاز بخشا چند گانے جو اس کے سامنے گائے گئے تھے
ان کو اسی نے وضع کیا تھا۔ جو اصل راگ گائے گئے وہ یہ تھے۔ جیسے منگلا سمہل لیلا (SIMHALALILA)
جیئے نسارو (JAYARISSARU) اور کچھ ترا (KACACERITRA) چند تال
جن پر یہ گائے گئے یہ تھے۔ رتی لیلا، تورنگ لیلا، رنگا بھرن، اننگا پری کرمن (ANANGAPARIK RAMANA)
، ابھینندن، نند نندنا اور رابھی مالا۔

حواشی

باب ہشتم

1. ایپی گرافیا اندیکا 3، ص 125
2. ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHAHALLI، 11
3. ایپی گرافیا کرناٹیکا 6، KOPPA، 32
4. ایپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI، 14
5. سورسیز از ایس۔ کے۔ اینگر، ص 143
6. ایلیٹ، ح، س، 4، ص 105
7. سیول، ح، س، ص 246، نونیز کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً، ص 390
8. آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 276
9. بربوسا، 1، ص 217
10. سیول، ح، س، ص 361
11. ایضاً، ص 245، باربوسا، 1، ص 217 بھی ملاحظہ ہو۔
12. سیول، ح، س، ص 245
13. ایضاً
14. HIS. PILGRIMS، از پرکاز، 10، ص ص 255-256
15. آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 217
16. ایضاً، کھنڈ 4، اشلوک 261
17. دیا یوگی چرترم (VYASAYOGICARITRAM) دیباچہ 91-95، سوماناتھ (SOMANATHA)

کا ٥٤ بحوالہ سیلیٹور، ح، س، 2 ص 126

18ھ 1906 کا 47، رپورٹ، 1907، پیراگراف 59

19ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1907، پیراگراف 53

20ھ ملاحظہ ہو ویمن (VEMANA) کے اشعار، ترجمہ از براؤن، دیباچہ ص 3

21ھ ایضاً B.K. سوم، اشلوک 164-166، ص ص 170-171 وہ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے "اپنے تمام مطالعوں کے بعد ہوش وحواس کی مکمل حدوں تک پہونچ کر بھی اور روحانیت کی خلاف ورزی نہ کرنے کے باوجود جیسے ہی وہ (برہمن) کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تھا تو اپنی تمام پاکدامنی کو بھول جاتا ہے" (ایضاً اشلوک 270، ص 200

22ھ HIS. PILGIRIMS، از پرکاز، 10 ص ص 255-256

23ھ گیسپرو بلبی (GASPARO BALBI)، پرکاز کی HIS. PILGRIMS، ص 148

24ھ بیس یا چوبیس میل، رموسیو (RAMUSIO)، آٹھ فرسخ، اسپینی

25ھ بربوسا، 1، ص 217

26ھ سیول، ح، س، ص ص 379-380

27ھ ایضاً، ص 280

28ھ مدراس ایپی گرافی رپوٹس 1913، پیراگراف 60، مملکت وجے نگر میں ان کی پیدائش اور وہاں ان کے پھیل جانے سے متعلق ایک دوسرے خیال کے لیے ملاحظہ ہو STUDIES IN THE HISTORY OF THE THIRD DYNASTY OF VIJAYANAGAR، از، این، وینکت رام نیا N. VENKATARAMANAYYA.

29ھ 1917 کا 694

30ھ 1920 کا 402

31ھ 1920 کا 403

32ھ 1912 کا 586، وپراوینودینوں (VIPRAVINODINS) کے ثواب کے لیے ایک مندر کو ایک عطیہ دیے جانے کے بارے میں ملاحظہ ہو 1912 کا 97 اور 1920 کا 395۔

33ھ 1917 کا 804، دستاویز کی تاریخ شاکھا 1303 ہیویلمبی (HEVILAMBI)
ہے۔ ظاہر کہ یہ تاریخ قابل اعتماد نہیں۔

34ھ 1916 کا 44

35ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5، BELUR، 5

36ھ 1916 کا 309 اور 378، رپورٹ، 1917، پیراگراف 55

37ھ 2 NELLORE INSCRIPTION، NELLORE 54

38ھ ایضاً، 3، UDAYAGIRI، 20، مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1892 کا 204،

TOPOGROPHICAL LIST OF INSCRIPTIONS OF THE MADRAS PRESIDENCY

ازوی رنگاچاریہ (V. RANGACHARYA، NELLORE، 771

39ھ 1922 کا 65 رپورٹ 1922، پیراگراف 54

39ھ الف 29-1928 کا 293، رپورٹ، پیراگراف 66

40ھ 1911 کا 319

41ھ 1918 کا 162، 1921 کا 473، 29-1928 کا 291، رپورٹ، 1929، پیراگراف 62

42ھ 1925 کا 422، یہاں درج شدہ تاریخ بظاہر غلط ہے۔ کتبہ کی تاریخ شاکھا 1409 وشواوشو (VISVAVASU) سمہا (SIMHA) ہے۔ دیگر دو کتبات میں، جن کا حوالہ دیا جا چکا ہے، درج ہے کہ شاکھا 1407 ایں وسو موجود تھا۔ علاوہ بریں، 1921 کے 473 اور 29-1928 کے 291 کے مطابق ولودیلم بٹو (VALUDILAMBATTU) راجیہ کے کیکولاؤں کو وہی مراعات حاصل تھیں جو کانچی پورم اور ویرنچی پورم کے کیکولاؤں کو حاصل تھیں۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ کانچی کے کیکولاؤں کو مراعات یقیناً پہلے عطا کی گئی تھیں۔ چنانچہ کتبہ کی تاریخ غلط ہے۔

43ھ "اچھے اور برے مواقع"، کا جملہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان فرقوں کو یہ مراعات صرف رسوم ورواج کے مبارک یا غیر مبارک موقعوں پر ہی حاصل تھیں۔

44ھ 1917 کا 368، رپورٹ، 1918، پیراگراف 70

45ھ 1922 کا 41، ایلائی وانیار (ILAIVANIYARS) ایک برادری ہے جس کا خاص.

پیشہ پان کی بیلوں کی کاشت اور اس کے پتوں کی فروخت ہے۔

۴۶ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا ،12، تری بھون مہادیوی پرّو (T. P.)، 126

۴۷ـہ انڈین ایٹیکوٹری ،۱۰، ص 65

۴۸ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 11 ، HOLAKANURN ، 6

۴۹ـہ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1926 ، رپورٹ ، پیراگراف 43

۵۰ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 11 ، HOLAKANURN ۔ متعدد کتبات میں ان معافیوں کا تذکرہ ملتا ہے ، اپی گرافیا کرناٹیکا TARIKERETALUQ ، 13 ، نیلور انسکرپشنس KN، 2، 20 ؛ اپی گرافیا کرناٹیکا HOLALKIRE ، 110، 1905 کا 318، 1906 کا 472 اور 514، 1913 کا 218، 1915 کا 475، 1920 کا 354، 1926 کا 352 وغیرہ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے ان معافیوں کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل ہے ، عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ رام راج کوند جا حجام سے بہت زیادہ خوش تھا اس لیے کہ وہ داڑھی بنانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا (ایچ ، کرشنا شاستری ، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 09-1908 ، ص 198 ، حاشیہ 5) بہرحال بادشاہ اور وزیر کے دل میں حجاموں کے لیے جو خاص خیال تھا سلیٹور اس کی وضاحت کی کوشش کرتا ہے اس کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کرناٹک کے اضلاع میں کورمبروں کی طاقت واثر ورسوخ کو ختم کرنے میں ان (حجاموں) کا تعاون بھی شامل رہا ہو اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں وہ لکھتا ہے کہ "جن کتبات میں ان معافیوں کا تذکرہ ملتا ہے وہ بادامی (BADAMI) کے اطراف میں مجتمع ہیں اور اس خط پر پھیلے ہوئے ہیں جو کلادگی (KALADGI) ، چیتل دروگ (CHITA - LDROOG.) اور تمکور (TUMKUR) کے اضلاع پر محیط ہے "لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں تامل اور تیلگو کے بہت سے اضلاع کے حجاموں کے حق میں بھی ٹیکسوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ بلاسبب معافیاں ان کے حق میں بھی اس بنیاد پر دی گئی ہوں کہ وہ ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ سلیٹور احتیاطاً یہ اضافہ کرتا ہے کہ "ممکن ہے کہ مستقبل کی تحقیقات ہمیں اس لائق کر دیں کہ ہم ان واقعی حالات و مواقع کو جان سکیں جنھوں نے کورمبروں کی کہانی میں حجاموں کو بھی شامل کر دیا تھا۔ SOCIAL AND POLICAL LIFE. ، جلد 2 ، ص ص 47 اور 48 ، حاشیہ 10)

۵۱ـہ ان کے کرتبوں کے تفصیلی بیان کے لیے ملاحظہ ہو HISTORY OF INDIA. ، از ایلیٹ 4

ص ص 118-119 اور HIS. PILGRIMS از پرکاز، ۱۰ ص ص 247-248

52ھ 1926 کا 309، رپورٹ 1926 پیراگراف 41

53ھ کورل (KURAL) از ٹی، ڈبلو ایلس (T.W.ELLIS) ص 44، بحوالہ MAD-
ORG. INHABI- 1887-88، RAS JOURNAL OF LITORATNS AND SCIENCE.
TANTS OF BHARATVERSHA، ص ص 85

54ھ ایضاً ص ۹۰

55ھ TAMIL STUDIES، ص ص 73، 92، 108، ڈاکٹر ایل، ڈی، برنٹ DR. L.D. BARNELT
کے خیالات کے لیے ملاحظہ ہوا یپی گرافیا انڈیکا 15، ص 81

56ھ HINDUS MANNERS COSLOMS AND CEREMONIES. 1، ص 26

57ھ MACHENZIACOLLEETION، از وِلسن، ص 428، ایدنگائی اور ولنگائی برادری کے لوگوں کا بیان، TAMIL LOCAL TROCTS، از تیلور (TAYLOR)

58ھ CATALOGUE RAISONRU، از تیلور، ص ۔" ویشنوا (VAISNAVA) برہمنوں اور ان کے معتقدین کے درمیان جو بائیں بازو کی اصطلاح سے معروف تھے، ایک زبردست جھگڑے سے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جھگڑا گرودا (GARUDA) علم یا ایک ایسے جھنڈے جس پر ویشنوا کے چیل یا عقاب کا ایک نقشہ بنا تھا، استعمال کرنے کے سلسلہ میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس جھنڈے کو رکھنے کے حق نے اور اس مسئلہ نے کہ یہ جھنڈا دونوں طبقوں میں سے کس کا ہے، اتنا زبردست جھگڑا کھڑا کر دیا کہ اس مسئلہ کو ثالث کے طور پر وِکرم دیو پیرو مال (VICKRAMA COLADEVA PERUMAL) کے سپرد کر دیا گیا اس شہزادے نے کنجیورم مقام کی تانبے کی تختیوں کی قدیم دستاویزات کو کھدوا کران کی جانچ کا انتظام کروایا اور قانونی ماہرین سے مشورہ کیا۔ نتیجتہً گرودا جھنڈے پر شیوا کا دعویٰ تسلیم کرلیا گیا لیکن دوسری بات جو نتیجتہً واقع ہوئی وہ ان مراعات کی زیادہ واضح توضیح و تعریف تھی ان دونوں طبقوں کے لیے مناسب تھیں یا مناسب نہیں تھیں کتاب میں ان طبقوں یا برادریوں کو بھی گنا دیا گیا ہے جن کے درمیان ویشنوا اور شیوا کی دونوں جماعتیں منقسم تھیں نیز پرائیروں

(PARAIRS.) اور دیگر طبقوں کو بھی گنا دیا گیا ہے جو دائیں بازو کے طبقے کے تحت آتے ہیں۔ جانبین کی ان برادریوں کی تعداد 98 بتائی جاتی ہے۔ ذیلی تقسیمیں ایسی برادریوں کے اشخاص پر مشتمل تھیں جو کسی ذات سے متعلق ہوتے تھے، یعنی پرایر نہ تھے۔

59؎ 1905 کا 422

60؎ 1921 کا 185

61؎ CATALOGUE RAISONNE، از تیلور 3، ص 305

62؎ 1926 کا 253

63؎ 1906 کا 4، 1910 کا 215

64؎ 1918 کا 92، 1914 کا 59 وغیرہ بھی ملاحظہ ہو۔ دونوں طبقات کے سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لیے QUARTERLY JOUHAL OF ASIATIC HISTORICAL RESEARCH. SOCIETY میں سی۔ ایس شری نیواسں اچاری (C.S.SRINIVAS ACLARI) کا ایک مضمون بھی ملاحظہ ہو 4، ص ص 77 - 85، سالم گزیٹر (SALEM GAZETTEER) از اچار، دس، جز 1، ص 25، حاشیہ 2، ORIENTAL INHERITOGE OF BHARATAVARASHA، از اپرٹ (OPPERT.) ص 90، حاشیہ 59۔

65؎ TAMIL STUDIES. ص 85

66؎ نیلسن ان نو آباد کاریوں کا نام وددگا (VODUGA) تبلاتا ہے اور انھیں کاورر (KAVARERS)، گولّا GOLLAS، ردّی، کمّاور (KAMMAVARS) اور ٹوٹین (TOTTIYANS) یا کمار (KAMBALAR) میں منقسم کرتا ہے۔ ان میں سے آخری تین کاشتکار تھے MADURA MANUAL جز 2، ص 80

67؎ ان کے ایک بیان کے لیے رنگاچاری کی انڈین انٹیکوئیری 1915 ص ص 135-137 ملاحظہ ہو CASTES AND TRIBES، 7 ص ص 183-197 از تھرسٹن (THURSTON) بھی ملاحظہ ہو۔

68؎ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، HOSKOTE، 103 (الف)

69ھ MADURA GOZETTEER 3%

70ھ ایضاً

71ھ اپی گرافیا کرناٹیکا ۹، hoskote ، ۱۰۸ اور ۱۰۹

72ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8 ، TIRTHAHALLI ، 134

73ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8 ، TIRTHAHALLI ، 175

74ھ 1908 کا 354 ، رپورٹ، ۱۹۰۹، پیراگراف 67

75ھ 1887 کا 47، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۱ نمبر 56 ص ص 82-84

76ھ اس کے برعکس ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس، کے، اینگر کا ۔ QUERTESLY J OUSUAL OF MY THE SOCIETY. 6، ص 49

77ھ 1892 کا 337 MACKENZIE MANUSCRIPTIONS ۔ 16 (15-3-4) ص 12، اولی (OLI) دلہن کی قیمت کی طرح کی ایک چیز ہے۔ عام طور پر یہ اصطلاح نیچے طبقے کے لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ مندرجہ ذیل کہاوت سے اس کے معنی واضح طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (کتبات میں ملاحظہ ہو)

78ھ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 8-1907، ص 230

79ھ HIS. PILGRIMS ، از پرکاز ۱۰، ص 256

80ھ THE RISE از برگس (BRIGGS) 2 ص 380

81ھ بربوسا ۱، ص ص 213-216

82ھ سیول، ح، س، ص ص 391-393 پی، وی، جگدیش ایّر کہتے ہیں کہ گذشتہ زمانے کے برہمنوں کو ایک ایسے پودے کی واقفیت تھی جس کا عرق جب صندل کے پانی سے ملا کر ستی کرنے والی عورت کے پورے جسم پر مل دیا جاتا تھا تو اسے آگ کی حدت کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔ اس کا خیال ہے لوگ غالباً اس پودے کے عرق کو استعمال کرتے تھے ان کی تصنیف CUSTOMS ص 93 ملاحظہ ہو

83ھ SUTTEE ، از ایڈوارڈ تھومسن (EDWARD THOMPSON) ص 43

84ھ HIS. PILGRIMS ، از پرکاز ۱۰، ص ص 94-96 ——— دوسری تفصیلات کے

سیلے ملاحظہ ہو ایضاً از نسکوٹن، پرکاز، ص ص 256-257؛ برّاداس، سیول، ح، س، ص 224، TRAVELS از پیٹرو ڈلاویلے (PIETRODELLAVALLE)، 2، ص ص 266-267-

85ھ سیول، ح، س، ص 392-293

86ھ بربوسا ا، ص ص 218-219

87ھ HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰، ص 96

88ھ ایضاً، ص 148

89ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 496، 165 وغیرہ

90ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، DG. 116؛ اپی گرافیا کرناٹیکا 7 SHIKARPUR، 302، اپی گرافیا کرناٹیکا 8 SAGARTALUQ 8، وغیرہ، یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ غالباً ستی شیموگا ضلع میں خاص طور پر بڑے پیمانے پر رائج تھی۔

91ھ ملاحظہ HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰، ص ص 256-257

92ھ بربوسا ا، ص 215، نشان زدہ جملہ ہمارا اضافہ ہے۔

93ھ اپی گرافیا کرناٹکا 8، SORAB 495

94ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 106

95ھ SOME RECORDS OF CRIME، 2، ص 506 بحوالہ SUTTEE از تھومپسن، ص 45

96ھ تھومپسن، ح، س، ص 48

97ھ HAMPI RUINS، از لونگ ہرسٹ (LONGHARST) ص 38

98ھ میسور انسکرپشنس ص 26 اور (SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN VEJAYANAGARA EMPIRE، از سلیٹور 2، ص 96 اور حاشیہ 2۔

99ھ بربوسا ا ص 216

100ھ HIS. PILGRIMS، از پرکاز ۱۰ ص 257

101ھ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس رسم کا رواج کب سے شروع ہوا۔ قدیم ہندو قانون ساز بیوہ ہونے والی عورتوں کے بالوں کو مونڈ لیے جانے کی رسم کا تذکرہ نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر منو یہ

حکم نافذ کرتا ہے "ایک وفادار بیوی کو، جو اپنے شوہر کے ساتھ (موت کے بعد) رہنا چاہتی ہے، کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرنا چاہیے جو اس شخص کو ناراض کر دے جس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا خواہ وہ زندہ ہو یا مر گیا ہو . . . موت تک اسے (مشکلات پر) صابر و شاکر رہنا چاہیے، اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہیے اور پاک دامن رہنا چاہیے اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان فرائض کو ادا کرتی رہے جو ان بیویوں کے لیے (متعین) ہیں جنکے صرف ایک شوہر ہیں (منو 5، 156-158) لیکن محض مخصوص جرموں کے سلسلہ میں جیسے مثلاً ایک برہمن عورت ایک شودر کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے یہ تھا کہ وہ اس کی سزاوار ہوتی تھی کہ اس کے سر کے بال مونڈ دئے جائیں اور اس کے جسم پر مکھن مل دیا جائے اور اس حالت میں اسے برہنہ ایک گدھے پر بٹھا کر سڑکوں پر گھمایا جائے۔ (وشیشتھا VASISTHA، 21، 1، ص 109)

103. سیول، ح، س، ص 246

104. بربوسا 1، ص 208

105. سیول، ح، س، ص 247

106. ARAVIDU DYNASTY 1 ص ص 495 اور 502

107. بربوسا 1، ص 208

108. سیول، ح، س، ص 249 - اس عہد کے ادبی مضامین کا مقبول ترین موضوع ان ہمسر بیویوں کی رقابت تھا۔ کرشن دیو رائے کی اہلیہ تیرو ملا دیوی سنگا (SANGA) کی رقیب ہو سکتی تھی۔ غالباً بربوسا، پائز کے مقابلہ میں حقیقت سے زیادہ رقیب ہے۔

109. ایضاً ص ص 247 - 248

110. ایضاً، ص 249

111. بربوسا 1، ص 208، سیول ایضاً ص 129

112. سیول، ایضاً، ص ص 264 - 265

113. INDIA از میجر، ص 6

114. HISTORY OF INDIA از ایلیٹ 4 ص 114

115. سیول، ح، س، ص 282

116. ایضاً، ص 382

116ھ بربوسا ا ص 208

117ھ HISTORY OF INDIA ، از ایلیٹ 4 ص ص 114-115۔ اس ضمن میں ملاحظہ ہو THE RISE ، اور بر از برگس 2 ص ص 380-381 جہاں مدکل (KULKAL) کے حسینہ نہالل (NEHAL) نے سونے کے اس ہار کو لینے سے انکار کر دیا تھا جسے دیو رائے اوّل نے اسے تحفہ میں پیش کیا تھا اس لیے کہ وہ ڈرتی تھی کہ "جو بھی بیج نگر (BEEJNAGGUR) کے حرم میں داخل ہو گیا اسے اس کے بعد اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے ملاقات کی بھی اجازت نہ ہوگی۔"

118ھ برلوسا ا ص 208

119ھ سیول، ح، س، ص ص 382-383

120ھ ایضاً، ص 382

121ھ ایضاً، 248 - 249 اور TN 382، 1

122ھ ایضاً، ص 385

123ھ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا، 1908-09، ص 178

124ھ بربوسا جلد ا ص 225، ملاحظہ ہو ANTE ص 165

125ھ سیول، ح، س، ص 328

126ھ ایضاً ص ص 262، 267، 273-274 اور 378۔

127ھ HISTORY OF INDIA از ایلیٹ 4 ص ص 111-112

128ھ بربوسا ا ص 226، ڈیس موجودہ روپے کی شکل میں یہ رقم G. 32,000 بتلاتا ہے (ملاحظہ ہو TN. ا ص 226)

129ھ سیول، ح، س، ص 270

130ھ HISTORY OF INDIA از ایلیٹ 4، ص ص 111-112 INDIA از میجر ص 29

131ھ سیول، ح، س، ص 242

132ھ ایضاً ص ص 242 اور 269

133ھ برلوسا ا، ص

134ھ مدھورا وجیم، کھنڈ 6، اشلوک 56-65

135 HISTORY OF INDIA، ۴، ص 12۔

136 ملاحظہ ہو OXFORD HISTORY OF INDIA، از ونسنٹ اسمتھ (VINEENTSMITH) ص 314۔

137 سیول، ح، س، ص 262۔

138 HIS. PILGRIMS، از پرکاز ۱۰ ص ص 220-221۔

139 TRAVELS، 2، ص ص 259-260۔

140 ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، MR. ۱۹، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1913-14، پیراگراف 111۔

141 ۱۹۱۹ کا 229، رپورٹ، ۱۹۱۹، پیراگراف 38۔

142 بربوسا ۱، ص 208۔

143 ۱۹۰۴ کا ۱۹۲۲،۹ کا 708، مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1923 پیراگراف 81، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس ۱۹۲۰، پیراگراف 89۔

144 SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 291، ملاحظہ ہو کھیل کود اور تفریحات کے موضوع کے تحت۔

145 HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ ۴ ص 113۔

146 ڈوجیرک DUJARRIC، ۱ ص ص 654-677، بحوالہ AVAVIDU DYNASTY از ہراس (HERAS)، ۱، ص 466، HISTORICAL FROGMENTS، از اورمے (ORME) بھی ملاحظہ ہو ص 61۔

146 (الف) HISTORY OF INDIA.، از ایلیٹ ۴ ص 120۔

147 HIS. PILGRIMS، از پرکاز ۱۰ ص 208۔

148 HISTORY OF INDIA.، از ایلیٹ ۴ ص 119۔

149 سیول، ح، س، ص ص 269-274۔

150 ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 275-278۔

151 ایضاً ص 250۔

152 ایضاً ص 372۔

HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ ۴ ص [illegible]

سیول، ح، س، ص [illegible]

155ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس CHENNAPATNA ۱۱-۱۹۱۰ کا 15 اور 6 ملاحظہ ہو رپورٹ ۱۹۱۱، پیراگراف 62 یہ ایک قدیم ہندو رواج ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی یہاں تک کہ بوڑھے یا بچوں سے ملاقات کے لیے بھی خالی ہاتھ نہ جائے۔ اسے کچھ پھل یا جیسا کہ مذکورہ بالا مثال میں ہے، مٹھی شکر بطور تحفہ ساتھ لے جانا چاہیے۔

156ھ سیول، ح، س، ص ص 374-375

157ھ سیول، ح، س، ص 237۔

158ھ ایضاً ص 230، سداشیو کے ادپّم (ADAPPAN) کی حیثیت سے کرشن آپا نایک نامی ایک شخص کے حوالے کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا DG. 11 - 18۔ ممکن ہے کہ ادپّم کے ماتحت دو درجوں کے ملازمین، پیریا پلّائی اندان - PERIYAPILLAI (YANDANS) (اونچے درجے کے ملازمین) اور چینا پلّائی اندان (CINNAPILLAIYANDAN) (نیچے درجے کے ملازمین) ہوتے ہوں جیسا کہ پدوکوٹائی دربار میں تھے۔ P. 446 - PUDUKKOTTAI STATE MANUAL

159ھ سیول، ح، س، ص 383

160ھ ایضاً ص 269

161ھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کو ادب میں وترہست (VETRAHASTAS) کہا گیا ہے۔

162ھ سیول، ح، س، ص ص 371-372۔

163ھ DUJARSIC، ۱، ص ص 673 - 674؛ بحوالہ ARAVIDU DYNASTY. ۱، ص ص 496 - 497

164ھ کھنڈ ۴، اشلوک 271

165ھ سیول، ح، س، ص ص 249 - 250

166ھ ایضاً، ص 372

167ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 6، ص ص 130-131 یہاں مذکور کنک گیری کے شہر کی شناخت نلور ضلع میں واقع کانی گیری مقام سے کی جا سکتی ہے دریائے کرشنا پر واقع امراوتی سے اس کی شناخت کرنے میں لوڈرس (LUDERS) غلطی پر ہے۔

۱۶۸ HISTORY OF INDIA. ازایلیٹ ۴، ص ۱۰۴۔

۱۶۹ INDIA ازمیجر ص 12۔

۱۷۰ سیول، ح، س، ص 237

۱۷۱ ...شیو کے زمانہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ کنتلا دیش KUNTALADESA جس پر وہ حکومت کرتا تھا، اس کی وسعت 27 ہزار یوجنا (YOJANAS) تھی اس بات سے ایس، وی، وینکٹ ایشور یہ استنباط کرتے ہیں کہ مملکت میں 27 ہزار گاؤں تھے۔ INDIAN CULTURE THROUGH THE AGES. 2، ص 172) بہرحال اس مفروضہ کا کوئی جواز نہیں نظر آتا۔

۱۷۲ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ ۴، ص ص 106-107۔

۱۷۳ سیول، ح، س، ص 251۔

۱۷۴ ملاحظہ ہو ایضاً، ص ص 286-288۔

۱۷۵ ایضاً، ص 287۔

۱۷۶ بربوسا ۱، ص 202۔

۱۷۷ سیول، ح، س، ص 254۔

۱۷۸ ایضاً، ص 255۔

۱۷۹ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ ۴، ص ۱۱۱۔

۱۸۰ ایضاً، ص ۱۱۱۔

۱۸۱ کھنڈ ۱، اشلوک ۱۰۶۔

۱۸۲ سیول، ح، س، ص، 230؛ ناگلاپورا (NAGATAPURA) کے مکانات کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو، ص 246، ص 244 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۸۳ ایضاً، ص 286۔

۱۸۴ HIS. PILGRIMS ازپرکاز ۱۰، ص 262، بربوسا ۱ ص 202، سیول، ح، س، ص 129۔

۱۸۵ ۔ربوسا ۱، ص 202۔ اس سلسلہ میں ڈلمس نے یہ تبصرہ لکھا ہے "پیشہ کے مطابق کے الفاظ کو الگ الگ نہیں ظاہر کیا گیا ہے بلکہ یہ بلوٹیو (BLUTEAU) (۲۶۹) اور ویرا (VIEYRA)

(1813) کے مطابق اررور (ARHUAR) کے نقطہ میں مضمر ہیں یہ اشارہ [illegible]
کے خود اپنے اپنے علاقوں میں محل وقوع کی طرف ہے جو آج بھی ہندوستان [illegible] رائج
ہے" (ایضاً حاشیہ ا) موری (MOORISH) حلقے کے سلسلہ میں ایک [illegible] کے لیے ملاحظ
ہو۔ سیول، ح، س، ص 256

186ھ 1911 کا 396

187ھ 1911 کا 319

188ھ بٹرو ڈیلا ویلے کے ذریعہ اس علاقہ کی ہم عصر اطلاع کے لیے ملاحظہ ہو اسس کی TRAVELS
2، ص ص 230-231، NOTESON RELATIN SAND TRADEOFCHIRE ازروک ہل
ROCK HILL وغیرہ بھی ملاحظہ ہو TOUNG PAO 16 ص 456۔

189ھ سیول، ح، س، ص ص 256-257

190ھ ایضاً

191ھ پاری جاتا (PARIJALA)، کھنڈ 2، اشلوک 3

192ھ سیول، ح، س، ص 237

193ھ ایضاً، ص 257

194ھ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ، 4 ص 113۔

195ھ سیول، ح، س، ص 375

196ھ ایضاً، ص 258

197ھ بربوسا، ا ص 217

198ھ سیول، ح، س، ص 390

199ھ بربوسا ا، ص ص 217-218

200ھ کھنڈ ا اشلوک 80 اور 81

201ھ سیول، ح، س، ص 371

202ھ ایضاً، ص 382

203ھ ایضاً، ص ص 383-383

204ھ HISTORY OF INDIA. ازایلیٹ 4، ص 115

205ھ سیول، ح، س، ص 303؛ یہاں ایرانی سفیر اور نونیز کے بیانات متضاد ہیں۔ موخرالذکر کے بیان کی روشنی میں یہ رائے قائم کرنا درست ہے کہ اول الذکر کا بیان ناقابل اعتماد ہے اور یہ کہ محض چند ہی لوگوں، غالباً نیچی ذاتوں کے لوگوں کو اس طرح کی دعوتوں سے الگ رکھا جاتا تھا، اسی طرح نونیز کا اس رواج کی طرف اشارہ کو کہ دسترخوان بچھا دینے کے بعد کھانا لگا دینے والے کھانا لگا کر باہر رہ جاتے تھے۔ ایک عام دستور کی حیثیت نہیں دینی چاہیے اس لیے کہ مخصوص حالات اور جن اسباب کی بنا پر دعوت دی جاتی تھی ان کے وجہ سے یہ ضروری ہو جاتا ہوگا کہ ملازمین کو دعوت کے کمرے کے باہر رکھا جائے۔

206ھ 1912 کا 91

207ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 35

208ھ HISTORY OF THE DECCAN ازگریبل (GRIBBLE) ا ص ص 70، - 71 ملاحظہ ہو۔

209ھ 1920 کا 109، 1901 کا 152 بھی ملاحظہ ہو۔

210ھ کرناٹکا کوی چرت (KARNATAKA KAVICARITE)، 2، ص 536

211ھ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ، 4، ص 113 اور TN.

212ھ سیول، ح، س، ص 251

213ھ سلک کی وردیاں (SILKEN TROPPINGS) رایضاً، ص 377)

214ھ ایضاً، ص 283

215ھ ورتھا، جونس (JONES)، ص: 129

216ھ ایضاً

217ھ سیول، ح، س، ص ص: 251 - 252

218ھ ایضاً، ص 383، برّادس BARRADAS ان ٹوپیوں کے آغاز کے متعلق ایک بیان دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو- POLITICAL AND SOCIAL LIFE IN THE VIJAYANAGAR EMPIRE ازسلیٹور 2، ص 294۔

219ھ بربوسا ا ص 205

حاشیہ 220 HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰ ص ۹۹۔

حاشیہ 221 INDIA ازمیجر (MAJOR)، ص 22۔

حاشیہ 222 ایضاً

حاشیہ 223 بربوسا ۱ ص 205

حاشیہ 224 سیول، ح، س، ص 252

حاشیہ 225 HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰، ص ۹۹

حاشیہ 226 سیول، ح، س، ص 252

حاشیہ 227 INDIA ازمیجر، ص 12

حاشیہ 228 بربوسا ۱، ص ص 206-207، ڈیمس (DAMS) نے چھتریوں پرایک نوٹ لکھا ہے وہ لکھتا ہے "اپنی مکمل آرائش اور بہت زیادہ قیمتی ہونے کی بنا پر یہ یقیناً ایک ایسا سامان تعیش ہوگا جسے صرف کافی مالدار لوگ ہی استعمال کرتے ہوں گے۔"
(ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 206-207 .TN)

حاشیہ 229 ورتھما، جونس (JONES)، ص 129

حاشیہ 230 بربوسا، ۱، ص 207

حاشیہ 231 TRAVELS ص ص 257-258

حاشیہ 232 INDIA. ازمیجر، ص 22

حاشیہ 233 کھنڈ ۲، اشلوک 18

حاشیہ 234 سیول، ح، س، ص 273

حاشیہ 235 بربوسا ۱، ص 207

حاشیہ 236 TRAVELS 2، ص 258

حاشیہ 237 INDIA ازمیجر، ص 23

حاشیہ 238 HISTORY OF INDIA ازایلیٹ

حاشیہ 239 سیول، ح، س، ص 252

حاشیہ 240 HISTORY OF INDIA ازایلیٹ ۲، ص ۱۰۹

حاشیہ 241 بربوسا ۱ ص 207

241 بربوسا ا ص 207

242 ایضاً، ص ص 207-208

243 سیول، ح، س، ص 273

244 1891 کا 35

245 بربوسا، جلد ا، ص 205

246 آمکتا 2، اشلوک 60

247 بربوسا ا، ص 207

248 HISTORY OF INDIA ازالیٹ 4 ص 114

249 TRAVELS از پیٹرو ڈیلاویلے ا ص ص 36-37

250 سیول، ح، س، ص 242

251 اس پر سیول کا حاشیہ ملاحظہ ہو، ص 285، ایضاً

252 ایضاً، ص 285

253 ایضاً، ص 286

254 سیول، کا حاشیہ ملاحظہ ہو، ح، س، ص 285

155 ایضاً ص ص 369-370

156 ایضاً، ص 370

157 ایضاً، ص 287

158 ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 369-370، اور ص ص 285، 289 بھی ملاحظہ ہو۔

159 پائز، سیول، ح، س، ص 271، ص 268 بھی ملاحظہ ہو۔

160 ایضاً، ص 378

161 ڈوجیرک، ا، ص ص 684-685، بحوالہ ARAVIDU DYNASTY از ہراس ا ص ص 313-314

162 سیول، ح، س، ص، 249

163 ایضاً، ص ص 383-384

164 بربوسا ا، ص ص 190-191

265. کسٹن ہدا، BK.، 2، باب 16، ص 53- برلوسا 2، ص 236 حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے جلد ص ۱۹۰ حاشیہ 2 بھی ملاحظہ ہو۔ ایک پیشہ ور شخص کے ساتھ ڈوئیل لڑنے کے لیے کرشن دیورائے کی جانب سے وید ہید ما کو دی گئی دعوت کے سلسلہ میں نونیز کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیول، ح، ص ص 319-320

266. میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1929 نمبر 2

267. SOURCES ازایس، کے، اینگر ص 265

268. ARAVIDU DYNASTY ازاننگ اہراس ۱، ص ص ڈوجیرک ۱، ص 684-685، بحوالہ 314-315، سیول، ح، ص ص 378 بھی ملاحظہ ہو۔

269. ارکیولوجیکل سروے رپورٹس 1907-08 ص 250، اس خطاب پر تفصیل کے لیے بھی ملاحظہ ہو۔

270. 1908 کا 357

271. HISTORY OF INDIA ازایلیٹ 4، ص ص 109-111-

272. اپی گرافیا کرناٹیکا، G.U. 67

273. ایضاً CHANNARAYAPATNA، 195

274. اپی گرافیا کرناٹیکا 10، MR.، 11

275. THE RISE ازبرگس 2 ص 405

276. HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ 4 ص 121 بھی ملاحظہ ہو۔ جہاں شکرے بازوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ دیورائے دوم نے انھیں ملازم رکھا تھا اگرچہ ہمیں اس مقصد کا ذکر نہیں ملتا جن کے لیے ان کو رکھا گیا تھا۔

277. میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1914-15ء پیراگراف 59

278. SOME MILESTONES OF TELGU LITERATURE

ازایس سبرامیا پنتولو SUBBARAMAYYA PANTULU انڈین انٹیکوری 26 ص 299-

ایس، کے، اینگر (SOURCES ص 138) کے مطابق کرشن رائے نے شاعر نندی تمیا (NANDI TIMMAYYA) کو جوا کھیلنے میں اس کی مہارت کی بنا پر ایک اگرہارا

(AGRAHARA) عطیہ کیا تھا۔ لیکن جو جملہ یہاں زیر غور ہے وہ یہ ہے کرشن رائے کشتیشا کرونا سمالبدھا گھانا چتورنتیانا مہاگراہارا سرمانیو تودو (KRSNARAYA KSITISA KARUNA – SAMALABDHA GHANA CATURANTAYANA MAHAGRA HARA SAMMANAYUTUDU) یعنی وہ شخص جس کی کرشن رائے نے اپنی مہربانی سے کھانا چتور نتیانا (پالکی ؟) اور ایک مہاگراما (بڑا گاؤں) سے نواز کر عزت افزائی کی۔

279ء SOURCES از ایس، کے، اینگر ص 66

280ء ایضاً، ص 142

281ء 1915 کا 558

282ء اپی گرافیا کرناٹیکا 10، .S.D، 100

283ء اپی گرافیا کرناٹیکا 12، .G. B 29

284ء SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 63

285ء .HISTORY OF INDIA از ایلیٹ، 4، ص 118

286ء سیول، ح، س، ص ص 241-242

287ء ایضاً، ص 379

288ء سیول، ح، س، ص 288-289

289ء SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 291

290ء یہ بظاہر گلنے کی ترجیح ہے۔

کولی کولی کولنّا کولی

KOLU KOLE KOLANNA KOLE

کولو کولی کیلی میلو کووی

KOLU KOLE CELIMELU KOVE

291ء TRAVELS از پیٹرو ڈیلا دیلے، 2، ص ص 258-259۔

292ء ایضاً، ص 259۔ مذکورہ جشن تامل کے پونگل (PORIGAL) (جشن) کی طرح کا ایک نہایت مشہور گوبی پنڈوگا (GOBBIPANDUGA) (جشن) ہے۔

۲۹۳ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 153

۲۹۴ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 2، SORAB 258

۲۹۵ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 379، دوسرے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا 12 ... 29

۲۹۶ھ NOTES ON THE RELATIONS AND TRADE OF CHINA
از روک ہل (ROCKHILL)، تونگ پاؤ (TOUNG PAO) 16، ص 458-

۲۹۷ھ SOURCE S از ایس، کے، اینگر ص 63

۲۹۸ھ اپی گرافیا انڈیکا، ۱۱ ص ۴۰۱

۲۹۹ھ ایس، کے، اینگر، ح، س، ص 252

۳۰۰ھ VIJAYANAGARA CENTERERY VOLUME ص 375

۳۰۱ھ ملاحظہ ہو QUESTUPY JOURNAL OF THE MYTHIE SOCIETY 24، شمارہ ۱، ص 21

۳۰۲ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 12، CK. 39

۳۰۳ھ سورس کلاپندھی، مولفہ ایم، ایس، رام سوامی آئر، دیباچہ ص ص 15- SOURCES.
از ایس، کے، اینگر، ص 279-

۳۰۵ھ THE MUSIC OF INDIA از پوپلے (POPLEY)، ص ص 18-19

۳۰۶ھ رام بھدرامبا (RAMBHADRAMBA) از رگھوناتھ آبھی ادیم، SOURCES. از ایس، کے، اینگر، ص ۲۹۱-

بابِ نہم

مذہب

فصلِ اوّل

تمہید

سنہ عیسوی کے بعد کی صدیاں جنوبی ہندوستان میں شیوزم (SAIVISM) اور ویشنوزم (VAISNAVISM) کی ترویج واشاعت میں اہم مقام رکھتی ہیں۔
شیوورشی تیرونادکرشو (TIRUNAVUKKARASU) تیرو جنان سمبندا (TIRUJUNANA SAMBANDA) سندررا اور مانکا واچک (MANIKKAVACAKA) اور ناین ماروں (NAYANMARS) نے جنوبی ہندوستان میں بھکتی کی تحریک کا آغاز کیا۔ پہلے تین افراد نے دیوارموں (DEVARAMS) کی تصنیف کی جب کہ مانکا واچک نے تیرو واچکم (TIRUVACAKAM) لکھی۔ ان تمام افراد نے بھکتی کی اہمیت پر زور دیا۔ بھکتی کی اس تحریک کے شانہ بشانہ ایک اور تحریک اچل رہی تھی جو مذہب کے فلسفیانہ پہلو کی اہمیت پر زور دے رہی تھی۔ اس کی قیادت شری شنکر (آٹھویں صدی) کر رہے تھے جنھوں نے ویدانتا (VEDANTA) کے نظریہ کی وضاحت کی اور اپنے فلسفہ کی بنیاد ویدوں اور اسمرتیوں پر رکھی۔ ان کے خیال میں شیو (SIVA) اور وشنو (VISNU) کے درمیان کوئی فرق نہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نظریہ وحدت وجود کا کٹر نظریہ تھا۔ اپنے نظریات کی تبلیغ واشاعت کے لیے انھوں نے شری نگری (SRINGERI)، کانچی (KANCI) جگن ناتھ اور دوارکا ۔ ان چار مقامات پر چار مٹھ

(NATHAS) قائم کیے تھے جن میں سے ہر ایک مقام پر انھوں نے ایک ایسے مذہبی پیشوا کا تقرر کیا جس کا باضابطہ طور پر جانشین ہوتا تھا۔

اسی طرح، وشنوزم کے سلسلہ میں، جنوبی ہندوستان میں چند وشنو مبلغین کا ظہور ہوا جو آلواروں (ALVARS) کے نام سے معروف ہوئے۔ ان کی تعداد بارہ تھی اور ان میں پوئی گائی الوار (POYGAI ALVAR)، نما آلوار (NAMMA ALVARS)، کل شیکھر الوار (KULASEKHARA ALVAR)، پیریا آلوار (PERIYA ALVAR) اور تیرومنگائی الوار (TIRUMANGAI ALVAR) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیفات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ وشنو کے لیے ان کی انتہائی والہانہ اور حقیقی محبت سے مملو ہیں اور یہ تصنیفات اپنی انتہائی سنجیدگی اور حدت شوق میں، دیورام (DEVARAM) میں شیو درویشوں کے ذریعہ خدا سے کی گئی اتنی ہی مستحکم اور موثر التجاؤں کے بالکل مساوی ہیں۔ ان کی محبت یا بھکتی پرپٹی PARAPATTI کے نظریہ کی بنیاد ہے جو وشنو فلسفہ پر بہت زیادہ غالب نظر آتا ہے[1]۔ وشنو آلواروں کے بعد چند وشنو آچاریوں کو فروغ حاصل ہوا، جیسے ناتھ منی (NATHAMUNI) اور الوندار (ALAVANDAR)، (یمونا آچاریہ (YAMUNACARYA) جنھوں نے آلواروں کے نظریہ کو پیش کیا اور اس کی تشریح اور تکمیل کی۔ انکے بعد شری رامانجوچاریہ (SRI RAMANUJACARYA) آئے جو گیارہویں اور بارہویں صدی میں تھے جبکہ شنکر نے وحدت وجود کے نظریہ پر زور دیا تھا، رامانجوچاریہ نے وشست آدویتا (VISISTADVAITA) کا نظریہ پیش کیا۔ شنکر کے ادویتا کے نظریہ کے مطابق صرف برہمن ہی ایک حقیقت ہے اور دوسری تمام چیزیں برہمن کے لازمی خصائص ہونے کی حیثیت سے حقیقی اور دائم ہیں۔

تیرہویں صدی میں مادھوآچاریہ (MADHVACARYA) نامی ایک اور عظیم مفکر اور فلسفی ہوئے جنھوں نے دوتیا (DAVAITA) کے نظریہ کی تبلیغ کی۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی نفس خدائے عظیم کے ساتھ متحد نہیں ہے بلکہ ایک الگ چیز ہے نیز یہ کہ تمام اشیا حقیقی اور دائم ہیں۔

یہ تحریکیں آہستہ آہستہ ملک میں پھیل رہی تھیں کہ اچانک چودھویں صدی میں مسلم حملوں نے اپنے تمام لازمی نتائج کے ساتھ جنوبی ہندوستان میں مذہبی تحریکوں کو ایک نئی قوت بخشی۔

چودھویں صدی کے آغاز میں وندھیاس (VINDHYAS) کے جنوب کا ہندوستان ایک قابل افسوس تصویر پیش کر رہا تھا۔ اس وقت یہ (خطہ) آپس میں جنگ وجدال کرنے والی سلطنتوں کا ملک تھا اور یہ علاقہ چار اہم طاقتوں۔ دیوگیری کے یادووں، وارنگل کے کاکیتاؤں، دوار سمدر کے ہوئے شالاوں اور انتہائی جنوب کے پانڈیاؤں (PANDYAS) میں منقسم تھا۔ اسی زمانہ میں دہلی کے سلاطین نے جنوبی ہندوستان کی سیاست میں مداخلت شروع کی اور اس طرح اس علاقہ میں پھیلی ہوئی ابتری میں اضافہ کر دیا۔ محمد بن تغلق نے 1327ء میں ہوئے شالا کے علاقہ پر حملہ کیا اور بلّال سوم (BALLALA III) کو اطاعت پر مجبور کیا۔ انتہائی جنوب کے پانڈیا دربار میں جانشینی کے مسئلہ پر سندرا پانڈیا اور ویر پانڈیا کے درمیانی نزاع نے مملکت کو کمزور بنا دیا اور مسلم حملہ آوروں کے لیے یہ آسان کر دیا کہ وہ اس کے معاملات میں دخل اندازی کریں، اس کے علاقوں کو تاراج کریں اور ملک کی ابتری میں اضافہ کریں[2]۔ جنوبی ہندوستان میں ابتدائی یورشوں کے بعد 1327ء میں محمد بن تغلق نے تمام کرناٹک کو اس کے پورے عرض و طول میں دریائے عمان (OMAN) کے ساحلوں تک اپنا مطیع بنا لیا[3]۔ اور مدورا پر حکمرانی کیلیے جسے اس نے دہلی ہی کا ایک صوبہ بنا دیا تھا، جلال الدین کا تقرر کیا۔ لیکن جلال الدین نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ تغلق نے اس باغی سردار کے خلاف ایک مہم بھیجی لیکن اس کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں (بعد میں) مدورا کا سلطان مارا گیا اور اس کا داماد غیاث الدین اس کی جگہ تخت پر بیٹھا جس نے ویر بلّال کے ساتھ ایک جنگ میں ہندوؤں کو "بدترین شکست" دی اور ہوئے شالا حکمراں کو قتل کر دیا۔ غیاث الدین کے بعد یکے بعد دیگرے ناصر الدین، عادل شاہ، فخر الدین، مبارک شاہ اور علاء الدین سکندر شاہ اس کے جانشیں ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے شہزادے کمپن کی ابتدائی جنگوں کے نتیجہ میں تقریباً 78-1377ء میں سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

جنوبی ہندوستان پر مسلمانوں کا تسلط ایک مستقل ظلم تھا۔ ابن بطوطہ اپنے بہنوئی غیاث الدین کو ایک بے رحم و جابر حکمراں سمجھتا تھا اور وہ کہتا ہے کہ وہ "انسان کی شکل میں ایک شیطان تھا"۔ مندر مسلمانوں کے حملوں کا نشانہ بنے اور شری رنگم اور چدمبرم کی مشہور و معروف زیارت گاہوں کو شدید نقصان پہونچا۔ جیسے ہی مسلمان شری رنگم کے قریب پہونچے ودانتا دکشت نے شری رنگا ناتھ کی شبیہ اس مقام سے ہٹا لی۔ پانڈیا تاریخ (PANDYAN CHRONICLE) میں درج ہے کہ مدورا کا حقیقی سرپرست دیوتا ملیالم کے علاقوں

میں چلا گیا۔ اس کے بعد مندر کی دیوار، اس کے چودہ مینار اور اس کی اندرونی سڑکیں تباہ و برباد کر دی گئیں[۵۰]۔ ایک کتبہ میں مدورا میں مسلمانوں کی حکومت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ "یہ دور تولکنوں (مسلمانوں TULUKKANS) کا دور تھا۔ دیوتاؤں کی دیو دان اراضیوں پر کودی مائی (KUDIMAI) ٹیکس عاید کیا گیا بہرحال مندروں میں پوجا بلا کسی کمی کے کی جاتی تھی۔ اولوو (ULAVU) یا مندر کی اراضیوں کی کاشت گاؤں کے پٹہ دار باری باری سے کرتے تھے[۵۱]۔" گنگا دیوی کی مدھورا وجیم بھی مدورا پر مسلمانوں کے تسلط کی نوعیت اور اس کے اثرات کا ذکر انتہائی واضح لیکن قدرے شاعرانہ انداز میں کرتی ہے اس میں درج ہے کہ "یہ مقام جواب ویاگھرا پوری (VYAGHRAPURI) (چدمبرم) کے نام سے معروف ہے، مستقل ایسا ہی ہے۔ اس لیے کہ یہ مقام جہاں کبھی انسان بستے تھے اب شیروں کا مسکن ہے۔ شری رنگم کا ویمان (VIMAN) (مرکزی زیارت گاہ کا گنبد) اس قدر خستہ حالت میں ہے کہ اب یہ محض آدی شیشا (ADI SESA) کا بچھم ہی ہے جو رنگاناتھ کی مورتی کو گرنے والے کھنڈرات سے بچائے ہوئے ہے۔ گجارانیا (GAJARANYA) شری رنگم کے قریب تیروانکاول (TIRUVANIKKAVAL) ، جمبوکیشورم (JAMBU KESVARAM) کا سردار، جس نے ایک مرتبہ ایک ہاتھی کو اپنی پوشاک کے لیے چمڑا حاصل کرنے کی غرض سے مارا تھا، اب دوبارہ اسی حالت کو پہونچ چکا ہے اس لیے کہ اس کے تمام کپڑے اتار کر اسے برہنہ کر دیا گیا ہے جبکہ متعدد دوسرے مندروں کا گربھ گرتھا (GARBHGRHA) (مرکزی زیارت گاہ) منہدم ہو رہا ہے، اس کا منٹپ (MANTAPA) جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ہے اور مندر کے لکڑی کے دروازے دیمک کی نذر ہو چکے ہیں۔ جہاں کبھی مرڈنگم (ایک قسم کے ڈھول MIRDANGAM) کے خوش کن نغمے گونجتے تھے۔ اب وہاں ان گیدڑوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جنھوں نے اسے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ دریائے کاویری جس کو مستحکم پشتوں سے پابند کیا گیا تھا اور جس کا بہاؤ باقاعدہ نہروں کی جانب تھا اب ہر سمت میں بہنا شروع ہو گیا ہے۔ اگرہاروں (AGARHARAS) میں جہاں عموماً آگ میں پیش کیے جانے والے نذرانوں کا دھواں (یاگ دھوما YAGADHUMA) نظر آتا تھا اور جہاں جگہ جگہ ویدوں کی دھنیں سنائی دیتی تھیں وہاں اب ہمیں مسلمانوں کے ذریعہ بھونے جانے والے گوشت کا دھواں (نظر آتا) ہے اور صرف ان بدمعاشوں کی کرخت آوازیں سننے کو ملتی ہیں۔ ناریل کے

ان خوبصورت درختوں کو، جو مدورا شہر کے چاروں طرف واقع باغوں کی زینت تھے ان گھس آنے والوں نے کاٹ ڈالا ہے اور ان کی جگہ ہمیں بہت سے شولا (SULA) (وہ میخیں جن پر لوگوں کو ہلاک کیا جاتا ہے) نظر آتے ہیں جن میں انسانی کھوپڑیوں کے بنے ہوئے ہار لٹک رہے ہیں جو قدرے جداگانہ انداز میں ناریل کے پیڑوں کی مشابہت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور ان کی یاد دلا رہے ہیں دریائے تامراپرنی (TAMRAPARANI) کا پانی جو اس میں غسل کرنے والی نوجوان دوشیزاؤں کے سینوں سے چھڑائے جانے والے صندل کے لیپ سے سفید ہو جاتا تھا وہ اب وحشی پاپیوں کے ذریعہ ذبح کی جانے والی گایوں کے خون سے سرخ ہو رہا ہے۔

اس طرح جنوبی ہندوستان پر مسلمانوں کے قبضہ نے ہندوؤں میں خوف و دہشت کا زبردست احساس پیدا کر دیا۔ ہندو خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور انھوں نے متحدہ اقدام کی ضرورت محسوس کی۔ وہ مسلمانوں کے حملوں کے ریلے کو (دریائے) کرشنا کے جنوب سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ جنوبی ہندوستان میں ہندو اتحاد کے مسئلہ کو مستحکم کرنے کی ان کی اس خواہش نے ان کے متحدہ اقدام اور ایک طاقتور حکومت کے قیام کو ضروری بنا دیا چنانچہ اس مملکت کا قیام، جو جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کرنے والی تھی، جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کے دعوی خود مختاری کے استقرار کی نشاندہی کرتا ہے۔

وجے نگر کی بنیاد کا مقصد اپنے کردار میں مذہبی تھا۔ ہندو اپنے مذہب، اپنی روایات اور اپنے دھرم کو اسلام کے حملوں سے محفوظ کرنے کے لیے فکرمند تھے۔ اس نے یہ ضروری کر دیا کہ ملک میں مذہب کی تجدید کے لیے زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے مذہبی امور میں ان کی یہ سرگرمی کہ اس کو اسلام سے محفوظ رکھا جائے، اس بات کا باعث بھی بنی کہ ادب کی طرف بھی زیادہ زیادہ توجہ دی جائے اس لیے کہ ہندوستان میں ادبی تخلیقات کی نوعیت اور ان کی تعداد زیادہ تر ملک کی مذہبی تحریکات پر مبنی تھی۔ چنانچہ وجے نگر (کی سلطنت) کے قیام کے تین اثرات مرتب ہوئے مسلمانوں کو روکا جا سکا، مذہب کے احیاء کو ایک نئی قوت ملی اور یہ دور ایک زبردست ادبی نشاۃ ثانیہ کے لیے ممتاز ہے۔ اس (سلطنت) کے قیام کے فوراً بعد ہی سنگم (SANGAM) بھائیوں اور ان کے بیٹوں، خاص طور پر بکا کے لڑکے کمپن نے جنوبی ہندوستان کو مسلمانوں کے تسلط سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ کویلولوگو (KOYILOLUGU) کے مطابق شری رنگم میں واقع رنگناتھ کے بت کو جوتس کودی (JYOTISKODI) تیرومالی رنجولائی (TIRUMALI RUNJOLAI) (الگر کوئل - ALAGARKO)

(YIL) کولکوّدی ، (KOLIKKUDI) (کالی کٹ) اور رینگا نور (RANGA -
NUR) کے راستے تیرو نارائن پورم (TIRUNARAYANPURAM)
لے جاکر وہاں کچھ دنوں تک رکھا گیا اس کے بعد اخیر میں اسے تیروپتی (TIRUPATI)
منتقل کر دیا گیا۔ جب جنجی کے حکمراں گوپنا (GOPANNA) نے بت کے ان تعزیرات
کو سنا تو وہ اسے جنجی لے آیا جہاں اس نے اسے اپنے دارالسلطنت کے قریب شنگا ورم
(SINGAWARAM) میں واقع اور پہاڑوں میں تراشی ہوئی رنگا ناتھ کی خوبصورت
زیارت گاہ میں رکھا۔ اسی دوران اس سردار نے جسے شری رنگم کا حاکم بنایا گیا تھا اپنی صحت
کا خیال رکھتے ہوئے اپنے صدر مقام شری رنگم سے چھ میل مشرق میں واقع ایک
گاؤں کنّانور (KANNANUR) منتقل کر دیا اور اس مقام کو شری رنگم کے مندر کی بیرونی
دیواروں کو ڈھا کر اس کے پتھروں سے مستحکم کیا۔ شین گپی ران (SINGAPPIRAN) نامی ایک
کنییال (KANNIYAL) برہمن نے مندر کو تباہی سے بچانے کے مقصد سے شری رنگم کی ایک
رقاصہ کے توسط سے، جس کے مسلمان سردار کے ساتھ گہرے روابط تھے، مسلمان سردار کے یہاں ایک
ملازمت حاصل کر لی تھی اور وفاداری سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ جیسے ہی وجے نگر کی حکومت
کے قیام کی خبریں جنوبی ہندوستان کے پریشان حال لوگوں کے کانوں تک پہونچیں، شین گپی ران کے
بیٹے تیرومنتون نمبی (TIRUMANNATTUN NAMBI) نے گوپن (GOP-
PANNA) کو شری رنگم کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے مندر کے استھانتاروں (STHAN -
ATTARS) میں سے اُتم نمبی نامی ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا۔ جلد ہی جنجی اور سمایاورم
(SAMAYAVARAM) کے درمیان رابطہ قایم ہو گیا 71-1370ء میں گوپنا
نے مسلمان سردار کو " جو شراب نوشی اور عیاشی کی بنا پر بالکل خستہ حال ہو چکا تھا اور کسی حملے کی مدافعت
سے بالکل ہی قاصر تھا"، شکست دے دی اور مندر میں رنگا ناتھ کے بت کو دوبارہ بحال کر دیا۔[27]

جنوب میں کپن کی سرگرمیاں وہاں مسلم اقتدار کے لیے پیام اجل ثابت ہوئیں۔ اس نے
برباد، ویران مندروں کو دوبارہ بحال کیا اور ان میں پوجا پاٹ کا دوبارہ آغاز کیا۔ جس وقت وہ
جنوب میں سرگرم عمل تھا اسی وقت سنگم کے جوشیلے بیٹے شمال میں اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کر رہے
تھے۔ اسلامی حملوں کے ریلوں کو روکنے کے دشوار کام میں شرنگری مٹھ (SRINGERI MATH)
ودیا تیرتھ (VIDYA TIRTHA) اور ودیارنیا (VIDYARANYA)
کے ممتاز مذہبی پیشواؤں نے بھی ان کی مدد کی۔ بعد کی روایات تو ہندو مذہب اور دھرم

کی حفاظت کے لیے شہر وجے نگر کی بنیاد کا سہرا بھی ودیارنیا کے سر باندھتے ہیں۔ شیوزم کے پاشوپت (PASUPATA) نظریہ کا حامل کریا شکتی پنڈت (KRIYASAKTI PANDIT) نے بھی اسلامی حملے سے جنوب کو محفوظ رکھنے کی اس ہندو کوشش میں ساتھ دیا۔ "قومی نفسیات کا یہ مسلمہ عنصر ہے کہ جہاں کوئی معاشرہ اپنی دفاع کر رہا ہوتا ہے تو وہ اپنی تمام موروثی روایات کو انتہائی عزیز رکھتا ہے اور ان تمام اچھی اور بری چیزوں کو جو اس نے وراثت میں پائی ہیں اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ قدامت پرستی ایک قومی خوبی بن جاتی ہے اور اس کا برقرار رکھنا قومی وقار کا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ وہ وقت اصلاحات کا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ریاست کے وجود کا مقصد ان چیزوں کا تحفظ ہوتا ہے جو باقی رہ گئی ہیں چنانچہ بادشاہوں کی راسخ الاعتقادی ریاست مرکزی خیال بن گئی یہی وجہ ہے کہ وہ عظیم ریاستیں جنھوں نے مسلم اثرات کا مقابلہ کیا تھا . . . مثلاً وجے نگر . . . راسخ الاعتقادی کا قلعہ بن گئیں جہاں ان رسوم کو، جنھیں آزاد ہندوستان میں کبھی قبولیت عام حاصل نہیں ہوئی تھی، مسلمہ اور ناقابل تغیر شمار کیا جانے لگا۔[7] وہ آدرش جس کی حفاظت کے لیے وجے نگر اور اس کی بادشاہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے 1376ء کے ایک کتبے سے اچھی طرح واضح ہے جس میں درج ہے "دنیا میں یشدا (YASDA) اور نند گوپا (NANDA GOPA) کے یہاں اچھوت (کرشنا) نے جنم لیا اور ان سے یہ وعدہ کیا کہ اخیر میں جب دنیا پر ملچھو (MALECCHAS) کا غلبہ ہو جائے گا وہ اس وقت دنیا کو اس سے نجات دلانے کے لیے ایک بادشاہ کی حیثیت سے دوبارہ نمودار ہوگا۔ چنانچہ پمپاپوری (PAMPAPURI) کے علاقہ میں سنگم اور اس کی بیوی کامام بیکا (KAMAMBIKA) کے یہاں اس نے بکا مہی پتی (BUKKAMAHIPATI) کی حیثیت سے جنم لیا۔[8] یہ مذہبی جوش اور اخلاقی بیداری کا دور تھا جب ہندو طاقتوں کو تقویت ملی۔ اس طرح کی تحریک میں بادشاہوں کی دلچسپی کا اندازہ ان خطابات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جنھیں وجے نگر کے ابتدائی سلاطین نے اختیار کیا جیسے مثلاً وید مارگ پرتی استھانیا اچاریہ (VEDA MARGA PRATI STHAPNACARYA) اور ویدیکا مارگ پر تستھانیا آچاریہ (VAIDIKA MARGA PRATI STHAPANACARYA) یہ وہ زمانہ بھی تھا جب "شنکر"، رامانج، مادھو اچاریہ کی تعلیمات، ویدانتا ادوتیا اور دوتیا فرقوں کے نظریات اور جنگموں اور لنگایتوں وغیرہ کے مسلک پر نہ ختم ہونے والے مباحثے ہوئے جن میں ہر ایک اپنے اپنے اصولوں کو نہایت جوش خروش سے پیش کرتا تھا۔[9] گرو پرمپرا (GURU PARAMPARA) کے مطابق ادوتیا کے مبلغ ودیارنیا (VIDYARANYA)

اور دوتیا نظریہ کے تابع اکسو بھیامنی (AKSOBHYAMUNI) کے درمیان اپنے اپنے نظریہ وجودِ غیر حقیقی (MAYA) اور وجود حقیقی (TATTVA) کے بارے میں اختلاف تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے اعتراضات وجے نگر کے بادشاہ کے توسط سے ثالثی کے لیے ودانتا دیشیکا (VEDANTA DESIKA) کے پاس بھیجے (جو اس وقت شری رنگم میں تھے) لیکن وششتادوتیا کے مبلغ نے اپنا فیصلہ اکسو بھیامنی کے حق میں سنایا۔ اگرچہ اس حکایت میں واقعات کا تسلسل شبہ سے بالاتر نہیں تاہم "یہ حکایت . . . نظریات کے ان دو مکاتیب خیال کے مابین اختلاف کو پوری طرح واضح کرتی ہے"۔ لیکن انتہائی فلسفیانہ مسائل پر اس طرح کے شدید مناقشوں اور نظریاتی اختلافات نے بھی ان مخالف فرقوں کو اپنے مذہب کی بقا کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے سے باز نہ رکھا۔ ودیارنیا کی سرگرمی سے، جو وجے نگر کے شاہی خاندانوں سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، ہم زیادہ بہتر طور پر واقف ہیں۔ اس نے مذہب کے احیا کے کام میں بکا اوّل اور ہری ہر دوم کی مدد کی اور اپنے کام کو ان کی اعانت سے انجام دینے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے مذہبی عزائم میں کچھ سیاسی مشاغل کا بھی اضافہ کیا اور نہایت جرأتمندی کے ساتھ ایک سیاست داں اور معمار سلطنت کا کردار ادا کیا۔ ودیارنیا کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ودانتا دیشیکا کو، جو ستیامنگلم (SATYAMANGALAM) میں مقیم تھے وجے نگر آنے کی دعوت دی تھی شاید اس لیے کہ دونوں مل کر کام کریں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیشیکا نے اس زمانہ کی سیاسی تحریکات میں کھل کر حصّہ لینے پر عزلت گزینی کی زندگی کو ترجیح دی جہاں سے وہ ملک کی آزادی کے لیے کام کرتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ چودھویں صدی کے عظیم ادوتیا مبلغ سے متضاد تھے۔

جنوبی ہندوستان کو اسلامی حملوں سے بچانے اور ہندو مذہب کے احیاء کے لیے ادبی تخلیقات اور قدیم کتابوں کی شرح و تفسیر ضروری تھی تاکہ ہندو مذہب کے اصول و عقائد کی تشریح و توضیح کی جاسکے۔ وجے نگر کا قیام اور جنوبی ہندوستان میں زبردست ادبی تحریک کا طوفان باعتبار زمانہ ایک ہی ساتھ واقع ہوا تھا۔ چودھویں صدی سے مملکت وجے نگر میں ادب کے مختلف شعبوں میں بڑے بڑے محققین کا ایک سلسلہ فروغ پا رہا تھا جو جنوبی ہندوستان میں رائج مختلف مکتب خیال کے پیروکار تھے۔ یہ زمانہ زبردست ادبی سرگرمیوں کا زمانہ تھا جس کا آغاز ساین اچاریہ (SAYANACARYA) اور ودانتا دیشیکا سے ہوا تھا۔ دکن کی ہندو سلطنتوں کی تباہی کی بنا پر عالموں کی ایک بڑی تعداد ترک وطن کر کے جنوبی ہندوستان چلی آئی تھی اور انھیں وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل ہوئی۔ ساین اچاریہ اور اس کے بھائی

مادھواچاریہ نے ایک ایسے اسکول کی بنیاد ڈالی تھی جو ویدوں، ارنیکوں (ARANYAKAS) اور برہمنوں پر تبصرے لکھتا تھا۔ اس طرح یہ زبردست مذہبی اور ادبی سرگرمیوں کا دور تھا۔

وجے نگر کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان کے سبھی مذہبی فرقے مثلاً شیو، وشنو، مادھو، جین، مسلمان اور وجے نگر کے بعد کے دور میں عیسائی بھی ایک دوسرے کے شانہ بشانہ مل کر رہتے تھے۔ وجے نگر کے رایوں (RAYAS) نے عام طور پر مملکت میں مذہبی تحریکات کی حوصلہ افزائی کی کوشش کی۔

فصل دوم

ہندوازم

۱- شیوزم (SAIVISM)

مملکت وجے نگر کے مذہبی گروہوں میں شیواؤں کی بڑی اکثریت تھی۔ انھیں تین چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) ادوئیتین (ADVAITIN) یا اسمارتا (SMARTAS) (2) پاشوپت (PASUPAT) اور (3) ویرشیوا (VIRA SAIVA)۔

(۱) ادوئیتین۔ ادوئیتین شری شنکر کے نظریئے کے پیرو تھے جو عدم ثنویت (NON-DUALISM) کے عقیدے کی تبلیغ کرتے تھے۔ مملکت وجے نگر میں دو مٹھ تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں شری شنکر نے قائم کیا تھا۔ ان میں سے ایک شرنگری میں تھا اور دوسرا کانچی میں، جو بعد میں کومباکونم (KUMBAKONAM) منتقل کر دیا گیا۔ دو چھوٹے چھوٹے مٹھ اور بھی تھے۔ ایک پشپاگیری (PUSPAGIRI) میں اور دوسرا ویروپاکسم میں۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب قائم کیے گئے۔ عظیم عالم اور ادیب ودیارنیا ادوتیا کے مبلغ تھے اور شرنگری میں واقع ان کے مٹھ کو وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔ 1346ء میں پانچوں سنگم بھائیوں نے اس مٹھ کو ایک مشترکہ عطیہ دیا تھا[13]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ودیارنیا کی موت ہمپی (HAMPI) میں واقع ہوئی[14]۔ کانچی میں واقع شنکراچاریہ

کے مٹھ کو بھی، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔

شنکر کے ویدانتی اسکول نے وقتاً فوقتاً بڑے بڑے اور مشہور عالم پیدا کیے جنھوں نے کتابیں لکھیں اور ادوتیا کے نظریات کی تشریحیں کیں۔ وہ دوسرے نظریات کے نمایندوں سے مباحثے بھی کرتے تھے۔ روایت سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ مادھو کے ایک شاگرد اور دوتیا نظریہ کے ایک ترجمان اکسوبھیامنی کے ساتھ ودیارنیا کا ایک نظریاتی مباحثہ ہوا۔ ایک زبردست عالم اور فلسفی اپیا دکشت (APPAYYA DIKSITA) ، جنھوں نے سولہویں صدی میں فروغ پایا، ایک مباحثہ جو (عالم) تھے اور انھوں نے اعلیٰ فلسفیانہ مسائل پر کوماکونم میں واقع مادھو مٹھ کے وجے اندر تیرتھ کے ساتھ مباحثے کیے۔

(2) پاشوپت:۔ وجے نگر کے زمانہ میں ادویتیوں یا اسمارتوں کے ساتھ ہی پاشوپتوں نے بھی فروغ پایا۔ انھوں نے شیو آگموں (SIVA AGAMAS) کی طرف زیادہ توجہ دی اگرچہ اس بنا پر انھوں نے ویدوں کو رد نہیں کیا۔ وجے نگر کے زمانہ تک اس مکتب خیال کے شیو جنوبی ہندوستان کے علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ ان کے خود اپنے گرو اور ترجمان تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے اولین چند بادشاہ شیوزم کے اسی مکتب خیال کے پیرو تھے۔ غالباً ہری ہر اول اور بکا اول بظاہر کاشی ولاس کریا شکتی (KASIVILASA KRIYA SAKTI) کے شاگرد تھے جو ایک پاشوپت تھے۔ وہ عظیم وزیر اور جنرل مادھو کے بھی گرو تھے جو 1368ء کے ایک عطیہ میں ان کا تذکرہ کرتا ہے[15]۔ انھیں کریا شکتی گرو کی خواہش پر مادھو نے ایک مخصوص شیوا اندر کی تھی جو ایک سال جاری رہی اور جس کے اختتام پر اس نے خود اپنے اتاثوں کے فنڈ سے کشمیر کے ان اسّی[8] صاحب علم برہمنوں کو ایک عطیہ دیا تھا جو شیوا رسوم کی بہترین واقفیت رکھتے تھے اور شیوا مسلک کے مخلصین میں سے تھے[16]۔ یہ غالباً یہی (گرو) تھے جنھوں نے شیوا گمسارا سمگرھا (SAIVAGAMASARA SAMGRAHA) کی تصنیف کی تحریک کی تھی جسے مارپا اور مادھو نے مشترکہ طور پر لکھا تھا[17]۔ ہری ہر اول انھیں اپنا کل گرو سمجھتا تھا[18]۔ کمارکمپن بھی، جس نے سلطنت وجے نگر کے لیے جنوبی اضلاع فتح کیے تھے، کریا شکتی گرو کو اپنا کل گرو مانتا تھا[19]۔ ہری ہر کے بیٹے امدّی بکا نے کریا شکتی سے اجازت لے کر ہی ودیا شنکر کے مندر کو ایک عطیہ دیا تھا[20]۔ بنگلور ضلع میں واقع واگت (VAGATA) کے ایک کتبے کے مطابق خود کریا شکتی نے مقامی وشنو مندر کو عطیہ میں چند زمینیں دی تھیں[21]۔ یہ دونوں کتبات صاف الفاظ میں

بتلاتے ہیں کہ کریا شکتی گرو، جو اگرچہ خود راسخ الاعتقاد شیوا مسلک کے پیرو تھے، نہ صرف یہ کہ ادویتیوں کے ساتھ رواداری سے پیش آتے تھے بلکہ وشنواؤں کے ساتھ بھی۔ یہ بات واضح طور پر رواداری کے اس عام جذبے کو ظاہر کرتی ہے جو مملکت میں رائج تھا۔[22]

(3) ویرشیوا:- (VIRA SAIVAS) ویرشیوا مملکت کا ایک با اثر مذہبی فرقہ تھا۔ یہ شیوا کی ایک دوسری شاخ تھی۔ ویرشیوزم کو ایک مذہب کی حیثیت سے مقبولیت کا رخ کل چوریاؤں (KALCURAYAS) کے بادشاہ بجل (BIJJAL) کے ایک معاصر اور وزیر بسوا (ورسبھا VRSBHA) نے دیا تھا۔ اس کے لیے راستہ بہرحال شیوا مبلغین کے ایک سلسلہ نے ہموار کیا تھا۔ انھوں نے ودانتیوں کے فلسفیانہ نظریات سے اپنا کوئی زیادہ تعلق نہیں رکھا۔" جس فلسفہ کو جنگم (JANGAMAS) بظاہر مانتے تھے وہ ودانتی نظریہ ہے لیکن درحقیقت وہ خدا کے وجود (نہ کہ وحدت وجود) میں بسوا (ورسبھا) کے شاگرد ہیں جو شیوا کی پوجا کی تعلیم اس کے انتہائی مکروہ انداز لنگا (آلہ تناسل کی مورت PHALLUS) کی پرستش کی شکل میں دیتا تھا جبکہ اس کے تابعین جو جنگموں" دورہ کرنے والوں" یا لنگا یتوں "آلہ تناسل کی مورت رکھنے والوں" کے نام سے پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ بت پرستی کے ساتھ خدا کے وجود کے قائل ہیں جن میں ودانتی تصوف کی بس ایک معمولی سے جھلک ہی پائی جاتی ہے۔[23]" وہ کٹر شیوا ہیں اور ہمیشہ اپنے ساتھ آلہ تناسل کی مورت (لنگم) رکھتے ہیں۔ وہ ویدوں کی سند کے منکر ہیں۔ تناسخ کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے۔ بچپن کی شادی کے مخالف ہیں، بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کے نظریہ کو مانتے ہیں اور برہمنوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ کنارا کے علاقہ میں یہ اب بھی ایک نہایت طاقتور فرقے کی حیثیت رکھتے ہیں اور خاص طور پر تجارت پیشہ طبقوں میں۔

(4) شیوا سدھانتیں (SAIVA SIDDHANTINS) وجے نگر کے زمانہ تک مذہب بڑی حد تک ایک طرف تو مذہبی رسوم اور دوسری طرف فلسفیانہ قیاس آرائیوں سے وابستہ ہو کر رہ گیا تھا۔ ذات پات کا نظام بہت سخت ہو گیا تھا اور عبادت کی جگہ رسوم ورواج نے لے لی تھی چنانچہ ذات پات اور مذہبی رسوم ورواج کی جزئیات کے خلاف ایک عمومی بغاوت پھیل گئی اور دیسی زبانوں کے آزادانہ استعمال کی وجہ سے ملک کے مذہبی ادب کے مطالعہ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ چنانچہ اندھی تقلید کے خلاف وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی اس بےچینی کے نتیجہ میں شیواؤں میں شیوا سدھانت ازم (SIDDHANTISM) کے نظریہ نے عروج پایا۔ اس تحریک کا بانی میکنند دیو (MEYKANDA DEVA) نامی ایک شخص تھا جس نے شیوجنان بودھم (SIVAJ)

(NAN BODHAM) لکھی جس میں اس مسلک کے اصول و عقاید درج ہیں[24] - اس نے تمام مذہبی دیوتاؤں میں شیوا کی اہمیت پر زور دیا اور شیوازم کو عوام کا پسندیدہ مذہب بنا دیا پٹی رگریار (PATTIRAGIRIYAR) پٹن اتوپلا نیار (PATTANATTU PIL LAIYAR) پرن جوتی مونیور (PARAN JOTI MUNIVAR) اور چند دیگر مقامات میں میکندا کے تابعین کی ایک بہترین جماعت تھی - انھوں نے مذہبی رسوم اور تقریبات کے مقابلہ میں بھکتی یا زہد و تقوی کی اہمیت پر زور دیا، شیوواکیر (SIVA VAKYAR) بتوں کی پوجا کا مذاق ان الفاظ میں اڑاتا ہے "پتھروں کو پھولوں سے آراستہ کرنے کا کیا فائدہ ؟ گھنٹیوں کو بجانے، عبادت و اطاعت کی ظاہری رسوم کو بجا لانے، مندروں کا چکر لگانے لوبان کا دھواں اڑانے اور بازاری انداز میں سجی ہوئی اشیاء کے چڑھاوے چڑھانے میں کونسا حقیقی مذہب ہے ؟" زیارت کے لیے رخصت سفر باندھنے کے متعلق وہ سوال کرتا ہے "کیا گنگا میں ایک غسل سیاہ کو سفید بنا سکتا ہے ؟" پٹن اتو پلائی یار کو زندگی سے کوئی محبت نہ تھی وہ جسم کے متعلق کہتا ہے "یہ ایک ایسی ملکیت ہے جس پر مختلف چیزوں کا دعوی ہے، آگ کا، کیڑے مکوڑوں کا مٹی کا چیلوں کا، گیدڑوں کا اور بازاری کتوں کا - مزید براں اس کے اجزائے ترکیبی غلیظ اور بدبودار ہیں۔" وہ خود خدا کی محبت پر زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک عبادت کے طریقے اور مذہبی کتابیں تمام کی تمام "خدا کے ساتھ فریب" ہے۔ وہ خدا کے ساتھ حقیقی محبت پر زور دیتا ہے[25] - وجے نگر کے زمانہ میں یہ تحریک آہستہ آہستہ جنوبی ہندوستان میں پھیل گئی -

2 - ویشنوزم (VAISNAVISM)

وجے نگر کا دور شری ویشنوزم کے پھولنے پھلنے کے لیے نہایت سازگار تھا - عظیم ویشنو فلسفی اور مبلغ رامانج کے زمانہ سے ہی ویشنو امسلک کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن چند دہائیوں سے اس کے پیرووں نے اس کی تعلیمات میں چند تبدیلیاں پیدا کردی تھیں اور چند ایسے نظریات اور رسوم کا اضافہ کر دیا تھا جن کا اس فرقے کے بانی نے حکم نہیں دیا تھا اور جن کو وہ کبھی منظور نہ کرتا -

چنانچہ رامانج کی موت کے چند ہی سالوں بعد ویشنو دو حصوں میں منقسم ہو گئے جن میں سے ہر ایک کے مختلف مذہبی اور سماجی مسائل کے بارے میں خاص نظریات تھے - ان کے اختلافات عموماً نظریاتی اور سماجی نوعیت کے تھے - پہلا متنازع فیہ مسئلہ یہ تھا کہ عبادت کے لیے

واسطہ سنسکرت کو بنایا جائے یا تامل کو اور حصول نجات کے لیے سنسکرت کے ویدوں کو پڑھا یا جائے یا تامل کے پربندھوں (PRABANDHAS) کو ۔ حالانکہ مذہبی عبادات میں ان کے استعمال کے سلسلہ میں خود رامانج نے سنسکرت کی کتابوں اور تامل کی تصنیفات کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ لیکن آگے چل کر جب ویشنو لوگ دوبڑے اور مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئے تو ان میں سے ہر ایک نے ایک زبان کو ترجیح دی۔ جبکہ ودگلائی (VADAGALAI) وشنواؤں نے تامل کے پربندھوں پر ویدوں کو ترجیح دی، تنگلائی (TANGALAI) وشنواؤں نے سنسکرت ادب پر تامل کے پربندھوں کو ترجیح دی۔ لیکن جبکہ اول الذکر نے تامل کو نظر انداز نہیں کیا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ودانتا دیشیکا نے تامل میں بہت سی کتابیں بھی لکھی تھیں، موخر الذکر نے سنسکرت کو نظر انداز کیا۔

یہ مسئلہ بھی کہ نجات کس طرح حاصل ہوسکتی ہے دونوں فرقوں کے درمیان اختلافات کا ایک سبب تھا۔ اس نظریہ کو کہ حصول جنت کے لیے بھکتی ایک نہایت لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے الواروں نے ترقی دے کر پرپتی (PARAPATTI) یا شرناگتی (SARNAGATI) (خود سپردگی) کا نظریہ بنا دیا تھا۔ رامانج نے جو ایک ویشنو ودانتین تھے، خود سپردگی کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیا تھا اور انھوں نے اپانیسدوں (UPANISADAS) اور ودانتا سوترں (VEDANTA SUTRAS) کی وضاحت اسی نظریہ کی روشنی میں کی تھی۔ لیکن ان کے عصر کے بعد وشنواؤں کے درمیان اس بارے میں اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے کہ کن حالات اور کن طریقوں کے ذریعہ ایک شخص نجات حاصل کرسکتا ہے۔ ودگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ قدرت کی مشیت کے آگے خود کو سپرد کردینے سے قبل ایک شخص کو خود اپنی ریاضتوں کے ذریعہ نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب وہ سمجھ لے کہ وہ صرف اپنی کوششوں کی بنیاد پر نجات حاصل نہیں کرسکتا تبھی اسے قدرت کے فضل و کرم کے سامنے خاکسارانہ طور پر خود کو سپرد کردینا چاہیے۔ لیکن تنگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ ایک ایسے شخص کے لیے جو نجات کا خواہش مند ہو خود اپنی کوششیں ضروری نہیں اس لیے کہ قدرت کا فضل و کرم بلا تحریک غیر اور بے کراں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص اپنی کوششوں کے بغیر بھی جنت تک پہونچ سکتا ہے اگر محض وہ اپنے کو خدا کے سپرد کرے۔ اس مسئلہ پر ان کے خیالات کو ایک تمثیل سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ودگلائیوں کا خیال تھا کہ نجات حاصل کرنے کے لیے ایک شخص کو اسی طرح کوشش کرنی چاہیے جس طرح ایک بندر کا بچہ اپنی ماں

کے ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے چھلتے کودتے وقت اس سے چمٹا رہتا ہے تنگلائیوں کا استدلال یہ تھا کہ چوں کہ خدا کا فضل وکرم بلا محرک ہوتا ہے اور اس طرح کام کرتا ہے جس طرح ایک بلی اپنے بچوں کو اپنے منھ میں لے کر چلتی ہے لہٰذا ایک شخص اپنی کوششوں کے بغیر بھی نجات حاصل کرسکتا ہے اور اس کے امنڈتے ہوئے احسانات کو قبول کرلینے کے جذبے کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ۔[45] اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بھنڈارکر (BHANDARAKAR) لکھتا ہے "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رامانج کے فلسفہ کا رجحان بھکتی یا خدا کی بندگی کے روایتی طریقے کو ایک خالص برہمنی شکل دینا تھا اور یہ بات ودنگلائی نظریات میں قطعی طور پر نظر آتی ہے جبکہ تنگلائی یا جنوبی علم زیادہ آزاد خیال ہے اور وہ اس نظام کے نظریات کو ایسی شکل دیتا ہے کہ وہ شدروں پر بھی لاگو ہو سکے ۔[46]

خدا کے فضل ورحمت کی نوعیت کے سلسلہ میں خیالات کا یہ اختلاف گناہ وعفو کے بارے میں دیگر اختلافات کا باعث بنا تنگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ چونکہ خدا کا فضل وکرم بلا محرک ہے لہٰذا ممکن ہے کہ لوگ بلا خوف سزا گناہوں کا ارتکاب کریں لیکن ودگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ بلا خوف سزا گناہوں کا ارتکاب ممکن نہیں کیوں کہ خدا گناہوں کے ارتکاب کو محض نظر انداز کر دیتا ہے وہ ان کا خیر مقدم نہیں کرتا ۔

پھر یہ دونوں فرقے لکشمی کی حیثیت کے سلسلہ میں بھی مختلف خیالات رکھتے تھے ، ودگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ لکشمی کو خدا سے مختلف کوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی اس لیے کہ وہ اسی میں اور اسی کے ذریعہ قائم ہے ۔ وہ خدا کے ساتھ ایک ہے چنانچہ کائنات کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داریوں میں اس کا ہاتھ بٹاتی ہے ۔ لیکن تنگلائی فرقہ اسے ایک نیچی حیثیت دیتا تھا ۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ دوسروں کی طرح لکشمی بھی ایک محدود مخلوق ہے لیکن خدا کی خدمت گذار کی حیثیت سے وہ ایک بلند مقام کی حامل ہے اور خدا اور گنہگاروں کے درمیان محض ایک شفیع کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان کے مطابق وہ گناہ کرنے والے کی صرف شفاعت کرسکتی ہے کسی آزادانہ اقدام کا اختیار نہیں رکھتی ۔

ذات پات کے سلسلہ میں بھی ان دونوں فرقوں کے درمیان اختلافات تھے ۔ ودگلائی ذات پات کے نظام پر یقین رکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ایک شخص اپنے ورن پر عاید قوانین کا پابند ہے ۔ لیکن تنگلائیوں کا خیال تھا کہ ایک سچا پرنیا (PRAPANNA) تمام ذاتوں اور فرقوں سے بالاتر ہے اور وہ کہتے تھے کہ نیچی ذات کا ایک شخص (بھی) ایک برہمن

کے ہی برابر ہے اگر وہ سچا بھکت ہے۔

اسی طرح تنگلائی اتنے آزاد خیال تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ روحانی تعلیم نیچی ذات کے ایک معلم سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے جبکہ ودگلائی اس طرح کے نظریات کی مخالفت کرتے تھے۔ ودگلائی جاترا پر یقین رکھتے تھے لیکن تنگلائی کم از کم نظریاتی طور اس کے قائل نہیں تھے۔ مذہبی رسوم مثلاً شرادھا (SRADDHA) کے بارے میں بھی ان کے درمیان اختلافات تھے۔ جبکہ ودگلائیوں کا خیال تھا کہ شرادھا کے دن صرف خدا کو کھانا پیش کیا جانا چاہیے۔ ان کے مخالفین کا خیال تھا کہ اسے نتیاؤں (NITYAS) اور اچاریوں کے سامنے بھی پیش کیا جانا چاہیے پھر اسی طرح جبکہ اول الذکر قربانیوں کے اثر پر یقین رکھتے تھے موخرالذکر جانوروں کے ساتھ بے رحمی کی بنا پر اسے قابل ملامت سمجھتے تھے۔ سماجی رسوم کے بارے میں بھی ان کے درمیان اختلاف رونما ہو گئے جب کہ ودگلائی نام (NAMAM) کو یوں رکھتے تھے تنگلائی اسے یوں رکھتے تھے۔ جہاں اول الذکر بیوہ عورتوں کے سر کو مونڈنے کی تاکید کرتے تھے، موخرالذکر اس پر معترض تھے اور کہتے تھے کہ سر مونڈنے کی اس رسم کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پوجا کے وقت تنگلائی گھنٹیاں نہیں بجاتے تھے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ویدانتا دیشیکا وینکٹا ناتھ کے گھنٹے (GHANTA) کا ایک اوتار ہے لیکن ودگلائی گھنٹیاں بجاتے تھے۔ تنگلائی لوگ ایک دوسرے کے سامنے سجدہ کرتے تھے بغیر یہ خیال کیے کہ جس شخص کو سجدہ کیا جا رہا ہے وہ بوڑھا ہے یا جوان، شدر ہے یا برہمن، گرو ہے یا چیلا، مرد ہے یا عورت اور سجدہ دیوتا کی موجودگی میں کیا جا رہا ہے یا گرو کی موجودگی میں۔ لیکن ودگلائی احتجاج کرتے تھے کہ نمسکارم (NAMA - SKARAM) صرف چھوٹا بڑے کو، شدر برہمن کو، چیلا اپنے گرو کو اور صرف مستحق عورتوں کو کیا جا سکتا ہے جیسے مثلاً کسی گرو کی بیوی یا ماں کو۔ اور وہ اس بات کے (بھی) قائل تھے کہ یہ رسم کسی دیوتا کی موجودگی میں ہرگز ادا نہیں کی جانی چاہیے[28]۔

ویدانتا دیشیکا، جنھوں نے چودھویں صدی میں تامل کے علاقہ میں فروغ پایا، وہ رامانج کے نظریات کو بحال کرنا چاہتے تھے، چنانچہ وہ قدامت پرست راسخ الاعتقادی کے ایک زبردست مبلغ بنکر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک جماعت تھی جو رامانج کے نظریات کو قبول کرنے پر تیار تھی۔ چنانچہ یہ لوگ ودگلائی فرقے یا شمالی مکتب خیال کے افراد کے نام سے معروف ہوئے۔ دوسرا گروہ جو قدامت پرست راسخ الاعتقادی کے خلاف لڑ رہا تھا اس کی قیادت الور تیرونگیری (TIRUNAGIRI ALVAR) کے رہنے والے اور شری شیلا (SRISAILA)

کے ایک شاگرد منوال مہامنی (MANAVALA MAHAMUNI) کر رہے تھے۔
خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے چودھویں صدی کے نصف اوّل میں فروغ پایا اور وہ بڑی حد تک
جنوبی مکتب خیال کے تابع تنگلائیوں کے ایک علیحدہ فرقے کی حیثیت سے قیام کے ذمہ دار تھے۔
ودگلائیوں کے قائد نینار اچاریار (NAINAR ACARYAR) تھے، جو ورد اچاریہ
کے نام سے بھی معروف ہیں جو ویدانتا دیشیکا کے لڑکے اور جانشین تھے۔ سماجی اصلاحات کے
دشوار ترین کام میں منوال مہامنی کی پیروی ان آٹھوں مٹھوں میں جو انہوں نے خود اسی مقصد سے
قائم کیے تھے، ان کے جانشینوں نے کی۔ یہ مقبول عام تحریک جلد ہی عوام میں پھیل گئی اس لیے کہ
اس کی بے تعصبی کی بنا پر اس کے حلقۂ اثر میں اونچی و نیچی دونوں ہی ذاتوں کے لوگ داخل ہو رہے
تھے اور ایک صدی کے اندر اندر اس نئے عقیدے کے ماننے والوں کی تعداد ودگلائیوں کے
مساوی ہو گئی۔[26]

3 - ولبھ فرقے (THE VALLABHA SECT)

وشنواؤں میں بھکتی کی تحریک ولبھ اچاریہ نامی ایک فرقہ کی بنیاد کا باعث بنی جس کا نام اس
کے بانی کے نام پر پڑا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا بانی کرشن کی ذات کے ایک حصہ کا ایک مادی
شکل میں اظہار تھا۔ جس مذہب کی وہ تبلیغ کرتے تھے اس کے مطابق وشنو سب سے بڑا خدا تھا
اور اس کی پرستش نوجوان کرشن کی شکل میں کی جانی چاہیے جو رادھا سے متعلق تھے۔ ولبھ اچاریہ کا
خیال تھا کہ دیوتا کرشن کی پرستش برت رکھ کر اور روزہ اور نفس کشی کر کے نہیں کرنی چاہیے بلکہ
پوجا کرنے والے اپنے آپ پر کوئی پابندیاں عاید کیے بغیر ایسا کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے
مطابق چوں کہ ہر نفس ذات عظیم کا ایک حصّہ ہے لہٰذا انسان پر کسی طرح کی پابندی عاید نہیں
کرنی چاہیے۔ بھکت کو کھانا پینا چاہیے۔ اپنی بھوک اور دیگر تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے اور نہایت
آسودگی کی حالت میں کرشن کی عبادت کرنی چاہیے۔

ایک روایت ہے کہ ولبھ اچاریہ کو وجے نگر کے کرشن دیو رائے نے اپنے دربار میں مدعو کیا تھا
جہاں ایک مناظرہ منعقد کیا گیا تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ مادھو کے مشہور و معروف مبلغ ویاسرائے
تیرتھ (VYASARAYA TIRTHA) کے مقابلہ میں وہ کامیاب ہوئے اور وشنواؤں
کے سب سے بڑے اچاریہ منتخب کیے گئے۔ بعد میں انھوں نے نو برس سے زیادہ عرصہ تک
ہندوستان کے مختلف حصّوں کا دورہ کیا اور بالآخر بنارس میں مقیم ہو گئے جہاں کہا جاتا ہے کہ

انھوں نے اپنے فلسفہ اور مذہب پر سترہ اہم کتابیں لکھیں۔ ان کے مذہب کے پیرو زیادہ تر بمبئی اور گجرات کے تاجر پیشہ طبقوں میں نیز مدراس پریسیڈنسی کے چند علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پروہت جن کو مہاراج کہا جاتا ہے، شادی شدہ ہوتے ہیں اور ان کا انتخاب تیلگو کے برہمنوں میں سے کیا جاتا ہے جو اس عظیم بانی کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

اس نئے مذہب کے پیروؤں نے اس کے بانی کی انتہائی فلسفیانہ تعلیمات کو نہایت مبالغہ آمیزی کے ساتھ پیش کیا خصوصاً مذہب کے بارے میں ان کے غیر راہبانہ نظریہ کو جس سے انھوں نے غیر شائستہ اور مادی معنی مراد لیے "چنانچہ کرشن کے لیے ان کی عقیدت نہایت بری رسوم میں بدل گئی اور ان کا پورا کا پورا نظام بگڑ گیا"[3]

4 ۔ مادھوازم (MADHVAISM)

ابتداً اس (مسلک) کو تیرھویں صدی میں مادھو نے اپنے نظریہ ثنویت (THEORY OF DUALITY) کی تبلیغ و اشاعت کے لیے قایم کیا تھا۔ وجے نگر کے زمانہ میں اس مذہبی مسلک پر، ماننے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ بڑے بڑے مادھو مبلغین میں سے چند کا ذکر یہاں مناسب ہوگا۔ ان میں سے ایک پدمنابھ تیرتھ (PADAMABHA TIRTHA) تھے جو مادھواچاریہ کے سب سے پہلے جانشین تھے۔ وہ پادرائے مٹھ (PADRAYA MATHA) کے سربراہ تھے۔ (اس) مٹھ کے ممتاز سربراہوں میں سے ایک شری پادرائے تھے جو سالووا نرسمہا کے معاصر تھے۔ مادھو تیرتھ بہت بڑے عالم تھے جو مادھو اچاریہ کی قایم کردہ اترادی مٹھ (UTTARADI MATHA) کے صدر تھے ان کی جانشینی اکسوبھیا تیرتھ (AKSOBHYA TIRTHA) نامی ایک شخص نے کی جو ودیارنیا کے ہم عصر تھے۔ ان دو مشہور و معروف مبلغوں کے درمیان اختلاف کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اکسوبھیا کے دو شاگرد تھے۔ جیا تیرتھ (JAYA TIRTHA) اور راجندر تیرتھ۔ یہ دونوں انتہائی لائق منطقی تھے۔ لیکن مادھو مبلغین میں سے سب سے زیادہ ممتاز مبلغ ویاسرائے (VAYAS - ARAYA) تھے جو کرشن دیورائے کے ہم عصر تھے۔ بانی کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے آٹھ مٹھ قائم کیے گئے تھے اور یہ لوگ (ان کے جانشیں) وفاداری سے ان کے کام کو آگے بڑھا رہے تھے ویاسرائے، برہمنیا تیرتھ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک غیر معمولی صلاحیتوں کے منطقی اور ودانتیں تھے اور انھوں نے دوتیا کے فلسفیانہ نظام کے بعض اہم پہلوؤں پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے

تات پریاچندریکا (TATPARYA CANDRIKA) ترک تندوا (TARAKATANDAVA) اور نیائے امرت (NYAYAMRTA) قابل ذکر ہیں۔ وہ "تمام شاستروں" کے مفسر بھی تھے اور وشنو سدھانت پرتشتھاپن اچاریہ (VAISNAVA SIDHANTA PRATISTHAPAN ACARYAH) کہے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرشن دیورائے کے بڑے مقرب تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک زبردست بلا کو ٹالنے کے خیال سے جس کے متعلق یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ اگر بادشاہ ایک خاص وقت تک تخت پر قایم رہا تو وہ مملکت پر نازل ہوگی۔ بادشاہ تھوڑے عرصہ کے لیے ویاسرائے کے حق میں تخت سے دستبردار بھی ہوگیا تھا۔[32] بادشاہ نے انھیں عطیہ میں متعدد گاؤں عطا کیے تھے۔[33] وہ کئی برس تک تیروپتی میں مقیم رہے۔[34] سولھویں صدی کی ایک تصنیف سمپردائیک اولدیپیکا (SAMPRADAYAKULADIPIKA) کے مطابق ویاسرائے تیرتھ نے کرشن دیورائے کے دربار میں منعقد ایک نشست کی صدارت کی تھی جس میں مباحثہ کے دوران ولبھ اچاریہ نے اپنے مخالفین کو شکست دی تھی۔[35] پروفیسر آفرشٹ (PROF. AUFRECHT) کا خیال ہے کہ ویاسرائے مٹھ بنیاد (خود) انھوں نے ڈالی تھی۔[36] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ہمپی (HAMPI) میں ہوا تھا۔ "آج بھی جب کوئی مقدس یاتری پمپاکستر (PAMPAKSETRA) (ہمپی) جاتا ہے تو دریائے تنگبھدر میں واقع نوبرندیون (NAVABRNDEVANA) نامی ایک جزیرے میں اس عظیم مذہبی مبلغ اور عالم کا مقبرہ اسے دکھلایا جاتا ہے۔[37]"

دوسرے عظیم مادھو مبلغ وجے اندر تیرتھ نامی ایک شخص تھے جو عظیم اپیادکشت کے معاصر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 64 کلا (KALA) یا علمی شعبوں کے ماہر تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا آخری دور کومباکونم میں گذارا اور اس مقام کے ویرشیوا گرو کے ساتھ ان کا ایک فلسفیانہ مباحثہ ہوا جو بارہ دنوں تک جاری رہا اور جس کے اختتام پر وہ کامیاب نکلے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف (بھی) تھے۔

وادی راجا تیرتھ (VADI RAJA TIRTHA) بھی، جو سودے مٹھ (SOUDE) MATHA میں واگشیا تیرتھ (VAGISA TIRTHA) کے جانشین تھے، ایک بہت بڑے عالم اور ایک مشہور بھاٹ تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں تھیں۔ اسی طرح سدھندر تیرتھ (SUDHINDRA TIRTHA) کے شاگرد راگھویندر تیرتھ

(RAGHAVENDRA TIRTHA) بھی ایک بڑے عالم تھے جو سترھویں صدی میں ہوئے ہیں۔ وہ ایک زبردست مصنف اور ایک مشہور مباحثہ جو تھے[39]۔

فصل سوم

جین ازم

(JAINISM)

وجے نگر کے زمانہ میں جین ازم کو زبردست سرپرستی حاصل ہوئی۔ جین مذہب ایک با اثر مذہبی فرقہ تھا جس کے اثر و رسوخ کا دائرہ مملکت کے شمالی اور مغربی حصّوں میں پھیلا ہوا تھا۔ وجے نگر کے حکمراں مذہبی رواداری کو نہ صرف یہ کہ ایک معقول حکمت عملی بلکہ اسے ایک سیاسی ضرورت بھی سمجھتے تھے اور جینیوں کے معاملہ میں بھی وہ رواداری برتتے تھے۔ مثال کے طور پر جب 1366ء میں جینیوں اور شری ویشنواؤں کے درمیان جھگڑے ہوئے تو بکا اوّل نے ان کے جھگڑوں کا تصفیہ کیا اور ان دو مخالف فرقوں کے درمیان مصالحت کرادی۔ یہ جین۔ ویشنوا معاہدہ جنوبی ہندوستان کی مذہبی تاریخ کے ایک اہم دور کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس طریقے سے یہ مصالحت کرائی گئی تھی وہ بہت دلچسپ ہے۔ بکا اول نے دونوں فرقوں کے قایدین کو بلا بھیجا اور یہ اعلان کیا کہ چوں کہ ان دونوں فرقوں کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے لہٰذا انھیں دوست بنکر رہنا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے جینیوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر اٹھارہ ناڈوں کے شری ویشنواؤں کے ہاتھوں میں دیا۔ ان میں شری رنگم، تیروپتی، کانچی اور میلکوٹ کے آچاریہ اور بعض دوسرے ویشنوا فرقے جن میں تیروکول (TIRUKULAS) اور جامبوکول (JAMBUVAKULAS) یعنی ہوئے سالا اور مدیگا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، شامل تھے۔ پھر اس نے یہ فیصلہ سنایا "جین مذہب پہلے ہی کی طرح پانچوں عظیم آلات موسیقی اور کلش (KALASA) یا سنگ مرمر کے تراشے ہوئے ظرف (VASE) (کے استعمال) کا استحقاق رکھتا ہے لہٰذا اگر ویشنوا لوگوں سے جین مذہب کو کوئی نقصان یا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو موخرالذکر اسے خود اپنے مذہب کا نقصان یا فائدہ سمجھے گا۔ لہٰذا جب تک چاند اور سورج قایم ہیں ویشنو مذہب جین مذہب کی حفاظت کرتا رہے گا۔ ویشنوا اور جین ایک ہی جسم (کے حصہ) ہیں۔ انھیں الگ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے۔ تیروپتی کا تاتیا اس رقم سے جو پوری مملکت میں جینیوں کے گھر سے وصول کی جاتی ہے۔ بیس ملازم رکھے گا جو بلگولہ (BALGOLA) کے دیوتا کے لیے حفاظتی دستہ کے طور پر کام کرے گا اور جینیوں کے منہدم مندروں کی مرمت کرائیگا

جو شخص بھی اس فرمان کی خلاف ورزی کرے گا وہ بادشاہ اور سنگھ اور سمودائے سے غداری کرے گا۔[۶۴]"
اس مصالحت کے سلسلہ میں ایک حقیقت قابل توجہ ہے۔ ان کتبات کا ابتدائی شعر شری ویشنوا کے مبلغ رامانج کی مدح میں ہے اور یہ شعر ان پانچ اشعار کا آخری شعر ہے جن کو دھاتو پانچک (DHATU PANCAKA) کہا جاتا ہے اور جو رامانج کی مدح میں ہیں۔

ہری ہر دوم کا وزیر ایروگپا ڈنڈ ناتھ (IRUGAPPA DANDA NATHA) ایک جین تھا۔ وہ پشپا سینا (PUSPASENA) کا شاگرد تھا اور اس نے وجے نگر میں کنتھ جینالے (KUNTHA JINALAYA) (یعنی) ہمپی میں واقع موجودہ گنی گتی (GANIGITTI) کے مندر کی اور گوٹی (GOOTY) کے پارشوا جینا ناتھ (PARSVAJINA NATHA) کے لیے ایک بستی کی تعمیر کی تھی۔ اس کے کتبات تیروپارتاکونرو (TIRUPPARUTTAKNRU) میں بھی پائے گئے ہیں جو کنجیورم کے قریب جینوں کی ایک چھوٹی سی کالونی ہے جہاں بظاہر اس نے جین مندر کے سامنے ایک منڈپ کی تعمیر کی تھی۔[۶۵] دیورائے دوم نے وجے نگر کے بنسو پڑی بازار کی ایک سڑک پر ارہت پارشو ناتھ (ARHAT PARSVA NATHA) کے لیے پتھر کا ایک مندر تعمیر کیا تھا۔[۶۶]

کرشن دیورائے اور اس کے جانشینوں نے بھی جین ازم کی سرپرستی کی[۶۷] اور (یہ مذہب) مملکت وجے نگر کے شمالی اور مغربی علاقوں میں پھل پھول رہا تھا۔[۶۸]

فصل چہارم

عیسائیت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں عیسائیت بالکل شروع ہی میں آچکی تھی۔ چند دستاویزات کے مطابق ۱۴۴۵ء میں دیورائے دوم کے زمانہ میں وجے نگر کا دیوان ایک عیسائی تھا۔[۶۹] لیکن جنوبی ہندوستان میں عیسائیت کے شیوع کا آغاز پرتگالیوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہی ہوا۔ جو لیسوعی ہندوستان آئے تھے ان کا اصل مقصد (لوگوں کا) مذہب تبدیل کرانا تھا اور ان کی کوششیں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئیں۔ 1533ء کے لگ بھگ جنوب کے ماہی گیری کے ساحلی علاقے کے پرور (PARAVARS) سب سے پہلے حلقہ عیسائیت میں شامل ہوئے۔ جب وہ ان مسلمانوں کی ظلم و زیادتی کو برداشت نہ کر پائے، جو صدف زاروں پر اجارہ

داری کے دعویدار تھے، تو پرورون نے پرتگالی مبلغ ڈاکٹر پیرو وزڈی امرول، (DR. PEROVAZDE AMARAL) سے جو اس وقت کوچین میں تھے، مدد طلب کی اور اس کے عوض انھوں نے عیسائیت قبول کر لینے کا وعدہ کیا۔ آگے چل کر ان یسوعیوں نے جو مدورا میں مقیم تھے باضابطہ طور پر تبدیلی مذہب کا بیڑا اٹھایا، تقریباً بیس ہزار پرورون کو عیسائی بنا یا گیا۔

مدورا کے نایک دربار میں روبرٹ ڈی نوبیلی (ROBERT DE NOBILI) نامی ایک یسوعی مبلغ نے ہندوؤں میں تبدیلی مذہب کی ایک باضابطہ مہم چلائی اس لیے کہ اس کا خیال تھا کہ وہ خدا کا کوئی صحیح علم نہیں رکھتے۔ اپنے مقصد کی حصول کے لیے اس نے یہ سوچا کہ اسے اپنے تمام آرام و آسائش کو قربان کر دینا چاہیے، ہندو سنیاسی کا سا لباس پہننا چاہیے اور ایک اعلیٰ درجہ کے برہمن کی طرح رہنا چاہیے۔ اس نے سنسکرت تامل اور تیلگو زبانیں سیکھیں۔ اس نے سوچا کہ قبل اس کے کہ وہ انھیں اپنے مذہب میں تبدیل کر سکے اسے اپنے آپ کو انکے نزدیک محترم و محترم بنانا چاہیے۔ بہرحال اس نے ہندو مذہب کی مذمت نہیں کی بلکہ اس نے ہندوؤں کے سامنے اپنا ایک نمونہ پیش کر کے انھیں اپنے مذہب کو قبول کرنے پر مائل کرنا چاہا۔ اس لحاظ سے وہ ایک نہایت اعلیٰ شخصیت کا حامل تھا اس لیے کہ اگرچہ وہ ترکیبیں جو اس نے عوام کو عیسائی مذہب قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اختیار کی تھیں تنقید سے بالاتر نہیں ہیں پھر اس کو اپنے مذہب سے اتنا بے پناہ خلوص تھا اس کے نزدیک اپنے مقصد کی حصولی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کی بھی کوئی قیمت نہ تھی۔ لیکن بہرحال اس کے دل جیت لینے والے طور طریقے خلوص نیت، پرزور اسلوب بیان محض چند ہی لوگوں کو اس کے حلقہ اثر میں لا سکے اور عوامی سطح پر تبدیلی مذہب کی کوششوں میں نوبیلی ناکام رہا جس کی توجیہ بآسانی کی جا سکتی ہے۔ فادر فرنانڈس نامی اس کا ایک ہم پلہ مبلغ اس کے طریقہ کار کا مخالف تھا جس کے لیے وہ کہتا تھا کہ اس (طریقہ کار) نے عیسائیت کی جڑیں کاٹ دیں۔ اس سے قطع نظر جس زمانہ میں وہ جنوبی ہندوستان میں آیا تھا وہ زمانہ اس کی نئے اعتقاد کی تبلیغ کی پالیسی کے لیے سازگار نہ تھا اس لیے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب شری ویشنو زم، جس کے مطابق خدا کی نظر میں آدمی اور آدمی کے درمیان کوئی فرق نہ تھا، جنوبی ہندوستان میں پھیل چکا تھا چنانچہ عیسائی مذہب میں ہندوؤں کو کوئی نیا جذب نظر نہ آیا لہٰذا روبرٹ ڈی نوبیلی عیسائیت کو پھیلانے کی کوششوں میں ناکام رہا گو اس نے اپنی تمام کوششیں کیں اور اپنے تمام عیش و آرام قربان کر دیا۔

یسوعیوں کی سرپرستی وجے نگر کے بادشاہ وینکٹ دوم نے بھی کی۔ اس نے اکثر انھیں اپنے

یہاں بلایا، اعزازات بخشے، ان کی ان فلسفیانہ مباحثوں کو سنا جو اس کے سامنے یسوعی پادریوں اور ان کے مخالف ہندو عقاید کے علمبرداروں کے درمیان منعقد ہوئے تھے۔ انھیں یہ اجازت دی گئی کہ وہ چندر گیری اور ویلور میں اپنے کلیسا قائم کریں۔ وینکٹ نے ان کے لیے ایک ہزار سونے کے سکوں کی سالانہ آمدنی بھی مقرر کر دی۔ اس سالانہ آمدنی سے چندر گیری کے تبلیغی مرکز اور اس کالج کو جو انھوں نے سینٹ تھوم (ST. THOME) میں قایم کیا تھا، چلایا جاتا تھا[44]۔

فصل پنجم

اسلام

چودھویں صدی کی ابتدا میں جنوبی ہندوستان پر مسلمانوں کی یورش کے ساتھ ہی ان کے اور ہندوؤں کے درمیان شدید منافرت پھیل گئی۔ مسلمانوں نے ہندو مندروں کو تاخت و تاراج کیا اور ہندوؤں کو زبردستی تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ لیکن مملکت وجے نگر کے قیام و توسیع کے ساتھ ہی جنوبی ہندوستان میں وہ ٹھنڈے پڑ گئے اور اسی زمانہ سے وہ ایک علیحدہ فرقے کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ ہندوؤں نے بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ رکھا۔

دیو رائے دوم نے مملکت میں آباد ہونے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کر کے ایک مثال قائم کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جانشینوں نے بھی اس کی اس پالیسی کی تاسی کی فرشتہ کہتا ہے کہ دیو رائے نے اپنی فوجی تنظیم میں چند اصلاحات کیں، مسلمانوں کو اپنی ملازمت میں داخل کیا، انھیں جاگیریں عطا کیں، اپنے دارالسلطنت میں ان کے لیے ایک مسجد بنوائی اور یہ حکم جاری کیا کہ اپنے مذہب کی بجا آوری میں کوئی انھیں پریشان نہ کرے۔ اس نے یہ فرمان بھی جاری کیا کہ اس کے تخت کے سامنے ایک قیمتی ڈیسک پر ایک قرآن بھی رکھ دیا جائے تاکہ مسلمان "اپنی شریعت کی خلاف ورزی کیے بغیر" اس کے سامنے تسلیمات بجا لاسکیں[46]۔ مسلمانوں کے ہندو ملازمت میں لیے جانے کا ثبوت کتبات میں بھی ملتا ہے ۱۴۳۰ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ دیو رائے دوم کی ملازمت میں دس ہزار تورسکا (TURUSKA) شہ سوار تھے[47] ۱۴۶۰-۶۱ء کے ایک دوسرے کتبے میں بادشاہ ویر پرتاپ دیو کے ایک ملازم کی حیثیت سے احمد خاں نامی ایک شخص کا ذکر ہے نیز یہ کہ اس (احمد خان) نے ایک کنواں بنوایا تھا[48]۔ باربوزا مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے جو ہندو بادشاہ کی ملازمت میں تھے، ایک موری (MOORISH) محلّے کا تذکرہ

کرتا ہے جو شہر کے بالکل کنارے واقع تھا اور کہتا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اسی ملک کے باشندے تھے، جنھیں بادشاہ کی جانب سے تنخواہیں ملتی تھیں اور جو اس کے حفاظتی دستہ سے تعلق رکھتے تھے[55]۔ کرشن دیو رائے ان پر اس قدر اعتماد کرتا تھا کہ رائچور کے خلاف اپنی مہم میں اس نے اپنے ہراول دستہ کی قیادت ان موروں کے سپرد کر دی تھی جو اس کی شاہی ملازمت میں تھے[56]۔ ہندوؤں کے جذبہ صلح پسندی کی نشاندہی اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ 1537ء میں ایک پرہیزگار ہندو نے مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بنوائی تھی[57]۔ یہی پالیسی سداشیوا اور رام راج نے بھی اپنائی تھی۔ بادشاہ کے قائم مقام جسے دیو رائے دوم نے بھی اس وقت اپنے پاس ایک قرآن رکھوایا جب مسلمان اس کے پاس تسلیمات پیش کرنے آئے تھے[58]۔ بہت سے مسلمانوں کو ہندو ملازمت کے اہم عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ ان افسروں میں سب سے نمایاں امور خان (AMUR KHAN) نامی ایک شخص تھا جس کی ضروریات کے لیے رام راج نے ایک جاگیر عطا کر دی تھی[59]۔ عینن ملو کا (عین الملک جیلانی) ایک دوسرا اہم افسر تھا جس کی درخواست پر بادشاہ کے قائم مقام نے بیون ہلی کا گاؤں برہمنوں کو عطیہ میں دے دیا تھا[60]۔ یہ افسر قائم مقام کا اس قدر معتمد تھا کہ وہ اکثر و بیشتر اسے اپنا بھائی کہہ کر پکارتا تھا[61]۔ ایک اور شخص دلاور خاں نے جو رام راج کا ایک ایجنٹ تھا، بات اگرہارا (BATA - AGRAHARA) کی حیثیت سے ایک گاؤں عطیہ میں دیا تھا[62]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے سلاطین درگا (DARUGA) کی بہت زیادہ ہمت افزائی کیا کرتے تھے جو غالباً مسلمان درویش بابا نتّا (BABA NATTA) کا مزار تھا اور اس کی یا اس کے مزار کی نگرانی کرنے والے درویشوں کی منجمانہ پیشن گوئیوں کو بادشاہ اور کاشتکار دونوں ہی بہت اہمیت دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں نے اس ادارے کو بہت سے گاؤں عطیہ میں دیئے تھے۔ جس کا مقصد ہورا (HORA) (فن زائچہ نویسی HOROS COPY) کے مطالعہ کی ہمت افزائی تھا۔ مثال کے طور پر وینکٹ دوم نے 39-1638ء میں پینو گوندا میں واقع بابیا (BARAYYA) کی درگاہ کو عطا کردہ بعض گاؤں کی تجدید کی تھی[63]۔ اسی طرح مدورا کی نایک ملکہ منگمال (MANGAMMAL) نے 02-1701ء میں بابا نتّا کے درگاہ کو ترچنا پلی کے قرب و جوار میں واقع چند گاؤں عطیہ میں دیئے تھے۔ اس عطیے کی وجہ یہ پیشن گوئی تھی کہ "تنجاوور کے ریاستی امور کامیابی سے ہمکنار رہوں گے، جو درست ثابت ہوئی[64]۔

فصل ششم

بادشاہوں کا مذہب اور شری ویشنوازم کی توسیع

وجے نگر کے خاندان کی مذہبی تاریخ مملکت کے مذہبی تحریکات کی تاریخ کا لب لباب ہے وجے نگر کے ابتدائی بادشاہ راسخ العقیدہ شیو تھے لیکن بعد کے حکمراں کٹر ویشنو ہو گئے تھے جو وجے نگر کے شری دیرو پاکسا کے مقابلہ میں تیروپتی کے وینکیٹشا (VENKASA) دیوتا سے زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ حکمراں بادشاہوں کے عقیدے میں اس تبدیلی کا مملکت کے عوام کے عقیدوں پر براہ راست اثر پڑا اور سولہویں اور سترہویں صدی میں جنوبی ہندوستان میں شری ویشنوازم تعجب خیز سرعت کے ساتھ پھیل گیا۔

سنگم خاندان کے اولین افراد، جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے، شیو تھے جو کشمیر کے شیوازم اسکول کے پیرو تھے اور جو پاشوپت (..ATA) کے نام سے معروف تھے۔ کریاشکتی پنڈت ان کے گرو تھے اور یہی کا شری دیرو پاکسا ان کا سب سے بڑا دیوتا تھا جبکہ شری دیرو پاکسا ان کی دستخط مہر (SIGN MANUAL) تھی۔ یہ حکمراں شرنگری مٹھ سے نہایت دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ودیا تیرتھ اور ودیارنیا جو اس مٹھ کے صدر تھے اور جنھوں نے مملکت وجے نگر کے قیام میں کافی حصّہ لیا تھا، اس خاندان کے ابتدائی حکمرانوں میں بہت معزز و محترم سمجھے جاتے تھے۔[66] 1346ء میں پانچوں سنگم بھائیوں نے اس مٹھ کو ایک مشترکہ عطیہ دیا تھا۔[66] 1330ء میں ہری ہر دوم کے ایک بھتیجے چنپا ادیار نے ودیا بھوشن دکشت کو، جو بہت بڑے عالم اور ودیارنیا کے شاگرد تھے، اگرہارا کا عطیہ دیا تھا اور خود ان کے نام پر گاؤں کا نام ودیارنیا رکھا تھا۔[67] پندرہویں صدی کے دوران وجے نگر کے خاندان کے عقیدہ میں ایک تدریجی تبدیلی رونما ہوئی اور حکمراں ویشنوازم کی پاسداری کرنے لگے۔[68]

سالووا (سلاطین بھی) وشنوا تھے جو اہوبلم (AHOBALAM) کے نرسمہا اور تیروپتی کے وینکیٹشا سے اتنی ہی عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے شیوازم کی سرپرستی بھی کی۔ انھوں نے اپنے مہادان (MAHADAN) شیو اور وشنو دونوں کے مندروں کو دیئے۔ لیکن ویشنو مندروں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی اور انھیں بڑے پیمانہ پر عطیات دیئے گئے۔ بہرحال وجے نگر کا شری دیروپاکسا سالووں کے سب سے بڑے دیوتا کی حیثیت سے برقرار رہا۔

تالووا (TALUVA) سلاطین، کرشن دیو رائے، اچیوت رائے اور سداشیو رائے

کے زمانوں میں ویشنوزم کی پیروی کرنے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ کرشن دیورائے نے جو اگرچہ ایک کٹر ویشنوا تھا، شیواؤں کی مساوی طور پر سرپرستی کی اور شیوا مندروں کو عطیات دیئے۔ 18-1517ء میں اس نے کول منڈلم میں واقع شیوا اور وشنو مندروں کے حق میں ٹیکسوں کی بعض مدوں کی معقول مقدار معاف کر دی جو دس ہزار پون (PON) کی رقم کو پہونچتی تھی۔ 1517ء میں اس نے دیوتا پونم بل ناتھ (PONNAMBALA NATHA) کے مندر کے شمال گوپورا کی تعمیر کی تھی۔ اس نے شمال میں اپنی کامیاب مہموں کے بعد اپنے جنوب کے دورے کے دوران چدمبرم میں اس دیوتا کی عبادت کی تھی۔ اس نے کالاہستی (KALAHASTI) اور تیروناملائی میں واقع شیوا مندروں کی اصل عمارتوں میں بہت سے اضافے بھی کیے تھے۔ اس نے خود دارالسلطنت کے گن پتی مندر کو کافی عطیے دیئے تھے۔ اس نے راجدھانی میں واقع ویروپاکسا مندر کی اندرونی زیارت گاہ کے سامنے ایک رنگ منڈپ (RANGAMANTAPA) (سلبی ہال) اور اس کے پہلے ایک گوپورا (GOPURA) بنوایا تھا۔ اس نے اس کے سامنے واقع ایک بڑے گوپورا کی مرمت بھی کرائی تھی۔ اس نے دیوتا ویروپاکسا کو ایک طلائی کنول جس میں نو قسم کے ہیرے جڑے ہوئے تھے اور ایک سانپ نما زیور تحفہ میں دیا تھا۔[70]

لیکن کرشن دیورائے کی جانب سے ویشنو زیارت گاہوں کو دیئے ہوئے عطیات زیادہ اور قیمتی تھے۔ جب اس نے ادے گیری کے قلعے کو دوبارہ فتح کیا تو اسے اس میں دیوتا کرشن کا ایک بت ملا جسے وہ بڑے احترام کے ساتھ دارالسلطنت لے آیا اور اسے ایک مندر میں رکھ دیا۔ جسے خاص طور پر اسی مقصد سے بنایا گیا تھا۔[71] جب وہ 1514ء میں دیوتا وینکیٹشا کو تسلیمات پیش کرنے تیروپتی گیا تو وہاں اس نے تیس ہزار سونے کے سکوں سے دیوتا کو نہلا دیا اور اسے ایک سہ قطاری مالا اور نہایت قیمتی سونے کے کنگنوں کا ایک جوڑا پیش کیا جس میں موتی، ہیرے، یاقوت اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔[73] الاسانی پدنا (ALLASANI PEDDANA) اپنی منوچرتامو کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس کا سرپرست کرشن دیورائے وینکیٹشا کا بڑا عقیدت مند تھا۔[74] اس کا اظہار بادشاہ اور اس کی بیویوں کی تانبے کی بنی ہوئی ان تصویروں سے بھی ہوتی ہے۔ جو اب بھی تیروملائی میں شری وینکیٹشا کے مندر میں موجود ہیں۔[75] دوسرے سال اس نے اہوبلم کے دیوتا اہوبل نرسمہا (AHOBALA NARSIMHA) کو ایک مالا، ایک گوشوارہ جس میں ہیرے اور زمرد جڑے تھے، ہیروں کے کڑے، سونے کی ایک تختی اور ایک ہزار وراہ (VARAHAS) پیش کیے۔[76] اس نے کانچی ورم میں واقع وردراج سوامی (VARADARAJA SVAMI)

مندر میں بہت سے اضافے بھی کیے[77]

کرشن دیورائے وتھوبا (VITHOBA) کا ایک زبردست پرستار تھا وتھوبا مسلک ویشنوزم کی ہی ایک شکل تھی جو مہاراشٹر کے علاقے میں رائج تھی۔ کرشن دیورائے نے اپنے دل کے اس دیوتا کے لیے اپنے دارالسلطنت میں ایک مندر نذر کیا تھا۔ اگر کسی زیارت گاہ کی حیثیت اور اس کی اعلیٰ فنکارانہ نوعیت ہی اس زیارت گاہ میں موجود شے سے اس کے تعمیر کنندہ کی عقیدت وخلوص کی شدت کا تعین کر سکتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرشن دیو کے دل میں سب سے اونچا مقام وتھوبا کا تھا[78]۔

کرشن دیورائے کے ویشنوزم کی طرف جھکاؤ کا اندازہ اس حوصلہ افزائی سے بھی ہوتا ہے جو اس نے ویشنو ارخ کی مشہور ادبی شخصیتوں کے ساتھ کی۔ بادشاہ شری ویشنوا کے ایک ممتاز مبلغ وینکٹ ناتاریا کی بڑی عزت کرتا تھا اور اس نے اسے مملکت کے تمام شری ویشنواؤں کا سربراہ بنا دیا تھا۔ 1523ء میں بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ہر عوامی اجتماع میں اسے اعلیٰ ترین حیثیت دی جائے اور اس نے اسے اس بات کا ایک پروانہ بھی دیا تھا۔ اسی ویشنوا مبلغ کو یہ اختیار بھی دیا گیا تھا کہ وہ مذہبی اور سماجی معاملات میں مجرمین کو سزا دے سکتا ہے[79]۔ ایک اور ممتاز مبلغ، جسے وجے نگر کے شاہی دربار میں زبردست سرپرستی حاصل تھی، ویاساتیرتھ یتندر (VYASATRTHA YATINDRA) تھا جو دوتیا نظریئے کا بہت بڑا عالم اور ترجمان تھا۔ اسے متعدد گاؤں عطیہ میں ملے تھے[80]۔

اچیوت رائے ایک سرگرم ویشنوا تھا۔ لیکن دوسرے مذاہب اور فرقوں سے رواداری کا برتاؤ رکھتا تھا۔ مندروں اور اداروں کو اس کے عطا کردہ متعدد بڑے بڑے عطیات سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جبکہ اپنی حکومت کے نصف اوّل میں اس نے شیوزم اور ویشنوزم دونوں کی مساوی طور پر سرپرستی کی تھی، نصف آخر میں اس کا جھکاؤ ویشنوزم کی طرف کچھ زیادہ تھا۔ چنانچہ 1534ء میں اس نے چند گاؤں اس طور پر عطیے میں دیے تھے کہ انھیں کانچی ورم کے دیوتا وردراجا اور ایکامبر ناتھ (EKAMBERA NATHA) کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے اور اپنا یہ حکم اس نے اس مقام پر متعین اپنے ماتحت افسر کے نام بھی بھیج دیا تھا مگر چوں کہ وہ افسر ایک سرگرم ویشنوا تھا لہٰذا اس نے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق کام نہ کیا بلکہ اس نے عطیہ کا بڑا حصہ وردراجا اور چھوٹا حصہ ایکامبر ناتھ کی زیارت گاہ کو دیا۔ اچیوت رائے کو جب اس غیر مساوی تقسیم کی خبر ہوئی تو اس نے زمین کو قرعہ اندازی کے ذریعہ دونوں مندروں کے درمیان از سر نو تقسیم کیا[81]۔

لیکن وردراجاسوامی کے مندر کو اس کے زیادہ عطیات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ایک سرگرم ویشنوا تھا۔ اس نے کانچی میں موتیوں کا تولابھارا (TULABHARA) انجام دیا تھا اور وردراجاسوامی کے مندر میں معقول عطیے دیئے تھے۔[82] اس نے وجے نگر کے وتھل مندر کو متعدد عطیے دیئے جن میں ایک سورن کسما (SVAIRNKSMA) یا سونے کی زمین تھی۔[83] 1534ء میں اس نے وتیشور (VITTHALESVARA) کی موجودگی میں ان دو شری ویشنوا برہمنوں میں سے ہر ایک کو، جو مندر میں ایک پورانم (PURANAM) پڑھا تھا، عطیہ میں ایک زمین دی تھی جس کے ساتھ ایک مکان بھی تھا۔[84] 1539ء میں اس نے ایک عطیہ دیا تھا جسے "آنند ندھی (ANAND-NIDDHI) کہا جاتا تھا جس کے ذریعہ اسے یہ دعویٰ ہے کہ اس نے وشنو کو خوش کیا اور برہمنوں کے کو بیرا (KUBERAS) بنوائے تھے۔[85] اس نے دیکھانسا سترا VACKHANSA SUTRA کے رسوم کے مطابق مئی 1539ء چدمبرم میں دیوتا تلائی گوندراجا کی مورتی نصب کی تھی اور مندر میں روزانہ کی عبادتوں کے لیے 500 پون کا عطیہ دیا۔[86] اخیر میں اس بات کا اظہار کہ اچیوت ایک سرگرم وشنوا تھا، اس طرح کے جملوں سے بھی ہوتا ہے جیسے "وہ وشنو کے قدموں سے جا ملا" جو اس کی موت کے ذکر کے لیے استعمال کیے گیے ہیں۔[87]

ویشنوازم نے سداشیو کے زمانہ میں مملکت میں مزید طاقت حاصل کی۔ اس زمانہ میں یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ قانونی حکمراں سداشیوا اور واقعی حکمراں رام راج دونوں ہی مملکت میں ویشنوزم کے سرگرم پیرو تھے۔ اس زمانہ میں ویشنو مندروں کو دیئے جانے والے عطیات بہت زیادہ اور نہایت قیمتی ہیں اور شری ویشنوا کے مبلغین کی زیادہ قدر و منزلت کی گئی۔ شری پیرومبودر (SRIPERU MBUDUR) (ضلع چنگلی پت) اور شری موسنم (جنوبی ارکٹ ضلع) کے ویشنو مندر مخصوص عطیات کے مرکز تھے اور تیروپتی اور تیرو ملائی (چتوڑ) کے مندروں کا تو خیر کہنا ہی کیا۔ رام راج نے شری ویشنوا کے تلاپاکم (TALLAPAKKAM) خاندان کے مبلغین کی بڑی عزت افزائی کی۔ ان (مبلغین) میں سے چند یہ تھے اناچاریہ (ANNAMACARYA) تیرومل اچاریہ یوگی اور تلاپاکم تیرو ینگلاناتھ (TALLAPAKAM TIRUVENGALANATHA) یہ پرم یوگی ولاسمو (PARAMYOGI VILA SAMU) نامی کتاب کا مصنف اور ودانتا کے دو اسکولوں کا بانی تھا۔[89] کرشن دیورائے کے معلم اور استاد گووند دیشک کی جگہ تاتاچاریہ نے لے لی جو ایک مشہور ویشنوا مبلغ تھے۔[90] پرپنامرتم کے مطابق اسی زمانہ میں ودّائے چاریہ نے ایک مذہبی تنازعہ میں چترکوٹ (CITRAKOTA) (چدمبر) کے تمام شیوا محققین کو شکست

دی جس میں اپیادکشت بھی شامل تھا اور (دداچاریہ) تاتاچاریہ اور رام راج کے تعاون سے اس مقام میں گوندراجا کی عبادت رائج کرنے میں ہو گئے[91] تاتاچاریہ نے اپنی مشہور تصنیف پنچمت بھنجنم (PANCAMAT BHANJANAM) لکھی۔ دداسئے اچاریہ نے بھی دکشت کی تصنیف ادوتیادیپیکا (ADVAITA DIPIKA) کے رد میں اپنی چند ماروتم (CANDAMARUTAM) لکھی[92] اس زمانہ کے دوسرے شری ویشنو مبلغ کندال شری رنگا چاریہ (KANDA SRIRANGACARYA) کی تحریک پر 31 گاؤں کا ایک عطیہ شری پیرومبودور چنگلی پت ضلع میں رامانج کوتم کو عطا کیا گیا[93]

اروید و بادشاہوں کے اقتدار میں آنے کے بعد شری ویشنوزم کو سلاطین کی اور بھی زیادہ حمایت حاصل ہوئی۔ خود تیروملا اول ہری کے لیے شہد کی طرح کی (میٹھی) عقیدت کا ایک خزانہ تھا[94]۔ اس نے کانچی، شری رنگا، شیشلاچل (تیروپتی)، کنک سبھا (چدمبرم) اور آہوبلادری میں تولاپورس (TULAPURASA) اور دیگر عطیات دیئے تھے[95] اگرچہ وہ ایک کٹر ویشنو تھا تاہم عطیات کے دعائیہ اشعار اور خاتمہ کے سلسلہ میں اس نے وہی پرانا طرز اختیار کیا تھا، سب سے پہلے گنادھی پتی (GANNADHIPATI) کو تسلیمات پیش کی تھیں، دعائیہ اشعار میں شیوا اور لیلا وراہا (وشنو LEIA VARAHA) کو مخاطب کیا جاتا تھا اور خاتمہ میں کناری (زبان) میں تحریر کیا ہوا۔ شری ویروپاکسا کو بدستور برقرار رکھا جاتا تھا۔

شری رنگا بھی ایک کٹر ویشنو تھا اریولی منگلم (ARIVILI MANGALAM) کی تختیوں میں اسے "وشنو کے عبادت گذار" کے نام سے پکارا گیا ہے[96]۔ شری ویشنوزم کے لیے شری رنگا کی اہم خدمات میں سے ایک اہوبلم کے مندر میں پوجا پاٹ کی دوبارہ بحالی تھی۔ اس مقام پر ابراہیم قطب شاہ اور ہندی اننت پورم (HANDE ANANTAPURAM) کے سردار ملکپا (MALAKAPPA) نے قبضہ کر لیا تھا۔ شری رنگا نے انھیں شکست دی اور مندر کو جین گارو (JAYANGARU) کو واپس کر دیا جو اس کا نگراں تھا[97] میل کوٹ، شری پیرومبودر شری موسنم تریپلی چین (TRIPLICANE) میں واقع ویشنو زیارت گاہیں اس زمانہ میں متعدد عطیات کے مرکز تھے۔ ایتور کمار تیروملا تاتاچاریہ (ETTUR KUMAR TERUMALA TATACARYA) جیسے شری ویشنو کے عالموں کو شاہی دربار کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔ شری رنگا نے کانچی میں واقع وشنو کے مندر میں بہت سے اضافے اور اصلاحات کیں جس کے لیے اس نے تیروپینی شنگارائین گار TIRUPPANI SINGARAINGAR

نامی ایک شخص کو اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا[99]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں رامانج کو دیوتا مان لیا گیا تھا اور ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ 1575ء کی ایک دستاویز کے مطابق شری رنگا، اس کے گروتاتاچاریہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے میلکوٹ کے مندر میں شری رامانج کی تعریف میں ودانتا دکشت کی لکھی ہوئی ایک نظم یتی راجہ سپتتی (YATIRAJASAPTATI) کے پڑھے جانے کا انتظام کیا تھا[100]۔ لیکن وہ اپنے اجداد کی طرح شیوا سے کوئی نفرت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اپنے عطیات کے شروع میں شیو، وشنو اور گنیش کے لیے تعظیم بجالانے کے طریقے کو برقرار رکھا[101]۔

تیرومل اور شری رنگا کے عہد تک "وجے نگر کے تخت کو ویروپاکسا کے بازوؤں کے سایہ عاطفت ہی میں سمجھا جاتا تھا[102]۔ وینکٹ دوم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی شاہی پالیسی میں ایک تبدیلی رونما ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے دور حکومت میں شری وینکٹیشا وجے نگر کے شری ویروپاکسا کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس کے عطیات پر شری وینکٹیشا کے دستخط ہوتے ہیں۔ ابتدائی مناجات کا مخاطب بھی وہی یا رام یا وشوک سینا (VISVAKSENA) یا وشنو ہوتا ہے[103]۔ چاند کو "تاریکی دور کرنے والی عظیم روشنی" کے پرانے نام سے یاد کیے جانے کے بجائے اسے لکچھمی کا بھائی کہہ کر پکارا جاتا ہے[104]۔ مزید براں، وینکٹ کے عطیات عام طور پر تیروپتی کے دیوتا وینکٹیشا کے سامنے دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح "وجے نگر کے لوگ پہلے تو ودیا نگر سے جنوب میں پینوگوندا PENU GONDA کی جانب منتقل ہوئے اور پھر وہاں سے چندرگیری کی طرف۔ ویروپاکسا کے قدموں سے وینکٹیشا کے قدموں میں اور شیوزم سے ویشنوزم کی طرف[105]۔ وینکٹ کا گرو اور شری ویشنوزم کا ایک عظیم مبلغ تاتاچاریہ اس کے دربار میں زبردست اثر ورسوخ رکھتا تھا۔ تیرومل شری نواس آچاریہ کنڈال اپل اچاریہ (KANDALA APPALACARYA) اور تالاپاکا تیرومل اچاریہ (TALLAPAKA TIRUMALACARYA) چند دوسرے شری ویشنوا مبلغ، جنھوں نے وینکٹ کے زمانہ میں فروغ پایا تھا، تیروپتی اور راہو بلم جیسے مقامات اہم ویشنو مراکز تھے۔ وینکٹ کے سکوں سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک کٹر ویشنو تھے۔ اس کے سونے کے سکے، جو وینکٹ پگوڈا کے نام سے معروف ہے، کے سیدھے رخ پر وشنو کی تصویر ہے جو ایک محراب پر کھڑا ہے جبکہ اس کے الٹے رخ پر ناگری کتبہ شری وینکت ایشورائے نمہ (مقدس وینکت ایشا کی مدح کندہ ہے[106]۔

ارویدو خاندان کے بعد کے حکمراں مثلاً رام دیو دوم، وینکٹ سوم اور شری رنگا سوم بھی

کٹر ویشنو تھے ۔ لیکن ابتدائی دور کی طرح ان کے عہد میں بھی تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جاتا تھا ۔ رام دوم نے گو خود ایک سرگرم ویشنو تھا لیکن اس نے شیوا مندر کو عطیات دیئے ۔ اس طرح ۱۶۱۵ء میں اس نے موپینا پور (MUPINA PURA) کے ویرو پاکسا مندر کی مرمت کرائی تھی اور دیوتا پر چڑھاوے، مستقل طور پر جلنے والی قندیل، رقاصاؤں، موسیقاروں اور آرائش و زیبائش کے لیے اس نے گیارہ گاؤں کا ایک عطیہ دیا تھا ۔ لیکن مندر کو ایک بار پھر مرمت کی ضرورت ہوئی اور پوجا بند ہوگئی ۔ چنانچہ رام دیو نے اس کی مرمت کرائی اور دیوتا کو پھر اس میں نصب کیا ۔[105]

شری رنگا نے سیٹے آچاریوں کی مدد سے شری ویشنوزم کی ترویج اور اشاعت کی ہمت افزائی کی ۔ ۱۶۶۱ء میں اس نے سویم آچاریہ پوروسوں (SVAYAM ACARYA PURUSAS) میں سے ایک نلاں چکر ورتی وینکٹ اچاریہ نامی ایک شخص کے حق میں ایک عطیہ دیا ۔[107] اس نے چدمبرم میں واقع گوند راجا کی زیارت گاہ میں چند اصلاحات کیں اور لگان سے مستثنیٰ پانچ گاؤں کا ایک عطیہ دیا کہا جاتا ہے کہ اس نے ان راستوں کو بھی متعین کر دیا تھا جن پر ہو کر وہاں جلوس گزرتے تھے ۔ اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے چدمبرم میں واقع شیوا اور ویشنو مندروں کے حکام کے درمیانی جھگڑوں کو اگرچہ محض وقتی طور پر ہی سہی ختم کر دیا تھا ۔[108] ۱۶۶۶ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ کس طرح پماسانی تمانے نایودو (PEMMASANI TIM - MAY NAYUDU) نامی ایک شخص نے گھنڈی کوٹاشیما (GHUNDI KOTASEMA) کے سیٹے آچاریہ کی حیثیت سے بکاپٹنم تاتا اچاریہ (BUKKAPATNAMTATACARYA) نامی ایک شخص کا تقرر کیا تھا ۔ اور اس بات کا بھی انتظام کیا تھا کہ وہ گرو شیوا (GURU SEVA) حاصل کرے، ہری سیوا کے موقع پر موجود رہے اور ان لوگوں کی سرزنش کرے جو سیدھے راستے سے منحرف ہو جائیں ۔[109]

اس طرح مملکت میں شری ویشنوزم کی اشاعت ایک حد تک اس حوصلہ افزائی کی بنا پر ہوئی جو ریاست نے اسے دی تھی، اس لیے کہ بادشاہوں نے اسے اپنے عقیدے کے طور پر اختیار کر لیا تھا ۔ لیکن تیزی کے ساتھ اس عقیدے کی توسیع اور نئے نئے ویشنو مندروں کی تعمیر یا پرانے مندروں کی بحالی یا از سر نو قیام مخالفت کے بغیر تکمیل کو نہیں پہونچا تھا ۔ ہر ہر مرحلے پر شیواؤں نے ویشنوزم کی توسیع کی مخالفت کی ۔ اس نے بسا اوقات ایسی سنگین صورت اختیار کر لی کہ جانبین . . . نے جانی نقصان اٹھایا ۔ فادر ۔ این پمینٹا (FR. N. PIMENTA)

جو 1597ء میں چدمبرم سے ہو کر گذرے تھے، بعض ان واقعات کے عینی شاہد تھے جو وہاں اس وقت پیش آئے تھے۔ جب جنجی کے کرشنا نایک نے وہاں کے گو ندراجا کی زیارت گاہ میں کچھ اصلاحات کی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ایک زبردست اختلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ کیا چدمبرم کے مندر میں پیری مل (PERIMAL) کی علامت (جو سونے کے پتر چڑھا ہوا محض ایک ستون یا کھمبا تھا جس کا نچلا حصّہ ایک بندر (APE) بنا ہوا تھا) کو رکھنا جائز ہے"، بعض نے اس کو منع کیا اور بعض نے اس پر اصرار کیا اور جنجی کے نایک (NAICIUS) نے حکم دیا کہ اس کو مندر میں بنایا جائے لیکن جب کرشنپا نے مخالفت کے باوجود مندر کی دوبارہ تعمیر اور مرمت جاری رکھی تو شیوا مندر کے پجاری میناروں پر چڑھ گئے" اور جس وقت وہ (کرشنپا) مندر میں موجود تھا، انھوں نے نیچے چھلانگ لگادی" اور ان میں سے بیس ہلاک ہو گئے کرشن آپا کو طیش آگیا اور اس نے حکم دیا کہ باقی کو گولی ماردی جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور اس طرح دو کو ختم کر دیا گیا"۔ ایک عورت بھی اس جذباتی جھگڑے سے اس قدر مشتعل ہو گئی کہ اس نے اپنا گلا خود کاٹ لیا"۔ لیکن بالآخر کرشن آپا نے اپنے مقصد کو پورا کر ہی لیا۔[111]

اس عہد کی مذہبی تحریکات کی ایک اور خصوصیت بڑے بڑے مذہبی مبلغوں کے درمیان مناظروں کا انعقاد تھی۔ سولہویں صدی کے نصف آخر میں اس طرح کے دو مشہور عالم تھے جو دو مخالف عقیدوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اپیا دکشت ایک کٹر ادویتین تھا جس کا جھکاؤ شیو کی طرف تھا، جبکہ تاتاچاریہ ایک سچا ویشنو تھا کہا جاتا ہے کہ اس طرح کے ایک مذہبی مناظرے میں اپیا دکشت نے اپنے مخالف کو شکست دے دی تھی جس کی بنا پر شاہی گرو کے دل میں دکشت کے خلاف سخت کینہ پرورش پا رہی تھی اور روایت کے مطابق، اس نے اس کی زندگی کو ختم کرنے کا ایک منصوبہ بھی بنایا تھا[111]۔ اسی طرح کا ایک مناظرہ کومبا کونم میں ایک عظیم مادھو شخص وجے اندر تیرتھ اور رویریشوا مٹھ کے گرو کے درمیان اسی مقام پر منعقد ہوا تھا۔ ان شرائط کے مطابق جو مناظرے سے قبل طے ہوئی تھیں، اگر وجے اندر تیرتھ مناظرے میں شکست کھا جاتا ہے تو اسے شیوا مٹھ میں داخل ہونا پڑتا لیکن اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو شیوا گرو اپنے مٹھ اور اپنی جائداد کو وجے اندر کے حوالے کرنا پڑتا۔ گیارہ دن کے مناظرے کے اختتام پر ویر شیوا گرو نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں وجے اندر تیرتھ نے کومبا کونم کے مٹھ کو اپنے قبضہ میں لے لیا[112]۔ اس طرح وجے اندر تیرتھ اور اپیا دکشت کے درمیان بھی مناظرے ہوئے تھے۔ دونوں نے ہی کتابیں لکھیں جس میں ہر ایک نے دوسرے کے نظریات کی مذمت کی[113]۔

ان تلخ مناظروں اور ایک عقیدہ کے لوگوں کے دوسرے عقیدے کے لوگوں کے خلاف شدید احساسات کے باوجود مملکت میں کوئی ظلم و تعدی نہ تھی۔ جو مذہبی اجتماعات اور مباحثے منعقد ہوتے تھے ان کی نوعیت مذاہب کی ایک پارلیامنٹ میں ہوئے بحث و استدلال کی ہوتی تھی۔ بادشاہ بذات خود اس قسم کے بحث و مباحثہ میں بہت زیادہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ولیم فوسٹر (WILLIAM FOSTER) مغلوں کے دور حکومت میں رواداری کی ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے "یہاں عدم رواداری اور تعصب کا یا مذہب کی بنا پر کسی آدمی کے ساتھ ناروا سلوک کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا بیان ہے جو اسی عہد کے کسی یورپی ملک کے بارے میں مشکل سے دیا جا سکتا ہے[114]"۔ فوسٹر کی یہ غیر مشروط تعریف وجے نگر کے ہندو حکمرانوں پر زیادہ مناسب طور پر منطبق کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے ایک ہمہ گیر مذہبی رواداری کی پالیسی اس عہد میں اختیار کی جو مذہبی تعصب و تشدد کا دور تھا جبکہ یورپ کے حکمرانوں نے منظم اور باضابطہ طور پر ظلم و ایذا رسانی کا بازار گرم کر رکھا تھا، اور یہ سب مذہب کے مقدس نام پر تھا۔ وجے نگر کے حکمران اتنے بالغ نظر اور دوراندیش تھے کہ وہ اپنے عہد کی حدود سے آگے بڑھ گئے۔ لیکن یہ بات بہرحال ذہن نشین ہے کہ اگرچہ مملکت میں تعصب یا تشدد کی ایک ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی تاہم سلاطین ہمیشہ شری ویشنوزم کے حامی تھے۔ اور اسی وجہ سے مملکت میں تیزی اور کامیابی کے ساتھ اس کی توسیع ہوئی۔

باب ہفتم

مندر اور مٹھ

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مندر اور مٹھ دو ایسے اہم ادارے تھے جنھوں نے عوام کی مذہبی زندگی میں ایک اہم رول ادا کیا جبکہ اول الذکر عوام کے مذہبی جذبات کا عکاس تھا، مؤخر الذکر ادارہ بعض مخصوص مکاتیب خیال کی تبلیغ اور ایک مخصوص انداز میں جو اس کے بانی کے مطابق تھا مذہبی تعلیم کے لیے تھا۔

عہد وسطیٰ کا مندر، مذہبی نقطۂ نظر سے خدا کا ایک گھر تھا[115]۔ مندر کا انتظام و انصرام ایسے معتمدین کے ہاتھوں میں ہوتا تھا جو مندر کے ملازمین کی تقرری و برطرفی اور مندر کے اوقاف اور اثاثوں دیکھ بھال کا اختیار رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ مندر کے مفادات کے نگراں تھے۔ مندر میں بہت سے ملازم ہوتے تھے۔ جن میں سے مندر کے منتظم اعلیٰ . . . (کوئل کیلوی KOYALKELVI) مندر

کے اکاؤنٹنٹ (کوئل کنکو KOYALKANAKKU) (یا اولا یلتو OLAIELTTU) [116]
خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس میں اعلیٰ چوکیدار، (میکا ول یا تیر ونی کاول MEYKAVALOR TIRUNEI KAVAL) [117] اسٹور کا نگراں (ارائی کاول ARAI KAVAL)، خزانچی (پون بندارام PONBANDARAM) روشنی کے ذمہ دار ملازمین (تیرو ولکو کودی TIRUVILAKKUKUDI) [118] مندر کا پجاری، بانسری بجانے والا اور ڈھول پیٹنے والا اور دوسرے ملازمین کی ایک جماعت بھی تھی جس کے مختلف فرائض ہوتے تھے۔ مندر کے دیوتاؤں کے متعلق یہ خیال تھا کہ ان کا ذوق بھی انھیں لوگوں کی طرح تھا جو ان کی پوجا کرتے تھے چنانچہ ناچنے گانے والی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد ان مندروں سے وابستہ ہوتی تھی، جن کا یہ فرض تھا کہ دیوتا کے سامنے ناچیں اور گائیں، نہ صرف اس وقت جبکہ ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے بلکہ صبح و شام کو بھی دیوتاؤں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ان کے ناچ اور گانے سے بہت خوش ہوتے تھے چنانچہ ان گانے والی لڑکیوں کو دیوار دیار (DEVARA - DIYAR) دیوتا کی خدمت گذار کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مندر کی ان خدمت گذاروں کو اجرت یا مندروں کے لیے نفع بخش خدمت انجام دینے کی شرائط پر زمینوں کے عطیہ کی شکل میں دی جاتی تھی یا انھیں مندروں کی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی لوگ ذاتی طور پر ان کے اخراجات کی تکمیل کے لیے زمینوں کا عطیہ دے کر یا روپے کی شکل میں ایک مخصوص آمدنی وقف کر کے مندر کے ان ملازموں کی کفالت کرتے تھے۔

مندر بڑی حد تک تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ (مندر) زیارت گاہوں پر ویدوں، پرانوں، یا بعض فرقہ جاتی ادب کو پڑھنے کے لیے ان میں اساتذہ کو ملازم رکھتے تھے۔ تیرو یتی سے دستیاب دستاویزات کے ایک مجموعہ کے مطابق ۲۴ برہمنوں نے مندر میں وید کے بھجنوں کو گانے کے سلسلہ میں 1433ء میں ایک قانون بنایا تھا جس کے لیے شتکوتائی (SITTAKKUTTAI) کے گاؤں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا تھا۔[118الف] 1434-35ء کی ایک دستاویز میں زمین اور گھر کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو ان دو ویشنو برہمنوں میں سے ہر ایک کو دیا گیا تھا جو بھکتی سنجوینی (BHAKTISANJIVINI) کے نام سے معروف پرانوں کو نرسنگا پورم (NARSINGAPURAM) کے مقامی مندر میں پڑھتے تھے۔[119] 1523ء کے ایک کتبے کے مطابق دیوکاپورم (DEVIKAPURAM) میں واقع بکسامٹھ (BIKSAMATHA) کے وشویشور شیو آچاریہ

(VISVESVARA SIVACARYA) کیکولا مدالس (KAIKKOLA
(NUDALIS) اور دیو کا پورم میں واقع مندر کے دیگر معتمدین نے آرونپادی (ARRUV-
(ANPADI کے ایک پنڈت (وروان) ودملائیار (VADAMALAIYAR) کو دیودان
گاؤں شورپوندی (SORAPPUNDI) میں زمین اور ایک مکان کا عطیہ دیا تھا[120]۔ شاکھا
1477ء میں تیرو پودمرودور (TIRUPPUDAMARUDUR) کے مندر
کے حکام نے رام ناتھ نامی ایک شخص کا مندر کے شاعر کی حیثیت سے تقرر کیا، اسے مروداونکاویرائن
(MARUDAVANKKAVIRAYAN) کا خطاب دیا اور چند اراضیاں اور ٹیکس سے
بری ایک مکان کا عطیہ میں دیا۔ بظاہر اس کو کلٹائی (KELTTAI) کے دو دن کے جشن میں
حاضر رہنا پڑتا تھا اور اس موقعہ کے لیے چند اشعار لکھنے پڑتے تھے[121]۔ دوسرے سال سے اسے
روزانہ مندر کی جانب سے کھانا دیا جانے لگا[122]۔ اور تین سال بعد سے ایک ما (MA) زمین عطا
کی گئی[123]۔

مندر وہ مقامات تھے جہاں بادشاہ عطیات دیا کرتے تھے ملیکارجن مہارائے نے اس
وقت عطیات دئے تھے جب وہ دارالسلطنت میں ویرو پاکسا مندر کے دان منڈپ میں واقع صدر
مقام پر تھا، وجے نگر کے حکمراں جب مملکت میں واقع مقدس مقامات پر آتے تو عطیات تقسیم کرتے
تھے۔ بسا اوقات وہ اپنی تاج پوشی مندروں ہی میں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اچیوت رائے
نے اپنی اور اپنی بیوی وردمبا (VERADAMBA) کی تاج پوشی تیروپتی کی مندر
میں کی تھی[124]۔

کتبات میں وجے نگر کے زمانہ کی زیارت کے مراکز کی ایک فہرست ملتی ہے۔ ان میں
سے چند یہ ہیں۔ اہوبلم، شری کاکولم (SRIKAKULAM) ، کال ہستی، تیروپتی، کانچی،
تیرو ونا ملالی، چدمبرم، کمبا کونم، شری رنگم، جمبوکیشورم اور اننت شیانم، ان کے علاوہ جو چند اور جگہیں
بھی تھیں جو نسبتاً کم اہمیت کی حامل تھیں یاترا پر لوگ عموماً پیدل ہی جاتے تھے۔ گویا لکیوں اور کرایہ
کے گھوڑوں کا استعمال بھی غیر معروف نہ تھا[125]۔ مسافروں کی سہولت کے لیے سڑکوں پر سایہ دار درختوں کا
انتظام تھا۔

جنوبی ہندوستان کے مٹھ بھی، عہد وسطیٰ کے یورپ کے صومعوں کی طرح نہایت اہم مذہبی ادارے
تھے جنھیں ریاست کی سرپرستی حاصل تھی جن کی دیکھ بھال اس دولت سے ہوتی تھی جو ان کے پاس
رہتی تھی۔ ان میں سے ہر (مٹھ) ایک سنیاسین (SANYASIN) کی ماتحتی میں ہوتا تھا جو عموماً

ایک تہذیب یافتہ پیشوا ہوتا تھا جس پر نہ صرف یہ کہ مٹھ کے نظم و نسق کی ذمہ داری ہوتی تھی بلکہ تعلیم کی حوصلہ افزائی کی بھی۔ ان مٹھوں میں عموماً بہت سے شاگرد ہوتے تھے جو اگر کسی برہمن ادارے سے متعلق ہوتے تھے تو ویدوں اور اسی طرح کے دوسرے سنسکرت ادب کا مطالعہ کرتے تھے اور اگر وہ کسی غیر برہمنی ادارے سے متعلق ہوتے تھے تو مقامی (زبان کے) ادب کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس طرح یہ مٹھ اصلاً تعلیمی ادارے تھے۔

وجے نگر کے زمانہ میں ہمیں اس طرح بہت سے مٹھ ملتے ہیں۔ ان سب سے مقدم میسور ریاست میں شرنگری کا مٹھ تھا۔ اصلاً عظیم ادویتا مبلغ اور فلسفی شری شنکر کے ذریعہ قائم کیا ہوا یہ مٹھ، معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ بڑے دینی پیشواؤں کے ایک سلسلہ کی ماتحتی میں رہا۔ کتبات کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وجے نگر کے زمانہ میں مندرجہ ذیل مذہبی پیشوا تھے۔

ودیا تیرتھ (VIDYA TIRATHA)

بھارتی تیرتھ (BHARTI TIRATHA)

ودیارنیا شری پادا (VIDYA RANYA SRI PUDA)

نرسمہا بھارتی (NARSIMHA BHARATI)

رام چندر بھارتی (RAMA CHANDRA BHARATI)

شنکر بھارتی (SANKARA BHARATI)

چندر شیکھر بھارتی (CHANDRA SEKHARA BHARATI)

پوروسوتم بھارتی (PURU SOTTAMA BHARATI)

رام چندر بھارتی

نرسمہا بھارتی

امدی نرسمہا بھارتی (IMMADI NARASIMHA BHARATI)

ابھی نو نرسمہا بھارتی (ABHINOVA NARASIMHA BHARATI)

سچیدانند بھارتی (SACCIDANANDA BHARATI)

ان میں سے ہر ایک نے پرمہا پری وراجکاچاریہ وریا (PARAMHA PARI - VRAJAKACARYAVARAYA) پرم ہمسا سنیاسیوں کا بڑا اچاریہ)، پدواکیا پرمان پاراوار پارین (PADAVAKYA PRAMAN PARAVARAPARINA) ایسا شخص جس کو قواعد، فلسفہ اور منطق انتہائی معلومات حاصل ہوں)

یم (YAMA) نیم (NIYAMA) وغیرہ نیز یوگا (YOGA) کی آٹھوں شاخوں کا معتقد، خالص ویدک ادوتیا سدھانت (VUDIKADVAITA SIDDHANTA) کا قائم کرنے والا وغیرہ کے خطابات اختیار کیے تھے۔ یہ لوگ پالکیوں میں چوراہوں پر اس طرح لے جائے جاتے تھے، جیسا کہ انھیں آج بھی لے جایا جاتا ہے، کہ ساری سڑک بند ہو جاتی تھی اور کوئی بھی چیز نہیں گذر سکتی تھی[126] شرنگری مٹھ وجے نگر کے شاہی گھرانے سے نہایت گہرے تعلقات رکھتا تھا۔ اس کے صدر ودیا تیرتھ اور ودیا رنیا نے مملکت وجے نگر کے قیام اور توسیع میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ وجے نگر کے بادشاہوں نے اس کے اخراجات کی تکمیل اور اس کی مدد کے لیے متعدد مقدس عطیات دئے تھے[127]

دوسرا مٹھ اصلاً کانچی میں واقع تھا اور کانچی کی دیوی کی اعزاز میں یہ کام کوٹی پیٹھ (KAM - AKOTI PITHA) کے نام سے معروف تھا۔ اس کے بارے میں بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے سلسلہ نے یکے بعد دیگرے اس کا نظم و نسق چلایا تھا۔ کتباتی دستاویزات یہ بتاتے ہیں کہ کم از کم تیرھویں صدی میں یہ مٹھ کانچی ہی میں موجود تھا اس لیے کہ تیلگو کے گودا بادشاہ وجے گند گوپال (VIJAYA GANDA GOPALA) کی ایک دستاویز میں ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو 1293ء میں اس مقام کے مٹھ کو دیا گیا تھا[128] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قیام کے بالکل آغاز ہی سے . . . یہ مٹھ مذہبی پیشواؤں ایک مستقل سلسلہ کے زیر قیادت رہا۔ ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔ ویاساچلا (VYASACALA) چندر چوڑ (CANDRA - CRIDA) ، سداشیوندر (SADA SIVENDRA) ، پرم شیوندر (PARAMA SIVENDRA) جو نیرور (NERUR) کے سداشیو برہمن کا گرو تھا۔ اور آتم بودھیندر (ATMABODHANDRA) جس نے ایما پر اس نے گرورتن مالا (GURURATNAMALA) اور نام بودھیندر (NAMA BODHENDRO) لکھی تھی[129] اس مٹھ کے آچاریاؤں کی ایک فہرست کے مطابق جسے ٹی۔ ایس۔ نارائن شاستری نے شائع کیا ہے مذہبی پیشواؤں کے اس سلسلہ کا 55 واں آچاریہ چندر چوڈیندر (CANDR - ACUDANDRA) نامی ایک شخص تھا جو 1506ء اور 1512ء کے درمیان اس کا صدر رہا تھا اور اس کے بعد اس کی جانشینی) سداشیوندر نامی ایک شخص نے کی جو 1512ء اور 1538ء کے درمیان اس کا صدر رہا۔ 1507ء (۹) کی تانبے کی دو تختیوں کے مطابق ویر نرسمہا نے مہادیو سرسوتی نامی ایک شخص کو جو اس وقت کانچی کام کوٹی پیٹھ کا مذہبی رہنما تھا، عطیہ میں دو گاؤں دئے

تھے[130] 1522ء میں کرشن دیورائے نے مہادیو سرسوتی کے شاگرد چندر چوڑ سرسوتی کو عطیہ میں دو گاؤں دیئے تھے[131] اسے شیوچیتس (SIVACETAS) (شیو پر دل سے یقین رکھنے والا) یتی راجا (YATI RAJA) (جوگیوں کا شہزادہ) اور دھیمت (DHIMAT) (فلسفی) کہا گیا ہے اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مایا کے نظریہ کا زبردست مبلغ تھا۔ اس کتبے کے اور ویر نرسمہا کے زمانے کے دیگر دو کتبوں کی تاریخ اور مذہبی پیشواؤں کے ناموں کی روشنی میں نارائن شاستری کی فہرست میں دی ہوئی تاریخ کی اہمیت ہماری نظروں میں مشکوک ہو جاتی ہے[122]

مذہبی پیشواؤں کے اس سلسلہ میں چندر چوڑ سرسوتی یا چندر شیکھر سرسوتی کی جانشینی سداشیو سرسوتی نے کی ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چندر شیکھر سرسوتی کا شاگرد تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چندر چوڑ کا دوسرا نام ہے جو ایک پرم ہمسا (PARAMAHAMSA) ... پری وراجک آچاریہ (PARIVRAJAKACARYA) تھا۔ اس جانشینی کی توثیق نائن شاستری کی فہرست سے بھی ہوتی ہے۔ سداشیو کو 1528ء میں کرشن دیورائے نے چنگلی پت ضلع میں واقع ادیم باکم (UDAYAMBAKKAM) کا ایک گاؤں عطیہ میں دیا تھا۔

اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ 1522ء اور 1528ء کے درمیان چندر شیکھر شاستری کا جانشیں ہوا تھا۔ لیکن ہمیں اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ اس نے پونیہ شلوک منجری (PUNYASLOKA MANJURI) کو ترتیب دیا تھا جو کام کوٹی پیٹھ کے مذہبی پیشواؤں کے سلسلہ جانشینی کی فہرست پر مشتمل تھی[133]

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد یہ مٹھ ترچنا پلی کے قریب گجارینا کیشترم (GAJARANYA KSETRAM) یا جمبو کیشورم (JAMBU KASVARAM) میں منتقل ہو گیا۔ 1608ء میں مدورا کے وجے رنگا چوکا ناتھ نایک (VIJAYA RANGA COKKANATHA NAYAKA) نے اس مقام پر واقع شنکر آچاریہ مٹھ میں پوجا پاٹ کے اخراجات کی تکمیل کے لیے اور برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لیے عطیہ میں ایک زمین دی تھی[134] تانبے کی تختی کے کتبے میں درج ہے کہ یہ مٹھ گاؤں کی پون واسی کوندان (PONVA SIKONDAN) نامی سڑک پر واقع تھا اور ابتدائی زمانہ سے ہی مذہبی پیشوا کے قبضہ میں تھا۔ لیکن وہ عمارت جس کی نشاندہی اصل عمارت کی حیثیت سے کی گئی ہے جہاں مٹھ واقع تھی، سرکاری ماہر کتبات کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے علاوہ ہمیں اس بات کی بھی واقفیت نہیں وہاں کیوں اور کیسا مٹھ قائم کی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کام کوٹی پیٹھ کی ایک شاخ ہی ہو۔ لیکن اس کے

بعد 1379ء میں تنجور کے مراٹھا بادشاہ پرتاپ سمہا کی درخواست پر یہ مٹھ تنجور منتقل کردی گئی۔ اس بنا پر کہ کنجیورم پر اکثر مسلمانوں کا حملہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد وہ کومبا کونم منتقل کردی گئی اور موجودہ مقام پر قائم کی گئی۔[136]

ویاسرائے متھ ایک اہم ادارہ تھی جسے وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔ مٹھ کے سربراہ ویاسرائے کو کرشن دیورائے نے متعدد عطیات دیئے تھے اس کی جانشینی ایک دوسرے بڑے عالم وجے اندرتیرتھ نے کی۔ وہ اتنی ہی شہرت کے حامل اور ادویتا نظریہ کے ایک عظیم مبلغ اپیا دکشت کے ہم عصر تھے۔ اس مٹھ کے ایک دوسرے صدر جنہوں نے اس کے کچھ ہی دنوں بعد فروغ پایا راگھو ویندر تیرتھ (RAGHAVENDRA TIRTHA) تھے جو وید کے ایک زبردست عالم اور مفسر تھے۔

گولکی (GOLAKI) مٹھ وجے نگر کے زمانہ میں ایک اہم مذہبی ادارہ تھا اور کڈپہ (CUDDAPAH) کرنول، گنتور اور شمالی آرکوٹ کے اضلاع میں ان کی شاخیں تھیں چند شاخیں پسپاگیری (PUSPAGIRI) تیروپورانتکم (TIRUPURANTAKAM) تیروپرن کنرم (TIRUPPARANKUNRAM) وغیرہ میں تھیں[137] کہا جاتا ہے کہ اس کا روحانی اثر تین لاکھ قریوں تک پھیل گیا تھا۔ دیوکا پورم کے کتبات میں گولکی مٹھ کے ایشانا شیوا چاریہ کا تذکرہ ملتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاکھا 1442ء سے لے کر شاکھا 1455ء تک اس کے سربراہ رہے تھے۔ لیکن ان کے انتقال کی صحیح تاریخ ہمیں نہیں معلوم وہ مقامی مندر کے ممتاز خزانچی اور معتمد تھے[138] ان کا ایک معاصر وشیشور سیو (VISESVARA SIVA) نامی ایک شخص تھا جو دیوکا پورم مندر سے بھی بہت زیادہ مربوط تھا[139]۔ دیوکا پورم آج بھی شیو آچاریوں کے ایک سلسلہ صدر مقام ہے جس کے سردار کو اب سنتان شیو اچاریہ (SANTANA SIVACARYA) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بیری چٹی شیوا (BERICETTI SAIVA) تاجروں کے بعض فرقوں کے معلم ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملامدرم (MULLAMDRAM) (شمالی آرکوٹ ضلع) کے ان جنان شیوا آچاریہ (JNANA SIVA CARYA) سے متعلق تھے جو تامل بولنے والے وانیاروں (VANIYARS) (تیلیوں) کے معلم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان جنان شیوا آچاریوں کے اسلاف کا تعلق وجے نگر دربار کے سنسکرت شعراء کے مشہور خاندان دندیما (DINDIMA) سے تھا[140]"

ہمیں وجے نگر کے زمانہ میں چند غیر برہمن مٹھوں کی موجودگی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ انھیں میں

سے ایک دھرم پورم مٹھ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے سولہویں صدی میں قائم کیا گیا تھا۔ پورن لنگم پلاّئی (PURANLINGAM PILIAI) کا خیال ہے کہ اس مٹھ کا بانی کمار کورو پرار (KUMARA KURUPARAR) نامی ایک شخص تھا جو مدورا کے تیرومل نایک کا ہم عصر تھا۔[141] لیکن تنجور ڈسٹرکٹ گزٹیر (TANJOR DISTRICT GAZETTEER) کے منصف کا خیال ہے کہ یہ تیرواور کا جناں پرکاش پندرم (JNANAPRECKASAPANDARAM) نامی ایک شخص تھا جسے چند مندروں کا منتظم مقرر کیا گیا تھا۔[142] اس مٹھ کے سربراہان سدھانت شاستر کے زبردست مبلغ تھے۔ اس مٹھ کے مذہبی پیشواؤں میں قابل ذکر یہ ہیں۔ ویلّی امبلا تمبیران (VELLI AMBALA TAMBURAN)، سمبندشرنلے سوامی (SAMBANDA SARAN - ALAYA SVAMU) اور ویدیاناتھ نالور (VAIDYANATHE NAVALAR)[143]

شیوا مٹھوں میں سے ایک تیرووادتورائی (TIRUVA VADATURAI) مٹھ تھا جس نے تامل تعلیم کی کافی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس نے اپنے کو تامل فلسفہ اور مذہب کے لیے وقف کر دیا تھا اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مٹھ کا پہلا صدر نمشی واے دیشی کر (NAMSSEVAYA SIKOR) نامی ایک شخص تھا جس کا زمانہ لگ بھگ سولہویں صدی کے اختتام کا زمانہ تھا۔ اس کی جانشینی تمبیرانوں (TAMBIRANS) کے ایک مستقل سلسلہ نے کی جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔ دکشنا مورتی، امبل وان دیشی کر (AMBALAVANA DESIKAR) اور ایشانا دیشی کر (ISANA DESIKAR) عرف سوامی ناتھ دیشی کر (SVAMIN - ATHA DESIKAR)۔[144]

فصل ہشتم

تہوار

عوام کی مذہبی زندگی کا ایک اہم پہلو سال کے مختلف حصوں میں تہواروں کا منانا ہے اکثر مذہبی اہمیت کے حامل ان تہواروں کی شان و شوکت دوسری باتوں سے زیادہ محض نمائشی

ہوتی تھی۔

ان تہواروں میں جو وجے نگر کے زمانہ میں منائے جاتے تھے ایک مہانومی تھا۔ اصلاً درگا دیوی کی خوشنودی کے لیے منائے جانے والے اس تہوار نے وجے نگر کے زمانہ میں زبردست سیاسی اہمیت حاصل کرلی[۱۴۶ الف]

بادشاہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاکر محل کے احاطہ کے اندر کھلی جگہ میں ایک عام دربار منعقد کرتا تھا اور لوگ اسے دیکھتے تھے۔ نو دنوں تک منایا جانے والے اس تہوار کے ہر دن بادشاہ اس بت کی پوجا کرتا تھا جسے میدان میں ایک نمایاں جگہ پر نصب کیا جاتا تھا اور رات میں بہت سی بھینسوں اور بھیڑوں کو ذبح کرکے دیوتا کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ لیکن قربانیوں کی صحیح تعداد کے متعلق ہمارے ماخذوں میں اختلاف ہے۔ پائس کہتا ہے کہ پہلے دن چوبیس بھینس اور ڈیڑھ سو بھیڑیں قربانی میں پیش کی جاتی تھیں۔ لیکن نونیز کے مطابق پہلے دن نو بھینسے، نو بھیڑیں اور نو بکریاں قربان کی جاتی تھیں اور اس کے بعد کے ہر دوسرے دن میں ان کی تعداد پہلے والے دن کی تعداد کا دوگنا ہوجاتی تھی۔ لیکن پائس کہتا ہے کہ آخری دن پچاس بھینسیں اور چار ہزار پانچ سو بھیڑیں ذبح کی جاتی تھیں۔ لیکن اس تہوار کا زیادہ دلچسپ پہلو تہوار کے دوران روزانہ متعدد فنون اور کرتبوں کی نمائش میں پنہاں تھا۔ ہر روز مملکت کے امراء بادشاہ کو سلامی دیتے تھے، عورتیں ان کے سامنے رقص پیش کرتی تھیں اور کشتیوں کے مقابلے منعقد ہوتے تھے۔ شب میں مشعلیں روشن کی جاتی تھیں اور میدان میں اس طرح رکھی جاتی تھیں کہ سارا میدان دن کے مانند روشن ہوجاتا تھا۔ اس کے بعد نہایت دلکش کھیل کود کا آغاز کیا جاتا۔ اس کے علاوہ "کچھ لوگ گھوڑوں کی پشتوں پر سے جنگوں کا کھیل کھیلتے تھے۔ کچھ لوگ جال لے کر آتے تھے اور مچھلیوں کی طرح ان لوگوں کو پکڑتے تھے جو میدان میں ہوتے تھے۔ وہ بہت سی چرخیاں اور مختلف قسم کی متعدد آتشبازیاں چھوڑتے تھے نیز محل نما ایسے پٹاخے چھوڑتے تھے جن میں آگ لگنے کے بعد متعدد گولے (تیر دـ TI ROS) اور چرخیاں چھوٹتی تھیں" اس کے بعد جشن فتح کی رتھوں کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ یہ رتھیں سرداروں کی ہوتی تھیں اور ان کی ترتیب بھی ان کے مرتبوں کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ ان کے پیچھے گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی اعلیٰ قسم کے کپڑوں کے زین اور رساز سے آراستہ ہوتے تھے اور ریاست کا گھوڑا ان کے آگے آگے ہوتا تھا۔ یہ سب میدان میں بادشاہ کے سامنے پانچ پانچ یا چھ چھ کی قطاریں میں کھڑے کیے جاتے تھے جن کے گرد سے برہمن گزرتے تھے۔ ان کے سردار کے ہاتھوں میں ایک پیالہ اور اس کے ساتھ ایک ناریل تھوڑا سا چاول

اور کچھ پھول ہوتے تھے اور بقیہ ہر ایک کے ہاتھوں میں پانی کا ایک پیالہ ہوتا تھا۔ اس کے خاتمے کے بعد، سونے اور موتیوں سے لدی پھندی محل کی نوجوان لڑکیاں میدان میں نمودار ہوتی تھیں جن میں سے ہر ایک ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا سونے کا برتن ہوتا تھا جس میں ایک چراغ جل رہا ہوتا تھا اور ان کے پیچھے بہت سی عورتیں ہوتی تھیں جن کے ہاتھوں میں "سونے کی مٹھوں والی" چھڑیاں اور روشن قندیلیں ہوتی تھیں۔ اس عظیم الشان تہوار کا اختتام بادشاہ کے ذریعہ فوج کے معائنہ پر ہوتا جو عوام کے لیے ایک بہترین نظارہ فراہم کرتا تھا۔ فوج اپنی بہترین پوشاک میں شہر سے باہر اکٹھا ہوتی تھی اور بادشاہ مجتمع لوگوں میں انتہائی جوش اور مسرت کے درمیان فوجی معاینہ کا آغاز کرتا۔ پائس جو اس طرح کے ایک معاینے کا عینی شاہد تھا، اپنے بیان کو ان الفاظ میں ختم کرتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ میں اس میں اس قدر کھو گیا تھا کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ خواب تھا اور میں سو رہا تھا"[۱۶۹]

نیکولوڈی کونتی ایک تہوار کا ذکر کرتا ہے جو نو دنوں تک جاری رہا اور اس کی چند دلچسپ تفصیلات پیش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "تیسرے تہوار میں جو نو دنوں تک جاری رہتا ہے لوگ تمام بڑی بڑی شاہراہوں پر چھوٹے چھوٹے جہازوں کے مستولوں کی مانند بڑی بڑی بلیاں گاڑ دیتے ہیں جس کے اوپری حصہ میں مختلف قسم کے نہایت خوبصورت کپڑوں کے ٹکڑے جن کی بناوٹ سونے کی ہوتی ہے، لگے ہوتے ہیں ان بلیوں میں سے ہر ایک کے بالائی سرے پر روزانہ ایک پرہیزگار، مذہبی اور ایسے شخص کو جو سکون قلب کے ساتھ تمام چیزوں کو برداشت کر سکے، بٹھا دیتے ہیں اور یہ شخص اور خدا کی رحمت کے لیے دعا کرتا ہے۔ (پھر) ان لوگوں پر عوام پل پڑتے ہیں اور ان پر نارنگی، لیمو اور دوسرے خوشبودار پھل پھینکتے ہیں اور وہ ان تمام چیزوں کو نہایت صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں"[۱۷۰]

دوسرا تہوار جس کا کونتی نے تذکرہ کیا ہے وہ اس کے خیال میں سال نو کا دن تھا جو ڈومنگو پائس (DOMINGO PAES) کے مطابق جس سال وہ وجے نگر آیا تھا، 12 اکتوبر کو پڑا تھا۔ یہ دیپاولی کا تہوار تھا جو وشنو کے ہاتھوں نرکاسور (NARKASURA) کی موت کی یاد میں منایا جاتا تھا۔ کونتی بتلاتا ہے کہ اس موقعہ پر ہر عمر کے مرد اور عورتیں دریاؤں یا سمندر میں غسل کر کے نئی پوشاکیں پہنتے تھے اور مکمل تین دن ناچ گانے اور دعوتوں پر گزارتے تھے[۱۷۱] پائس بھی اس کو ایک ایسا موقعہ بتاتا ہے جب ہر شخص نئے اور خوبصورت کپڑے پہنتا تھا اور بڑی بڑی دعوتیں منعقد کرتا تھا اور تمام سردار اپنے آدمیوں کو عمدہ کپڑے عطا کرتے تھے جن میں ہر شخص کا اپنا رنگ اور اپنا طرز ہوتا تھا"۔ یہ نئے چاند کا دن ہوتا تھا اور پائس یہ بتلاتے ہوئے کہ وہ لوگ سال کا شمار کس طور پر کرتے تھے، کہتا ہے "وہ لوگ سال کو اس مہینے کے نئے چاند سے شروع کرتے ہیں اور مہینوں کا شمار ہمیشہ

ایک چاند سے دوسرے چاند تک کرتے ہیں[148]۔"

کارتیگائی (KARTTIGAI) کا تہوار وامن (VAMAN) کے روپ میں وشنو کے ہاتھوں بلی (BALI) کی موت کے اعزاز میں منایا جاتا تھا۔ کونتی جس نے اس تہوار کا مشاہدہ کیا تھا اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "وہ لوگ اپنے مندروں کے اندر اور اس کی چھتوں کے اوپر سوسی منی (SUSIMANNI) کے تیل کے بے شمار چراغ روشن کرتے ہیں جو رات و دن جلتے رہتے ہیں[149]۔"

مندر کے تہوار عام طور پر رتھ کے ایک جشن پر ختم ہوتے تھے۔ متعدد غیر ملکی سیاحوں نے اس کو بیان کیا ہے لیکن ان میں سے دونیکولوڈی کونتی اور نسکوٹن اس کے متعلق بعض ایسی دلچسپ تفصیلات پیش کرتے ہیں جو ناقابل یقین معلوم ہوتی ہیں۔ اول الذکر رتھ کے جشن کا ذکر، جس کا اس نے خود مشاہدہ کیا تھا ان الفاظ میں کرتا ہے "بیرن گالیہ میں بھی، سال کے ایک مخصوص موقعہ پر وہ اپنے بت کو دو رتھوں میں رکھ کر شہر میں لاتے ہیں۔ ان رتھوں میں قیمتی زیورات سے آراستہ نوجوان عورتیں بھی ہوتی ہیں جو دیوتا کے بھجن گاتی ہیں اور ان کے ساتھ عوام کا ایک جم غفیر رہتا ہے۔ بہت سے لوگ تو اپنے ایمانی جوش سے مغلوب ہو کر خود کو (رتھ کے) پہیوں کے سامنے گذار دیتے ہیں تاکہ وہ اس سے کچل کر ایک ایسی موت سے ہمکنار ہو جائیں جو ان کے خیال میں خدا کے یہاں بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ چند دیگر لوگ اپنے پہلو میں شگاف پیدا کر کے اور اس کے ذریعہ اپنے جسموں میں رسی ڈال کر خود کو ہار کے مانند رتھ سے لٹکا دیتے ہیں اور اس طرح نیم مردہ حالت میں لٹکتے ہوئے اپنے دیوتا کے ساتھ چلتے ہیں۔ اس طرح کی قربانیوں کو وہ سب سے بہتر اور سب کے نزدیک مقبول ترین قربانی سمجھتے ہیں[150]۔"
موخر الذکر کہتا ہے کہ رتھ کے چلنے کے دوران کچھ لوگ دیوتا کے لیے کچھ مخصوص قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انتہائی جوش اور گہری عقیدت مندی میں اپنے جسموں سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر مندر نما (رتھ) کے سامنے ڈال دیتے ہیں اور کچھ لوگ خود کو رتھ کے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں اور رتھ کو اپنے اوپر سے گذر جانے دیتے ہیں جس سے کچل کر ٹکڑے ٹکڑے اور ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اس طرح مرتے ہیں انھیں پاک اور مقدس شہیدوں میں شمار کیا جاتا ہے اور آئندہ کے لیے عظیم اور مقدس تبرکات کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی قسم کے ہزاروں دوسرے نفرت انگیز توہمات ان میں رائج ہیں[151]۔"
لیکن اگرچہ ان دونوں کے بیانات اس قدر واضح ہیں کہ انھیں غیر معتبر قرار دے کر (بالکل) مسترد نہیں کیا جا سکتا تاہم ان پر یقین کرنا مشکل ہے[152]۔

بسا اوقات رتھ کا جشن کئی دنوں تک مسلسل منایا جاتا تھا۔ 1562ء کی ایک دستاویز کے مطابق پندرہ دن تک رتھ کا جشن منانے کے لیے ایک عطیہ دیا گیا تھا۔[153] 1495ء میں نو دن تک رتھ کا جشن منانے کے لیے ایک دوسرا عطیہ دیا گیا تھا۔[154]

تیرا کی ایک اور تہوار تھا جس کا اختتام کئی دنوں بعد ہوتا تھا۔ 1606ء کی ایک دستاویز میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔[155]

موسم بہار کا جشن جو کام (KAMA) کے اعزاز میں منعقد ہوتا تھا، وہ بھی ہر سال منایا جاتا تھا۔ متعدد کتبات میں اس طرح کے تہوار کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایسے ہی ایک کتبے میں کرشن دیورائے کے متعلق درج ہے کہ "وہ ہر سال موسم بہار کے سنہری جشن کے آقا (کام) کے نام پر ایک قربانی پیش کرتا تھا۔[156]

کام یا کوپد (CUPED) کے مندروں میں اس تہوار کا اختتام ہولی پر ہوتا تھا۔ نیکولوڈی کونتی، جس نے ایسے ہی ایک جشن کا مشاہدہ کیا تھا، اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "جشن کے دوران وہ ہر گذرنے والے پر یہاں تک کہ خود بادشاہ اور اس کی ملکہ پر زعفران کا پانی چھڑکتے ہیں جو اسی مقصد سے راستے میں رکھا جاتا ہے ہر شخص اسے قہقہہ لگاتے ہوئے قبول کرتا ہے۔[157] پیٹرو ڈیلا ویلے، جس نے صورت میں اس (تہوار) کا مشاہدہ کیا تھا لکھتا ہے "مارچ کی پندرہویں تاریخ ہندوستانی ہندوؤں کے یہاں جشن کا پہلا دن ہوتا ہے جسے وہ موسم بہار کی آمد پر سڑکوں پر رقص کر کے، مزاحیہ انداز میں ایک دوسرے پر نارنجی پانی اور سرخ رنگ ڈال کر، نیز گانے اور دوسری مضحکہ خیز رسموں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے مناتے ہیں۔[158]

ان (تہواروں) کو درباروں کے انعقاد کے لیے بہترین موقعہ شمار کیا جاتا تھا کرشن دیوان شعراء کا کلام سنتا تھا جو موسم بہار کے جشن کے موقع پر دربار میں مجتمع ہوتے تھے۔[159] "شاعر بادشاہ کا لکھا ہوا ایک ڈراما جامبو کلیانم (JAMBAVA KALIYANNAM) ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا جو شری ویرو پاکسا کے چیتر موسم (CAITRA) بہار کے تہوار کو دیکھنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔[160]

اس عہد کے کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے اور بھی تہوار ہوتے تھے جو سال کے مختلف موسموں میں منائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ مہینے کے پہلے دن، چاند کی گیارہویں دن، پورے چاند کے دن، نئے چاند کے دن اور پنچ پروم[161] (PANCAPARVAHS)، شیوراتری[162] مکر سنکرانتی[163]، دشمی[164] (DASAMI)

اپکادشی اور دیوشی وغیرہ کے تہوار تھے۔[165]

فصل نہم

گاؤں کے دیوتا اور بت

اس زمانہ کے مذہبی حالات کا بیان گاؤں کے دیوتاؤں اور ان کے تہواروں کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہ جائے گا۔ گاؤں کے دیوتاؤں کو گاؤں کے محافظ دیوتا سمجھا جاتا تھا جو وہاں کے عوام کی بری روحوں سے حفاظت کرتے تھے اور لوگ ان کو خوش کرنا چاہتے تھے جیسا کہ وہائٹ ہیڈ (WHITE HEAD) کہتا ہے "گاؤں کے ان دیوتاؤں کی پرستش کا اصل مقصد ان کو خوش رکھنا اور ان کے عتاب سے بچنا ہے۔ اس میں حمد و تشکر، احسانمندی اور محبت کے اظہار، یا روحانی یا اخلاقی فیوض و برکات کی حصولی کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا ہے اس کا ایک مقصد ہیضہ اور چیچک . . . سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ بیشتر گاؤں میں پوجا کبھی کبھی ہوتی ہے[166]۔"

گاؤں کے ان دیوتاؤں کی مندروں میں منعقد ہونے والے تہواروں کی ایک اہم خصوصیت خونی قربانیاں ہیں جو ان کے سامنے پیش کی جاتی تھیں۔ راتوں میں بھینس اور بکریاں ان کے سامنے ذبح کی جاتی تھیں اور انھیں ان کو پیش کیا جاتا تھا۔ پائس کہتا ہے کہ شہر وجے نگر میں ان محافظ دیوتاؤں کے ایک مندر کے علاوہ کسی اور جگہ کبھی کوئی بھیڑ نہیں مارا جاتا تھا۔ بسا اوقات انکو خوش کرنے کے لیے انسانی قربانیاں بھی پیش کی جاتی تھیں پائز اور نونیز کا کہنا ہے کہ ناگلاپور (NAGALAPURA) کے تالاب کی تعمیر کو کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے کے لیے "ساٹھ آدمیوں اور چند گھوڑوں اور بھینسوں کے سر" کاٹے گئے تھے۔ نونیز کہتا ہے کہ یہ لوگ کرشن دیو رائے کے قیدی تھے اور "موت کے سزاوار" تھے[167]۔

اس طرح کی قربانیوں میں جوگی خانہ بدوش بھیکاری بھی کچھ حصہ لیا کرتے تھے ان کی اپنی ملکیت میں کوئی چیز نہیں ہوتی تھی اور ان کی پوشاکیں "موری (MOORISH) پیتل پٹیوں پر مشتمل ہوتی تھیں جن سے متعدد سکّوں کے پٹکے لٹکے رہتے تھے جو (جسم کے) دونوں جانب چھوٹے رہتے تھے،" ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بربوسا کہتا ہے "وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹی سینگ یا بگل لے کر چلتے ہیں جسے وہ بجاتے ہیں[168]۔ درچا (DARCHA) (دھارواڑ) کے ایک مندر کو بیان کرتے

ہوئے پائس لکھتا ہے کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے وقت جوگی موجود تھا اور یہ کہ جیسے ہی بھیڑ یا بکری کا سر کاٹا جاتا وہ سینگ بجاتا تھا جو اس بات کی علامت ہوتی کہ دیوتا نے قربانی قبول کر لی ہے[169 الف]

گاؤں کے دیوتاؤں کی پرستش کی ایک خصوصیت تو وہ تھی جسے کانٹے پر لٹکنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی نوعیت مختلف زمانوں میں مختلف تھی۔ نیکولوڈی کونتی جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے، کہتا ہے کہ لوگ اپنے پہلو میں ایک سوراخ کر لیتے اور خود کو رتھ کے زیور کی مانند اس سے لٹکا دیتے تھے[169] لیکن بربوساجس نے اسی رسم کا مشاہدہ ایک صدی بعد کیا تھا اس کے بارے میں چند دلچسپ تفصیلات قلم بند کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کانٹے پر لٹکنے کی رسم وہ دوشیزائیں ادا کرتی تھیں جو یہ نذر کرتی تھیں کہ اگر وہ اپنے دل میں بسے ہوئے شخص سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی تو وہ یہ رسم کو ادا کریں گی۔ جب ان کی یہ آرزو مکمل ہونے والی ہوتی تو وہ اس رسم کو ادا کرتی تھیں۔ وہ لوہے کے دو تیز کانٹوں سے جو ان کی کمر میں گھس جاتا تھا، خود کو لٹکا دیتی تھیں۔ یہ کانٹا پانی نکالنے کی ایک کل سے منسلک ہوتا تھا چنانچہ جب وہ اوپر اٹھائی جاتی تو وہ اس کل سے لٹکی رہتیں خون ان کی ٹانگوں سے رواں ہوتا تھا (لیکن) وہ کسی اذیت کا اظہار نہیں کرتی تھیں بلکہ نہایت خوشی کے ساتھ وہ اپنے خنجروں کو ہلاتی رہتی تھیں اور اپنے اپنے شوہروں پر چونا پھینکتی رہتی تھیں۔ اسی حال میں وہ اس مندر تک لے جائی جاتیں جہاں وہ بت ہوتے تھے جن کے سامنے انھوں نے اس قربانی کی نذر کی تھی۔ اس کے بعد انھیں ان متعلقہ شوہروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اس موقعہ پر برہمنوں اور بتوں کو تحائف بھی پیش کیے جاتے تھے[170] لیکن پیٹر ڈیلا ویلے جو 1623ء میں منائے جانے والے اکیری (EKKERI) کے جشن کا عینی شاہد تھا، اس کے متعلق ایک مختلف بیان قلم بند کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ بعض مقدس دنوں میں لوگوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے گوشت کو ان کانٹوں میں پھنسا کر لٹک جایا کرتے تھے جو ایک بالائی شہتیر میں بندھے ہوئے تھے۔ یہ شہتیر اسی مقصد سے لگائی جاتی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح لٹکے تھے اس حال میں کہ خون ان کے جسم پر بہہ رہا ہوتا تھا۔ وہ اپنی تلواروں اور ڈھالوں کو بھی فضا میں نچاتے رہتے تھے اور اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں اشعار گاتے رہتے تھے[171] لیکن اب اس جشن کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ بچانن 1773ء میں میسور آیا تھا، کہتا ہے "کہ یہ رسم عظیم دیوتاؤں کے سامنے نہیں ادا کی جاتی تھی اور یہ کہ جنوب کے برہمن اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو محض پست ذہنیت رکھنے والے عوام ہی کے لیے مناسب تھی[172]" آگ پر چلنا، جو گاؤں کے دیوتا کی پرستش کی ایک دوسری خصوصیت ہے، یقیناً رائج رہی ہوگی لیکن اب اس رسم کا (بھی) تیزی سے خاتمہ ہو رہا ہے۔

کرناٹک کے اضلاع کے عوام کے چند طبقات میں ایک دوسرا دلچسپ رواج یہ تھا کہ وہ کال بھیروا (KALABHIRVA) کے اعزاز میں کسانوں کی بیویوں کی (چھوٹی اور انگوٹھی کی) انکے آخری جوڑوں کے پاس سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ کاشتکاروں کا وہ طبقہ جو یہ رسم ادا کرتا تھا "انگلی دینے والا طبقہ" کہلاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حال تک وہاں کے مندر میں انگلیوں کو کاٹنے کے لیے مستقل انتظام تھا جس میں انگلی کو کاٹنے کے لیے ایک سونار، اور زخموں کی مرہم پٹی، انگلی پر پھایا لگانے اور اسے اسی طور پر پکڑنے کے لیے تاکہ اس سے فوری طور پر خون نہ بہے، چند دوسرے لوگ ہوا کرتے تھے۔ عقیدت مندوں کو آرچک (ARCAK) ، مندر کے دیگر ملازمین اور گاؤں کے آئیگاروں مثلاً شنبوگ پٹیل، سونار اور حجام وغیرہ کو کچھ متعین حصہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا مزید براں انھیں فی نفر چاول کی ایک مقررہ مقدار بھی لانی پڑتی تھی۔ ایک کتبے میں جو تقریباً چودھویں صدی کا ہے اس میں مقدار کا تعین کیا گیا ہے جو انھیں سوناروں اور دیگر لوگوں کو دینی پڑتی تھی[173]"۔

مذہب کا ایک مقبول پہلو جو وجے نگر کے زمانہ میں عام تھا، جیسا کہ وہ آج بھی ہے، وہ ناگوں (سانپوں) کی پرستش تھی۔ ویرو پاکسا ناگوں کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ وجے نگر کے حکمراں ناگوں کی پوجا کرتے تھے اور شیو کو ناگ ناتھ یعنی ناگوں کا سردار سمجھتے تھے۔ ان کی مہارانیاں مندروں میں ناگکل (NAGAKKAL) قائم کرتی تھیں جہاں وہ حاضری دیتی تھیں، اور مادہ ناگوں کے مخصوص بت بھی قائم کرتی تھیں[174]۔ بچوں سے محروم عورتیں یہ نذر کرتی تھیں کہ اگر ان کی گود بھر گئی تو وہ ایک ناگکل (پتھر کا ناگ)، ناگ پرتشٹھائی (NAGAPRATISTHAI) نصب کریں گی۔ ناگکل کو بعض منتر پڑھ کر زندگی (پران پرتشتھائی، PRANAPRATISTHAI) دی جاتی تھی اور اسے ایک پیپل یا مرگوسا (MARGOSA) اور ترجیحاً پیپل کے درخت کے نیچے قائم کیا جاتا تھا۔ وجے نگر کے زمانہ میں ان ناگوں اور ناگنیوں کی بڑے پیمانہ پر پوجا کی جاتی تھی[175]۔ اسی طرح گایوں کو بھی بہت مقدس سمجھا جاتا تھا[176]۔

درختوں کی پوجا بھی رائج تھی۔ پیپل اور مرگوسا کے درختوں کو بڑی عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان کی عبادت کی جاتی تھی۔ برہمنی رسوم کے مطابق ان کی شادی کی جاتی تھی۔ 1358ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ ایک مخصوص شخص اردون ہلی (ARUVANHALLI) کے تالاب کے چاروں کونوں پر لگے ہوئے پیپل کے درختوں کی اپنائے نم (UPANAYANAM) (کی رسم) ادا کرتا تھا[177]۔

حواشی

باب نہم

1. HISTORY OF SRI VAISNAVISM IN SOUTH INDIA از ٹی۔ اے گوپی ناتھ ص 29۔
2. THE PANDYAN KINGDOM از کے۔ اے نیل کانت شاستری ص ص 201 – 211
3. THE RISE از برگس، ۱، ص 413
4. ORIENTAL HISTORICAL MANUSCRIPT، ۱، ص 35
5. مدراس اپی گرافی رپورٹس 1916، پیراگراف 33
6. مدھوراوجیم۔ دیباچہ۔ ص ص 5 – 6
7. ملاحظہ ہو مدھوراوجیم، ص ص 12 – 25 ORIENTAL HISTORICAL MANUSCRIPT از ٹیلور 2 جز 3 – 1899 کا 18، SOUTH INDIA UNDER THE MOHAMM ADAN INVEDERS از ایس، کے اینگر، ص 116، پانڈیا کرانکل اس بات کا دلچسپ بیان پیش کرتا ہے کہ جب مندر کو کمپن نے کھولا تو مندر کا کیا حال تھا۔ اس میں درج ہے "اس وقت تمام چیزیں بعینہ اسی حالت میں پائی گئیں جس حالت میں وہ اس دن تھیں جس دن مندر کو بند کیا گیا تھا۔ وہ چراغ جو اس دن روشن کیا گیا تھا، صندل کا برادہ، پھولوں کے ہار اور وہ زیورات جو عموماً جشن کے دنوں میں صبح کو سجائے جاتے تھے، بالکل اسی حالت میں تھے جسے وہ عموماً اس طرح کے جشن کے دنوں میں شام کو پائے جاتے ہیں۔" ORIENTAL HIST ORICAL MANUSCRIPT، ص ص 35 – 37 –

7الف ORIGIN AND EVOLUTION OF KINGSHIP IN INDIA ، از سردار کے۔
ایم۔ پانکر (K.M.PANIKKAR) ، ص ص 153–154۔

8 اپی گرافیا کرناٹیکا، یشودا 46، دیباچہ 23۔

9 NUM. ORIENT ، از ایلیٹ، ص 92۔

10 JOURNAL OF THE BOMBAY BRANCH OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY 24، ص 293 : LIFE AND TIMES OF SRI VEDANTA DESIKA از وی رنگا چاریہ - THE LIFE AND TEACHINGS OF MADHAVACHARIAR از سی۔ ایم۔ پدمن بھاچر (C.M.PADMANABHACHAR) کوئمبٹور COIMBATORE 1909ء) بھی ملاحظہ ہو۔
بھنڈارکر (BHANDARAKAR) ، ویشنوزم، شیوزم کے ذیل میں ملاحظہ ہو، ص ص 59۔

11 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1908، پیراگراف 18–19 ملاحظہ ہو۔

12 LOCAL GOVERNMENT از مکھرجی، ص 12۔

13 اپی گرافیا کرناٹیکا 6، SERINGAPATAN ، 1۔

14 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1916، پیراگراف، 97۔

15 اپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIKARPUR ، 281۔

16 ایضاً۔

17 اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB ، 375۔

18 اپی گرافیا کرناٹیکا 5، CHENNARAYAPATNA ، 256۔

19 مدراس اپی گرافی رپورٹس 1925، پیراگراف 30۔
میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1918، پیراگراف 105–106، مدھوراوجیم، فصل 1، اشلوک 4
مادھواچاریہ خود کو لبکا کا کل گرو کہتے ہیں۔ غالباً سنگم کے بیٹوں کے ایک سے زیادہ کل گرو تھے۔

20 اپی گرافیا کرناٹیکا 10، MUDBAGAL ، 11۔

21 اپی گرافیا کرناٹیکا 9، HOLALKERE ، 129۔

22 1377ء کی ایک دستاویز میں سنگنا ادیا (SINGANNA ODEYA) کا تذکرہ جو کمپن اول کا پوتا تھا، اکاش واسی سام ویدیگارو (AKASA VASI SAMA VEDIGARU)

،

کے ایک شاگرد کی حیثیت سے ملتا ہے۔ کتبہ میں درج ہے کہ اسے بھوونیشوری (BHUVANESWARI) کا اپدیش (UPADESA) اسی گرو سے ملا تھا اور اس موقع پر اس نے پیروسلو (PERUSALU) کا گاؤں اپنے گرو کو بطور عطیہ دیا تھا (1917 کا 681)

غالباً آکاش واشی کی اصطلاح اکاشس موکھین (AKASA MUKHIN) کی نہایت معروف و مشہور اصطلاح کی بدلی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس فرقہ کے افراد کا دماغ ہمیشہ آسمان پر رہا کرتا تھا۔ لیکن ان کے متعلق ہمیں زیادہ تفصیلات نہیں مل سکی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1918 پیراگراف 66، -BRAH) MONIER WILLIAMS) ازمونیر ولیمس (MANISM AND HINDUISM) بھی ملاحظہ ہو، ص 98 -

23 RELIGIONS OF INDIA، از ہوپکنز (HOPKINS) ص 482 -

24 میکند کا زمانہ مشکوک ہے پروفیسر شیش گری شاستری (SESHAGIRI SASTRI) کا خیال ہے کہ وہ تقریباً 1550 میں تھا۔ - REPORT ON SANSKIRT AND TAMIL. 97-1896 ص ص 52 اور 56 MADRAS MANUAL MANUSCRIPT کا مصنف اسے گیارہویں صدی میں بتلاتا ہے اور اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ سدّر (SIDDAR) مکاتیب خیال اتی ویرارام پانڈے (ATIVIRA RAMA PANDAYA) کے بعد، جسے وہ گیارہویں صدی میں رکھتا ہے، وجود میں آئے تھے (جلد ا ص ص 57 اور 120) لیکن گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ اتی ویر رام پانڈے تقریباً 1336 میں تھا (MADRAS REVIEW 1904) اس ضمن میں INDIAN ANTIQUARY جلد 43 ص ص 156-157 ملاحظہ ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میکند زیادہ سے زیادہ بارہویں صدی میں تھا۔ میکند کے چوتھے روحانی جانشین اومایتی شیوا (UMAPATI SIVA) نے اپنی سنکرپ نراکرنم (SANKARAPA NIRAKARANAM) شاکھا 1235 (1313ء) میں لکھی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ شیوا سدھانت ورلارو (SIVA SIDDHANTA VARALARU) از ایس، انورتوی نایکم پلائی (S. ANAVARATAVI NAYAKAM PILLAI)، ص 33 -

25 ملاحظہ ہو INDIAN ANTIQUARY 43 ص ص 157-158، شیوا سدّھانت کی

سچائی کے موضوع پر ایس۔ ایس۔ سوریہ نارین شاستری (S.S. SURYA NARAY- ANA SASTRI) کے ایک مضمون کے لیے مدراس یونیورسٹی جرنل جلد 2 شمارہ 1، ص ص 111-127۔

ف26 INDIAN REVIEW دسمبر 1908 VAISNAVISM, SAIVISM AND OTHER MINOR RELIGIONS از بھنڈارکر، ص 57۔

ف28 ملاحظہ ہو JOURNAL OF THE BOMBAY BRANCH OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY، 24، ص ص 126-136، MYSORE CENSUS — REPORT 1891ء، HINDUISM، از مونیر ولیمس، ص ص 125-155، 1910 JOURNAL OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY ص ص 1103۔ اور 1912 ص ص 714، RELIGIONS OF INDIA از برتھ (BARTH)، ص 227، انڈین انٹی کوئری 3، ص 175، RELIGIONS OF INDIA از ہوپکنس ص ص 500 — وہ لکھتا ہے "یہ ایک انوکھی تقسیم معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گریرسن (DR. GRIERSON) نے بھی اس اصطلاح کا صحیح مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ JOURNAL OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY 1910ء ص 566، نیتا شاستری NATESA SASTRI کا خیال ہے کہ تنگلائی ویشنواؤں کے رسم ورواج پر شدرا رسم ورواج کا بڑا اثر تھا۔ ملاحظہ ہو۔ انڈین انٹی کوئری، جلد 13 ص ص 252۔

ف29 مونیر ویلیمس، ح، س، ص 125

ف30 BRAHMANISM AND HINDUISM از مونیر ویلیمس، ص 136۔ اور ایم ہیش گیری شاستری کی REPORT ON A SEARCH FOR SANSKIRT AND TAMIL MSS جلد 1، ص 16 ملاحظہ ہو۔ INDIAN THEISM از میکنی کول (MACNICOL) ص ص 127-128، اور ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS 12، ص ص 580-583 بھی ملاحظہ ہو۔

ف31 مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1905، پیراگراف 33

32ھ یہ بیان محض ایک قدیم مادھو روایت پر مبنی ہے۔کسی دوسرے ماخذ سے اس کی توثیق میں دوسرے شواہد نہیں ملتے۔

33ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 153 CHENNAPATNA ، ایپی گرافیا کرناٹیکا 9 ، 370 کا 1919 ، دیباچہ ، ص ص 41 —'— QUARTERLY JOURNAL OF THE MYTHIC 857 SOCIETY جلد 15، ص ص 43 اور میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 12-1911، پیراگراف 107، 1919، پیراگراف 30، وغیرہ بھی ملاحظہ ہو۔

34ھ 1899 کا 74-

35ھ REPORT ON SEARCH FOR SANSKRIT @ TAMIL MSS. جلد 1 ص 16

36ھ CATALOGUES CATALOGONUM ص 619

37ھ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 84

38ھ ایپی گرافیا انڈیکا 12، ص ص 344

39ھ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دہلی میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے شیلوا پلاّ لی (SELVA PILLAI) کے بت کو حاصل کرنے میں رامانج کی مدد کی تھی۔

40ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 2 (نیا ایڈیشن)، (SORAB) 344 ؛ (پرانا ایڈیشن) SORAB 136، ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، MUDGERE TALUQ ، 181-

41ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 2، دیباچہ، ص 633

42ھ ایپی گرافیا انڈیکا، 7، ص 115

43ھ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 1، ص 156

44ھ 1920 کا 326

45ھ 1890 کا 42، ایپی گرافیا انڈیکا 7، ص ص 115-116

46ھ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 1، 82، وجے نگر کے پہلے خاندان کے افراد کی جانب سے عطا کردہ ان عطیات اور تعمیرات سے ایم۔ایس۔رام سوامی اینگر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہ جین لوگ تھے۔وہ کہتا ہے"یہ واقعات اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ وجے نگر کے حکمراں خاندانوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی سرپرستی کی۔بلکہ ان میں سے کچھ نے جین عقیدے کو قبول بھی کر لیا تھا" (STUDIES IN SOUTH INDINA JAINISM ص 118) لیکن حقایق سے اس کے ان نتائج کی تائید نہیں ہوتی۔وجے نگر کے بادشاہوں نے کبھی جین مذہب قبول نہیں کیا، اگرچہ انھوں نے بڑے پیمانہ پر اس کی سرپرستی کی جینی مندروں

اورا داروں کو ان کے ذریعہ دیئے جانے والے بڑے بڑے عطیات مصنف کے دعوؤں کو ثابت نہیں کرتے۔

۴۷ 29-1928 کا 528

۴۸ لیکن بدھ مت کے وجود اور اس کے شیوع کے متعلق ہمارے پاس بہت کم شواہد ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کے بعض علاقوں میں اس کے آثار بہت دنوں تک قایم رہے۔ دو کتبات ایسے ہیں جن میں بدھ مت کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک بیلور تعلقہ کا ہے لیکن یہ جو ثبوت فراہم کرتا ہے وہ بالواسطہ ہے۔ اس میں درج ہے کہ اس مقام کے دیوتا کیشوا (KESAVA) کی پرستش شیوا لوگ بحیثیت شیو، ودانتیں بحیثیت برہما اور بدھ مذہب کے لوگ بحیثیت بدھ کرتے تھے . . . (اپی گرافیا کرناٹیکا، BELUR 3) کو مبا کونم کے دوسرے کتبے میں تیرو وکن دورائی (TIRUVILANDURAI) میں واقع ایک بدھ مندر کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے تیرو ملائی راجا پورم (TIRUMALAIRAJA PURAM) کے گاؤں کے باشندوں نے ایک نہر کے لیے زمین حاصل کی تھی جس کے معاوضہ میں کچھ زمینیں عطا کی گئی تھیں (1929 292) اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں بدھ مت بہت دنوں تک قایم رہا۔

۴۹ ملاحظہ ہو DU BRAIMANISME ET DE SE RAPPORTS CVECE LE JUDAISME ET LE CHRISTIANISME از میجر لاؤنن (MGR. LAOA- ENAN) پانڈیچری ۱، حصہ 2 - 402-403 - بحوالہ میسور گزٹ نیا ایڈیشن، جلد ۱ ص 341 -

۵۰ ARAVIDU DYNASTY ص ص 118-121 - اور اس میں مذکورہ HISTORY OF THE CATHOLIC CHURCH IN INDIA از ڈی،سا D SA جلد 2 ص 31 بھی ملاحظہ ہو۔

۵۱ ملاحظہ ہو ایضاً از ہراس (HERAS.) ص ص 464 - 485 -

۵۲ فرشتہ از اسکاٹ (SCOTT) جلد ۱ ص 118

۵۳ اپی گرافیا کرناٹیکا 3، SRIRANGAPATAM، 15، دیباچہ ص 23

۵۴ 1904 کا 18

۵۵ سیول، ح، س، ص 256

56ھ ایضاً ص 329

57ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 4، .KR 95

58ھ THE RISE از برگس 3 ص 79

59ھ ایضاً، ص 328

60ھ اپی گرافیا انڈیکا 14، ص 210

61ھ THE RISE از برگس 3 ص 381

62ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10، KOLAR 147

63ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، CHENNAPATNA 11-1910ء کا 17، رپورٹ 1911، پیراگراف 59-

64ھ 11-1910ء کا CHENNAPATNA 19، رپورٹ 1911 پیراگراف 62، سیول کی LIST OF ANTIQUARIS بھی ملاحظہ ہو۔ جلد 2، ص 203

65ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 5، CHENNAPATNA، 256-

66ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 6، SRINGAPATNA، 1-

67ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، KN. 43، اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، CHENNARA YAPATNA 64، اپی گرافیا انڈیکا 3 ص 118 اور میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1907، پیراگراف 45 بھی ملاحظہ ہو۔ وجے نگر کے بادشاہوں اور شرنگری مٹھ کے درمیان مخلصانہ تعلقات کے حوالہ کے لیے۔

68ھ ایک مشہور و معروف شری ویشنو تصنیف پراپن امرتم (PRAPANNAMRTAM) کے مطابق وجے نگر میں ویروپاکسا کے دورِ حکومت میں "جس نے تخت اپنی تلوار کے زور سے حاصل کیا تھا" وجے نگر کے حکمرانوں کے عقیدے میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رشتہ دار جنھیں ویروپاکسا نے تخت حاصل کرنے کے لیے مار ڈالا تھا، بھوتوں کی شکل میں نمودار ہوئے اور اس محل میں منڈلاتے رہتے تھے جس میں ویروپاکسا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس محل کو چھوڑ دیا اور دوسرے محل میں رہنے لگا۔ دو ویشنو برہمن اس پرانے محل میں آئے اور انھوں نے ان بھوتوں کو اپنا دربار منعقد کرتے ہوئے دیکھ کر انھیں غلطی سے زندہ انسان سمجھ کر انھیں رامائن پڑھ کر سنایا جسے انھوں نے نہایت دلچسپی سے سنا۔ دربار ختم ہو جانے کے بعد انھوں نے برہمنوں سے کہا کہ وہ ویروپاکسا کے ان رشتہ داروں کے بھوت ہیں جنھیں اس نے مار ڈالا

تھا اور یہ کہ زاماٹن سن کران کو اپنی پیشاچا (PISACA) زندگی سے چھٹکارا مل گیا ہے اور وہ ان برہمنوں کو بہت سے سونے کے سکے دے کر آسمان پر چلے گئے۔ ویروپاکسا کو جب یہ پوری کہانی معلوم ہوئی تو وہ راماٹن کی بڑی قدر کرنے لگا۔ اس نے ویشنو اعقیدے کو بھی قبول کرلیا۔ اور بھوتوں کی مصیبت سے نجات دلانے کے شکریئے کے طور پر اس نے شری ویروپاکسا کے بجائے شری رام کو اپنی دستخط قرار دے دیا۔ (SOURCES ازایس کے۔ اینگر، ص ص 71-73؛ نیز متن ۱، ۹۰)

اس شری ویشنو اتصنیف کے شواہد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ویروپاکسا کا عقیدہ تبدیل ہونے لگا تھا۔ ایس کے اینگر کا خیال ہے کہ ویروپاکسا جس کا اس تصنیف میں حوالہ دیا گیا ہے اس ملیکار جونا کا جانشیں تھا جس نے شری شیلم (SRISAILAM) کی تختیوں کے مطابق تخت کو "اپنی تلوار کے زور پر" حاصل کیا تھا۔ لیکن ٹی۔ اے۔ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ ویروپاکسا جس کا اس تصنیف میں حوالہ ہے، ویروپاکسا دوم تھا جسے ۱۴۰۴ء میں ہری ہر دوم کے انتقال کے بعد تخت کے لیے ہونے والی سہ طرفی جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی اور جس نے ایک مختصر مدت تک حکومت کی تھی۔ انھوں نے اپنے اس نتیجہ کی بنیاد ویروپاکسا کی شری سیلم تختیوں میں کی ہوئی شری ویروپاکسا کی دستخط کے ثبوت پر رکھی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ پراپن امرتم کے بیان کی بادشاہ کے بعد کے کتبات میں پائی گئی دستخط سے تردید ہوتی ہے (اپی گرافیا انڈیکا 15، ص 25) لیکن کسی دوسرے شواہد سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ویروپاکسا دوم نے شری رام کو اپنی دستخط قرار دیا تھا۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوپی ناتھ راؤ کے استدلال کی توثیق نہیں ہوئی۔ لیکن چونکہ ویروپاکسا دوم کے جانشیں کٹر شیو تھے گو ویشنواؤں کے ساتھ وہ رواداری کا برتاؤ رکھتے تھے اور ویروپاکسا سوم کے جانشیں ویشنوزم کی طرف زیادہ مائل تھے لہٰذا یہ رائے قایم کرنا درست ہوگا کہ ویروپاکسا جس کا حوالہ پراپن امرتم میں دیا گیا ہے، ملیکار جونا کا جانشیں تھا اگرچہ کوئی ایسا کتباتی ثبوت نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے اپنی دستخط تبدیل کی تھی اور نہ ہی سالوؤں، تالوؤں اور اراویدو خاندان کے ابتدائی حکمرانوں نے ہی دستخط تبدیل کی تھی۔

68 الف۔ اگرچہ چدمبرم میں شمال گوپورم کی تعمیر کا سہرا کرشن دیو رائے کے سر باندھا جاتا ہے لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے اس کی صرف بالائی عمارت ہی تعمیر کرائی تھی اس لیے کہ پہلی سات منزلوں تک مینار کی بنیاد (BASEMENT) چولا عمارات کے خصوصیات ملتے ہیں جیسے

مثلاً مندر کے مشرقی اور مغربی گوپورم۔ گوپورم کی بالائی عمارت کی تعمیر کا آغاز کرشن دیورائے نے کیا تھا جسے اچیوت رائے نے تکمیل تک پہونچایا (جرنل آف اورینٹل ریسرچ جلد 12، ص 172 ملاحظہ ہو جہاں ایس۔آر۔ بال سبرامانیا ایر (BAL SUBRAMANYA AYYAR) نے اچیوت دیورائے کے چدمبرم کے ایک کتبے کی اشاعت کی ہے۔)

69ھ 1896 کا 398

70ھ اپی گرافیا انڈیکا 1، ص ص 366 اور 370؛ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس، 9-1908، ص 175۔

71ھ 1889 کا 25 اور 26

72ھ 1922 کا 711، 712 اور 713

73ھ 1889 کا 53، 54 اور 55

74ھ فصل 1، اشلوک 47

75ھ ملاحظہ ہو۔ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1904، پیراگراف 9، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920 پیراگراف 87۔

76ھ 1915 کا 64

77ھ 1919 کا 478، 513 اور 569

78ھ انڈین انٹی کوئری 44، ص 222

79ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1918 پیراگراف 110

80ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIMOGA 85، 1905 کا 13 چٹوپادیامنی منجاری CATUPADYAMANIMANJARI ص ص 161-162۔

81ھ 1919 کا 544، 547 اور 584

82ھ 1919 کا 511، 543 اور 546، پیراگراف 20 1920، پیراگراف 47

83ھ اپی گرافیا انڈیکا، جلد 1، ص 364، اپی گرافیا انڈیکا 17، ص 71، اپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIMOGA، 1، اپی گرافیا کرناٹیکا 10، HASAN 13۔

84ھ 1910 240

85ھ میسور اپی گرافی رپورٹس 1904، پیراگراف 24، MYSORE AND COORG FROM THE INCRIPTIONS، ص 1191، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس

۱۱، ۱۱۹ ص ۱۹۰۸-۹ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس ۱۸۹ پیراگراف، ۱۹۲۰
حاشیہ ۱، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 81، اس عطیہ کی صحیح اہمیت معلوم نہیں ہے۔ جس دستاویز میں اس عطیہ کا ذکر ہے وہ اس کے متعلق بتلاتی ہے کہ "یہ بالکل نئی چیز" تھی اور "کوبیرا کے نو ۹، خزانوں" سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔ نرسمہاچاریہ کا خیال ہے کہ یہ عطیہ جیسا کہ ہمادری HEMADRI نے اپنی دان کھنڈ (DANA KHANDA) میں بتلایا ہے "ایک پیالہ بھر روپے" پر مشتمل تھا، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس ۱۹۲۰ پیراگراف ۸۰)

۸۶ 1913 کا 272 - چدمبرم میں واقع تلائی گوندراجا سوامی کا مندر ایک بوقلمون تاریخ کا حامل ہے۔ پرپنامرتم (PRAPANNAMRTAM) کے مطابق گوندراجا کے بت کو، جو نٹراج کے مندر میں رکھا ہوا ہے، چولا بادشاہ کری می کنٹھ (KIRIMIKANTHA) نے اس مندر سے ہٹوا دیا تھا۔ (SOURCES ازایس۔ کے اینگر ص ص۔ 202-203) کولوتونگا کولن اولا (KULOTTUNGA COLAN ULA) اور راج راجن اولا (RAJA RAJAN ULA) کے مطابق بادشاہ کولوتونگا دوم نے گوندراجا کے بت کو (اس کے اصل مقام) سمندر میں پھینکوا دیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ جرنل آف دی بمبی ہسٹوریکل سوسائٹی ۴، ص ۴۵، غالباً رامانج جو اس وقت زندہ تھے پھینکے ہوئے بت کو واپس لے آئے یا انھوں نے اپنے شاگردوں کی مدد سے ایک دوسرا بت بنالیا اور اسے اس نے اپنے اس مندر میں رکھوا دیا جسے انھوں نے تیرو پتی میں بنوایا تھا (ملاحظہ ہو چنّی کوتونگا انپاین سین تامل (CENNIKUTO TTUNGAN ANAPAYAN SEN TAMIL) 8 ص ص 301 302، دی میکنزی کلکشن ازولسن، ص۔ 299 ANCIENT INDIA ازایس، کے اینگر، ص 320 بھی ملاحظہ ہو، گرو پرمپرا (GURUPARAMPARA) کے مطابق ودانت اچاریہ نے گوپن کے تعاون سے گوندراجا کی زیارت گاہ کی مرمت کروائی تھی اور چدمبرم میں اسے رکھوا دیا تھا حالانکہ شیواؤں نے اسکی بڑی مخالفت کی تھی۔ (JOURNAL OF THE BOMBAY BRANCH OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY ۲۴، ص 309) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیواؤں نے اس بت کو دوبارہ ہٹا دیا۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر وجے نگر کے بادشاہ اچیوت رائے کے زمانہ میں 1539ء میں

اس کی دوبارہ بحالی تک غالباً چدمبرم میں گوندراجا کی کوئی زیارت گاہ نہ تھی ۔ 1510 میں کرشن دیورائے نے الگیا تیروچھر امبلم اودیا تمبیرانار (ALAGIYA TIRUUCERRAMBAL-AM UDAIYA TIMBIRANAR) کی پوجا کے لیے تین گاؤں کا ایک عطیہ دیا تھا جن کی آمدنی 1400 ریکائی (REKAI) (گدیانہ GADYANA) تھی 1913 کا 223 ۔ کہا جاتا ہے کہ جب 18-1517 میں وہ وہاں آیا تھا تو اس نے پونم بل (PONNAMBALA) (نٹراج) کے دیوتا کی پوجا کی تھی اور شمالی گوپورم کی تعمیر کرائی تھی ۔ (1892 کا 174، 1913 کا 371 اور 374) چنانچہ اگر اس کی آمد کے وقت چدمبرم میں گوندراجا زیارت گاہ ہوتی تو ایک سرگرم ویشنو ہونے کی بنا پر وہ اس (دیوتا) کی پوجا کیے بغیر اور اس کے لیے کچھ عطیات دیئے بغیر یا اس میں کچھ اضافہ کیے بغیر نہ رہتا ۔ اگر یہ مندر موجود ہوتا تو یہ اس کو ان مندروں کی فہرست میں شامل کرتا جنھیں اس کے ذریعہ دی گئی دس ہزار وراہ کی اس معافی سے فائدہ پہونچا تھا، جو اس نے کولامنڈلم میں واقع شیوا اور وشنو کے مندروں کے حق میں عطا کی تھی ۔ مارچ 1530 میں اچیوت رائے نے نٹراج کا سالانہ جشن رتھ منانے کے لیے اور اس مندر کے شمالی گوپوں کی تعمیر کے لیے 82 گاؤں کا ایک عطیہ دیا تھا (جرنل آف اورینٹل ریسرچ 1938، ص ص 169-178) اس سے یہ واضح ہے کہ اس زمانہ میں مندر میں گوندراجا کی کوئی زیارت گاہ نہ تھی ۔ اور اس کی تعمیر 1539 میں ہوئی تھی اس سال کے ایک کتبہ میں قطعی طور پر درج ہے کہ اچیوت رائے نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ویکھا نسا ستر اکی رسوم کے مطابق تلائی گوندراجا پیرومال کے بت کو چدمبرم میں نصب کیا جائے اور اس نے یومیہ پوجا کے لیے 500 پون کا عطیہ دیا تھا (1913 کا 272 اور 1915 کا 10) چنانچہ نٹراج مندر کے پہلے پراکار PRAKAR کے ارد گرد اونچی سطح کے ایک منتپ پر یہ زیارت گاہ بنائی گئی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نئی زیارت گاہ کے لیے کوئی مستقل بنیاد نہیں ڈالی گئی تھی کیونکہ سیڑھیاں پھولوں کے نقش ونگار اور آرائشی پٹیاں جو پراکار اد یواروں اور منتپوں کے چہار طرف آج نظر آتی ہیں انھیں اس وقت بھی نظر آنا چاہیے تھا ۔ جب حال ہی میں ویشنو زیارت گاہ کی مرمت اور اس میں بعض اصلاحات کے لیے گوندراجا کی زیارت گاہ کو توڑا گیا تھا ۔ اچیوت رائے کے کتبے سے پراپن مرتم میں درج یہ بیان غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ گھا تیکا چالا (GHATIKA CALA) (شولینگر SOLINGAR) میں مقیم مہا

آچاریہ نامی ایک ویشنوا عالم کے ہاتھوں چترکوٹ کے شیوا محققین کی شکست کے بعد رام راج نے چدمبرم میں ویشنوا زیارت گاہ کو بحال کر دیا تھا۔ SOURCES ازایس۔ کے اینگر، ص 202 ؛ ANCIENT INDIA ، ص 320)۔

87ء اپی گرافیا کرناٹیکا 9 ، CHENNAPATNA 186 ؛ اپی گرافیا کرناٹیکا 5 HASAN ، 7۔

88ء مدراس اپی گرافی رپورٹس 1916ء پیراگراف 72

89ء ایضاً

90ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 7-1906 پیراگراف 53

91ء SOURCES ۔ ازایس۔ کے۔ اینگر، ص ص 202 - 203 ؛ اگرچہ یہ درست ہے کہ اپیادکشت نے اپنا آخری سال چدمبرم میں گزارا تھا تاہم دوائے آچاریہ کے ہاتھوں اس کی شکست کا تذکرہ صرف اسی شری ویشنو تصنیف میں ملتا ہے۔ چوں کہ یہ تصنیف جانبدارانہ ہے لہٰذا فطری طور پر اس میں عظیم ادویتا مبلغین کی شکست کا تذکرہ نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ لیکن اس تصنیف سے ایک بات واضح ہے۔ چدمبرم میں واقع گوندراجا کی زیارت گاہ کو خصوصی شاہی حمایت حاصل تھی اس لیے کہ اس میں شبہ ہے کہ اس (حمایت) کے بغیر نٹراج مندر کے مضافات میں اس بت کو دوبارہ بحال کیا جاسکتا تھا۔

92ء اپی گرافیا انڈیکا 12، ص ص 346 - 347

93ء اپی گرافیا انڈیکا 4، ص ص 1 - 22 ، برٹش میوزیم میں موجود سداشیو کے زمانے کی تختیاں۔

94ء اپی گرافیا انڈیکا 16، ص 245

95ء اپی گرافیا کرناٹیکا 12، TUMKUR ، 1، کرناٹک 39۔

96ء اپی گرافیا انڈیکا 12، ص 357 ، اشلوک 20

97ء SOURCES ۔ ازایس ، کے، اینگر، ص ص 233 - 234 ، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1915 ، پیراگراف 17 اور 53۔

98ء 10 کا 1921 ، اس زمانہ میں تاتاچاریہ کے اثر و رسوخ کے لیے ملاحظہ ہو۔ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1921 ، پیراگراف 53۔

99ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 7 - 1906 ، پیراگراف 50

100ھ اپی گرافیا انڈیکا 9 ص 327 ، اپی گرافیا انڈیکا 12 ، ص 356

101ھ انڈین انٹی کوئری 44 ص 221

102ھ ایضاً

103ھ ایضاً ص 225

104ھ ایضاً ، وجے نگر کے خاندان کے عقیدے کی اس تبدیلی کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ویروپاکسا کی ناراضگی کا سبب بنی جس نے رکشس تنگدی کے ہاتھوں انکی شکست کی صورت میں انھیں سزادی ۔ درحقیقت جنگم کلائی جنان (JANGAMA KAL AIJNAN) نامی ایک تصنیف میں رام راج کی شکست اور موت کا ذکر ہے جو سروجنا (SARVAJNA) نامی ایک جنگم درویش اور اس کے بیٹے ویروپن (VIRUPANNA.) نے ، جو کٹر شیو تھے ، پیشن گوئی کے انداز میں کہی تھی ۔ (دی میکنزی کلکشن از ولسن ، ص 272)

105ھ (HULT - از ہلزش ، THE COINS OF THE KINGS OF VIJAYANAGARA INDIAN ANTIQUARY) ZSCH ، 20 ، ص 308 ۔

106ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 6 ، AN. ، 103

107ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10 ، KOLAR 6

108ھ 1913 کا 271

109ھ TOPOGRACHIAL LIST OF INSCRIPTUM OF THE MADDRAS PRESIDENCY از وی رنگا چاریہ (RANGACHARYA) 2 ، ص 607 ، نمبر 394 ۔

110ھ HIS PILGRIMS از پرکاز 10 ص ص 208 - 209

111ھ INDIAN ANTIQUARY 28 ، ص 326

112ھ اپی گرافیا انڈیکا 12 ، ص 346

113ھ ایضاً

114ھ THE ENGLISH FACTORIES IN INDIA. 1618-21 دیباچہ ، ص 44 ۔

115ھ مندر کے غیر مذہبی (سیکولر) کاموں کے لیے مقامی حکومت کے باب میں مندر کی فصل ملاحظہ ہو ۔

116ھ 1912 کا 415 ، TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPT -

IONS ، 2 نمبر 219۔

117ه 1912 کا 299

118ه 1912 کا 374

118ه الف TIRULAMALAI TIRUPATI DEVESTHANAM INSCRIPTIONS
نمبر 199 - 202

119ه 1911 کا 240

120ه 1912 کا 365

121ه 1916 کا 421

122ه 1916 کا 413

123ه 1916 کا 412

124ه SOURCES ، از ایس، کے، اینگر، ص 158

125ه آمکتا، فصل 2 اشلوک 95

126ه MYSORE GAZETTEER ، نیا ایڈیشن جلد 5 ص ص 1174 - 1191 ملاحظہ ہو

127ه ایپی گرافیا کرناٹیکا 6، SERINGAPATAM ، 7، SERINGAPATAM ، 29، 11،
13 وغیرہ۔

128ه C.P. INSCRIPTIONS BELONGING TO THE SANKARACARYA MAH
EAT KUMBA KONAM ، ص ص 7 - 14 ۔

129ه TANJORE DISTRICT GOZETTEER ، جلد 2، ص 231 ۔

130ه INSCRIPTIONS BELONGING TO THE SANKARACA RYAMALTAL
KUMBAKUNAM ، ص ص 15 - 47 ۔

131ه ایپی گرافیا انڈیکا 13، ص ص 122 - 123

132ه گرو پرمپرا استو (GURU PARAMPARA STAVA) کے مطابق چندر شیکھر کے گرو کے گرو پورتا تند ایک مقدس سفر پر نیپال گئے تھے۔ بوہلر (BUHLER) ایک کتبہ کا تذکرہ کرتا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ سوم شیکھر آنند (SOMA SE - KHARANANDA) نامی جنوبی ہندوستان کا ایک سوامی 1503ء میں نیپال گیا تھا چونکہ کتباتی ثبوت سے شنکراچاریہ مٹھ کی گرو پرمپرا میں درج روایت کی توثیق ہو جاتی ہے

لہٰذا اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس مٹھ کا ایک سوامی نیپال گیا تھا۔ ایس، وی،
وینکٹ یشور کا خیال ہے کہ "مذکورہ سوامی یقینی طور پر یا تو ہمارے عطیہ کا دینے والا
ہے یا اس کے گرو کا گرو پرن آنند عرف چندر چوڑ (CHANDRA SEKHARA)
ہے "لیکن چونکہ بوہلر وہ تاریخ بھی دیتا ہے جب سوامی (CHANDRA CUDA)
نیپال آیا تھا اور چونکہ مذکورہ بالا عطیہ کا عطا کنندہ (چندر شیکھر) کے مذہبی پیشوائی کے لیے
مستقبل کے امیدوار کی حیثیت سے اس وقت زندہ رہا ہوگا لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی وہ
شخص تھا جو نیپال گیا تھا اس لیے کہ سوم شیکھر اور چندر شیکھر کے نام ہم معنیٰ ہیں اس واضح ثبوت
کی موجودگی میں ہمیں یہ فرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ چور آنند نیپال گئے ہوں گے۔ ملاحظہ
ہو۔ ایپی گرافیا انڈیکا 13، ص ص 125 T.T)

133ھ TANJORE DISTRICT GAZETTEER، جلد 2 ص 231۔

134ھ میسور ایپی گرافیا رپورٹس، CHENNEPATNA 15-1914 کا 4، رپورٹ 1915،
پیراگراف 54، 1909 کی رپورٹ بھی ملاحظہ ہو پیراگراف 104

135ھ مدراس ایپی گرافیا رپورٹس 1909، پیراگراف 104، 1915 پیراگراف 54

136ھ ملاحظہ ہو TANJORE DISTRICT GAZETTEER، جلد 2 ص ص 231-
232-

137ھ 1905 کا 323، 1905 کا 272؛ TOPOGRAPHICAL LIST OF
INSCRIPTIONS OF THE MADRAS PRESIDENCY از وی رنگا چاریہ،
403 M.R.-

138ھ 1912 کا 352، 368، 373 اور 400، رپورٹ 1913 پیراگراف 55

139ھ 1912 کا 354، 365، 389 اور 390 شاکھا 1429 اور 1446 کی تاریخوں کے درمیان کے۔

140ھ مدراس ایپی گرافیا رپورٹس 1924 پیراگراف 50، دیگر حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو۔ 1917
کا 33-38، 1924 کا 209 اور 211 وغیرہ۔
REPORT ON SANSKIRT MSS.، نمبر 2، دیباچہ، ص 18 بھی ملاحظہ ہو۔

141ھ HISTORY OF TAMIL LITERATURE، ص 297۔

142ھ TANJORE DISTRICT GAZETTEER، جلد 2 ص 257۔

143ھ ملاحظہ ہو پورن لنگم پلائی PURPNALINGAM PILIAI، ح س، ص ص 297-298۔

۱۴۴ھ پرن لنگم پلالی ح،س

۱۴۴ھ الف۔ اس تہوار کی ابتدا صغیرہ راز میں ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں پہلا درگا کی پوجا اور دوسرا اسلحوں کی پوجا۔ پہلا پہلو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے پاروتی کے اعزاز میں منایا جاتا ہے جس نے بھینس دیو، بھنڈ آسورا (BHANDA SURA) سے ۹ دنوں تک جنگ کی تھی اور دسویں دن، یعنی فتح کے دن وجے دشمی (VIJAYADASAMI) کے دن اسے مارکر فتح یاب ہوئی تھی جنگ کے دوران وہ چندا (CHANDA) اور منڈا (MUNDA) دو اور دیووں کو مارنے میں کامیاب ہوئی تھی جو بھنڈ آسورا کے نائب تھے چنانچہ اسی بنا پر اسے چامندیشوری (CAMUNDESVARI) کے نام سے پکارا جانے لگا۔
تہوار کا دوسرا پہلو یہ بتایا ہے کہ اس تہوار کا کچھ نہ کچھ تعلق اندر کی پوجا سے بھی تھا جو فراوانی اور خوش حالی کے لیے عام ویدی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہوار کی یہ خصوصیتیں جیسے ریاست کے گھوڑے کی پوجا۔ ریاست کے ہاتھی اور دیگر چیزوں کی پوجا بذات خود اندرا کے متعلقہ لوازمات کی پرستش کی نمایندگی کرتی ہیں۔ یا ممکن ہے کہ اس کا تعلق خود درگا ہی سے ہو کیوں کہ للیتا (LALITA) دیووں سے جنگ کرنے میں مشغول ہوا تھا۔ جبکہ یہ باتیں ہندوؤں کے اس عظیم قومی تہوار کی ممکنہ اصل ہے۔ اس بارے میں ایک یا دو اور توجیہیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ تہوار راون پر شری رام کی فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ نونیز، جس نے وجے نگر میں مہانومی کا جشن دیکھا تھا، لکھتا ہے کہ اس نے تہوار کے بارے میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اسے "ان نو مہینوں کے احترام میں منایا جاتا تھا جس کے دوران ہماری دیوی نے اپنے بیٹے کو اپنے رحم میں رکھا۔"
(سیول، ح،س، ص 376)

ہندو بادشاہ اس تہوار کو مناسب ڈھنگ سے منانا اپنا فرض سمجھتے تھے کیوں کہ ہندو نظریئے کے مطابق بادشاہ خدا کے سامنے عوام کا نمایندہ ہے چنانچہ ریاست کے مذہب کے محافظ کی حیثیت سے اسے عوام کی مذہبی زندگی کی رہنمائی کرنی پڑتی ہے۔ وہ خود اپنی اور اپنی رعایا دونوں ہی کی جانب سے دیوی کی پوجا کرتا ہے، اور اس کے رحم و کرم کی بھیک مانگتا ہے۔ دیوی کی فتح کو اچھائی کی برائی پر، انسان کی اس کی پستی پر، علم کی جہالت پر اور روح کی مادہ پر فتح تصور کیا جاتا ہے۔

۱۴۵ھ مندرجہ ذیل حضرات کے ذریعہ اس تہوار کی ایک وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو۔

پائس، سیول، رح، س، ص ص 262 - 279، نونیز، ایضاً ص ص 376 - 378 ایلیٹ کا خیال ہے کہ وجے نگر میں ایک سہ روزہ جشن کے متعلق عبدالرزاق کے بیان کی تفصیلات (ایلیٹ رح، س، ہ ص ص 117 - 119) بھی مہانومی کے تہوار کے مطابق ہیں۔ لیکن تہوار کی مدت کے متعلق عبدالرزاق کا بیان مبہم ہے۔ وہ لکھتا ہے "مسلسل تین دنوں تک اس وقت سے جب دنیا کو روشن کرنے والا سورج آسمان پر ایک مور کی طرح چمکنے لگتا، اس وقت تک جب شام کی تاریکی کا کوا اپنے بازوؤں اور پروں کو پھیلاتا، یہ شاہی جشن نہایت عظیم الشان مظاہروں کے ساتھ جاری رہتا۔ ان تینوں دن بادشاہ اپنے تخت کی مسند پر بیٹھا کرتا تھا" (رح، س، ص ص 119 اور 120) سوریانارائن راؤ (SURYANARAYANA RAO) کا خیال تھا کہ غالباً یہ بیان جشن مہانومی کے آخری تین دنوں کے بارے میں ہے جبکہ بعد دیگرے درگا اسٹمی (DURGA STAMI) مہانومی اور وجے دشمی (VIJA-YADASAMI) کے جشن کے دن تھے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ہی اس (راؤ) نے یہ بھی محسوس کیا کہ شاید "یہ توجیہہ ممکن نہ ہو۔" (THE NEVETOBE FORGOTTEN EMPIRE) ص ص 325 - 326 - FN یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اس سہ روزہ جشن سے متعلق عبدالرزاق کے بیان کا تعلق دو اسباب کی بنا پر مہانومی سے قطعی نہیں ہو سکتا۔ اول یہ کہ ایک ایسے سیاح سے جس کے بیانات عام طور پر معتدل اور سنجیدہ ہوں، یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ جتنے دنوں تک جشن منایا گیا ہے اس کی تعداد کو تبلانے میں غلطی کرے گا۔ دوم یہ کہ ایرانی سفیر کے مطابق وجے نگر میں یہ سہ روزہ جشن جس تاریخ کو شروع ہوا تھا وہ تاریخ جشن مہانومی کے آغاز کی تاریخ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ عبدالرزاق کے مطابق یہ تہوار ماہ رجب (نومبر۔ دسمبر) میں پورے چاند کے دن سے شروع ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو، ایلیٹ، رح، س ہ، ص 117)۔ لیکن مہانومی کا جشن کنی (KANNI) کے مہینے میں نئے چاند کے دوسرے دن سے شروع ہوتا ہے جس وقت اشویجا سدھا (ASVIJA SUDDHA) کا آغاز ہوتا ہے (ستمبر۔ اکتوبر) چنانچہ شواہد کی اس متضاد نوعیت سے یہ بات یقینی ہے کہ عبدالرزاق نے جس تین روزہ جشن کا ذکر کیا ہے وہ مہانومی سے مختلف تھا۔

اغلب یہ ہے کہ اس جشن کی نوعیت ایک ایسے سماجی اجتماع کی تھی جس میں مملکت کے سرداروں اور امراء کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ موقع یقیناً وجے نگر کے بادشاہوں

کے لیے ایک ایسا مناسب وقت فراہم کرتا تھا کہ وہ جاگیرداروں کے زیادہ سے زیادہ قریب آسکیں (ملاحظہ ہو سورمانا راثن راؤ۔ ر، س، ص 326) اس اجتماع کی نوعیت غالباً ویسی ہی تھی جیسی وجے نگر کے بادشاہوں کے لیے اس بڑے اجتماع کی تھی جس کا تذکرہ پہلے ہی کیا جاچکا ہے (ملاحظہ ہو ANBGUARY ص ص 26-27)

۱۴۶ INDIA از میجر، ص 28، اگر یہ تہوار نو دنوں کا تھا تو یہ غالباً مہانومی ہی کا تہوار تھا لیکن اس نے جن حقائق کا ذکر کیا ہے وہ عجیب ہیں۔ بظاہر تفصیلات اس تہوار کے مطابق ہیں جو آج بھی جنوبی ہندوستان کے بعض علاقوں میں منایا جاتا ہے اور جو تامل میں ولوکا مرم تو وتل (VALUKKAMARAM TUVATTAL) کے نام سے معروف ہے بانس کا ایک کھمبا ایک چوراہے پر نصب کردیا جاتا ہے جس پر تیل مل دیا ہے اس کے اوپری سرے پر ایک چھوٹا سا کپڑا بندھا ہوتا ہے جس میں کچھ سکے ہوتے ہیں جنھیں لینے کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو اس کھمبے پر چڑھ جائے اس حال میں کہ لوگ اس (آدمی) پر پانی انڈیلتے رہتے ہیں۔ یہ تہوار اری یدی (URIYADI) تہوار سے بھی ملتا جلتا ہے جو سری کرشن جینتی کے دن رات میں منایا جاتا ہے۔ لیکن یہ تہوار صرف ایک دن منایا جاتا ہے۔

۱۴۷ ایضاً

۱۴۸ سیول، ر، س، ص ص 281-282- ص ص 93 اور 140-147 بھی ملاحظہ ہو۔ وجے نگر میں نئے سال کا دن کب منایا جاتا تھا اس کی صحیح تاریخ کے سلسلہ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے بہر حال اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ نیا سال معمول کے مطابق صرف مارچ۔ اپریل میں نئے چاند کے دن سے شروع ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سیول کا یہ خیال غلط ہے کہ وجے نگر میں یہ دن پہلی کارتکا (KARTTIKA) کو منایا جاتا تھا۔ لیکن پائس کا یہ واضح بیان کہ وجے نگر کے بادشاہ نئے سال کا شمار اکتوبر سے کرتے تھے بظاہر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سرکاری طور پر حکومت کا نیا سال ہی صرف اس وقت یعنی دیپاولی کے دن سے شروع ہوتا تھا۔ نیکولوڈی کونتی اور پائس کے بیانات زیادہ تر ہندوؤں کے اسی تہوار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ جب وہ نئے کپڑے زیب تن کیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مارواڑی تاجروں کا نیا مالی سال بھی اسی دن سے شروع ہوتا تھا اور (اسی دن) وہ اپنا کھاتہ شروع کرتے تھے۔

۱۴۹ھ INDIA ازمیجر ص 28، سیول، ح، س، ص 86، سیول اور سلیٹور دونوں اس بیان کو دیپاولی کے تہوار سے متعلق بتاتے ہیں اس ضمن میں اس بات ذہن نشیں رہے کہ تامل کے علاقے میں دیپاولی کے موقعہ پر وسیع پیمانے پر چراغاں نہیں کیا جاتا بلکہ ایسا صرف کارتیگائی (KARTIGAI) کے تہوار کے دن کیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو۔ POLITICAL AND SOCIAL LIFE، 2، ص 387 از سلیٹور)

۱۵۰ھ INDIA .. ازمیجر، ص 28، سیول، ح، س، ص ص 84 - 85

۱۵۱ھ HIS. PILGRIMS ازپرکاز ۱۰، ص 274

۱۵۲ھ دیگر غیر ملکی سیاحوں کے ذریعہ اس تہوار کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔ پائس سیول، ح، س، ص 255، پینٹا۔ پرکاز HIS. PILGRIMS ۱۰، ص 207، VEIGA ایضاً ص ص 220-222۔ TRAVELS از پیٹرو ڈلووالے (PIETRODELLOVALLE) جلد 2 ص ص 60 - 259

سیلٹور کا خیال ہے کہ کسی تہوار کے اختتام پر مندر میں منعقد ہونے والا جشن رتھ، رتھ سپتمی (RATHA SAPTAMI) ہی کا تہوار ہوتا تھا۔ لیکن ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ رتھ سپتمی محض ایک ایسا دن ہے جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس دن دکھن ایم (DAKSINAYAM) کے بعد سورج شمال کی جانب گھومتا ہے اور مندروں میں منائے جانے والے جشن رتھ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

۱۵۳ھ اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۱ ،DG.، 30

۱۵۴ھ اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، KOLAR، 34۔

۱۵۵ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 13 - 1912، پیراگراف

۱۵۶ھ اپی گرافیا انڈیکا، ۱، ص 370 اور 64 .GN، 1921 کا 371 اور NELL ORE INSCRIPTIONS، 3 ص 1366 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۵۷ھ ' TRAVALS '، ۱، ص ص 122-123۔ نیکولوڈی کونتی کا یہ بیان کہ وہ زعفران کا پانی ہوتا تھا ممکن ہے کہ بالکل درست نہ ہو۔ پانی کو زعفران کے ساتھ ابالا جاتا ہے اس کے بعد اس میں تھوڑا سا بجھایا ہوا چونا حل کیا جاتا تھا جس سے وہ سرخ ہوجاتا تھا۔ بسا اوقات گلاب کا پانی اور خوشبودار تیل اس میں ملایا جاتا تھا اور اسے بلا امتیاز راہگیروں پر چھڑکا جاتا تھا۔ یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں مارواڑیوں میں یہ طریقہ آج بھی

رائج ہے گو بس ایک محدود حد تک۔

159ے SOURCES، از ایس۔ کے۔ اینگر، ص 138۔

160ے ایضاً، ص 142، شری ناتھ کی ہری ولاسم (HORIVILASAM) میں اس کے حوالے کے لیے ایضاً، ص 57، بھی ملاحظہ ہو۔

161ے ASIATIC RESEARCHS، 20، ص 30۔

162ے ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، BELUR 4، ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، MALLAVALI 20۔

163ے 1915 کا 280

164ے 1913 کا 281

165ے 1919 کا 373 اور 374

166ے VILLAGE GODS AND SOUTH INDIA، ص 46 - SOUTH INDIAN GODS GODDERS۔
از کرشن شاستری، ص ص 223-224 اور 226-227

167ے سیول، ح، س، ص ص 245 اور 365

168ے بربوسا ا، ص ص 230-231

168ے الف۔ سیول، ح، س، ص 255

169ے INDIA، از میجر (MOJOR)، ص 28۔

170ے بربوسا ا ص ص 220-222۔

171ے TRAVELS، 2، ص 259۔

172ے JOURNY THROUGH MALABAR، 2 ص 440۔

173ے میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1909-10، پیراگراف 16
جب حکومت کی جانب سے قطع عضو کی ممانعت ہوگئی تو "انگلی دینے والے" طبقوں نے اس ممانعت کے خلاف زبردست لیکن ناکام احتجاج کیا۔ آج کل انھوں نے اس کے بدلے میں ایک بے ضرر طریقہ اختیار کرلیا ہے وہ یہ کہ وہ زخمی انگلیوں پر مندر کے پھول لپیٹ لیتے ہیں اور اپنے گاؤں واپس آکر اسے ایک جشن کے ساتھ کھولتے ہیں۔

174ھ میسور آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 15-1914، ص 38

175ھ ملاحظہ ہو HAMPI RUINS ، از لونگھرسٹ (LONGHURST) ص ص 28 - 31-

176ھ گایوں کی عبادت کے لیے ملاحظہ ہو۔ NOTES ON THE RELATIONS AND TRADA OF CHINS; TOUNG PAO ، از روک ہل (ROCKHILL) ، جلد 16 ص 456 اور F.N. 2 -

177ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 3 ، HALLAVALI ، 22 -

باب دہم

تعلیم اور ادب

فصل اوّل

تعلیم

عموی اور مقبول عام تعلیم کا تصور آج بھی ہندوستان میں نیا ہے عہد قدیم اور دور وسطی کے ہندوستان میں آزادانہ یا عمومی تعلیم کو تمام لوگوں کے لیے ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ہر ذات یا برادری کا خود اپنا ایک تعلیمی نظام تھا جو تکنیکی نوعیت کا ہوتا تھا۔ لوگوں کے مختلف طبقوں کی تعلیم کا تعین ان کے پیشوں کی نوعیت پر مبنی ہوتا تھا۔ مملکت میں جو تعلیمی نظام رائج تھا ریاست رسمیں زیادہ مداخلت نہیں کرتی تھی۔ یہ نہ تو عوام کے لیے درسگاہوں کا بندوبست کرتی تھی اور نہ ہی اس سلسلہ میں اٹھائے گئے نجی اقدامات کی مادّی طور پر حوصلہ افزائی کرتی تھی۔

لیکن ہر گاؤں یا چھوٹے چھوٹے کئی گاؤں کے درمیان ایک پیال (PIAL) اسکول ہوتا تھا جس میں ایک استاد جسے عموماً وتّی (VATTI) کے نام سے پکارا جاتا تھا، اسکول جانے والی عمر کے بچوں کو مکتب کی تعلیم دیتا تھا۔ اسکول یا تو استاد کے گھر کے صحن میں یا کسی بڑے درخت کے سائے میں لگتا تھا۔ استاد کا معاوضہ جنس اور نقد دونوں ہی طرح کی ادائیگیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسکولوں کے طریق کار اور ان میں اپنائے جانے والے طریقہ تعلیم کے بارے میں، سیاح پٹرو ڈیلا ولّے کی تصانیف میں ہمیں دلچسپ بیان ملتا ہے وہ لکھتا ہے "وہ چار (لڑکے) ہوتے تھے اور استاد سے سبق لینے کے بعد اسے زبانی یا د کرنے نیز گذشتہ کو بھی دہرانے اور ازبر کر لینے کے لیے ان میں سے ہر ایک سبق کا ایک حصہ مخصوص قسم کے ایک سُر میں (جس میں ایک طاقت تھی جو حافظہ پر ایک گہرا اثر چھوڑتی تھی) گا کر دہراتا

تھا۔ مثال کے طور پر "ایک اکائی ایک" اس طرح اپنے بولنے کے دوران وہ اسی عدد کو لکھتا تھا، کسی طرح کے قلم سے نہیں نہ کسی کاغذ پر، بلکہ (کاغذ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے) اپنی انگلی سے فرش پر جہاں (پہلے ہی سے) اس مقصد کے لیے نہایت عمدہ بالو پھیلایا جاتا تھا۔ جب پہلا لڑکا وہ لکھ لیتا جسے وہ گاتا تھا تو بقیہ بھی اسی چیز کو ایک ساتھ گاتے اور لکھ لیتے تھے۔ اس کے بعد پہلا لڑکا سبق کا دوسرا حصہ گاتا اور لکھتا تھا۔ مثال کے طور پر "دو اکائی دو" جسے بقیہ تمام اسی انداز پر دہراتے اور اسی ترتیب سے آگے جب فرش گنتیوں سے بھر جاتا تو وہ اسے ہاتھ سے مٹا دیتے یا اگر ضرورت ہوتی تو اس پر بالو کے اس چھوٹے ڈھیر سے جو ان کے سامنے ہوتا تھا نیا بالو ڈال دیتے، جس پر وہ پھر لکھتے۔ چنانچہ وہ اس وقت تک ایسا کرتے رہتے تھے جب تک مشق جاری رہتی تھی۔ اور انھوں نے مجھے بتایا کہ اسی طریقے سے انھوں نے کاغذ قلم اور روشنائی برباد کیے بغیر پڑھنا اور لکھنا سیکھا یقیناً بڑا اچھا طریقہ ہے[1]۔ اس طرح پیال (PIAL) اسکول وہ مقامات تھے جہاں چھوٹے بچے مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ابن بطوطہ کے مطابق شہر انور (ONORE) میں لڑکوں کے لیے 23 اور لڑکیوں کے لیے 13 اسکول تھے[2]۔ اس عام تعلیم کے علاوہ مختلف پیشہ کے لوگ وہ تربیتی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے جو انکے متعلقہ پیشوں سے مناسبت رکھتی تھی۔

مملکت وجے نگر میں عیسائی پادریوں کی موجودگی کے باعث بعض مخصوص قسم کے اسکول بھی قائم ہوئے جہاں عیسائی مشنریاں اور ان کے نو عقیدہ لوگ دیسی زبانوں کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ مدورا میں فادر فرنانڈس نے ہندوؤں کے لیے ایک پرائمری اسکول قائم کیا تھا جس میں ایک برہمن جو عیسائی ہوگیا تھا لڑکوں کو پڑھنا اور لکھنا سکھاتا تھا۔ جب فادر پمینٹا (FR. PIMENTA) کو مدورا سے ہو کر گذرنے کا اتفاق ہوا تو وہ اس اسکول میں آیا تھا اور اس نے اسکول کے اچھے طلباء کے درمیان کچھ انعامات تقسیم کیے تھے[3]۔ فادر پمینٹا نے سینٹ ٹھوس میں ایک اسکول قائم کیا تھا جہاں تیلگو اور تامل کی تعلیم دی جاتی تھی، 1567ء میں فادر ایچ ہنری کوئز (FR. H. HENRI QUEZ) نے پونی کایل (PUNNEI KAYAL) میں گوا کے نوجوانوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا تھا جو وہاں (عیسائیوں کے) سوال و جواب کرنے والے کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے اور وہ خود فادر لڑکوں کو تعلیم دیتا تھا۔ اس کا معاون لوئز (LUIZ) نامی ایک برہمن تھا جو عیسائی ہوگیا تھا۔ ایک اور اسکول دربار کے امراء کے بچوں کے استفادہ کے لیے چندرگیری میں قائم کیا گیا تھا۔ مشنری نے اس اسکول میں ایک ہندو استاد کا تقرر کیا تھا[4]۔

لیکن برہمنی تعلیم کا نظام مختلف تھا۔ ممتاز پنڈت اور عالم اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی درسگاہیں خود چلاتے

تھے اور طلبہ کو ویدوں اور متعلقہ ادب کے مطالعہ کا درس دیتے تھے۔ یہ تعلیم بھی دراصل نجی اقدامات اور انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ مثال کے طور پر ادے پالم (ADAYAPALAM) اور ویلور (شمالی آرکوٹ ضلع) میں اپیّا دکشت نے کچھ اسکول قائم کیے تھے جہاں تقریباً پانچ سو طلبہ کے لیے شری کنتھ باسیا (SRI KANTHA BASYA) کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا تھا۔[7] کچھ مقامات پر مندر کی عمارتوں کے بعض حصّوں کو اس طرح کے درس کے لیے علیحدہ کر دیا جاتا تھا۔ کنجیورم میں وشنو کے مندر میں ایک ویدمتھ (VEDAMATHA) تھا جہاں اس طرح کا درس ہوتا تھا۔[8] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان درسگاہوں کے اساتذہ کو معاوضہ زمین کے عطیات کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا وہ جس کی آمدنی وہ صرف کر سکتے تھے۔ چنانچہ وپّور (VEPPUR) (شمالی آرکوٹ ضلع) سے دستیاب کمپن ادے یار کے زمانہ کے ایک کتبے کے مطابق ایک قطعہ زمین ایک مخصوص شخص کو ادھیاین ورتی (ADHYAYANAVRITTI) کے طور پر عطا کی گئی تھی۔ اچیوت رائے نے کمبم پلّی (KAMBAMPALLI) کے گاؤں کو گووند دکشت کے بیٹے پیدا کرشن ماچارلو (PEDAKRSNA MACARLU) کو ابھے ودانتا (UBHAYAVEDANTA) کی تعلیمات کو ترقی دینے کے لیے عطیہ میں دیا تھا۔[8] ویرانچی پورم (VIRINCIPURAM) (شمالی آرکوٹ ضلع) کی ایک دستاویز مورخہ 1535ء میں زمین کی متعدد کولیوں KULIS کا تذکرہ ملتا ہے جو دو برہمنوں، تماین اور شیوادی رائے وسنت رائے گرو (SAIVADIRAYA VASANTARAYAGURU) کو عطیہ میں دی گئی تھیں جو علی الترتیب رگ شاکھا اور یجوس شاکھا (YAJUS SAKHA) کی تعلیم دیتے تھے۔[9] اسی طرح 1579ء میں پودی لی شیمے (PODILISIME) (نیلّور ضلع) میں بھٹاورتی مانیم (BHATTA VRTTI MANYAMS) کے طور پر چند گاؤں عطیے میں دیئے گئے تھے تاکہ تعلیمی امور کو انجام دیا جا سکے۔[10]

سترہویں صدی کے آغاز میں مدورا میں تعلیم کا انتظام صرف نجی ہاتھوں میں تھا۔ یہ مقام جو قدیم سنگم (SANGAM) کا گڑھ تھا مدورا کے نایکوں کے ماتحت بھی ایک علمی مرکز کی حیثیت سے باقی رہا۔ فادر ڈی نوبیلی (FR. DE NOBILI) اپنے 1610ء کے ایک مکتوب میں لکھتا ہے کہ اس مقام میں دس ہزار سے زائد طلبا تھے جو درس کے لیے مختلف اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہی مبلغ مدورا کے بادشاہ اور نایک وینکٹ غالباً متو کرشنپّا (MUTTU KRS - NAPPA) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انھوں نے "اساتذہ اور تعلیم حاصل کرنے

والے طلباء کی گذر اوقات کے لیے شاہی طور پر متعدد کالج وقف کردیئے تھے جہاں انھیں خوردو نوش کا سامان، کپڑے اور ہر وہ چیز جس کی انھیں ضرورت پڑتی تھی مہیا کیے جاتے تھے[11]"۔

مدورا کے یہ اساتذہ ویدانتا کی تعلیم دیتے تھے، ان کے درس چار مجموعوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ استدلال، علم، ثبوت اور عقیدہ یہ بتلاتے ہوئے کہ فلسفیانہ مضامین کی تعلیمات کس طریقہ سے ہوتی تھی فادر ڈی نوبیلی لکھتے ہیں کہ پورا نصاب تین حصّوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ پہلے حصّے میں ثبوت سے بحث کی جاتی تھی دوسرے میں علم سے اور تیسرے میں ماخذ سے۔ ان میں سے ہر ایک حصّہ چھوٹے چھوٹے حصّوں میں منقسم ہوتا تھا جسے اس عیسائی پادری نے نہایت احتیاط سے قلم بند کیا ہے[12]۔

مندروں میں مذہبی ادب کی تلاوت کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر 1523ء میں ایک شخص کو عطیہ میں ایک زمین دی گئی تھی جس کا مقصد سنسکرت ویدوں اور دراوویدوں (پربندھوں PRABANDHAMS) کی تلاوت اور ودانتا کی تبلیغ تھی[13]۔ گیارہ سال بعد اچوتیا دیوہالائے نے پیریا سوامی نرسا نایک کے ایصال ثواب کے لیے ان دو وشنو برہمنوں میں سے ہر ایک کو جو نرسنگا پورم (چنگل پت ضلع) کے مندر میں بھکتی سنجیونی (BHAKTI SANJIVINI) نامی پورانم (PURANAM) کی تلاوت کرتے تھے[14]۔

ان نجی اقدامات کے علاوہ عوامی ادارے مثلاً مٹھ اور مندر بھی تعلیم کی ترویج واشاعت میں منہمک تھے[15]۔ ہم گذشتہ ایک فصل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ کتنی ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مٹھیں ہندوستان میں بہت سے تعلیمی اداروں کی حیثیت رکھتی تھیں[16]۔ لیکن مندر قدیم ادب کے مطالعہ کی ہمت افزائی بظاہر صرف بالواسطہ ویدوں اور پربندھوں کی تلاوت کا انتظام کر کے کرتے تھے چنانچہ 1449-50ء منتن (MANATTAN) عرف شیروتم پورم (SIRUTAMPURAM) کا گاؤں سدگوپن (SADAGOPAN) کے بھجن گانے کے عوض پون امراوتی (PON - AMARAVATI) (پودکوتائی ریاست) کے مندر کے ایک ملازم کو دے دیا گیا تھا[17]۔

بہر حال ریاست بعض مخصوص مضامین کے مطالعہ کے لیے اوقاف قائم کرتی تھی اور مشہور و معروف ادبا اور بڑے بڑے عالموں کو اعزازات (بھی) بخشتی تھی۔ فنی علوم مثلاً علم نجوم، فلکیات اور طب کو بھی وجے نگر کے دربار کی زبردست سرپرستی حاصل تھی 1556-57ء میں عظیم محقق اور منجم سرو بھٹ کو ایک گاؤں اپنی تمام آمدنی کے ساتھ عطیہ میں دیا گیا تھا[18]۔ 1515ء میں ناگولا ورم (NAGULA VARAMA) کا گاؤں اور میدان جس کی پیمائش 2250 کونتا (KUNTAS) تھی ایک برہمن ماہر فلکیات کو عطا کر دیا گیا تھا جو ستاروں کی گردش، اور

نیتروں (YANTRAS-) (صوفیانہ تانترک اشکال جن کی پوجا کی جاتی ہے) اور یامل (YAMALAS)
(رودرا یامل RUDRA YAMALAS ، منتر پر ایک مخصوص تصنیف) کے
علوم کا ماہر تھا۔[19] تانبے کی ایک تختی کے مطابق سمپت کمار کو ایک گاؤں عطیہ میں دیا گیا تھا۔ سمپت کمار کے ساتھ
مختلف گوتروں (GOTRAS) کے اعلیٰ ترین اور ذی علم برہمن اور قرابت دار تھے وہ خود انتہائی
اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا اور اس عظیم گوندا پنڈت کا مشہور و معروف بیٹا تھا جو آریو وید (AYUR VEDA)
اور ویدانگوں (VEDANGAS) کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔[20] ایک برہمن طبیب کو غالباً
اپنے پیشے میں اس کی قابلیت کی قدر کرتے ہوئے عطیہ میں ایک زمین دی گئی تھی۔[21] اسی طرح سے ایسے عالموں
کی کافی عزت افزائی کی جاتی تھی جنھوں نے وسیع پیمانہ پر عام علوم حاصل کیے تھے۔ چنانچہ ایک (مجہول الاسم)
عالم کی قدر افزائی جس نے بھاسیا بھوسا (BHASYA BHUSA) نامی ایک کتاب لکھی تھی
زمین کا ایک عطیہ دے کر عزت کی گئی۔[22] ملیکارجونا رائے نے آدتیا رائے نامی ایک برہمن کی قدر دانی کے طور
پر جو ویدوں، شاستروں، پورانوں اور فلسفہ کے چھ نظاموں کا عالم تھا، دیورائے پور نامی ایک گاؤں عطیہ میں
دے کر اس کی عزت افزائی کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ایک علمی مجلس میں تعلیم کے ہر شعبہ میں اس
محقق کا امتحان لیا تھا اور دربار عام میں اس کی عزت افزائی کی تھی۔[23] تیرومل دیو مہارائے نے ایک گاؤں
میں ایک ورتی زمین رگ وید کے مطالعہ کے لیے اور ایک ورتی یجر وید کے مطالعہ کے لیے عطیہ میں دی تھی۔[24]
تانبے کی ایک تختی کے عطیہ کے مطابق 13-1612ء میں وینکٹ پتی رائے نے رام کرشن جوسیا نامی عالم کو،
جو ہارت گوترا (HARITAGOTRA) اور آپس تمبا سوترا (APATAMBA SUTRA)
سے تعلق رکھتا تھا اور ویدوں، ویدانگوں ترک (منطق)، اسمرتیوں اور سوریا سدھانت میں ماہر تھا، زمین
کا ایک عطیہ دیا تھا۔[25] اسی طرح ملا نایک کے بیٹے ناگ نایک کی درخواست پر املّدی نرسمہا نے چالیس اشخاص
کو جو میماسا (MIMAMSA)، نیائے (NYAYA) تینوں ویدوں، پورانوں، اسمرتیوں
تنتروں (TANTARAS) اور منتروں MANTRAS کے ماہر تھے اور جو مذہبی
رسوم اور رواج کی سختی سے پابندی کرتے تھے، چاکن ہلّی (CAKENAHALLI) عطیہ
میں دیا تھا۔[26] وجے نگر کے زمانہ میں ایسے بہت سے عالم تھے جنھیں حکمراں بادشاہوں کی سرپرستی حاصل
تھی، ان میں چند یہ ہیں۔ مادھو، ودیارنیا ودا نتا دکشت، دندماکوی (DINDIMAKAVI)
تاتاچاریہ، دریاسرائے، تیرتھ اور اپیا دکشت۔

وجے نگر کے زمانہ میں عوام کی تعلیمی حالت کا اندازہ اس زمانہ کے کتبات میں پائے جانے والے
طرز، املا اور رسم الخط سے کیا جا سکتا ہے۔ شاہی عطیات سے متعلق فرامین اسی علاقے کی زبان میں لکھے

جاتے تھے جہاں اسے نصب کرنا ہوتا تھا۔ اگرچہ تامل کے اضلاع کے چند کتبات سنسکرت یا تیلگو میں بھی تھے تاہم کتبات کے وہ حصے جن میں اراضی کے حدود یا مقامی مفاد اور اہمیت کی حامل ایسی ہی دوسری تفصیلات عموماً تامل میں ہی ہوا کرتی تھیں۔ جہاں تک تامل کتبات کا تعلق ہے ایک محسوس ہونے والا انحطاط طرز اور املا دونوں ہی میں ملتا ہے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ کتبات کی لکھائی اور کھدائی کا کام معمولی صلاحیت کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔

کتبات لکھنے والوں کی حیثیت قدیم سنسکرت ادب کے سوتاؤں (SUTAS) اور مگھداؤں (MAGHADAS) کے متاخرہ نمائندوں کی سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عہدہ بعض خاندانوں میں موروثی تھا۔ یہ لوگ محض عطیات کے فرامین ہی نہیں لکھتے تھے بلکہ اہم جشنوں، بادشاہوں کی کامیابیوں اور ان کے القاب و خطاب کے اعلانات کے موقعوں پر مدحیہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔ وہ سلاطین اور ان کے اسلاف کی بہادری کے کارنامے بھی بیان کرتے تھے جن پر عموماً مبالغہ آمیزی کا رنگ ہوتا تھا مثال کے طور پر بچی اپیا اپنے عہدے کے لیے اتنا مناسب تھا کہ ایک کتبے میں اسے "۔۔۔ بدورارد کولا (BADAVARUKULA) کا سب سے بڑا ہیرا۔ گوتم گوترا (GAUTAM GOTRA) کا آفتاب شاہی بھٹوں کی محبت کا ہار ۔۔۔ قصیدہ خانوں کا نڈر ہیرو، بھٹوں کا عالی مرتبت باچی اپیا" کہا گیا ہے۔[27]

اس کے بعد وہ شاسن آچاریہ (SASAN ACARYAS) قابل ذکر ہیں جو شاہی فرامین کندہ کرتے تھے۔ شاہی عطیات یا فرامین کو پتھر یا تانبے کی تختیوں پر یہی نقاش کندہ کرتے تھے۔ یہ لوگ عموماً نجاروں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن چند متفرق کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام برہمنوں سے بھی لیا جاتا تھا۔[28] صاحب حیثیت اور ممتاز لوگ بھی نقاش کی حیثیت سے ملازم رکھے جاتے تھے۔ اس بات کا پتہ اس حقیقت سے چلتا ہے کہ 1475ء میں اتھوانی رمالیات (VEME) دیورس کا لڑکا تمرسا (TIMMARASA) کندہ کاری کا کام کرتا تھا۔[29] 1431ء کی ایک اور مثال میں نگپا نایک کا بیٹا پرتات رائے نامی ایک دوسرا شخص بھی نقاشی کا کام کیا کرتا تھا۔[30] ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ کندہ کاری کرنے والوں کو یقیناً بہت کافی معاوضہ ملتا تھا۔

لکھنے کا کام عموماً کھجور کے پتوں پر کیا جاتا تھا۔ اس رواج کی وضاحت کرتے ہوئے عبدالرزاق لکھتا ہے "ان لوگوں کی لکھائی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو ہندی جوز (ناریل) (تاڑ کے درخت سے اشتباہ) کے پتے کے اوپر جو دو گز لمبا اور دو انگشت چوڑا ہوتا ہے۔ جس پر لوہے کے ایک قلم سے کھرچ کر لکھتے ہیں۔ ان کے حروف میں کوئی رنگ نہیں ہوتا اور یہ بس تھوڑی ہی دیر باقی رہتے

ہیں۔ دوسری قسم میں وہ کسی سفید سطح کو سیاہ کر دیتے ہیں جس پر وہ کسی نرم پتھر سے جو قلم کی شکل کا بنا ہوتا ہے لکھتے ہیں اس طرح کے سیاہ سطح پر سفید حروف ہوتے ہیں اور یہ دیرپا ہوتے ہیں۔ اس قسم کی تحریر کو بڑی وقعت دی جاتی ہے[31]۔ بربوسا بھی اس رواج کا تذکرہ کرتا ہے جس کا اس نے کالی کٹ میں اپنی آمد کے موقعہ پر مشاہدہ کیا تھا[32]۔

اس مقام پر تامل حروف کے ڈھالے جانے اور تامل کے علاقے میں طباعت کے آغاز کا ذکر (بھی) مناسب ہوگا۔ عیسائی نظریات کے خلاصہ پر مشتمل پہلی کتاب 1577ء میں چھپی تھی جس کے حروف کو ایک عیسائی پادری نے برادر گو ونلی جاو گونسلویز (LOY BRATHER GONSLAVES) نے ڈھالا تھا فادر ڈی سوزا اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ ان ابتدائی طباعتوں کا خیر مقدم لوگوں نے کس طرح کیا، لکھتا ہے" اس نئی ایجاد پر یہ ممالک حیرت زدہ تھے اور کافروں اور عیسائیوں دونوں نے ان مطبوعہ کتابوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور ان کی کافی قیمتیں ادا کیں[33]۔"

فصل دوم

سنسکرت

کسی خاص مملکت یا عہد کی خوش حالی اور عظمت کا اندازہ اس عہد کے ادبی تخلیقات کی تعداد و نوعیت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جائزہ لینے پر ہندوستان کی تاریخ میں بعض ایسے مخصوص دور ملتے ہیں جو زبردست ادبی سرگرمیوں اور اہم ادبی تصانیف کی تدوین سے پر ہیں۔ ان میں سے شمالی ہندوستان کی تاریخ میں گپتا عہد اور جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں چولا اور وجے نگر کے ادوار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ اسباب جو ان عظیم ادبی سرگرمیوں کا باعث بنے بہت سے تھے اور ان میں سے سب سے بڑا سبب غالباً مذہب کی نشاۃ ثانیہ تھی۔ عیسائی دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی ادبی تحریک کا فروغ ملک میں مذہبی ادب کے شانہ بشانہ ہی ہوا ہے۔ اور اسی کے نتیجہ میں مذہبی فلسفیانہ اور فرقہ ورانہ نوعیت کی ضخیم تصانیف وجود میں آئیں۔ وجے نگر کے زمانہ میں بھی ایسی تصنیفات کی تدوین ہوئی۔ ان کے علاوہ تاریخی یا نیم تاریخی نوعیت کی تصنیفات بھی لکھی گئیں۔ پربندھموں (PRABANDHAMS) کاویوں (KAVYAMS) اور ادبی نوعیت کی دیگر تصانیف کا تو خیر ذکر ہی کیا۔

وجے نگر کے زمانہ کی ادبی سرگرمیوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان اہم ادبی شخصیتوں

کو جنھیں اس دور میں فروغ حاصل ہو، حکمراں بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی اگرچہ مذہبی عقاید کے سلسلہ میں حکمرانوں اوران عالموں کے درمیان اختلافات تھے۔اس عہد میں اس طرح کی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ہری ہر دوم نے جو عقیدے میں ایک کٹر ہندو تھا، ایروگپا ڈنڈ ناتھ (IRUGAPPA DANDA NATHA) نامی ایک جینی کو، جو ایک سنسکرت کتاب نانارتن مالا (NANARATAN MALA) کا مصنف تھا، اپنا وزیر بنایا تھا۔وینکٹ دوم جو ایک کٹر ویشنو تھا اپیادکشت (APPAYYA DIKSITA) کا زبردست حامی اور سرپرست تھا جو خود اس کا معاصر اور ایک عظیم ادو یتا فلسفی تھا اور اس نے ویلور کے چنّا بومّو کے دربار میں فروغ پایا تھا، دکشت خود اپنی (تصنیف) کو والے آنند (KUVALAYANANDA) میں لکھتا ہے کہ وینکٹ نے اس کی سرپرستی کی تھی اور یہ کہ اس نے یہ کتاب اس کی درخواست پر تصنیف کی تھی۔

اس ضمن میں ایک دوسری دلچسپ بات جو یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ کہ بیشتر بادشاہ علم کے محض سرپرست و مربّی ہی نہ تھے بلکہ وہ خود بھی علم مصنف تھے۔اس بات کا انکشاف اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر نے صرف اہم ادبی کتابیں تصنیف کیں بلکہ انھوں نے ایسے خطابات بھی اختیار کیے تھے جو اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔کرشن دیورائے اور تنجور کا نایک حکمراں رگھوناتھ علم کی سرپرستی کرنے کے علاوہ متعدد اہم تیلگو اور سنسکرت کتابوں کے مصنف بھی تھے گویہ کہنا پڑے گا کہ اول الذکر تیلگو کی جنبہ داری کرتا تھا۔ہری ہر دوم نے راجہ ویاسا (RAJA VYASA) راجہ۔والمیکی (RAJA VALMIKI) اور کرناٹک ودیا ولاس (KARNATAKA VIDYA VILASA) کے قابل رشک خطابات اختیار کر رکھے تھے جو بلا شبہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ادیبوں کی سرپرستی کرنے کے علاوہ وہ خود بھی بہت سی اہم ادبی تصنیفات کا مصنف بھی تھا[34]۔علاوہ ازیں اس عہد میں بہت سی ایسی خاتون شعرا کو بھی فروغ حاصل ہوا جنھوں نے اہم ادبی تصنیفات لکھی تھیں۔ان میں سے اہم یہ ہیں۔ویرکمپن کی بیوی گنگا دیوی جس نے مدھوراوجیم تصنیف کی تھی، اچیوت رائے کی ایک بیوی تیرو مل امبا (TIRUMAL AMBA) جس نے وردامبیکا پری نیم (VARAD AMBIKA PARINAYAM) لکھی تھی اور رام بھدرمبا (RAMA BHADR AMBA) جو ایک قابل شاعرہ تھی تنجور کے رگھوناتھ کے دربار میں رہتی تھی اور رگھوناتھ ابھی یودیم (RAGHUNATHA BHYUDAYAM) کی مصنفہ تھی۔

ویدانت دیشک (VEDANT DESIKA) 1268-1368ء۔ویدانت دیشک تیرہویں اور چودھویں صدی کا ایک کٹر ویشنو اتریارام انوجا (ATRIYA RAMANUJA)

کا پر پوتا تھا۔ وہ شری رنگم کے شری رنگا ناتھ کا پجاری تھا۔ چنانچہ جب اس مندر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو وہ مورتی لے کر طیالم کے علاقہ میں بھاگ گیا جہاں کچھ دنوں گھومتے رہنے کے بعد آخر میں جنجی آگیا اور (وہاں) رنگا ناتھ دیوتا کا ایک مندر تعمیر کرکے اسے وہاں نصب کر دیا۔ بعد میں کپن کے تعاون سے، جو مدورا کے مسلمان سلطان کو شکست دے کر کول منڈلم کو وجے نگر کے ماتحتی میں لے آیا تھا، اس نے رنگا ناتھ کو دوبارہ شری رنگم میں نصب کیا۔

ویدانت دیشک تورع اور غیر معمولی صلاحیتوں کا شخص تھا اور سنسکرت اور تامل اور نظم و نثر دونوں کا سیر حاصل مصنف تھا۔ اس نے تقریباً ایک سو بیس کتابیں لکھی ہیں، جن میں تیس تامل میں ہیں اور بقیہ سنسکرت میں۔ ان میں وہ تصنیفات بھی شامل ہیں جو پراکرت میں ہیں۔ اس کی تخلیق یادو بھی ادیم (YADVA BHY UDYAM) کرشن کی سوانح حیات پر مشتمل اکیس کھنڈوں کا ایک طویل مہا کاویہ ہے اس تصنیف کو بعد کے ادویتا مبلغ اور فلسفی اپیا دکشت نے اس قدر پسند کیا کہ اس پر ایک گراں قدر تبصرہ لکھا۔ ویدانت دیشک کی ہما سمدیسا HAMSA SAMDESA کالی داس کی میگھ دوت کے طرز پر ہے[35]۔ اس کی ایک دوسری تصنیف سنکلپ سوریودیہ (SANKALPA SURYODAYA) دس ایکٹوں پر مشتمل ایک طویل تمثیلی ڈرامہ ہے جس میں وشستا (VISISTA) ویتا کے نظام کو پیش کیا گیا ہے اس تصنیف میں مصنف نے انسان کی خیر و شر کی خصوصیات مثلاً محبت و نفرت، اور تفریق و جہالت کو انسانی شکل میں اسٹیج پر پیش کیا ہے کرشن مشرا کی پر بودھ چندرودیا PRABODHA CANDRODYA کے طرز پر لکھی گئی اس پوری تصنیف میں ذاتی عظمت و شوکت پائی جاتی ہے۔ ویدانت دیشک کی اس تصنیف کو رام انوجا آچاریہ کے نظام سے وہی نسبت حاصل ہے جو نسبت کرشن مشرا کی تصنیف کو شنکر آچاریہ کے نظام سے ہے۔ سبھاسیتانیوی (SUBHASITANIVI) ۱۴۴ بندوں پر مشتمل ایک ناصحانہ تصنیف ہے جو نہایت سخت اسلوب میں لکھی گئی ہے[36]۔ زیادہ تر اشعار ذو معنین ہیں۔ اس عظیم ویشنوا مبلغ کی تصنیف ست دوسنی (SATADUSANI) ادویتا کی مخالفت میں ہے اور ویشنوا ادب میں مناظرہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ رام انوجا کی شری بھسیہ (SRI BHASYA) کی تشریح میں اس نے تتوتیکا لکھی جو اس کی طویل شرح ہے۔ ویدانت دیشک تات پریا چندریکا جو گیتا بھسیہ کی شرح ہے، وششت ادویتا کے نظام پر ایک نامکمل تصنیف نائے سدھان جن کا، ادھیکارن سارا ولی کا جو سنسکرت اشعار پر مشتمل ایک کتاب ہے جس میں ودانتا سوتروں کے متعدد ابواب پر مباحث کا ایک خلاصہ ہے اور تتوامکت کلپ (TATTVAMUKTA KALAPA) جو وششت ادویتا کے

فلسفہ کی روشنی میں تشریحی و تنقیدی انداز میں کائنات کی ہیت و فطرت پر بحث کی گئی ہے، وغیرہ کا مصنف بھی ہے۔ اس کی رہسیا تراسئے سارا (RAHASYA TRAYASARA) (تامل) ایک نہایت مشہور تصنیف ہے جس میں اس نے خود سپردگی (پرپتی (PRAPATTI) کے عقیدہ کی تشریح کی ہے اس نے بہت سی پربندھائی (PRABANDHAI) کتابیں بھی لکھیں ہیں۔ اس کے سبک رفتار قلم سے 7000 (اشعار؟) کا وجود ہوا جو الواروں (ALVARS) کی تصنیفات پر تبصرے، ترپن الواروں (TIRUPPANALVARS) کی املن دپی رین (AMALANDIPPIRAN) پر خصوصی تبصرے نیز دیگر مصنفین کی تصنیفات پر ایک تبصرہ پر مشتمل ہے۔ اس طرح ویدانت دیشک کی زندگی ادبی اور مذہبی سرگرمیوں کے لامتناہی سلسلہ سے عبارت ہے۔[37] مادھواچاریہ (MADHAVACARYA)

ممتاز ادبی شخصیتوں میں جنھیں چودھویں صدی میں فروغ حاصل ہوا اور جن کا وجے نگر کے شاہی دربار سے گہرا تعلق تھا ان میں مادھوآچاریہ سب سے نمایاں ہے وہ بھاردواج گوتر، بودھاین سوتر اور یجوس ساکھا کے ایک برہمن ماین MAYAN کا لڑکا تھا۔ مادھواچاریہ کے بارے میں مشہور ہے، کہ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جو مختلف موضوعات مثلاً فلسفہ، قواعد، قربانی کی رسوم پر لکھی گئی ہیں۔

مادھو کی پہلی تصنیف پراسراسمرتی دیاکھیہ . . . (PARASARASMRTI VYAKHYA) ہے جو پراسرا سمرتی (PARASARASMRTI) کی ایک شرح ہے اس میں ہندوؤں کی روزمرہ کی زندگی کے اصول وضوابط اور رسومات کا تعین کیا گیا ہے۔ اس نے اس تصنیف کے ضمیمہ کے طور پر ویوہار کے موضوع پر ایک فصل کا اضافہ کیا ہے اس لیے کہ پراسر نے اپنی اسمرتی میں اس پر بحث نہیں کی ہے۔ یہ تصنیف ویوہار مادھو (VYAVAHARAMADHAVA) کے نام سے معروف ہے۔ اس کی دوسری تصنیف کال مادھویہ یا کال نرنئے (KALANIRNAYA) ہے جسے مصنف نے خود اپنے قول کے مطابق پراسرا سمرتی پر اپنے تبصرہ کے مکمل ہو جانے کے بعد دھرم کے بارے میں تفصیلات بیان کرنے نیز یہ بتلانے کی غرض سے لکھا ہے کہ دھرم کے کاموں کو کب اور کس طرح انجام دیا جانا چاہیے۔ مادھو کی ادویتا، ودانتا جیون مکتی ویویکا (JIVAN MUKTI VIVEKA) پر دوسری اہم تصنیف ہے۔ اس تصنیف میں مصنف نے وہ قوانین بیان کیے ہیں جن کی پرم ہماس (سادھوؤں کا ایک طبقہ) کو پیروی کرنی چاہیے۔ مادھو کی ایک دوسری تصنیف جیمنی پیناسئے مالا

وستترا (JAIMINI YANAYA MALA VISTRA) ہے یہ کرم میمسا (KARMAMIMASA) نظام کی ایک منظوم توضیح ہے جس میں جیمنی کے سوتروں کی تشریح اور ان سے متعلق رسوم و قربانیوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مصنف کے مطابق اس نے پہلے اصل متن جیمنی ینیائے مالا کو نظم میں لکھا تھا جس کو راجہ بکّا نے عام دربار میں بہت سراہا اور اس تصنیف کی مزید توضیح کی فرمائش کی۔ چنانچہ اس نے وستر (VISTARA) لکھا جو کہ اسی کی شرح ہے اس کے خاتمہ میں درج ہے کہ مادھو آچاریہ میمسا (MIMAMSA) کے علم کے لیے ایک زیور تھا۔[38] چند محققین یہ سمجھتے ہیں سرو درشن سنگرہا (SARVADARSANA SANGRAHA) مادھو کی تصنیف ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف ساین (SAYANA) کے بیٹے مادھو کی ہے۔ جیسا کہ یہ بات ساین مادھو (SAYANA MADHAVA) کے الفاظ سے جو تصنیف کے مقدمہ کے تیسرے اور چوتھے اشعار میں استعمال کیے گئے ہیں، اخذ کی جا سکتی ہے۔[39]

مادھو آچاریہ کو وجے نگر کے دربار میں زبردست اعزاز بخشا گیا۔ پراسرار مادھویم (PRASARAMADHAVIYAM) کے مطابق وہ بادشاہ بکّا کا وزیر اور کل گرو (KULAGURU) تھا اور اس کو مہاراجہ دھیراج بکّا کے مدھو اماتیہ اور سامراجیہ دورندھر (حکومت کا بوجھ اٹھانے والا) کہا جاتا تھا جیسے اندرا کے لیے انگیرس (ANGIRASA) تھا۔ کال مادھویا اور جیمنی ینیائے مالا وستر میں بھی مادھو نے لکھا ہے کہ اسے بکّا اول کی سرپرستی حاصل تھی۔

مادھو آچاریہ ایک قدامت پرست صاحب جائداد تھا۔ وہ اپنی جیمنی ینیائے مالا وستر میں خود کو ہر موسم بہار میں سوم قربانی (پرتی وسنت سوم یاجن) انجام دینے والا کہتا ہے۔ اس کے بھائی ساین آچاریہ کی تصنیفات میں مادھو آچاریہ کے متعلق دیئے گئے حوالوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قدامت پرست ذی حیثیت شخص تھا۔ ساین نے اپنی تصنیف۔ یجنا تنتر سودھا یندھی (YAJNATANTRA SUDHANIDHI) میں مادھو کو بڑی بڑی قربانیوں کی رسومات (مہا کرتو نم آپرتا، مادھو آریا) انجام دینے والا بتایا ہے۔[40] ساین کی النکار سودھا یندھی میں مادھو کو مختلف طرح کے عیش و عشرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بتایا گیا ہے (اننت بھوگ سمکتہ)[41]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادھو کے تین گرو تھے:۔ وِدّیا تیرتھ، بھارتی تیرتھ اور شری کنٹھ۔ ودیا تیرتھ کو مہادیو مہیشور کا اوتار سمجھتا تھا۔ بھارتی تیرتھ کا تذکرہ مادھو کی جیمنی ینائے مالا وستر میں اس کے گرو کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پنچ داسی پرکرن (PANCADA SIPRAK ARANA) کا ایک حصہ اسی نے لکھا ہے۔

پر اسرار مادھویم میں شری ناتھ کا تذکرہ بھی مادھو کے گرو کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

اس مادھو آچاریہ کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زرد لباس زیب تن کرتا تھا اور اس کی شناخت سرن گیری مٹھ (SARANGERI MATHA) کے ودیا کرنیا کی حیثیت سے کی جاتی ہے۔ لیکن یہ بات انتہائی مشکوک ہے کہ اس شناخت کی کسی قومی اور قابل اعتماد ثبوت سے توثیق بھی ہوتی ہے۔

ساین SAYANA

۔ساین، مادھو آچاریہ کا چھوٹا بھائی بھی اتنا ہی ممتاز عالم اور سیاست داں تھا۔ جیسا کہ وہ خود اپنی تصنیف النکار سودھانیدھی (ALANKARA SUDHANIDHI) میں لکھتا ہے کہ وہ کمپا اول اور اس کے بیٹے سنگم دوم کا وزیر تھا اور بعد میں اس نے بکا اول کے دربار میں خدمات انجام دیں اور ہری ہر دوم کی تاجپوشی دیکھی۔ سنگم کی طفولیت کی بنا پر ساٹن نے کچھ دنوں کے لیے اتالیق کی حیثیت سے بھی کام کیا تھا[142]۔ اور اسی دوران اس نے اپنے شاہی شاگرد کو ایسی وسیع تعلیم دی جو شہزادوں کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں اس نے کمپا کے خلاف ایک مہم میں بھی حصہ لیا تھا وہ گھربار والا تھا اور اس کے تین لڑکے تھے۔ کمپن۔ ناین اور سنگن[143]۔ ساین اچاریہ ایک زبردست عالم اور عظیم مصنف تھا۔ اس کی چند تصانیف کا ذکر یہاں مناسب ہوگا۔ اس نے سوبھا سیتا سودھانیدی (SUBHA SITA SUTHA NIDHI) کی جو ادبی اشعار کا ایک مجموعہ ہے کمپا اول کے عہد میں تصنیف کی جیسا کہ خود اس نے اس کے خاتمہ میں لکھا ہے[144]۔

اس نے سنسکرت صرف و نحو پر دھاتو ورتی (DHATU VRTTI) نامی ایک کتاب توبہ و کفارہ کے بیان میں ایک تصنیف پر یاس چتا سدھاندی (PRAYAS CITTAS UDH — ANIDHI) جو کرم وپیاک (KARAM VIPAKA) کے نام سے بھی معروف ہے یجنتنتر سدھاندی (YAJANTANTRA SUDHNIDHI) نامی رسالہ جس میں مذہبی رسوم کا ذکر ہے اور صرف نحو پر النکار سدہاندھی (ALANKARA SUDHANIDHI) بھی تصنیف کیں جو تمام کی تمام سنگم دوم کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں۔ بکا کے دور میں اس نے ویدوں کی اپنی شرحیں اور پرسارتھ سدھاندھی بھی لکھی جو پران کی تعلیمات پر مشتمل ہے[145]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی یجنتنتر سودھاندھی وہ ہری ہر دوم کے زمانہ میں مکمل کر سکا۔ اس لیے کہ اگرچہ تصنیف کے شروع میں وہ سنگم کا ذکر تو کرتا ہے۔ لیکن کتاب کے آخر میں خاتمہ میں وہ کہتا ہے کہ اس نے یہ کتاب ہری ہر دوم کے

دور حکومت میں لکھی ہے[47] سائن نے ویدوں پر مندرجہ ذیل شرحیں لکھی ہیں۔ تیتیری یرنیک بھاسیا
(TAITTIRIYARANYAKABHASYA) شکلا یجر وید سمہتیا بھاسیا
(SUKLA YAJUR VEDASAMHITABHASYA) ، ومشا برہمن بھاسیا[50]
(VAMSABRAHMANA BHASYA) ، تیتریہ سمہتا بھاسیا[51]، سام وید سمہتا بھاسیا[52]، اتھر وید سمہتا بھاسیا[53]
اور رگ وید سمہتا بھاسیا[54]۔

ویدوں کی شرحوں کی تالیف زیادہ تر مادھو آچاریہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کیوں کہ بیشتر کے خاتمہ میں مادھویم (MADHAVIYAM) کے الفاظ درج ہیں۔ یا کم از کم یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ مادھو اور ساین دونوں کی مشترکہ تصنیفیں ہیں۔ لیکن ان تمام تصنیفات کے خاتمہ میں درج ہے کہ یہ ساین کی تخلیقات ہیں اور انھیں مادھویم کہا گیا ہے۔ ومسا برہمن بھاسیا میں ساین لکھتا ہے کہ رگ یجس اور سام وید سمہتاؤں کی شرحیں لکھنے کے بعد اس نے برہمن بھاسیا کی تشریح کا کام شروع کیا اس طرح اتھر وید سمہتا بھاسیا کے تمہیدی اشعار میں وہ بتلاتا ہے کہ اس نے اس کام کا آغاز دوسرے تین ویدوں کی شرحیں مکمل کرنے کے بعد کیا تھا۔ رگ وید بھاسیا کے اندر اس بارے میں بعض دلچسپ تفصیلات درج ہیں۔ کہ اس کو کس نے تصنیف کیا۔ اس کتاب کے تمہیدی اشعار میں کہا گیا ہے کہ بکّا اول نے مادھو آچاریہ سے یہ فرمائش کی کہ وہ رگ وید کی شرح لکھے۔ لیکن ہر انوواک کے خاتمہ میں یہ بات خاص طور پر درج ہے کہ یہ تصنیف ساین آچاریہ کی ہے۔ اس ظاہری تضاد کی توجیہہ ذرا مشکل ہے لیکن یہ بات اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب اس تصنیف کے تمہیدی اشعار اور خاتمہ کا موازنہ پرسارتھ سودھاینذی اور یجر وید بھاسیا کے تمہیدی اشعار اور خاتمہ سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں تصنیفات کے تمہیدی اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ راجہ بکّا نے مادھو آچاریہ سے ان کتابوں کی تصنیف کی خواہش کی لیکن اس نے بادشاہ سے کہا کہ ان مضامین میں اس کا بھائی ساین مہارت رکھتا ہے۔ چنانچہ بکّا نے ساین سے ان کی تدوین کی فرمائش کی[55]۔ لہٰذا ان کتابوں کا مصنف ساین ہے اور ان کو اس نے راجہ بکّا کی فرمائش پر لکھا جسے مادھو نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ ساین سے ان کتابوں کی تصنیف کی فرمائش کرے۔ رگ وید بھاسیا کے سلسلہ میں بھی مادھو آچاریہ کے کہنے پر بادشاہ نے ساین سے اس کی شرح لکھنے کی فرمائش کی ہوگی۔ یہ (بالکل) واضح ہے کہ مادھو کی یہ تجویز کہ اس کام کو ساین کے حوالہ کر دیا جائے، اس کتاب کے مولف یا کاتب کی غلطی سے درج ہونے سے رہ گئی[56]۔ یہ حقیقت ہے کہ آخیر میں درج مادھو کی اصطلاح سے ضروری نہیں کہ یہی معنیٰ ہوں کہ اس کتاب کے مصنف مادھو ہیں۔ مندرجہ ذیل باتوں سے واضح ہو جاتی ہے۔ خود مادھو کی بعض تصنیفات کے خاتموں میں یہ

کہا گیا ہے کہ مادھویم مادھو نے لکھی ہے ۔ مثلاً پراسر مادھویم کے خاتمہ میں درج ہے کہ " اتی شری مادھو متیائے سیا کریتم پراسر اسمرتی ویاکھیایم پرتھوادھیائے (ITI SRI MADHAVA MATYASYA KRTAYAM PARASAR SMIRTI VYAKHYAYAM MADHVIYAYAM PRATHAMO AD-HYAYAH) کے پہلے حصّہ میں ساین کہتا ہے (DHATUVRTTI) دھاتو ورتی کہ اس نے اسے مادھویہ کے نام سے لکھا ہے اور اسی بات کا ذکر وہ اپنی کتاب کے دوسرے حصّے میں بھی کرتا ہے[57] ۔ یہ بیان اس خیال کو غلط قرار دیتا ہے کہ مادھویم کی اصطلاح سے یہ مراد ہے کہ مادھو مصنف ہے ۔ مزید براں یہ کہ دھاتو ورتّی کی تصنیف ساین نے اس وقت کی تھی جب وہ سنگم دوم کے دربار سے منسلک تھا جبکہ مادھو آچاریہ (اس وقت) بکّا اول کے دربار سے متعلق تھا ۔ اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کتاب کی تخلیق میں دونوں کا اشتراک کیوں کر عمل میں آیا ہوگا ۔

بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ تصنیفات تنہا ساین کی نہیں بلکہ ایک ادارہ نے کی تھی جس کو مادھو اور ساین نے قائم کیا تھا ۔ میکڈونل کا خیال ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ دونوں سمہتاؤں پر ساین کی شرحیں محض جزوی طور پر ہی اس کی لکھی ہوئی ہیں اور ان کی تکمیل اس کے شاگردوں نے کی ہے[58] ۔ آفرشٹ (AUFRECHT) بھی کہتا ہے کہ " اس میں مشکل ہی سے کسی شبہ کی گنجائش ہے اور تمام حصوں کے ایک تفصیلی جائزہ کے بعد ہم ثابت (بھی) کر سکتے ہیں کہ رگ وید اور تیتر یا سمہتا پر ساین کی شرحیں محض جزوی طور پر ہی ساین کی لکھی ہوئی ہیں اور ان کی تکمیل اس کے ادارے نے کی ہے ۔ تیتر یا برہمن، تیتر یا رنیکا اور ایتر یا رنیکا کی تشریح سے مہارت کی کمی ظاہر ہوتی ہے جس کی توجیہہ صرف اس مفروضہ سے ہو سکتی ہے کہ ان کا مصنف کوئی دوسرا شخص ہے[59] ۔ ممکن ہے کہ اس رائے میں کچھ حقیقت ہو ۔ ساین کی وید بھاسیا میں کچھ تضاد اور غلطیاں ہیں ۔ اگر یہ اسی کی لکھی ہوئی ہوتی تو ایسا نہ ہوتا[60] ۔

میکڈول اور آفرشٹ کے قیاس کو بعض ایسے کتبات سے تقویت ملتی ہے جن میں بعض ایسی شخصیتوں کا تذکرہ جن کو بادشاہ نے اس بنا پر اعزازات بخشے تھے کہ انھوں نے ویدوں کی تشریح کو بڑھاوا دے کر علمی خدمات انجام دی تھیں ۔ دفتر انعام کی جانب سے دی جانے والی ہری ہر دوم کی تانبے کی تختی کے ایک عطیہ (1386ء) میں تین افراد کو زمین کے ایک عطیہ دئے جانے کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے اس سے قبل ملنے والے ایک نقد عطیہ کے عوض ویدوں کو شرح کو بڑھاوا دیا تھا چنانچہ آج بھی تین خاندان ایسے ہیں جنھیں سترنگیری مٹھ سے خصوصی اعزازات ملتے ہیں ۔ دفتر انعام کے عطیہ میں

عطیات حاصل کرنے والے غالباً انھیں تینوں خاندانوں کے اسلاف رہے ہوں گے[61] البتہ اس
اس دستاویز کی تاریخ مشتبہ ہے اس لیے کہ اس میں دریا رنیا کو ایک مخصوص تاریخ کے بعد جس دن بظاہر
اس کی موت ہوئی تھی، زندہ بتایا گیا ہے۔ ہری ہر دوم بگاہلی (BAGAHALLI) کی تختیوں
(1377ء) میں بھی دو عالموں کا تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے ویدوں کی شرحوں کو ترقی دی تھی[62] چوں کہ
ان عالموں نے شرحوں کی ترقی میں اس وقت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جب ساین نے بکا کی فرمائش پر
شرحیں لکھی تھیں اور چونکہ ہری ہر نے ان عالموں کو اعزاز بخشا لہٰذا یہ سمجھنا درست ہوگا کہ عالموں کی
ایک جماعت نے ساین کے اس کام میں اس کی مدد کی ہو۔ حالانکہ اس کا براہ راست کوئی ثبوت نہیں
ملتا کہ وید بھاسا کے مختلف اجزاء کی تصنیف ساین کی ادارت میں مختلف عالموں نے ساین کی
عمومی ادارت میں کی تھی۔

آورشت کے بیان کے مطابق ساین کا انتقال 1377ء میں ہوا تھا۔

بھوگ ناتھ (BHOGANATHA)

مادھو آچاریہ کا ایک دوسرا بھائی بھوگ ناتھ تھا لیکن اس کے بارے میں زیادہ معلومات
دستیاب نہیں ہیں۔ سنگم دوم کے بترگونتا (BITRAGUNTA) عطیہ میں، جو خود اسی نے
لکھا تھا، وہ خود کو نرم سچیو (NARMASACIVA) تا سنگم دوم کا ایک بے تکلف
دوست بتلاتا ہے۔ ساین کی النکار سودھاندھی سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بھوگ ناتھ مندرجہ ذیل
کتابوں کا مصنف تھا۔ رام الّاس (RAMOLLASA) ترپورا وجے
(TRIPUROVIJYA) اداھرن مالا، مہاگن پتیستوا (MAHAGANAPATISTAVA)
شری گرمنجری (SRIGARAMANJARI) اور گوری ناتھاستکا
(GOURINATHA STAKA) پہلی دو تصنیفات راماین اور پرانوں پر مبنی کاویہ
KAVYAS معلوم ہوتے ہیں۔ ساین اپنے بھائی بھوگ ناتھ کا بڑا احترام کرتا تھا اور بعض قوانین
پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جگہ کہتا ہے "ان قوانین کی مثالیں بھوگ ناتھ کی تصنیفات میں دیکھنی چاہئیں"[63]
اس طرح وہ بھی ایک زبردست عالم معلوم ہوتا ہے۔

چونڈا مادھو (CAUNDA MADHAVA) مادھو بھائیوں کا ہم عمر ایک
اور مادھو بھی تھا جو انگیرس گوتر سے تعلق رکھتا تھا اور کوندپ (CAUNDAPA) کا بیٹا تھا
یہ شیو مذہب کی پاشوپت (PASUPATA) جماعت کا پیرو تھا اور کریا شکتی پنڈت

(KRIYASAKTI PANDIT) اسس کا گرو تھا۔ یہ مادھو ہری ہر کے بھائی مارپا (MARAPPA) کا وزیر اور بنواس علاقہ کا حکمراں تھا۔ اس نے اپنشدون کی ان پامال راہوں کو صاف اور ہموار کیا جو خس وخاشاک سے مملو اور سانپوں۔ بدی کے اصولوں کے مغرور مونگریں سے پرخطر ہو گئی تھی۔ اسی لیے انھیں گرو جس نے اپنشدون کے راستوں کو قائم کیا کے لقب سے پکارا جاتا ہے وہ تپتریا دیپک (TATPARYA DIPIKA) کا مصنف تھا جو سوت سمہا (SUTASAMHITA) کی شرح ہے[64]۔

ہری ہر دوم کا وزیر ایروگپا ڈنڈ ناتھ جو بیچیا ڈنڈیشا (BAIGAYA DANDESA) کے خاندان میں پیدا ہوا تھا، سنسکرت کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے نانارتھ رتن مالا (NANARTHARATNAMALA) نامی ایک لغت کی تصنیف کی تھی۔
ویروپاکسا جو ادے گیری ویرونیا کے نام سے بھی مشہور رہے۔ ہری ہر دوم کا بیٹا تھا۔ یہ (بھی) ایک اچھا عالم اور مختلف فنوں کا ماہر تھا۔ وہ ایک سنسکرت ڈرامے نارائنی ولاسم (NARAYANI VILASAM) کا مصنف بھی تھا[65]۔ ودیارنیا کے ایک شاگرد نرہری نے نیسدھا دیپکا (NATSADHADIPIKA) لکھی ہے جو نیسدھا کی شرح ہے[66]۔ بکا دوم کے دربار میں لکھمی پنڈت کا فروغ ہوا۔ جو ویدراج ولبھ نامی طبی کتاب کا مصنف ہے۔

گنگا دیوی

اس زمانہ کی ممتاز خاتون مصنفات میں گنگا دیوی کو اولین مقام حاصل ہے یہ کمپن (بکا کے بیٹے) کی بیوی تھی جس نے وجے نگر کی سلطنت کے لیے کول منڈلم فتح کیا تھا۔ اس مصنفہ نے اپنی کتاب مدھورا دجیم میں مدورا کی فتح کا حال بیان کیا ہے جو اس کے شوہر نے کی تھی۔ اس نے اپنی اس تصنیف کے لیے مہاکاو کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس میں موسم، شام سحر اور فطرت کے دیگر پہلوؤں کا تفصیلی ذکر ہے۔ مصنفہ نے ویدربھی (VAIDARABHI) طرز میں لکھا ہے اور اس کے خیالات میں آمد اور سادگی ہے۔ الفاظ کی بندش خوبصورت اور مسحور کن ہے۔ تشبیہات اعلیٰ اور فطری ہیں اس کو قواعد پرستی اور خطابت کا کوئی دعویٰ نہ تھا جس نے بڑی حد تک بعد کے شعراء کے کلام کے لطف کو گھٹا دیا ہے۔ اس نے زیادہ ترکالی داس کا تتبع کیا لیکن ان کے مناظر اور طرز بیان کو اپنے تخیلات کے سانچے میں ڈھال کر ایک نئی انھیں اہمیت عطا کی ہے۔

پندرہویں صدی کے شعراء

دیورائے دوم خود بھی ایک بڑا عالم ہونے کے علاوہ مختلف زبانوں کے عالموں کا سرپرست بھی تھا۔ وہ بظاہر رتی رتن دیپکا (RATI RATANADIPIKA) اور برہم سوتر ورتی کا مصنف تھا۔ موخرالذکر بادراین کی تصنیف برہم سوتر کی شرح ہے جو شنکر کی تصنیف ادویتا کے تتبع میں لکھی گئی تھی[67] الف اسی دور میں گوپ پٹا کو بھی فروغ حاصل ہوا جو دیورائے دوم کی ایک بہن ہری ما کا پوتا تھا۔ وہ سنسکرت کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے کاویالنکر کام دھینو (KAVYALA - NKARA KAMADHENU) کی شرح کی تھی[68]۔ فن رقص پر اس کی ایک کتاب کے علاوہ وہ تال دیپک (TALADIPIKA) کا بھی مصنف تھا جو فن موسیقی پر ایک تصنیف ہے جس میں تال کے ساتھ رقص کرنے کے مختلف ڈھبوں کا تعین کیا گیا ہے[69]۔

سالووا نرسمہا سنسکرت کا ایک اچھا عالم تھا۔ راما بھی ادیم (RAMA BHYUDAYAM) کی تصنیف کا سہرا عام طور پر اسی کے سر باندھا جاتا ہے۔ دنڈیما (DINDIMA) خاندان جس نے بہت سی نامور ادبی شخصیتوں کو جنم دیا سالووا نرسمہا کے زمانے میں بہت ممتاز ہو گیا۔ سالوا بھے ادیم (SALUVABHYUDAYAM) کا مصنف راج ناتھ دنڈیما اس کا درباری شاعر تھا۔ یہ تاریخی نظم کاوی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ رامابھے ادیم کا اصل مصنف اس کا بیٹا دنڈیما سر دبھوم معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کے پانچویں کھنڈ کے اختتامی اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظم سونادری ناتھ نامی ایک شخص کی لکھی ہوئی ہے جو دنڈیما سارابھوم کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اور ابھی راما اور راج ناتھ کا بیٹا تھا[70]۔ ارونا گری ناتھ نامی ایک شخص ایک مزاحیہ ناٹک سوما ولی یوگا نند پرہسن (SOMAVALLIYOGANANDPRAHASANA) اور شنکر کی تصنیف سندریا لہری کی ایک شرح کا مصنف ہے[71]۔

سولہویں صدی کے شعراء

کرشن دیورائے کا دور حکومت جنوبی ہند کی ادبی تاریخ میں ایک درخشاں حیثیت رکھتا ہے اس وقت اس کے دربار میں سنسکرت، تیلگو، کناڑا اور تامل کے عالم فروغ پا رہے تھے۔ کرشن دیورائے عالموں کا سرپرست ہونے کے علاوہ خود بھی ایک خداداد قابلیت رکھنے والا عالم تھا صرف تیلگو ہی کا نہیں بلکہ سنسکرت کا بھی۔ تیلگو زبان میں اپنی شاہکار کتاب آمکتا مالیاد کی تصنیف شروع کرنے کے

قبل اس نے کئی سنسکرت کتابیں لکھی تھیں جیسے ۔ مدالساچرتر (MADALASACARITRA)
سیتا ودھو پری نائم (SATYAVADHUPRINAYAM) ، سکل
کھتاسارا (SAKALKATHASORA) ، سنگرہم (SANGARAHAM) ، شکتی
نے بی، جنان چنتا مونی (JANAKCINTAMANI) اور رس منجری۔ وہ جامباوتی
کلیانم (JAMBAVALIKALAYANAM) نامی سنسکرت ڈرامہ کا بھی مصنف
تھا جسے ان لوگوں کے سامنے اسٹیج کیا گیا تھا جو شری ویروپاکسا کی چیترا (موسم بہار) کی تقریب دیکھنے
کے لیے اکٹھا ہوئے تھے۔ شری ویروپاکسا کرناٹک ریاست کا محافظ دیوتا تھا اور اس کا مسکن وجے نگر
شہر میں ہیم کوٹ کے پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔

عظیم ادویتا فلسفی ویاس رائے بھی اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا عالم تھا
اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسے کرشن دیورائے کی سرپرستی حاصل تھی۔

بادشاہ کا وزیر اعظم سالوواتما "مال بھارت دیا کھیا" نامی ایک کتاب کا مصنف تھا جو اگستیا
(AGASTYA) کی تصنیف بال بھارت کی شرح ہے۔ اس کتاب کے خاتمہ میں اس نے خود ہی
اپنے آپ کو پردھان سکلاگم پارا وار ڈنڈ نایک (PARADHANA SAKLAGAMA PARAVA
RANDANDANYAKA) کہا ہے۔ سالوواتما کا بھتیجا گوپے چندریکا (CANDRIKA)
کا مصنف تھا جو کرشن مشرا کے مشہور ڈرامے پربودھ چندرودے کی شرح ہے وہ مشہور
تیلگو نظم کرشن ارجن سمواد مو (KRSNARJUNASAMVADAMU) کا بھی
مصنف تھا جو دوی پد بحر میں لکھی گئی ہے۔ سالوواتما کا دوسرا بھتیجا نا دندلا آپا ادب کا بہت بڑا سرپرست
تھا۔ اور مدیا گاری ملنّ (MADAYAGARI MALLANNA) کی تیلگو تصنیف راج
شیکھر چرترمو (RAJA SEKHARACARITRAMU) اسی کو معنون کی گئی ہے[72]۔

لولا لکشمی دھر (LOLLA LASKMI DHARA) اس زمانہ کا دوسرا ممتاز
عالم تھا اور اپنے عہد میں ایک ہمہ گیر شخصیت کا حامل تھا وہ علم فلکیات، نجوم، منتر شاستر، سدرشن
اور قانون کے موضوعات پر متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس نے دیوجن ولاس نامی انسائیکلوپیڈیا
کے ایک حصّہ کی تصنیف بھی کی تھی[73] اور شنکر کی تصنیف سوندر سے لہری (SAUNDARYA
LAHARI) کی شرح بھی لکھی ہے جس میں اس نے سرسوتی ولاسم کے مصنف ہونے کا دعویٰ
بھی کیا ہے۔ جو قانون پر ایک اہم تصنیف ہے اور جسے عام طور پر کرشن دیورائے کے ہم عصر اڑیسہ کے
حکمراں پرتاپ ردرا سے منسوب کیا جاتا ہے۔

اس زمانہ کے دیگر شعراء میں لکھمی نارائن، سورنا اور ہری بھٹ کے نام قابل ذکر ہیں ان میں سے اول الذکر سنگیت سوریودے (SANGITA SURYODAYA) کا مصنف ہے جو فن موسیقی پر ایک کتاب ہے اور کرشن دیورائے کو معنون کی گئی ہے۔ سورنا اس کو پنگلی سورنا سے مشتبہ نہیں کیا جانا چاہیے سنے دو کتابیں ادے نودیہ اور رون مالی ولاس (تیلگو) لکھی تھی۔ لیکن ابھی اول الذکر کتاب زیر تکمیل ہی تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا لہٰذا اس کے بیٹے نے کتاب مکمل کی اور رامیا ماتیا (RAMAYAMATYA) کے ایک ماتحت کے نام سے اسے معنون کیا۔ ہری بھٹ سنسکرت میں لکھی گئی کتاب رتی رہسیا (RATI RAHESYA) کا مصنف تھا اور اس نے بھگوت کے چھٹے، گیارہویں اور بارہویں کھنڈوں کا تیلگو میں ترجمہ کیا۔ اس نے اتر نرسمہا پران (UTTARANARASIMHAPURANA) وراہا پران (VARAHAPURANA) اور متیسا پران (تیلگو) بھی لکھیں۔

اچیوت رائے بھی اپنے بھائی کرشن دیورائے کی طرح بظاہر ایک بڑا عالم تھا تال مہودھی (TALAMAHODADHI) کی تصنیف کا سہرا اسی کے سر باندھا جاتا ہے جس کی شرح اس کے ہم عصر سوم ناتھ نے لکھی ہے۔

اسی زمانہ میں اچیوت رابھیادیم کا مصنف راج ناتھ دندیا درباری شاعر تھا۔ وجے نگر سلطنت کے تیسرے خاندان سے اس کا گہرا تعلق تھا اسی وجہ سے اس نے اپنی کتاب میں اچیوت کے باپ نرسا (NARASA) کے کارناموں کے بارے میں بعض تفصیلیں درج کی ہیں۔ راج ناتھ بھاگوت چمپو (BHAGUVATACAMPU) کا بھی مصنف تھا۔ جسے اچیوت کے نام معنون کیا گیا تھا۔ خاتون شاعر تیرو ملامبا (TIRUMALAMBA) کو بھی شاہی دربار میں ہی فروغ حاصل ہوا۔ اس نے وردامیکا پرینیم (VARADAMLUKA PARANAYAM) کی تصنیف کی جس میں اچیوت کی زندگی کا ذکر ہے اور وینکٹادری کے یوراج کی حیثیت سے تنصیب پر ختم ہوتی ہے۔ وہ اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے والی ایک باکمال خاتون تھی۔ اس کی نظمیں سادہ اور شستہ طرز کی ہیں[74]۔ ددورو تیرو مل امبا (VADURU TIRUMALAMBU) نامی ایک خاتون نے ایک سنسکرت نظم کہی تھی (1533ء) جو اس نے اچیوت رائے کی جانب سے دئے جانے والے سورن مرو (SUARNAMERU) عطیہ کی یادگار منانے کے طور پر لکھی تھی۔ یہ نظم ہمپی میں واقع وٹھل مندر میں کندہ ہے ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس خاتون کی شناخت وردامیکا پری نیم کی مصنفہ ترو ملا بتا سے کی جا سکتی ہے[75]۔ موہنانگی نام کی ایک اور شاعرہ تھی جو رام راج کی بیوی بتائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے مارچی پری نیم (MARICIPARI NAYAM) نامی ایک عشقیہ نظم لکھی تھی۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شاعرہ وہی تیرو ملامبا ہو جو رام راج کی بیوی اور کرشن دیو رائے کی بیٹی تھی[76]۔ لیکن ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وردو روتیرو مل اماّ اور تیرو ملامبا دونوں ایک ہی تھیں[77]۔ اکامرناتھ نامی ایک ممتاز شاعر راجہ رام سوم کے سرنگاپٹم کے علاقہ کے ایک جاگیردار انکش رائے کے دربار میں رہتا تھا۔ وہ جامبوتی کلیانم (JAMBAVATI KALYANAM) اور ستیہ پری نیم کا مصنف تھا جو دونوں سنسکرت میں ہیں[78]۔ چیرو کوری لکشمی دھر اس دور کی ایک اور ادبی شخصیت تھی جو بہت سی کتابوں کا مصنف تھا مثلاً ابھلاشتارتھ داینی (ABHILASITARTTA - DAYANI) جو جے دیو کی تصنیف پرشن راگھو کی شرح ہے اور جسے سدھوراجو تما راجو (SIDDHARAJU TIMMARAJU) کو معنون کیا گیا ہے، انرگھ راگھو (ANARG - HA RAGHAVA) کی ایک شرح اور سدبھاشا چندریکا جو چھ پراکرتیوں کی قواعد کی ایک کتاب ہے اور چند دوسری تصنیفات۔ اس نے شروتارنجنی (SURUTARANJANI) نامی گت گوند (GITAGOVINDA) کی ایک شرح بھی لکھی ہے جو دیو کا ایک منظوم ڈراما ہے لیکن عموماً اسے تیرو مل کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی عہد میں جنجی کے نایک کے دربار میں سنسکرت کا ایک عالم رتن کھیٹ شری منواس دکشت رہتا تھا۔ اسے سورپا نایک (SUROPPO NAYAKA) کی سرپرستی حاصل تھی۔ دکشت نے بھاؤنا پرشوتم نام کا ایک ڈرامہ لکھا تھا اور اسے اپنے سرپرست کے نام معنون کیا تھا[80]۔

تاتاچاریہ

جن ادبی شخصیتوں کو وینکٹ کے دربار کی سرپرستی حاصل تھی ان میں سب سے اہم تاتاچاریہ تھا جس کو اتور کمار تیرو مل تاتاچاریہ، لکشمی کمار اور کوٹیکا نیادانم تاتاچاریہ کے مختلف ناموں سے جانا تھا۔ وہ کانچی کے وشنو مندر کا منتظم تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ وہاں شاہی شان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے کانچی کے ویشنو مندر کو بہت سے عطیات دیئے تھے۔ اس نے وہاں ایک تالاب بھی کھدوایا جو اسی کے نام پر تاتا سمدرم کے نام سے معروف ہوا[81]۔ تاتاچاریہ فلسفہ کی ایک کتاب ساتوک برہما ودیا ویلاس (SATVIKA BRAHMA VIDYA VILASA) کا مصنف تھا۔ اس نے پندورن کہت میا (PANDURANGAMAHATMYA) نامی ایک کتاب بھی لکھی تھی جسے اس نے موجودہ بمبئی پریسیڈنسی کے پندھرپور کے ویشنو مندر کو نذر

کی تھی۔ وینکٹ کے اوپر اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ پرپنا مرتم (PRAPANNAMRTAM)
کے مطابق وینکٹ نے سلطنت کی پوری ذمہ داری تاتا چاریہ کو سونپ دی تھی اور خود عزلت کی زندگی
اختیار کرلی تھی[82]۔ یہ بیان صحیح ہو یا غلط لیکن مسلم ہے کہ دربار میں اس کا اثر بہت تھا۔ اس اثر نے وینکٹ
کے دربار میں موجود یسوعی پادریوں کی کامیابیوں کو بری طرح متاثر کیا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں
اس کے خلاف زبردست بغض تھا۔ تاتا چاریہ سے ان کی نفرت کا اظہار فادر کوٹنہو (FR. COU - TINHO)
کے ایک خط سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اپنے عیوب کی بنا پر تاتا چاریہ اس عہدہ کا
اہل نہیں ہے۔" اس کا خیال تھا کہ اس مبلغ میں زہد وتقویٰ کا فقدان ہے اس لیے کہ اس کے یہاں بہت
سی بیویاں ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے "جو اونٹ نگل جاتے ہیں اور مچھروں سے شرماتے ہیں[83]۔" لیکن
تاتا چاریہ کے ساتھ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بتلا دیا جائے کہ وہ کوئی سنیاسی نہ تھا جیسا کہ بظاہر یسوعی
پادری اسے سمجھتے تھے بلکہ وہ صاحب خانہ تھا جس کو شادی بیاہ کا حق حاصل تھا اور یہ بات گرو ہونے
میں مانع نہیں تھی۔ ہراس (HERAS) نے بھی تاتا چاریہ پر عدم تقوی کا الزام لگایا ہے اور بظاہر
معمولی وجود پر اس کے کردار کی پاکیزگی کو گھٹانا چاہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا وہ ایک کٹر وشنو تھا
اور اپنے زمانہ میں وشنو مذہب کی ترویج واشاعت کا بڑی حد تک ذمہ دار تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ تنگ نظر تھا اور بظاہر اپنے نظریات کی مخالفت نہیں برداشت کرسکتا
تھا اور اگر روایات کو مان لیا جائے تو اس نے اپنے معاصر عظیم ادویتا مبلغ اپیا دکشت کے قتل کی سازش
کی تھی جس کا شکار ہونے سے وہ بال بال بچ گیا تھا۔

اَپیّا دکشت (APPAYYA DIKSITA)

اپیا دکشت، رنگ راج دکشت کا بیٹا تھا جو ادیا پالم کا رہنے والا تھا۔ یہ موجودہ آرکوٹ ضلع
کا ایک گاؤں ہے۔ صرف بارہ برس کی عمر میں اپیا دکشت نے ویدوں فلسفہ اور بہت سے دوسرے
دقیق مضامین کی تعلیم مکمل کرلی تھی۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ اس کا علم نہ صرف یہ کہ نہایت
وسیع تھا بلکہ اس میں گہرائی بھی تھی فلسفی کی حیثیت سے وہ شری کنٹھ کا تابع تھا اور اسے شری کنٹھ،
تاپرتستھاپن آچاریہ (SRIKANTHAMATA PRATISTHAPANACARYA) شری کنٹھ
کے نظریہ فلسفہ کو قائم کرنے والا بھی کہا جاتا ہے۔

وہ مختلف علوم کا ماہر تھا اور اسے ۱۰۴ کتابوں کا مصنف بتایا جاتا ہے اس کی شیوارکا منی
دیپک (SIVARKAMINIDIPAKA) شری کنٹھ کی تصنیف شیوا بھاسیا کی شرح ہے۔

اس تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کامتا ویاکرن، ینائے، النکار عملاً پورے سنسکرت ادب پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اس کتاب میں اس نے اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ خود اپنے ہی ادویتا نظریات واعتقادات کی مخالفت کی ہے اور ادویتا کے عقاید کو منہدم کر کے سیوا ادویتا (SIVADVAITA) کو قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کی پری مالا جو ایک بصیرت افروز تصنیف ہے اس بنا پر اہم ہے کہ اس میں اس نے ادویتا کی حمایت میں پر زور دلائل دیئے ہیں۔ اپنی شیوتتو ویویکا میں اس نے شیو کو کائنات کا مالک بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک ماہر انشا پرداز کی حیثیت سے اس نے اس موضوع پر تین کتابیں لکھیں یعنی کوالیانند (KUVALAYANANDA) ، چترمامسا (CITRAMIMASA) ورتی وارتیکم (VRITTIVARTIKAM) وہ چترمت سار (CATURMATASARA) کا بھی مصنف ہے۔ اس میں چار ابواب ہیں اور ہر ایک میں ایک نظام فلسفہ پر بحث کی گئی ہے یعنی ادویتا، وشست ادویتا، شیوادویتا اور دویتا[84]۔ اس نے قواعد پر تصنیف کی ہے اس سے اپنی راماٹن تات پریا سنگرہ اور مہابھارت تات پریا سنگرہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اتہاس (ITTAHASS) نے شیو کو مالک کائنات کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ وہ حقیقتاً سروتنتر سوتنتر (SARVATANTRA SAVATANTRA) تھا اس وصف کی اس نے یاوابھی یدیم (YADAVABHYUDAYAM) پر لکھی ہوئی اپنی شرح میں خود یہ توضیح کی ہے وہ ذات جو اپنی مرضی کے مطابق کسی مذہبی یا فلسفی نظام کو ثابت یا باطل کر سکتی ہے[85]۔"

'ادویتا مسلک کا ایک سچا پیرو ہونے کی حیثیت سے اس نے شیو اور وشنو میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ اگرچہ شیوارکا منی دیپکا میں دکشت نے شیو کی برتری برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن وشنو کے لیے بھی اس کی عقیدت ہمیں اس کی تصانیف وردراجستوا (VARADARAJ - ASLAVA) ، جو کانچی کے وردراج کی مدح میں لکھی گئی ہے اور کرشن دھیان پدھتی، جو کرشن کی مدح میں لکھی گئی ہے، میں نظر آتی ہے۔ کرشن کے ساتھ اس کی عقیدت اس کی اس شرح میں بھی نظر آتی ہے جو اس نے یادوبھی ادیم (YADAVABHYUDAYAM) پر لکھی ہے اپنی تصنیف شیوتتو دبویکا میں اس نے شیو اور وشنو کو واحد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی چترمت سار شری شنکر، رام آنوجا، مادھو اور شری کنٹھ کے نظریوں کے زاویہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ عظیم دکشت نے خود ہی کہا ہے کہ وہ شیو اور وشنو کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا[86]۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے چدمبرم کے گوندراجہ نٹراج کی مدح میں سینکڑوں اشعار لکھے تھے[87]۔

اپیادکشت ایک سروتنتر سوتنتر اور ادویتی ہونے کے باوجود بڑی حد تک شری کنٹھ کے فلسفہ کا پیرو تھا۔ 83-1582ء کے ایک کتبہ کے مطابق، جو ادیا پلم کے کالی کنٹھ ایشور مندر میں کندہ ہے، وہ شری کنٹھ بھاسیا کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر منظر عام پر لایا تاکہ شیو کی برتری قائم ہو۔ شیوار کامنی دیپکا کی تصنیف سے اس کا مقصد یہ تھا کہ پانچ سو شاگردوں کو شری کنٹھ بھاسیا کی تعلیم دی جائے۔[88]

جیسا کہ پہلے کہا گیا، اپیادکشت کو وینکٹ کی سرپرستی حاصل تھی اگرچہ موخرالذکر ایک کٹر وشنو تھا۔ دکشت نے اپنی کوالتا نند اسی بادشاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔[89]

اس عظیم عالم کو ویلور کے چنا بوموںایک (CHINA BOMMU NAYAKA) کی حمایت حاصل تھی جس نے ایک نامعلوم مصنف کی ایک نظم کے چند اشعار کے مطابق اسے سونے میں نہلا دیا تھا (کنکا بھیشیکم)۔[90] اس کی جائے پیدائش سے دستیاب ایک کتبہ کے مطابق اس نے چنا بوموںایک کو اس کی معمولی حیثیت سے بڑھا کر ایک نامور حکمراں کے مرتبہ پر پہنچا دیا اور اسے آمادہ کیا کہ وہ ادیا پلم میں اس کے تحت تعلیم پانے والے 500 قابل افراد کو سونے اور اگرہار ادیہاتوں کے عطیات دے۔[91] اپیادکشت اکثر تنجور کے نایک کے دربار میں بھی گیا تھا اور اس نے اسے بہت سے اعزازات بھی بخشے تھے۔[92]

وادی راج (VADI RAJA)

وادی راج، جو سولہویں صدی سے تعلق رکھتا ہے، ویاس رائے کا نامور جانشین تھا۔ وہ دویت (DVAITA) مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا ایک ممتاز عالم اور مناظر تھا۔ اسے ساٹھ سے زیادہ کتابوں کا مصنف بتایا جاتا ہے جن میں سے تقریباً بیس نہایت اہم ہیں۔ ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں ویورن ورنم (VIVARANAVRANAM) پاسند کھنڈنم (PASANDA - KHANDANAM) نیائے رتناولی۔ ان میں یکتی ملیکا (YUKTIMALLIKA) جو مادھو کے استنباط کے مطابق برہم سوتر کی تعلیمات کی تشریحات پر مبنی ہے، سب سے زیادہ اہم ہے۔[93]

اسی عہد میں تامل کے علاقے میں بہت سے عالموں، فلسفیوں اور شعرا نے فروغ پایا جنھوں نے بہت سی انتہائی دلچسپ اور قیمتی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک سودھیندر تیرتھ تھا جس کا تعلق سوم تیندر مٹھ (SUMATINDRA MATHA) سے تھا وہ ایک ممتاز عالم تھا اور اس نے پورے ملک کا دورہ کیا جس کے دوران اس نے دوسرے مذاہب کی تعلیمات کی تردید

وتنقیص کی۔ کہا جاتا ہے کہ وینکٹ کے دربار میں اس نے اپنے تمام مخالفین کو مغلوب کیا تھا اور بادشاہ نے اسے سنکھ اور فتح کے دوسرے تمغے دے کر اس کی عزت افزائی کی تھی۔ وہ دریائے کاویری کے کنارے واقع کمبا کونم کے قصبہ میں رہتا تھا اور تنجور کے رگھوناتھ نے گنگا بھیشکم سے اس کی قدرو منزلت کی تھی۔ راگھویندر تیرتھ بھی، جو مذہبی پیشوا کی حیثیت سے سودھیندر تیرتھ کا جانشین ہوا، ایک بڑا عالم تھا۔ یجن نارائن دکشت، جو تنجور کے نایک کے وزیر گوند دکشت کا لڑکا تھا، اس مادھو مبلغ کی بڑی قدر کرتا تھا۔ راگھویندر کو اس فلسفیانہ مناظرہ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی جو کاکتالیا (KAKA-TALIYA) کے بارے میں چند ممتاز عالموں کے ساتھ ہوا تھا اور اس پر یجن نارائن نے اس کی بڑی تعریف کی تھی۔[94]

تنجور کا رگھوناتھ نایک ساہتیہ (فن ادب) اور سنگیت (موسیقی) دونوں ہی کا ممتاز عالم اور سنسکرت اور دیسی زبان (بھاشا اور تیلگو) کا بہترین شاعر تھا۔ اس نے تقریباً سو کتابیں لکھیں۔[95] ان میں پاری جاتا پہرنم (PARIJATAPAHARNAM) والمیکی چرترم، اچیوتیندر ابھی ادیم (ACYUTENDRBHY UDAYAM) گجیندر موکشم نال چرترم اور رکمنی کرشن ویواہیہ کشگنم (RUKAMANI KRSNA VIVAHA YAKSAGANAM) شامل ہیں۔[96]

پاری جاتا پہرنم جو کرشن کی سوانح حیات پر مشتمل ہے اس شاہی مصنف نے اپنے باپ کی فرمائش پر لکھا تھا جس نے اسے کرشن کی زندگی پر ایک نظم لکھنے کو کہا تھا اس لیے کہ ایک شخص محض اس قسم کی ادبی تخلیق کے ذریعہ ہی لافانی بن سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رگھوناتھ نے یہ نظم محض دو یاس (چھ گھنٹے) کے مختصر وقت میں کہہ لی تھی اور یہ کہ کاتبوں نے اسے بڑی مشکلوں سے لکھا تھا کیونکہ وہ بہت تیز رفتاری سے انھیں لکھا رہا تھا۔ باپ اپنے بیٹے کی اس کارگزاری پر بے حد خوش ہوا اور اسے سونے اور قیمتی پتھروں سے نہلا دیا۔[97] رگھوناتھ موسیقی کا ماہر تھا۔ سنگیت سدھا میں وہ لکھتا ہے کہ اس نے نئے راگ مثلاً جینتا سنا (JAYANATASENA) اور نئے تال مثلاً راما نند ایجاد کیے تھے۔[98]

رگھوناتھ کا وزیر گوند دکشت بھی ایک بڑا عالم تھا۔ وہ ادویتا ویدانت اور چھ درشنوں کا مستند عالم مانا جاتا تھا۔[99] اس نے ساہتیہ سدھا کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔[100]

یجن نارائن دکشت کے سر بہت سے سلبا سوتروں (SULBA SUTRAS) کی شرح کا سہرا باندھا جاتا ہے۔ وہ مشہور کتاب ساہتیہ رتناکر کا مصنف تھا جس میں تنجور کے رگھوناتھ نایک

کی زندگی، اس کے کارناموں اور اس کے عہد کا ذکر ہے[101]۔

رام بھدرامبا ایک قابل مصنفہ تھی اور رگھوناتھ کے دربار سے منسلک تھی۔ اس نے رگھوناتھ ابھی ادیم لکھی ہے جو رگھوناتھ کی زندگی اور اس کے کارناموں پر مشتمل ایک اور تصنیف ہے اس نے آٹھ زبانوں (سنسکرت، تیلگو اور چھ پراکرتی زبانیں) میں چاروں اصناف شاعری میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شعرا میں ملکہ کی حیثیت رکھتی تھی[102]۔ رگھوناتھ کے دربار میں مدھروانی (MADHURAVANI) ایک دوسری خاتون شاعر تھی۔

ہلزش (HELTZSCH) نے دکشت نامی ایک شخص کا جو ویدانت پر بھاشا کا مصنف تھا اور دھرم سوری نامی شخص کا جو نرک دھومسا دیایوگ (NARAKADHVAMSA VYAYOGA) کا مصنف تھا تذکرہ کیا ہے[102 الف]۔

فصل سوم

تیلگو

جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے، وجے نگر کا دور تیلگو زبان کی نشاۃ ثانیہ کا دور تھا تیلگو زبان اور تیلگو کی ادبی شخصیتوں کی بڑی ہمت افزائی کی گئی۔ مسلمانوں کے حملوں اور یورشوں کے نتیجہ میں اور دکن کی ہندو سلطنتوں کے زوال کے بعد تلنگانہ کے مشرقی ساحل کے دانشور وجے نگر کے دربار میں امنڈ آئے جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

ناچن سومناتھ کوی NACAN SOMANATH KAVI

اس زمانہ کے تیلگو عالموں میں ناچن سومناتھ کوی کا ذکر سب سے مقدم ہے جو بکّا اول کا درباری شاعر تھا۔ غالباً وہ ہری وسم (HARI VAMSAM) کے اس ترجمہ سے مطمئن نہ تھا جو ارا پرگدّ (ERRAPRAGGADA) نے کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اتر ہری ولاسم نامی ایک نظم لکھی جس کے لیے اس نے سنسکرت کی تصنیف ہری ولاسم کو بنیاد بنایا۔ اپنی اس تصنیف میں اس نے بڑا شگفتہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ یہ نظم انتہائی پرلطف ہے اور پانچوں خوبیوں کی حامل ہے۔ اس کا یہ ترجمہ ہر اعتبار سے ارا پرگدّ کے ترجمہ سے بہتر ہے بکّا نے اسے پنچوکلدن نی (PENCUKALADINNE) نامی ایک گاؤں عطا کیا جس کا نام بکّارائے پٹنم رکھا گیا۔ جس کتبہ میں اس عطیہ کا ذکر ہے اس میں درج

ہے کہ یہ شاعر آٹھ زبانوں کا ماہر تھا۔[105]

شری ناتھ

شری ناتھ چودہویں صدی کے نصف آخر اور پندرہویں صدی کے نصف اول کا منفرد خصوصیات کا ایک شاعر تھا اور سنسکرت اور تیلگو دونوں ہی زبانوں میں پوری مہارت رکھتا تھا وہ کونڈ ویدو کے رڈیوں کے دربار کا شاعر تھا اور اکثر وجے نگر کے دربار میں آتا رہتا تھا۔ ابھی جبکہ وہ اپنی عمر کے دوسری ہی دہائی میں تھا اس نے مرتراچرترم (MARUTTARATCARITRAM) اور سالی واہنا پتتی (SALIVAHANASAPTATI) لکھیں، اور جب بڑا ہوا تو شری ہرس کی تصنیف نیشدھم (NAISADHAM) کا ترجمہ کیا اور اسے دنیا کے سامنے اپنے ادبی شاہکار کی حیثیت سے پیش کیا۔ شری ناتھ کی اس تیلگو نیشدھم کو تیلگو کے طالب علم کے لیے ایک معیاری تصنیف سمجھا جاتا ہے اور تیلگو ادب کے پنچ مہا کاویوں میں اس کا ایک بلند مقام ہے۔ یہ تصنیف آٹھ کھنڈوں پر مشتمل ہے جن میں مجموعی طور پر 337 ابند ہیں مصنف کہتا ہے کہ اس نے "نزاکت معنی ندرت بیان، وسعت خیال، جذبات واحساسات جملوں کی ترکیب اور متن کے ساتھ ان کی مناسبت کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور ناموزوں اور غلط طرز ادا سے بچنے کی پوری کوشش کی ہے" سریلے اور بلند آہنگ سماسون (SAMASAS) سے بھرپور اس نظم میں ایک آرکسٹرا کی مختلف دھنیں موجود ہیں۔ روان اور ترنم کی مٹھاس سے لبریز اشعار اس کتاب میں بکھرے پڑے ہیں۔ عورتوں کا بیان، نزاکت شوخی اور فنکارانہ انداز میں کیا گیا ہے اس کے اشعار بھولی ہوئی موسیقی کی طرح ذہن میں گونجتے رہتے ہیں۔ یہ کتاب ان تمام تعریفات کی مستحق ہے جو کی گئی ہیں۔[106] شری ناتھ نے بہت سی دوسری کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں کاشی کھانڈم (KASIKHANDAM) ودھی ناٹکم (VIDHINATAKAM) قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر ایک شیو تصنیف ہے جس کا موضوع اسکاندا پوران (SKANDA PURANA) سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سنسکرت تصنیف کا کوئی باقاعدہ ترجمہ نہیں ہے، تاہم یہ اصل ماخذ کا تیلگو زبان میں ایک تفصیلی بیان ہے۔ ودھی ناٹکم میں شری ناتھ نے مختلف فرقوں کی عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اور ضمنی طور پر اس زمانہ کے سماجی رواجوں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اس تصنیف میں اس نے روزمرہ کی زندگی کے مانوس مناظر (بھی) پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شری ناتھ کی ہری ولاسم (بھی) سات کھنڈوں میں منقسم ایک شیو تصنیف ہے جس شیو اور ان سے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مواد

کے لیے وہ کالی داس کی تصنیف کمار سمبھو، بھاروں کی تصنیف کراتا ارجونیا (KIRTARJUNIA)
اور نائر کی تصنیف کا دمبری کا مرہون منت ہے۔ کتاب کو تپیّاسٹی (TIPPAYA
SETTI) نامی ایک لکھ پتی کو معنون کیا گیا ہے جس کے بیرونی ممالک سے گہرے تجارتی تعلقات
تھے۔ شیوراتری مہاتیم (SIVARATRIMAHATMYAM) اس کی ایک
اور تصنیف ہے جس کا مواد اسکاند اپران کی ایشان سمہیتا (ISANASAMHITTA) سے
ماخوذ ہے۔ اپنی تمام تصنیف میں شری ناتھ نے اپنا ایک الگ اسلوب ایجاد کیا جس کی بعد کے مصنفین
نے نقل کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے دیورائے دوم کے دربار میں گوداشاعر دندما بھٹا کو ایک مباحثہ میں
شکست دی تھی لہذا موخرالذکر کا ناقوس (کنچوڈھک KANCHDHAKKA) توڑ دیا
گیا اور شری ناتھ کو کوی سارو بھوم یا کوی رتن (یعنی تاج الشعراء) کا لقب دیا گیا۔

پندرہویں صدی کے شعرا

دیورائے دوم کے دربار کی ایک لائق شاعرہ شاردا تھی۔ اس نے اٹھارہ ڈرامے اور پراکرت
میں دو کتابیں لکھیں تھیں۔ دیورائے دوم کا ایک اور ہم عصر جکنّا (JAKKANNA) نامی
ایک شخص تھا جو ایک تیلگو شاعر تھا۔ اس نے وکرم کارکاچرترم (VIKRAMA KARCARITRAM)
کی تصنیف کی اور اسے سدّھان منتری کے نام معنون کیا جس کے بارے
میں کہا جاتا ہے کہ وہ دیورائے کا ایک وزیر تھا[106]۔ پین ویربھدر (PINAVIRABHADRA)
نامی ایک شاعر جس نے کوسالوؤں کے زمانہ میں فروغ ہوا تھا جیمنی بھارت مو
(JAIMINI BHARATMU) کا مصنف تھا جسے اس نے سالو وانرسمہا کو معنون کیا ہے۔
نرسانایک کے عہد میں دو شاعر نندی ملّیا اور گھنٹ سنگیا تھے جنھوں نے کرشن مشرا کے
سنسکرت ڈرامہ پر بودھ چندرودیا (PRABODHACANDRODAYA) کی کہانی بیانیہ
انداز میں قلم بند کیا۔ مشترکہ تصنیف وراہ پورانم (VARAH PURANAM) نرسانایک کے
نام معنون کی گئی تھی۔ یہ دونوں شاعر دراد نظموں ورلکشمی پورانم اور نرسمہا پورانم کے بھی مشترک مصنف
تھے اور ان دونوں نظموں کو بھی انھوں نے نرسانایک کو معنون کیا۔

استادگاجا (ASTADIGGAJAS)

کرشن دیورائے کا دور حکومت تیلگو ادب کے لیے ایک مستند ادبی دور کی حیثیت رکھتا ہے۔

خود بادشاہ اور کوی ویبھاوہی نیواہا نیدھن (URUKAVI VAIBHAVAHANI - VAHANIDHANA) یعنی " عظیم شعراء کے لیے انتہائی سازگار حالات پیدا کرتے والے " کے نام سے معروف تھا۔ روایات اس بات کی توثیق کرتی ہیں کہ اس کے دربار میں استادگا جاؤں۔ آٹھ عظیم شعراء کو فروغ حاصل ہوا جو درباری شعراء اس فہرست میں شامل ہیں وہ یہ ہیں۔ الّسانی پیدن (ALLASANI PEDDANA) نندی تمّن (NANDI TIMMANNA) ، ایل راجو رام بھدریہ، دھورجٹی (DHURJATI) مدیا گاری ملّن (MADYAGARI MALLANNA) تنالی رام کرشن پنگلی سورن (PINGALI SURRANNA) اور رام راج بھوشن۔ اگرچہ کے بعد کے دو شعراء کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ کرشن دیو رائے ہی کے وقت میں تھے، لیکن بقیہ کے بارے میں یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو اس کے دربار میں فروغ حاصل ہوا اور انھوں نے اپنی تصانیف یا تو خود بادشاہ کے نام معنون کیں اور یا اس کے کسی ماتحت کے نام۔

کرشن رائے خود بھی اہم تیلگو تصانیف کا مصنف تھا۔ ان میں آمکتا مالیاد کا ذکر سب سے مقدم ہے جو تیروپتی کے دیوتا وینکٹ ایشا کے نام لکھی اور معنون کی گئی ہے۔ بادشاہ نے اس کی توجیہہ کرتے ہوئے کہ اس نے اس نظم کے لیے تیلگو زبان کا انتخاب کیوں کیا، لکھتا ہے " یہ وہ ملک ہے جہاں تیلگو شاعری کی زبان ہے میں اس (ملک) کا بادشاہ ہوں اور اس زبان کی سب لوگ تعریف کرتے ہیں۔ اس ملک کی زبانوں میں تیلگو سب سے اچھی زبان ہے " اس تصنیف میں پری یالوار یا دشنوچتا (VISHNUCITTA) کی کہانی بیان کی گئی ہے جو چھٹا الور تھا اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مدورا کے راجا کو شری وشنو عقاید قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اس میں اس کی متبنّی لڑکی سودی کو دتا ناچیار (SUDIKADUTTANACCIYAR) کی شری رنگم کے دیوتا شری رنگ ناتھ کے ساتھ شادی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

آمکتا مالیاد تیلگو زبان کے پانچ بڑے کاویم میں سے ایک ہے۔ یہ ان میں کی دشوار ترین نظم سمجھی جاتی ہے۔ اس تصنیف میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اگرچہ وہ مروج تھی تاہم طرز ادا بالکل نیا ہے اس کے جملوں کی ساخت پیچیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے " اسلوب (مغربی معیار کے اعتبار سے) توضیح طلب ہے۔ لیکن ہندوستان میں یہ اسلوب ناری کل پاکم (NARIKALPAKAM) (یعنی ناریل کے مانند انداز بیان) کے نمونہ کی حیثیت سے بہت پسند کیا جاتا ہے اور اس کے اندر کا میٹھا گودا حاصل کرنے کے لیے الفاظ کی بیرونی شکل (چھلکے) کو توڑنا ہی پڑے گا " کرشن دیو رائے دراصل خود کو فطرت کا شاعر ظاہر کرتا ہے " اس کی موسم، چاند، صبح کے تڑکے کی منظر کشی، زندگی کی معمولی معمولی

جزئیات کا بیان جیسے ساگ پات کا پکایا جانا اور ان کا تل کے تیل اور ابلے ہوئے اریگا (ARIGA)
(ایک قسم کا اناج) کے معمولی اناج کے ساتھ کھانا. مٹی کے وہ برتن جن میں موسم برسات میں رڑیوں کو
گرمی پہونچانے کے لیے بکریوں کی مینگنی جلائی جاتی ہے، وشنو چتا کی چھت سے آنے والی صدا سے
بازگشت جو آدھی رات میں بھی سنائی دیتی تھی اور نہایت احترام کے ساتھ ان کی معمولی مہمان نوازی (جو حقیقتاً
بڑی پر لطف ہوتی تھی) میں آنے والے مہمانوں کے لامتناہی سلسلہ کا پتہ دیتی تھیں. وہ مہمان نوازی
جس میں وہ ہمیشہ اس کی معذرت پیش کرتا کہ سالن کم ہے، کھانا ٹھنڈا ہے، مٹھائی کا انتظام نہیں کیا
جا سکا اور کھانا آپ جیسے مہمانوں کے شایان شان نہیں ہے اور نظم حکومت کے سلسلہ میں اسکی معلومات
اور تجربات (کا ذکر)، جو صرف اس کا ایسا عظیم حکمراں اور فاتح ہی بیان کر سکتا ہے، ان تمام چیزوں نے
اس کے خیالات کو ایک ندرت عطا کی ہے اور اسے فطرت کا ایک عظیم شاعر بنا دیا ہے۔"

بعض عالموں نے آمکتا مالیاد کا مصنف پیدن (PEDDANA) کو بتایا ہے[108] لیکن
پیدن کی منو چرت اور آمکتا مالیاد کے اسلوب کے فرق سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دونوں کتابوں کے
مصنف دو مختلف شخص رہے ہوں گے۔ اول الذکر کا اسلوب سادہ، رواں اور موسیقی سے بھرپور ہے
ہے جبکہ آمکتا مالیاد کا طرز بہت پیچیدہ ہے۔ اگرچہ اس میں شستگی اور نفاست کی کمی نہیں ہے۔
پیڈن اپنی تصنیف میں سنسکرت اور غیر تیلگو الفاظ کا استعمال کھل کر کرتا ہے جبکہ آمکتا مالیاد میں غیر تیلگو
الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے۔ موخر الذکر کتاب میں گرامر اور قواعد کی سختی سے پابندی نہیں کی گئی ہے
اور یہ وہ خصوصیت ہے جو پیدن کی کتاب میں ہرگز نہیں ملے گی۔ مزید براں آمکتا مالیاد کے وہ اشعار جن
میں کرشن دیو رائے کے کارنامے اور فتوحات کو بیان کیا گیا ہے، ایک ہم عصر مصنف پیدن کی تصنیف
سے ماخوذ ہیں اور اس ادبی سرقے کا ارتکاب کوئی معمولی مصنف نہیں کر سکتا تھا۔ چوں کہ زیر بحث کتاب
کا مصنف ایک شہزادہ تھا اور پیدن اس کا پسندیدہ درباری شاعر تھا لہٰذا اس مسئلہ میں کرشن دیو رائے
اس کا کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ آمکتا مالیاد کا خاتمہ نظم میں ہے نہ کہ نثر میں، جیسا کہ منو چرت کا خاتمہ ہے۔ یہ تمام
باتیں اس رائے کے خلاف جاتی ہیں کہ یہ تصنیف پیدن کی ہے[109]۔

اللسانی پیدان (ALLASANI PEDDANA)

شعراء کا وہ گروہ جو عام طور پر استادی گج کے نام سے معروف تھا ان میں سب سے اہم اللسانی
پیدن تھا۔ وہ بلاری ضلع کے دو پد تعلقہ کے موضع دورنل (DORANALA) میں پیدا ہوا تھا
اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے اس نے کرشن دیو رائے کے ملک الشعراء کا مقام حاصل کر لیا۔ شاعر کی حیثیت

سے اس کی عظمت اور وجے نگر کے دربار میں اس کے رسوخ نے اسے ادبی دنیا کا مطلق العنان فرماں روا بنا دیا" اس کی سب سے اہم تصنیف سوارو چسا منو چرت (SVAROUSA MAN-NU CARITE) ہے جو مرکنڈیا پران (MARKANDEYA PURANA) کا ایک ضمیمہ اور چھ اسواسوں (ASVASAS) میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ تصنیف ایک معیاری پربندھم ہے (جس میں اس طرح کی تصنیف درکار) اٹھارہ قسم کے بیانات موجود ہیں جیسے شہر، سمندر، پہاڑ، موسم طلوع آفتاب و ماہتاب پرفضا باغ، عمدہ تالاب، اسباب تفریح، شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، غرجنگ قمار بازی، عشاق جدائی وغیرہ۔ پیدن نے اپنی تصنیف کے لیے مواد مرکنڈیا پران سے حاصل کیا۔ لیکن اس میں تصرف کیا اور اصل سے ہٹ کر اور اپنے تخیلات اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایسی کہانی پیش کی جو پڑھنے والے کی توقعات کو پورا کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شعراء متقدمین میں نتری ناتھ اور ہم عصر شعراء میں کرشن دیو رائے کا مرہون منت ہے آسانی سے محسوس کی جاسکتی ہے منو چرت میں جو چیز ہمیں ملتی ہے اسے اجتہادی انشاء (ELECTICISM IN COMPOSITION) سے تعبیر کرسکتے ہیں جو بعد کے زمانے کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت تھی[۱۱۵] یہ تصنیف فطرت کے تخیلاتی اور تحیراتی تذکروں سے پر ہے اور اس میں کثرت سے اسلامی اور دوسرے بیرونی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ پیدن کی اس تصنیف میں سنسکرت ترکیبوں کا استعمال بھی بہت اس طرز شاعری میں بہت سے شاعروں نے اس کا اتباع کیا ہے اور اسی وجہ سے اسے آندھرا کویتا پتا ہا (ANDHRA-KAVITA PATTHAHA) یعنی تیلگو شاعر کا خالق کہا جانے لگا وہ کرشن دیو رائے کا بہت مقرب تھا یہ مشہور ہے کہ جب بھی کرشن دیو رائے اسے دیکھتا تھا اسے اپنے ہاتھی پر بیٹھا لیتا تھا اس کے لیے بہت خیال اور احترام کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اسے اپنے شاہی سرپرست سے زمینوں کے عطیے بھی ملے تھے۔

نندی تمن (NANDI TIMMANNA)

دوسرا اہم شاعر تمن تھا۔ اس نے تیلگو میں پاری جاتا پھرنمو (PARIJATAPAHRANAMU) لکھی اور اسے کرشن دیو رائے کے نام معنون کیا۔ اس کتاب میں شری کرشن کے اپنی بیوی ستیا بھاما کو خوش کرنے کے لیے اندر کے باغ سے مقدس پودا پری جات کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے روایت یہ مشہور ہے کہ مصنف نے یہ کتاب اسی مقصد سے لکھی تھی کہ راجہ کرشن دیو رائے رانی چناد یوی کی جانب دوبارہ مائل ہو جائے اس لیے کہ ایک بیان کے مطابق وہ اس کی نظروں سے اس بنا پر اتر گئی تھی کہ بادشاہ

کو سونے کی حالت میں اتفاقاً اس نے ٹھوکر مار دی تھی۔ پاری جاتا پہرنومنڈ شاعرہ کا ایک نمونہ ہے۔ اس کا اسلوب سہل اور رواں ہے۔ بندش الفاظ صاف اور شستہ اور "تشبیہ و استعارات واضح اور پرکشش ہیں" دوسروں کے برخلاف مصنف نے اپنی تصنیف میں سنسکرت الفاظ کی بکثرت استعمال سے پرہیز کیا ہے۔ تمن عام طور سے نکوّ تمن کے نام سے مشہور ہے شاید اس وجہ سے کہ اس کی ناک لمبی اور موٹی تھی یا پھر اس کی وجہ اس کا وہ عمدہ بیان ہے جو روایات کے مطابق اس نے ایک نظم میں ناک پر دیا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو رام راج بھوشن نے اپنی تصنیف وسوچرت رمو (VASUCARITRAMU) میں شامل کر لیا ہے۔

دھورجتی (DHURJATI)

دھورجتی ایک اور ممتاز تیلگو شاعر تھا جس کو کرشن دیو رائے کے دربار میں فروغ حاصل ہوا۔ وہ کٹر ویشنو تھا۔ اس کا ثبوت ہمیں اس کی تصنیف کال ہستی مہاتمیم (KALAHASTI MAHATMAYAN) اور کال ہستیشور سکم (KALAHASTISVARA SATAKAM) سے ملتا ہے۔ مصنف کی یہ دونوں کتابیں کال ہستی کے دیوتا کی مدح میں ہیں اور شیو سے منتسب ہیں۔ اول الذکر ایک بہت ہی اعلیٰ قسم کی منظوم تیلگو تصنیف ہے۔ دھورجتی نے اس کے لیے مواد سنسکرت کی تصنیف سداد ھیائے (SADASIYAYA) سے اخذ کیا۔ لیکن اس مواد کو اس نے اور بڑھایا۔ اس تصنیف کے اسلوب میں شستگی اور ندرت ہے اور اس کا تخیل بلند ہے۔ لیکن وہ گرامر کے اصولوں پر سختی سے کاربند نہیں ہے اور اپنی تصنیف میں آزادی سے تامل اور کنڑ الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔

پنگلی سورن (PINGALI SURANNA)

پنگلی سورن اس عہد کا ایک دوسرا عظیم شاعر تھا۔ بظاہر وہ سولہویں صدی کے اختتام تک زندہ رہا اور اسے نندیال (NANDYAL) کے حکمراں کرشن راج کی سرپرستی حاصل تھی جس کے بارے میں 1571ء کے ایک کتبہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وینکٹادری راج (VENKAT - ADARI RAJA) نام کا اس کا لڑکا تھا۔ یہ شاعران چند نے گنے لوگوں میں سے تھا جنھوں نے تیلگو زبان کو شیریں، مترنم اور سرور آگیں بندش کے ساتھ استعمال کیا۔ وہ کال پورنودیمُ (KAL - APURAN ODAYAMU) کا مصنف تھا جس میں اس کہانی کو پیش کیا گیا ہے جو برہما نے اپنی

بیوی سرسوتی کے طوطے سے بیان کی تھی۔ جس کا ہر ہر لفظ اس کی بیوی پر منطبق تھا۔ اس کی تصنیف راگھو پانڈویمو (RAGHA VAPANDAVIYAMU) ایک دو یارتھ کاوُ (DUAY-ARTHE KAYU) ہے جو تیلگو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعض الفاظ ذو معنین ہیں اور جن تراکیب کا اس نے استعمال کیا ہے اگر ان کو جدا کیا جائے تو ان سے بھی دو مختلف مطلب نکلتے ہیں۔ یہ تیلگو کی پانچ مہا کاویوں میں سے ایک ہے اور اسے اکوویتی وینکٹا دری (AKUVITI VENKALADARI) کو معنون کیا گیا ہے۔ وہ پربھاوتی پردھومینم (PARBHAVATI PRADHYUMNAM) کا بھی مصنف ہے جس کا انتساب اس نے اپنے باپ امریّا (ALARAYYA) کی جانب کیا ہے۔ یہ تصنیف پانچ کھنڈوں پر مشتمل ہے اور اس کا اسلوب متوازن ہے۔ سورن کی تصانیف میں مختلف ساخت کے جملوں کی بھرمار ہے اور مصنف کو اپنی قوت متخیلہ میں کمال حاصل ہے۔ اس کے کردار علامتی نہیں بلکہ افراد ہیں۔ ان کرداروں کی تخلیق میں سورن نے ایک جیتی جاگتی دنیا کو اس کے تمام گوناگوں رنگوں کے ساتھ پیش کیا ہے[113]۔ بظاہر وہ کافی عمر تک زندہ رہا اور نیرو مل اول کا ہم عصر بھی رہا ہوگا۔

تنالی رام کرشن (TENALI RAMKRSNA)

تنالی رام کرشن، رامیّا کا بیٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے رام لنگا کے نام سے معروف تھا اور بعد میں جب اس نے تبدیل مذہب کر کے ویشنو عقیدہ اختیار کیا تو اسے رام کرشن کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بظاہر وہ کرشن دیو رائے کا ہم عصر تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ استادی گج میں سے ایک تھا۔ یہ بات انتہائی مشتبہ ہے کہ وہ تاتاچاریہ اور راپیا دکشت کا ہم عصر تھا جو سری رنگا اور وینکٹ دوم کے زمانہ میں تھے۔ اس کے ایک زائچے کے مطابق اس کی ولادت 1462ء میں ہوئی تھی اور کا ولی وینکٹا راماسوامی نے اسی تاریخ کو تسلیم کیا ہے۔ البتہ یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ زائچہ کس حد تک اصلی ہے۔ اس کی سب سے پہلی نظم ادبھٹارا دھیا چرتومو (UDBHATRADHYA CARITRAMU) تادندلا گوپ (NADINDLA GOPE) کے نام سے معنون کی گئی ہے جو کونداویدو میں کرشن دیو رائے کا گورنر تھا۔ تنالی رام کرشن کے عہد اور وقت کے تعین کے لیے محض یہی ایک ثبوت کافی ہے۔ لنگا پرانمو کا مصنف اسی کو بتایا جاتا ہے۔ اس کی ایک دوسری تصنیف پانڈورنگ مہاتمایمو (PANDURANGA MAHATMAYAMU) بڑی ادبی خصوصیات کی حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب ولوری ویدادری نامی ایک شخص کے نام معنون کی گئی تھی۔ تنالی رام کرشن

گھٹی کاچل مہاتمایمو (GHATI KACALA MAHATMAYAMU) نام کی ایک اور کتاب کا مصنف ہے۔ یہ بڑی اہم تصنیف ہے۔ اس رام کرشن کوی کی حرکتوں کے متعلق بہت سی کہانیاں اور روایتیں مشہور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کامیاب پر مذاق شاعر تھا اور بڑی معصومیت کے ساتھ نہ صرف تاتا چاریہ کا مذاق اڑاتا تھا جو اس کا ہم عصر معلوم ہوتا ہے، بلکہ وہ بادشاہ کو بھی نہیں بخشتا تھا۔[112] اس کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس دور کا بہت ہی مقبول شاعر تھا۔ اس دور میں جن دوسرے شاعروں کو فروغ حاصل ہوا ان میں سے ایک کونیرو ناتھ (KONERU NATHA) نامی ایک شاعر تھا۔ یہ بال بھاگوتامو (RA-LA BHAGVATAM) کا مصنف تھا جو ایک تیلگو تصنیف ہے اور چنا تمّا راجا سے منتسب ہے جو وتھل کا چھوٹا بھائی تھا اور جس نے ٹراونکور کے حکمراں کے خلاف ایک مہم کی قیادت کی تھی (اس کتاب میں) چنا تمّا کو کرتی نایکندو (KRITINAYAKUNDU) کہا گیا ہے۔ اس میں بھاگوت کی کہانی سادہ اور مقبول اسلوب میں پیش کی گئی ہے۔[115] تیرومل اوّل کا ایک بھتیجا سدھا راجو تمّا راجو بھوپال (SIDDHARAYU TIMMARAJU BHOPALI) ایک تیلگو کتاب پرمایوگی ولاسمو (PARAMAYOGI VILASAMU) کا مصنف تھا جو آلواروں کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔[116]

رام بھدرائیہ (RAMABHADRAIAH)

سولہویں صدی کے نصف آخر میں ایلاراجو رام بھدرائیہ اور رام راج بھوشن جیسے شعرا پیدا ہوئے۔ رام بھدرائیہ کو ۱۵۷۰ء کے قریب فروغ ہوا اور تیلگو میں راما بھی ادیم لکھی۔ یہ راماتن کی کہانی ہے جسے موثر بنانے کے لیے پربندھ کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وسوچرتمو (VASU - CARITRAMU) کے مصنف رام راج بھوشن سے ایک مقابلہ کی بنا پر اس نے یہ بیڑا اٹھایا کہ وہ چھ ماہ کی مدت کے اندر ایک ایسی کتاب لکھے گا جو مؤخرالذکر کی تصنیف سے بہتر ہوگی۔ اس نے آخری دن تک اس کام کا آغاز نہیں کیا تھا لیکن اس روز شب میں دیوتا سری رام نے رام بھدرائیہ کے لیے یہ کتاب لکھ دی یہ کتاب اگرچہ بہت مقبول ہے تاہم گرامر کی بعض غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔

رام راج بھوشن

بھٹو مورتی یا رام راج بھوشن (رام راج کی دربار کی شان) جو اس کا زیادہ مشہور نام تھا،

رام راج کا درباری شاعر تھا۔ یہ وسوچرترمو کا مصنف تھا جو تیرومل کو معنون ہے۔ یہ کتاب تیلگو زبان کے لیے معیاری پربندھم سمجھی جاتی ہے۔ قافیہ اور سرحرفی کی صنعت (ALLITERATION) سے پرہے نیز اس کے بندوں میں پرکیف حسن ہے اور ان میں سے اکثر کے ایک سے زیادہ معنیٰ ہیں" یہ تصنیف تیلگو ادب کی پانچ مہا کاویوں میں سے ایک ہے ، جو اعلیٰ خیالات سے مملو ہے۔ اور بکثرت پڑھی جاتی ہے۔ اس کا پختہ کردار اس عہد کے ذوق کی عکاسی کرتا ہے[117]۔ رام راج بھوشن ، ہریش چندر نلو پاکھیان (HARISHCANDRA NALOPAKHYANA) کا بھی مصنف ہے جس میں ہریش چندر اور نل کی کہانی ایک ہی طور سے بیان کی گئی ہے۔ یہ بھی پنگلی سورن کی راگھو پانڈویا کی طرح دُو یارتھ کاویہ ہے۔ لیکن اس تصنیف کا اسلوب اور زبان کچھ مشکل ہے۔ بظاہر رام راج بھوشن نے ایک تیسری کتاب بھی لکھی تھی جو نرسا بھو پالی یمو (NARASA BHUPALIYAMU) کے نام سے معروف ہے۔ یہ کتاب شاعری کے بارے میں ہے جو ودیا ناتھ کوی کی مشہور سنسکرت تصنیف پرتاب رودریم (PRATAPRUDRIYAM) کا چربہ ہے۔ راج گوپال راؤ کے مطابق اگرچہ "نرسا بھوپالی یمو کے مصنف کے سلسلہ میں اختلاف ہے تاہم اندرونی شہادت قطعی طور پر رام راج بھوشن کو اس کا مصنف قرار دیتی ہے[118]"۔ اس تصنیف کا انتساب رگنتی نرسا راجو (RAGNATI NARASA RAJU) کے نام کیا گیا ہے جو تیرومل کا ایک بھتیجا اور داماد تھا۔

ویمن (VEMANA)

ویمن ایک دوسرا مقبول شاعر تھا جو غالباً سولہویں صدی میں ہوا تھا۔ بعض عالموں کی رائے کے مطابق وہ انویما رڈی (ANVEMA REDDI) کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو چندنول (CANDANUL) کے علاقہ کا سردار تھا۔ یہ نام اس کا ذاتی نام معلوم ہوتا ہے اور اس نے اپنے خاندانی نام کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ براؤن کا خیال ہے کہ وہ ایک زنگم (ZANGAM) تھا جو شودروں کا ایک فرقہ تھا جس نے عام مذہب سے علیحدگی اختیار کرلی تھی ، صرف شیو پوجتے تھے اور اپنا خاندانی نام ترک کردیا تھا لیکن ان کو صرف ان کے فرقہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہا یہی فرقہ ایسا تھا جس کو ویمن نے بڑھایا تھا اور اسی لیے اس کے طنز سے کوئی نہ بچ سکا۔ ویمن ایک معلم اخلاق تھا جو لوگوں کے عیوب ، حماقتوں ، اندھے روایتی اعتقادات اور ذات پات اور عورتوں پر طنز کرتا تھا۔ وہ ذاتی جائداد اور سرمایہ کے جمع کیے جانے کے معاملہ میں اپنے موقف کے لحاظ سے سوشلسٹ تھا اور کہتا تھا کہ کوئی بھی جائداد نجی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کے اشعار

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہمنوں کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ درحقیقت دیہاتی زندگی کا شاعر تھا[119]۔
کوندراجا کے زمانہ میں وینکیا (VENKAYYA) نامی ایک شاعر تھا جس نے رام راجیا مولکھی تھی جو تریپتی وجے موکے نام سے بھی معروف ہے۔ اس کتاب میں اس نے اروید وسلسلہ کے راجاؤں کے زیر حکومت سلطنت وجے نگر کی تاریخ بیان کی ہے۔ اگرچہ یہ تصنیف بعد کی ہے تاہم اس کی تاریخی صحت کی توثیق نہ صرف اس عہد کے ادب سے ہوتی ہے بلکہ ان مختلف ادوار کے کتبوں سے بھی جن کے ذکر پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

فصل چہارم

کنڑ (KANNADA)

وجے نگر کے دور میں سنسکرت اور تیلگو کی طرح کنڑ زبان میں بھی مختلف موضوعات پر بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ ان کے مصنفین مذہبی اعتبار سے یا تو جین تھے اور یا ویرشیوا، یا پھر برہمن اور انھوں نے اپنی تصنیفات کے لیے عموماً اپنے مذاہب کے ادب سے مواد اخذ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں غیر مذہبی موضوعات پر بھی بعض کتابیں لکھی گئیں۔
وجے نگر کے ابتدائی دور میں گرودیو نامی ایک مصنف نے ایک بہت ہی مشہور سنسکرت کتاب ویرشیوا اچاریہ پردیپیکا (VIRASIVACARYA PRADIPIKA) لکھی تھی اس نے یہ تصنیف جیسا کہ وہ خود کہتا ہے سدھ دیو کے لیے لکھی تھی۔ وہ بعض استوتروں (STROTRAS) کا بھی مصنف ہے۔ بھیم قوی تیلگو اور کنڑ دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ اس نے بساوا پران (BASAVA PURANA) کا جو بڑی حد تک پلکوئیکی کی تیلگو تصنیف پر مبنی ہے، کنڑ زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ہری ہر دوم کو، جو ایک بڑا عالم تھا کرناٹک ودیا ولاس[120] (یعنی کرناٹک علوم کو فروغ دینے والے) کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ مدھرا شاعر جس کا مدھرا مادھو بھی کہتے تھے، ہری ہر دوم کے زمانہ سے ہوا تھا۔ وہ جین مذہب کا پیرو اور دھرما ناتھ پوران کا مصنف تھا جس میں پندرہویں تیرتھنکر کی سوانح بیان کی گئی ہے[121]۔

پندرہویں صدی کے شعرا

دیو رائے دوم کا دور حکومت بڑی ادبی سرگرمیوں کا دور تھا اور اسی دور میں بہت سے ویرشوا عالموں کو فروغ حاصل ہوا۔ مہالنگ دیو نے اکوترا ست استھلا (EKOTTARASAT STHALA)

اور ست ستھلا ویویکا (SAT STHALA / VIVEKA) لکھیں۔ لکشمن ڈنڈاناتھ نے شیو تتوا چنتامنی لکھی۔ یہ انتہائی فلسفیانہ کتاب ہے جس کو مصنف نے ویرشیو سدھانت تنترا کا سوتر کہا ہے یعنی تمام ویدوں اور اگموں کا بنیادی سوتر۔ کمار ویاس اور چام رس نے کنڑ میں بھارت (BHARATA) لکھی۔ لیکن بعد کی تصنیفوں میں مذکور ایک روایت کے مطابق اول الذکر نے حسد کی بنا پر موخر الذکر کی بیوی کو راضی کر لیا اور اس کی مدد سے چام رس کی تصنیف کو ضائع کر دیا۔ لیکن چام رس نے خود وشنو کے فیضان سے مستفیض ہو کر پربھولنگ لیلا (PRABHULING LILA) لکھی۔ اس میں الّما (ALLAMA) کی زندگی کا حال درج ہے جسے پربھو دیو کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جو ایک بہت بڑا روشن خیال شخص اور ویرشیو تحریک کے لیے ایک پشت پناہ تھا۔ اس کتاب کو سبھی عالموں نے سراہا اور اس حد تک کہا جاتا ہے کہ بادشاہ دیورائے دوم نے مصنف کی عزت افزائی کی اور خود ویشنو عقیدہ اختیار کر لیا۔ پربھولنگ لیلا ایک بہت ہی مقبول ویرشیو تصنیف ہے اور اس کا ترجمہ تامل اور تیلگو دونوں زبانوں میں ہوا ہے۔ کمار ویاس کی بھارت کا کنڑ ترجمہ انشاء کے لحاظ سے کنڑ کی (جس میں اس طرح کی تصنیفات زیادہ نہیں ہیں) نہایت ہی عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے۔ شاید پمپا (PAMPA) کو مستثنیٰ کر کے وہ کنڑ کا عظیم ترین شاعر ہے۔ اسی زمانہ میں بہت سے دوسرے شعراء اور عالموں کو بھی فروغ حاصل ہوا جیسے مگیا مگی دیو (MAGGIYA MAGGIDENA) جو بعض ایسی شکوں (SATAKAS) کا مصنف ہے جن سے قاری کا دل بھر آتا ہے۔ اور چندر کوی جس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ہمپی کے مندر کے دیوتا ویرپاکسا کے دربار کا حال بیان کیا گیا ہے۔

ملیکارجونا اور ویروپاکسا کے دور حکومت میں بھی بعض عالموں کی ادبی تصنیفات منظر عام پر آئیں۔ ان میں زیادہ تر ویرشیو مصنفین تھے۔ ان میں بوم رس (BOMMARASA)، کلّا رس (KALLARASA) اور تونتاداسید ھیشور (TONTADE SIDDHESVARA) قابل ذکر ہیں۔ بوم رس سوندر پراں کا مصنف تھا جو کنڑ زبان میں تامل کے شیو سنت، سندر کی سوانح حیات ہے۔ کلّا رس نے جنواسیا (JANAVASYA) لکھی جسے ملیکارجونا وجیا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے اس کتاب میں ملیکارجونا کی ان تعلیمات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے جو اس نے اپنی ملکہ کو دی تھیں کہ کن طریقوں سے عورت مرد پر (عشقیہ معاملات میں) فتح پا سکتی ہے۔ اس کتاب میں واسیانیا (VASYAYANA) کی کتاب کام سوتر کا، جو اس موضوع پر ایک دوسری تصنیف ہے، بکثرت حوالہ ملتا ہے۔ تونتاداسدھیشور[126] جو بظاہر ویروپاکسا سوم کے زمانہ میں تھا، ست استھل جنان سارامرتا

(SATSTHALAJNANASARAMRTA) کا مصنف تھا وہ بہت ہی مقبول ویر شیو شاعر تھا اس کی اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ اس کے اوپر ویر کتا تو نتا دارنیا سدھیشور پران (VIRA - KATA TONDARYANA SIDDESVARA PURANA) اور سنتش (SANTISA) کی تونتادا سید ھیشور پران جیسی کتابیں لکھی گئیں [124]

سولہویں صدی کے شعرا

اس عالم میں جس کو اس دور میں فروغ حاصل ہوا بھاسکر کوی کا بیٹا تمن کوی (TIMMA - NA KAVI) تھا۔ اس نے کرشن دیو رائے کی فرمائش پر بھارت کا نصف آخر کنڑ زبان میں لکھا۔ وہ اس کتاب کے خاتمہ میں خاص طور پر کہتا ہے "اس نے یہ کتاب نرسا کے بیٹے کرشن دیو رائے کی عظیم شہرت کو دوام بخشنے کے لیے لکھا ہے [125]۔

کرشن دیو رائے کے زمانہ میں کنڑ کے کئی مشہور شاعروں کو فروغ حاصل ہوا شانتی کیرتی نامی ایک شاعر، جو سولہویں صدی کے اوائل میں ہوا جین تصنیف سانتی ناتھ چرت کا مصنف تھا جو سنگیتیا بحر میں لکھی گئی ہے۔ اُدواگریا اور بومبیا لکا (BOMBEYA LAKKA) اس دور کے دو ویر شیوا مصنفوں نے ہریش چندر کی کہانی لکھی ہے۔ ویر بھدرا راج اس دور کا ایک عالم ہے جس نے ویر بھدرا وجیا لکھی ہے جس میں دکشا (DAKSA) کی قربانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کپی کے ملّا نارایا (MALL - ANARAYA) نامی ایک شاعر نے بھاوچنتا رتن لکھی جس میں پنچاکسری (PANCAKSARI) کی عظمت کا بیان کیا گیا ہے اور ویر شیوا مارتا پران (VIRASAIVAMRTA PURANA) لکھی جو سات ہزار ہندوؤں کی ایک ضخیم کتاب ہے اور یہ بند ست پدی (SATPADI) بحر میں کہے گئے ہیں۔ کمار والمیکی نے کمار ویاس کی مہا بھارت کے طرز پر راماٸن کو کنڑ زبان میں منتقل کیا ہے۔ اس دور میں طب پر بھی کتابیں لکھی گئیں ان میں شری دھر دیو کی مصنفہ ویدیامرت (VAIDYAMRTA) قابل ذکر ہے۔ کھانا بنانے کے موضوع پر ایک کتاب سوپ شاستر (SUPASASTRA) ہے جو کہ اس دور کی ایک دلچسپ کتاب ہے۔

وہ شعرا، جو سولہویں صدی کے اواخر اور سترہویں صدی کے اوائل کے ہیں ان میں ویروپاکسا پنڈت (VIRUPAKSA PONDIT) قابل ذکر ہیں، جنھوں نے 1584ء میں چنا بسو پران (CANNA BASAVA PURANA) لکھی۔ اس کتاب کا اسلوب سادہ ہے۔ ویر شیو مذہب پر یہ کتاب اتنی ہی اہم ہے جتنی شیو سدھانت مذہب پر شیو جنان بودھم ہے۔ اس دور کے

جین شعراء میں رتنا کرورنی (RATNAKARA VARNI) کا تذکرہ ضروری ہے جو بھرتشیا ویبھاو (BHARATESA VAIBHAVA) کا مصنف ہے جس میں دس ہزار بند ہیں۔ اس میں پہلے جین آدی ناتھ کے بیٹے بھرت کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب کنڑ ادب کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ بھٹا کلنک دیو (BHATTA KALANKA DEVA) اس دور کا ایک بڑا نجومی اور شاعر گذرا ہے۔ وہ کرناٹک ششبدا نو شاسن (KARNATAKA SAB- DANUSASANA) کا، جو کرناٹک زبان کے گرامر کی ایک کتاب ہے، مصنف تھا۔ وہ شری رنگا اول اور وینکٹ دوم دونوں ہی کا درباری شاعر تھا۔ اس کی سنسکرت اور کنڑ دونوں ہی اچھی تھی اور اس کی یہ تصنیف اس کے علم کی گہرائی کی واضح علامت ہے۔ سداشیو یوگی اور مرگی دیشی کندر (MURIGE DESIKENDRA) اس دور کے دو مزید مصنف ہیں جو علی الترتیب رام ناتھ ولاس (RAMANATHA VILASA) اور راجندر وجے (RAJENDRA VIJAYA) کے مصنف ہیں۔ دونوں ہی کتابیں چمپو (CAMPU) طرز پر لکھی گئی ہیں۔

فصل پنجم

تامل

ملک تامل پر کمپن کی فتح اور سلطنت وجے نگر کے ساتھ اس کے الحاق کے بعد ملک میں بڑی پر امن فضا قائم ہو گئی تھی اور ادبی سرگرمیوں کی بڑی ہمّت افزائی ہوئی تھی جنوبی ہند پر وجے نگر کے دور حکومت میں بہت سے ایسے عالم پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی تصنیفات سے تامل ادب کو مالامال کر دیا۔ بہت ساری تصنیفات مذہبی نوعیت کی ہیں جن میں شیو کے فلسفہ پر بحث کی گئی ہے اور مخصوص عبادت گاہوں کی مدح سرائی کی گئی ہے لیکن شعراء سے متعلق معلومات اتنی مختصر ہے کہ ان کی سوانح اور تصنیفات پر تفصیلی روشنی ڈالنی مشکل ہے۔ بہر حال چند نام قابل ذکر ہیں۔

پندرہویں صدی کے اوائل میں جنوبی ہند میں تامل کا ایک مشہور شاعر شرم پلادی (SIR- RAMBALADI) ہوا ہے۔ وہ اوما پتی شیو آچاریہ کے عصر سے، جو 1313ء کے قریب کا ہے، ٹھیک چار پشتوں کے بعد کا شاعر ہے۔ اس کا ایک کم عمر معاصر پلوتیکٹی جنانا پرکاسر (PALUTAI KATTI JANAN PRAKASAR) تھا۔

سایو سردار تیرو ملیا دیو۔ جو سالو گوپ کا بیٹا اور سالو گوپ پتا کا بھائی تھا، تامل ادب کا بہت

بڑا سرپرست تھا۔ اس کی مدح سرائی کال میگھپ پُلوَر (KALAMEGHAPPULAVAR) اور جوڑواں شاعر مدھو سوریر (MADHU SURYAR) اور ایلن جوریر (ILANJURYAR) جو عموماً ارتیّار (IRATTAIYAR) کے نام سے معروف ہیں۔ جیسے شعراء نے کی ہے۔

سولہویں صدی کے شعرا

کرشن دیورائے کے زمانے میں جنوبی ہندوستان میں بہت سے تامل علماء کا فروغ ہوا۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کرشن دیورائے تامل کا عالم تھا تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ تامل عالموں کی سرپرستی کرتا تھا۔ جن میں سے اکثر نے اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تیرو ملانے ناتھ ایک شاعر تھا۔ جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ چدمبرم میں گذارا تھا وہ چدمبر پران کا جو اسی نام کی ایک سنسکرت تصنیف کا ایک ترجمہ ہے اور مدورائی چوکا ناتھ دولا (MADURAI COKKANATHARULA) کا مصنف تھا پرن جوتی یار (PARAN — JOTIYAR) اس کا بیٹا تھا جس نے شاعری تنقید پر ایک کتاب چدمبرا پاتیال (CIDA — MBARAPPATTIYAL) لکھی۔ اس دور کا ایک اور شاعر شیو نحیو ورہ (SEVVAIC — CUDUVER) تھا جس نے بھاگوت پرانم کو تیلگو میں منتقل کیا تھا۔ تتوا پرکاش سوامی گل جو تیرو وارود (TIRUVAIRUR) میں رہتا تھا۔ اس دور کا ایک عالم تھا کسی حیثیت سے اس کا تعلق مقامی مندر کی انتظامیہ سے تھا۔ جن دنوں مندر کے معاملات قاعدہ سے نہیں انجام پا رہے تھے۔ تو اس نے کرشن دیورائے کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے مندر کے تری بھٹر (SRI BH — ATTAR) کو عہدے سے برطرف کر دیا اور اس طرح انتظام بحال کیا وہ تتوا پرکاشنم کا مصنف تھا جس میں شیو کے فلسفہ کا تفصیلی بیان ہے۔ وَدَا مَلائی انا گلین (VADAMALAI ANN — AGALAYYAN) بھی جو ریاست کے تامل اضلاع کی انتظامیہ سے متعلق تھا اور وشنو سے اپنی بے پناہ عقیدت کے لیے کافی مشہور تھا اور اس وجہ سے اسے ہری داسر (HARIDASAR) کا نام دیا گیا تھا۔ اس عہد کا اچھا عالم تھا اور ایروسس مایا ولاکم (IRUSAMAYA — VILAKKAM) کا مصنف تھا جس نے میں وشنو مذہب کی برتری کی مدح کی گئی ہے جنان پرکاش ویشی کر (JANANPRAKASH DESHIKOL) جو کانچی میں قیام پذیر تھا اس دور کا ایک اور ممتاز عالم ہے۔ وہ منجرپا (MANJARIPPA) جو کرشن دیورائے کی مدح

میں ہے اور کچی کلم بکم (KACCIKALAM BAKAM) ایک اہم کتاب ہے
جس میں کانچی کی عظمت و شوکت کا تذکرہ ہے، کا مصنف ہے، کرشن دیو رائے کا ایک اور ہم عصر
مندل پرادر (MANDALA PURADAR) تھا وہ جین تھا اور تیرونرو کوندائی
(TIRUNARUKONDAI) کے مٹھ کے سربراہ گن بھدرا (GUNABHADRA) کا
شاگرد تھا وہ نِکندُو چُدامنی (NIKUNDU CUDAMANI) نام کی ایک
لغت کا مصنف تھا اس نے تیرو پوکل پرانم بھی لکھی تھی جس میں تیرو تھنکرون کی سوانح حیات بیان کی
گئی ہیں۔ جن عالموں کی کرشن دیو رائے نے سرپرستی کی ان میں سے ایک برہمن کمار سرسوتی تھا جسے
تامل کے علاوہ سنسکرت، تیلگو اور کنڑ پر کافی عبور حاصل تھا۔ اس نے اپنی تامل تصنیف میں، جس
میں اس کے سرپرست کی سرگرمیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ کنڑ اور تیلگو الفاظ کثرت سے استعمال کیے
ہیں ارّووان پاڑی (ARRUVAN PADI) کے ایک ودوان پنڈت ودملایر
(VADAMALAYAR) کو بکسامتھ (BIKSAMATHE) کے ویشویشور شیو
اچاریہ (VISVESVAN SIVA ACARYA) کی جانب سے عطیہ میں ایک زمین
ملی تھی[127] کہا جاتا ہے کہ وہ مچاپرانم (MACCAPURANAM) اور نیدورتلا پرانم
(NIDURATTA PURANAM) کا مصنف تھا[128]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان
دونوں کتابوں کا مصنف وجے نگر کے اس عالم کے علاوہ کوئی اور تھا اس لیے کہ مچّاپرانم K.A 882
(1707ء) میں لکھی گئی تھی۔ یعنی ہمارے اس عالم کے ڈیڑھ سو سال بعد ویرکوی راشٹر بھی اس دور کا شاعر
تھا اور ہری چندرا پرانم (HARICCANDRA PURANAM) کا مصنف تھا۔ وَرَدان
(VARADAN) نے جو عام طور سے اُرولالہ داسر (ARULALA DASAR) کے نام
سے معروف ہے پران بھاگوتم کا تامل میں ترجمہ کیا تھا جس میں وشنو کے دس اوتاروں اور شری
کرشن کے مشغلوں کا تذکرہ ہے پیرومال کوی رایر (PERUMAL KAVIRAYAR)
اس دور کا ایک اور قابل ذکر شاعر تھا۔ جو تیروکوروگائی (TIRUKURGAI) میں
رہتا تھا۔ اس نے کوروکامانیم (KURUKAMANIYAM) اور مارن کیلاویمنی مالائی
(MARAN KILEVI MANIMALAI) دو تصنیفیں جن میں الورتیرونگری
(ALOARTIRUNAGRI) کے دیوتا کی عظمت بیان کیا گیا ہے مرناگپورل (MARENAGA
PPURUL) تیسرو پتی کووائی (TIRUPPATIKOVAI) مارنا لنکارم
(MARANCANKARAM) اور مارن پاپیاونم (MARANPAPPAVINAM)

اور بعض دوسری کتابیں لکھی ہیں۔کوی راس پن ڈتیر (KAVIRASAPAN DITER)
ایک برہمن عالم تھا جس نے سندریالہری کا ترجمہ تامل میں کیا تھا۔وہ دو تامل کتابوں
وراکی مالائی (VARAKIMALAI) اور آنندا مالائی (ANANDAMALAI)
کا بھی مصنف تھا۔

مرائی جنان سمندر جو چدمبرم کا رہنے والا تھا،ایک مشہور عالم تھا وہ اچیوت رائے اور سدا
شیو کے عہد میں تھا وہ شیو نظریات پر بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ان میں یہ کتابیں قابل ذکر
ہیں:۔پتی پشو لسپنوول (PATIPASUPASUPPANIVAL) شنکر پنی راکرنم
(SANKARPANIVAKARNAM) پدامو پدیسم (PRAMUPADISAM)
منڈنی لائی (MUNDINILAI) شیواسمیا نیری (SIVASAMYNERI)
پرماتی میراباتو (PARAMAPATILIAMU) اور سکلاگمار - SAKA)
LAJAMASARAM) اس نے کملالیا پرانم (KASALAPURANUM) ، ارونگیری
پرانم (ARUNAGIRIPURANUM) اور شیوادھرموترم - SIVADHARUMOT)
TARAM) بھی لکھی تھی۔شیواگریوگی گل (SIVAGRAYOGIGAL) جو سوریانار
کوئیل (SURAYANAR KOYIL) میں رہتا تھا۔اس دور کا ایک برہمن عالم تھا۔اس
نے شیوسنیاس پدتی شیومری بھاشائی،شیوجنان سدھیارارائی (SIVAJANAN) شیونیری
پیراکاسم (SIVANERIPIRAKASAM) اور بہت سی دوسری قیمتی کتابیں
لکھی تھیں۔کملائی جنان پرکاشن پندتیر (KAMALAIJANAN PRAKASA
PANDITAR) نامی ایک عالم تیروواڈر میں تھا۔وہ سکل SIKKIL ودا
کودی (VADA KUDI) وُداصری (VODACCERI) اور چند دیگر مقامات
کے مندروں کا نگران اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔یہ تقرری 1561ء میں کرشنامراشین KRISNA
MARASAYYAN) کے حکم پر ہوئی تھی۔جو لکیارامار اسین (ALYARAMARASAYYAN)
کا بیٹا تھا۔مذکورہ عالم بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جن میں یہ شامل ہیں۔انوتان
اگول (ANNUTTAN AGVAL) شیواپوسائی اگروال (SIVAPUSAI AGVAL)
شیونند بودم (SIVANAND BODAM) جناناپ پلو - JAN)
ANAPPALU) اکوووکت تلائی (ALLUVAKKATTALAI) ، آناملائی کووی
(ANNAMALAIKOVAI) آئی ریّادل (AYTRAPPADAL) تیروملووادی

پورانم (TIRUMALUVADIPURANAM) اس نے ایک اور کتاب پٹپاودھی
لکھی تھی جس میں ان پھولوں کو بیان کیا گیا ہے جنھیں پوجا کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور
دوسری پو ملائی لکھی ہے جس میں ان ہاروں کا تذکرہ ہے جنھیں دیوتا پر چڑھایا جا سکتا ہے۔ اس
دور کا ایک اور ممتاز عالم گروجنان سمبندر (GURUGANAN SAMBANDER) ہے
جو بعض اہم کتابوں کا مصنف تھا ان میں چند یہ ہیں: شیو بھوگ سارم، شو کاناتھ ونیا، مکتی نچیم
(MUKTINAICCAYAM) اور پرمانند ولکم (PERMANANDA VILA–
NKAM) اس کا ایک ہم عصر جنان پرکاشد تھا جو تیرو وُرّیور (TIRU VORRIYUR)
کا رہنے والا تھا۔ وہ تیرو وُرّیور پرانم (TIRU VORRIYUR PURANAM)
شنکر پنیراکرن ورائی (SHANKAR PANIRA ARAYI) اور شیو
جنان سیدھیار پریکا ارائی (SIVAGANAN SIDHIYARIRICA ARAYI)
جیسی کتابوں کا مصنف تھا اس عہد میں ایک اور عالم نیر مبا ولاگیار دیشیکر
(NIRAMBAVALAGIYAR DESIKA) تھا جو سنسکرت اور تامل اچھی طرح جانتا تھا
وہ شیو پرانم، ترو پرن گری پرانم، شیو جنان سیدھیار ارائی اور تیرو ورت بین ارائی کا مصنف تھا۔
ایک شاعر انادھری تھا جسے تیرو وروندان (TIRU VIRUNDAN) کی سرپرستی حاصل
تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مدورا کے کرشنیا نایک بیٹے ویرپّا نایک کا وزیر تھا۔ اس شاعر
نے سنسکرت کی ایک کتاب سندرا پانڈیم کا ترجمہ کیا تھا۔

اَتی ویرا رام پانڈیا (ATIVIRA RAMA PANDYA) خود، جو وجے نگر
حکومت میں ایک ماتحت حکمراں تھا، سنسکرت اور تامل دونوں کا بہترین عالم تھا۔ اس کی تصنیفات
میں نیدادم (NAIDADAM) ، کاشی کنڈم، کورم پرانم، لنگا اور ویری ویرکائی (VER–
RIVERKAI) قابل ذکر ہیں۔ اس کے ایک معاصر پرن جوتی یار (PARANGOTIYAR)
تھا جو تیرو ویلائی اور پرانم (TIRUVILAIYADERPURANAM) کا
مصنف تھا۔ ایلپّا نائینار (ELAPPA NAYANAR) اس دور کا ایک اور اہم عالم تھا
جو ارونین تاتی (ARUNAINTATI) ، تیرو وارور کووائی (TIRU VARURKOVAI)
ارونا چلا پرانم (ARUNA CALA PURANAM) تیرو ویر
نجائی پرانم (TIRU VIRINJAI PURANAM) اور پالیری ارائی کا مصنف تھا

سترہویں صدی کے شعرا

سولہویں صدی کے اختتام اور سترہویں صدی کے آغاز میں ریوانا سیدھر (REVANA SIDDHAR) کا فروغ ہوا جو چدمبرم کا ایک شاعر تھا۔ وہ اکراتھی نیکندو (AKARATH - INIKANDU) کا مصنف تھا۔ جو سابقہ تصانیف تیروپتیشورا پرانم (TIRUPPATTI - SVARA PURANAM) تیرو ولنجلی پرانم (TIRU VALANGULI PU - RANAM) اور تیرومرنگلی پرانم (TIRU MERRANGALI PURANAM) پر مبنی ایک اہم لغت ہے۔ اس دور کا ایک اور شاعر اپترنر (APPATTARANAR) تھا جو بھوکولاشاستر م (BHUKOLSASTRAM) کا مصنف تھا یہ جغرافیہ کی ایک کتاب ہے۔[130]

وینکٹ کے عہد حکومت میں انند نمسی وایا پنڈارم (ANANDA NAMASSIVAYP - ANDARAM) نام کا ایک عالم تھا۔ جو چدمبرم گرونمسی وایا مورتی کا شاگرد تھا مو خرالذکر پرماہسیا مالائی (PARMAHASYA MALAI) چدمبراونیبا (CITAMBARA - VENHA) آنا ملائی ونیبا (ANNAMALAI VENBA) وغیرہ کا مصنف تھا۔ یہی وہ سدھا (SIDDHA) جس نے ارون گیریانداندی (ARUNAGIRI YANDANDI) لکھی تھی۔[131]

تامل کے عظیم صوفی شاعر اور فلسفی تایومانور (TAYUMANAVAR) کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدورا کے تیرومل نایک کے عہد میں ہوا تھا۔ وہ ایک شیوسدھانتی تھا اور اس نے چند کتابیں لکھی ہیں جس میں اپنے مکتبہ فکر کے نظریات کو پیش کیا ہے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے وہ (کلام میں) سادگی اور مٹھاس کے امتزاج کے لیے بے نظیر ہے۔ ایک کتبہ کے مطابق اس کا انتقال 1662ء میں ہوا۔[132]

اسی طرح وجے نگر کا عہد زبردست ادبی سرگرمیوں کا دور تھا۔ بالخصوص کرشن دیورائے اور وینکٹاپتی کا دور حکومت تیلگو اور سنسکرت کے ادب کے لیے عہد زرین کی حیثیت رکھتا ہے۔ نایک جاگیردار خود بھی بڑے عالم اور علماء کے سرپرست تھے اور دارالسلطنت میں بادشاہوں کی سرپرستی کا تو خیر کہنا ہی کیا۔

کرشن دیورائے اور وینکٹ کے زمانہ کے وجے نگر کا مقابلہ پیریکلس (PERICLES) کے عہد ایتھنس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ وجے نگر کو تہس نہس کیا جاچکا ہے لیکن اسکے مصنفوں نے اسکو جو طاقت بخشی تھی وہ آج ہندو خوش کرنے کیلیے باقی ہے۔ بلاشبہ یہ ادب کی ایک بڑی تحریک کا دور تھا اور وجے نگر نے ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔

حواشی

باب دہم

1. TRAVELS OF PIETRODELIA VALLE، 24، ص 227،
ACUIT EDUCATION، ازکیائے (KEAY) ص ص 149-152 ابھی ملاحظہ ہو، ASIATIC SOCIETY JOURNAL OF RESEARCH 1834ء ص 15 اوراق 15، ملاحظہ ہو ہندوؤں کے اسکولوں کے نظام پر ایک مضمون کیلیے ۔
2. غالباً صرف یہ مسلمانوں کے لیے ہوا کرتے تھے BROADWAY TRAVELLS ازابن بطوطہ ص 30، FOREIGN NOTICS از نیل کانت شاستری ص ص 220، 234 ۔
3. DUJARRIC، 1، ص 650، بحوالہ اروید و خاندان، 1، ص 528 ۔
4. ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 528 - 529 اور اس میں حوالہ دیئے گئے ماخذ ۔
5. 1911 کا 395 ۔
6. 1890 کا 32 ساؤتھ انڈین انسکرپشن، 4، نمبر 355 ۔
7. 1890 کا 21 ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 4، نمبر 344 ۔
8. میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 100 ۔
9. 1887 کا 50، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 1، نمبر 120 ۔
10. NELLORE INSCRIPTION 3، پودیلی (PODILI) 34 ۔
11. ہرس (HERAS) کی اروید و خاندان، 1، ص ص 525-526 ۔
12. ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 525 - 528 ۔
13. 1904 کا 627 ۔
14. 1910 کا 240 ۔

15ـہ ملاحظہ ہو اسی کے زیریں۔ص ص 332-333

16ـہ ایضاً

17ـہ 1909 کا 20

18ـہ CENNAPATUMS 1917-18 کا 5

19ـہ NELLORE INSCRIPTIONS ، C . P. - 16

20ـہ اپی گرافیا انڈیکا 8، ص ص 307-317 CATAL 625 N.A ، I، M.P.V.R OGUE OF COPPRPLETE IN MADRAS MUESUM نمبر 9، ص ص 45-46-

21ـہ 1913 کا CP. ، 2

22ـہ ایضاً

23ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 5، ص 69

24ـہ اپی گرافیا انڈیکا 16، ص 245 اور ص 257، 1، 73، 1912-13 کا CP. ، 1، 1

25ـہ CENNAPTAN 1922-23 ، 2ـ

26ـہ میسور آرکیولوجیکل 1924 نمبر 111

27ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 3 ، MADRAS INSCRIPTION ، 22، متن، اس کے دیگر چند خطابات کے لیے 47 بھی ملاحظہ ہو۔

28ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 7، SK. 281

29ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 10، BP. 20

30ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، BN. 127

31ـہ HISTORY OF INDIA ، از ایلیٹ، 4، ص ص 107-108

32ـہ بربوسا 2، ص 18

33ـہ ARAVIDU DYNASTY ، از ہرس (HERAS)، 1، ص ص 530-531

34ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا 6، KP. 34 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1915 کا 11، رپورٹ 1915 پیراگراف 41

35ـہ VAISHNA VITE REFORMERS OF INDIA ، از ٹی۔ گوپال آچاریہ، ص 86

36ھ۔ ایضاً، ص 86 ، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1913، پیراگراف 71

37ھ J.B.B.R.A.S. میں ایک مقالہ ملاحظہ ہو جسے وی، رنگا آچاریہ نے شری ویدانت دکشت کے حیات اور ان کے عہد پر لکھا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو لائف آف شری ویدانت دکشت از اے، وی گوپال آچاریہ (MR. A.V. GOPALACORYA) زیر عنوان یادوبھی ادیم (YADVABHYUDAYAM) جلد ا، کا دیباچہ اور VAISINAVETE REFORMES OF INDIA ، از ٹی، راج گوپال آچاریہ۔

38ھ جیمنی ینیائے مالا وستر (JAIMINI YANYAY MALA VASTARA) آنند آشرم سیریز۔

39ھ بہرحال COWELL اور گاف GOUGH کا خیال ہے کہ اس کا اشارہ مادھو آچاریہ کی جانب سے اور وہ ساین مادھو کے الفاظ کی توضیح اس طرح کرتے ہیں" ماین MAYANA نے ایک جگہ ایک تمثیلی انداز بیان میں اپنے جسم کو اپنا چھوٹا بھائی ساین SAYANA اور خود کو ابدی روح کہا ہے۔ اس نے یہاں لفظ ساین مادھو (جو دو لفظ نہیں ہیں) کا استعمال بظاہر ثابت کرتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کو پیش کرتے ہیں۔ تیسرے اشلوک میں ساین سے مراد بظاہر جسم ہے۔ ماین، مادھو کا باپ تھا چنانچہ ہوسکتا ہے کہ صحیح خواندگی شری من ماین (SRI MAN MAYAN) ہو" (سرودرشن سنگرہا (SARVADARSANA SANGRAHA) ترجمہ از کاویل ص 272 .F.N) اس زمانہ کے رواج کے مطابق ساین مادھو جیسے الفاظ کی فطری تعبیر یہ ہوگی کہ پہلے نام کو باپ کا نام سمجھا جائے اور دوسرے کو بیٹے کا۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اس قاعدہ کو یہاں بھی کیوں نہ لاگو کیا جائے۔

40ھ INDIAN ANTIQUARY ، 1916ص 2۔

41ھ ایضاً

42ھ INDIAN ANTIQUARY 1916، ص 23۔

43ھ ملاحظہ ہو ایضاً ص 23 ہری ہر دوم کی 1377ء کی تانبے کی ایک تختی میں ایک عطیہ کا ذکر ہے جو ساین اور شنگن (SINGAN) کو دی گئی تھی (میسور آرکیولوجیکل رپورٹس

(پیراگراف 89)

44؎ INDIAN ANTIQUARY 1916ص 2

45؎ ایضاً

46؎ ایضاً

47؎ DESIKA CATALOQUE OF SANSKRIT MSS. IN THE LIBRARY OF THE CALCUTTA SANSKRIT COLLEGE.

48؎ آنند آشرم سیریز 1891ء

49؎ بنارس ایڈیشن

50؎ کلکتہ 1892

51؎ آنند آشرم سیریز

52؎ کلکتہ 1903

53؎ بمبئی 1895

54؎ میکس مولر (MAXMULLER) ایڈیشن

55؎ ملاحظہ ہو دھاتو ورتی (DHATUVRITTI) ،مرتبہ از حکومت میسور ـ ORIENTAL LIBRARY اس میں مذکورہ اقتباس درج ہے۔ مزید ملاحظہ ہو تیتریا سمہیتا بھاسیا (TAITTIRIYA SAMHITABHASYA) کے تمہیدی اشعار۔

56؎ تنکر بنڈو رنگ پنڈت جس نے میسور کے نرسمہا اینگر کے تعاون سے اتھر وید کی ایک شرح حاصل کی ہے جو ساین کی لکھی ہوئی ہے، اس کا خیال ہے کہ ساین اور مادھو ایک ہی شخص ہیں۔ وہ کہتا ہے "ان تمہیدی اشعار کو اگر رگ وید کی شرح کے ابتدائی حصّہ کے ساتھ یکجا کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ساین اور مادھو ایک ہی فرد ہیں۔ اس لیے کہ موجودہ شرح کے مطابق ہری ہر نے ساین آچاریہ کو اس کی تصنیف کا حکم دیا تھا اور یہ ساین آچاریہ ہی تھا جس نے اس کی تصنیف کی نیز مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اس نے اسی وجہ سے اپنی شرح لکھنا شروع کیا اور تین دیگر ویدوں پر اپنی شرحیں وہ پہلے ہی لکھ چکا ہے رگ وید پر ساین کی شرح میں یہ لکھا ہے جو مادھو آچاریہ کو رگ وید پر تشریح کا حکم دیتا ہے اور یہ مادھو آچاریہ ہے جو شرح لکھتا ہے اس نو دریافت شرح کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب

یہ سوال ختم ہو گیا کہ مادھو اور ساین ایک ہی فرد ہیں یا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے دو مختلف افراد (INDIAN ANTIQUARY ، 9، ص 200) لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا یہ مادھو نہیں تھا جس نے رگ وید کی شرح لکھی بلکہ صرف ساین تھا۔ ایس پی پنڈت کا مادھو کو ساین بتانا اس بنا پر ہے کہ اس نے لفظ مادھویم کی اصطلاح کو جو مذکورہ شرحوں کے خاتموں میں استعمال کی گئی ہے، غلط سمجھا ہے علاوہ بریں یہ حقیقت کہ مادھو، ساین سے جدا شخص ہے اور یہ کہ وہ اس کا بڑا بھائی تھا خود ان حوالوں سے واضح ہے جو ساین نے مادھو کے بارے میں دئے ہیں۔ اور یہ کہ رگ وید پر شرح ساین نے لکھی ہے مادھو نے نہیں۔ ساین کے ان الفاظ سے بالکل ظاہر ہے جو اس نے اپنی ومسابرہمن بھاسیا (VAMSA BRAHAMAN BHASYA) میں لکھے ہیں کہ اس نے رگ وید کی شرح لکھی ہے۔

57ھ دھاتو ورتی میسور اورینٹل لائبریری کا ایڈیشن، ص 23، بحوالہ H. Q.، 61، ص ص 707-708

58ھ HISTORY OF SANSKRIT LITERATUSE ، ص 275۔

59ھ CATALOGUS CATALOGORUM ، ص 711۔

60ھ رام راؤ نے اس نکتہ کی یہ توجیہہ کی ہے کہ ساین نے ویدوں اور برہمنوں کی روایتی تشریحات پر انحصار کیا تھا مثلاً یاسک (YASAKA) جس کا حوالہ اس کی تصانیف میں کثرت سے ملتا ہے نیز وہ اپنے ہم عصر عالموں کی پیش کی ہوئی توضیحات کو بھی تسلیم کر لیتا تھا (H. Q.، 6، ص 708) لیکن اگر ساین نے تنہا ہی تصنیف کا کام انجام دیا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے روایتی توضیحات کو جو غلط اور نامناسب تھیں صحیح کیوں نہیں کیا۔

61ھ ملاحظہ ہو میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 8-1907، پیراگراف 54

62ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1915، پیراگراف 88-89

63ھ INDIAN ANTIQUARY ، 1916 ص 24

64ھ SOURES ، از ایس، کے، اینگر، ص ص 51-52

65ھ SOURCES ، از ایس، کے، اینگر، ص 53

66ھ INDIA OFFICE CATALOGUE ، 7، 32 38

67ھ مدھوراد جیم، دیباچہ، ص ص 4-5

۶۷ الف VIJAYNAGAR SEX CENTENARY VOLUME ص 397

۶۸ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923ء، پیراگراف 77۔

۶۹ SOURCES از ایس، کے اینگر، ص 63، T.C. OF MSS OF THE M.D.M.L.I
II، نمبر 77، ص ص 1015-1016

۷۰ SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 85

۷۱ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923ء پیراگراف 79، 1912، پیراگراف 72۔ یہ کتاب آنجہانی گوپی ناتھ راؤ نے شایع کی تھی۔ اس کے ایک اقتباس میں اوناگیری ناتھ نے خود کو سبھاپتی کی بہن (بھاگینہ (BHAGINEYAH) کی طرف سے بھانجا بتلایا ہے
(INDIA ANTIQUERY 48، ص 134)

۷۲ SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 149

۷۳ ایضاً ص ص 151-152

۷۴ 1904 کا 9، 1922 کا 708، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923ء، پیراگراف 81، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1920، پیراگراف 38

۷۵ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 81، SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص F.N. 170

۷۶ LIVES OF TELGUPOETT از ویریشلنگم پلائی VERESALINGAMPILLAI ص 187۔

۷۷ ملاحظہ ہو مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 81

۷۸ ملاحظہ ہو SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص ص 227-230 اور DESIK
ACATALOGUE OF THE BOOKS IN ORANTAL MSS LIBRARY MADRAS
20، نمبر 11535 اور 11536۔

۷۹ ملاحظہ ہو SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص ص 212-213 REPORT IN
SANSKRIT MSS. از ہلٹش (HULTZSCH) ، II، ص 130، نمبر
2112 آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 9-1908، ص 196، 1909-1910، ص 182

۸۰ SOURCES از ایس، کے اینگر، ص 272 F.N.

ﮦ81 مدراس اپی گرافی 8 C.P. ،650اور649 کا 1919، 475 کا 1919، 354 کا 1919
رپورٹس کا AP ،A ،اور MADRAS GOVT. MUSEUM ‎C.P.‎ عطیہ کا
کٹیلاگ نمبر54 -

ﮦ82 SOURCES ازایس،کے،اینگر،ص 251 -

ﮦ83 ملاحظہ ہو ہرس (HERAS) کی اروید و خاندان،ص ص 305-306

ﮦ84 REPORT ON SANSKRIT MSS. از ڈاکٹر ہلزش، 2، بہتر 1038
اور 1510؛ مزید ملاحظہ ہو مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1912ء پیراگراف 71 -

ﮦ85 یادوآبھی ادیم YADAVABHYVDHYAM ، 2، ص 26

ﮦ86 وہ لکھتا :۔ وشنوا دا شنکر شروت شیکھا راگرام استو تا تپریا بھومیہ ناسماکم تاترا وادہ پرسر تی
کیمپی اپستم ادوتیا بھاجم (VISNURYA SANKARA VA SRUTISIKHARA GRAM-
ASTUTATPARYA BHUNIH NASMAKAM TATRA VADHA PRASARATI
KIMAPI SPASTAM ADVITA BHAJAM) -

ﮦ87 ملاحظہ ہو اپیا دکشتند روجیہ (APPAYYA DIKSITTENDRA VIJAYAH)
از کے،وی،سبراہمانیا سستری گل (K.V. SUBRAHMANAYASASTRIGAL)
مع پیش لفظ از کے،اس،رام سوامی شاستر ایر (K.S. RAMASWAMYSA-
STRIAR)

ﮦ88 1911 کا 395

ﮦ89 SOURCES ازایس،کے،اینگر

ﮦ90 ایضاً

ﮦ91 1911 کا 395

ﮦ92 مدراس اپی گرافی رپورٹس 1917، پیراگراف 135-136؛ اپیا دکشت کی زندگی کے
تفصیلی بیان کے لیے ملاحظہ ہو : JOURNAL OF ORIENTAL RESEARCH
1929-1930؛ وائی مہالنگا شاستری کے دو مضامین، یادوبھی ادیم جلد 2 ،ص ص،
1-32 -

ﮦ93 THE POONA ORIENTALIST جلد 2، نمبر 4، ص ص 197-211

وادی راجہ کی زندگی کے تفصیلی بیان کے لیے بی۔این۔کرشن مورتی شرما کا مضمون، اسکی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو I.D ,R .D .B .A ,18 ,2، ص ۱۹۴، اس کے برعکس ملاحظہ ہو THE SOUTHERN RECEN SIR OF THE MAHABHARTA کی تیسری جلد کا دیباچہ از پی۔پی۔ایس۔شاستری۔

۹۴ے SOURCES ازایس۔کے۔اینگر، ص ص 252-253

95ے ایضاً، ص 270

96ے ایضاً، ص 269

97ے ایضاً، ص 270

98ے ایضاً، ص 269

99ے ایضاً، ص 270

100ے ایضاً

101ے ایضاً، ص ص 253 اور 259

102ے ایضاً، ص 291

102ے الف I.M.P. ، V.R.I ، نمبر 347 ۔

103ے ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، G.D. ، 46، مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1907، پیراگراف 53

104ے A HISTORY OF TELGU LITERATURE از چینچیہ (CHENCHIAH) اور بھوجنگا راد (BHUJANGA RAS) ص 61۔

105ے سالو وازسمہا، راما بھی ادیم، اس حوالے اور اس کے چند دیگر حوالوں کے لیے میں ایم۔ رام کرشن کوی کا ممنون ہوں جو پہلے مدراس یونیورسٹی میں تھے۔

106ے SOURCES ازایس۔کے۔اینگر، ص ص 63-64۔

107ے مدراس ایپی گرافی رپورٹس .C.P 7 اور 8-15-1914 کا، رپورٹ 1915، پیراگراف 48، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس، 9-1908، ص 185۔

108ے MACKENZU MSS. ازولسن، ص 281 ۔

109ے آمکتا مالیاد، پر تفصیل بحث کے لیے ملاحظہ ہو A HISTORICAL SKETCH OF TELGU LETTRATURE از ٹی۔راج۔گوپال راؤ، ص ص 82-84 MYSORE GAZETTER جلد 2، حصہ 3، ص ص 1920ء-1922 ملاحظہ

ملاحظہ ہو۔ چینچیہ اور بھوجنگا، ح، س، ص 73

۱۱۳ HISTORICAL SKETCH OF TELGU LITERATURE ٹی، راج، گوپال راؤ، ص 115۔

۱۱۴ AUGUSTAN AGE OF TELGU LITERATURE
ہر چند تفصیلی بحثیں ملاحظہ ہوں انڈین انکوائری 26، ص ص 324-326۔

۱۱۵ SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص ص 204-209

۱۱۶ ایضاً، ص ص 211-212

۱۱۷ ملاحظہ ہو میکنزی کلکشن از ولسن، ص 295

۱۱۸ A HISTORY OF TELGU LITERATURE
ص 119

۱۱۹ VERSES OF VEMANA INTRODUCTION
از براؤن (BROWN)، ص ص 1-4۔

۱۲۰ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5، KP. 34

۱۲۱ کرناٹک کوی چرت 1، ص ص 426-433

۱۲۲ کرناٹک کوی چرت (KARNATAKA KAVI CARITE)، 2، ص ص 43-86

۱۲۳ ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، KN. 49

۱۲۴ کرناٹک کوی چرت 2، ص ص 97-100

۱۲۵ ایضاً 2، ص 189

۱۲۶ MADRAS EPIGARPHY REPORTS 1925ء، پیراگراف 31۔ مزید ملاحظہ ہو۔ پرن لنگم پلائی (PURNA LINGAM PILLAI) کی HISTORY OF LITERATURE ص ص 274-275۔

۱۲۷ ابھی دھان چنتامنی ABHIDHANA CINTAMANI ص 480 1912 کا 365

۱۲۸ V.R.I.M.P، 1، نمبر 166

۱۲۹ 1911 کا 104

۱۳۰ تامل شعراء کے مندرجہ بالا بیان کے لیے زیادہ تر "سولھویں صدی کے تامل شعراء" (THE SIXTEEN CENTURY TAMIL POETS) از ایس، سوما سندر

دیشی کر (S. SOMA SUNDRA DESIKAR) کا استعمال کیا گیا ہے۔

[131] ملاحظہ ہو 1887 کا 61، اکبی دھان چنتا منی، ص 302، NORTH ARCOT DISTRICT MANUAL جلد 2، ص 288 V.R.I.M.P.N.A. نمبر 614۔

[132] 1918 کا 7، ملاحظہ ہو۔ HISTORY OF TAMIL LITERATURE از پورن لنگم پلائی، ص ص 305-307۔

باب یازدہم

فنِ تعمیر، سنگ تراشی اور مصوّری

فصل اوّل

تمہید

کسی مخصوص عہد کے عوام کی سماجی زندگی کا بیان ان کے معماری، سنگ تراشی اور مصوّری کے فنون کے تذکرہ کے بغیر نامکمل رہے گا۔ کسی ایک صدی کے عوام کا فنی ذوق وہی نہیں ہوتا جو دوسری صدی کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی مخصوص عہد کی عمارتوں کا طرزِ تعمیر اور ان کے نقش و نگار، سنگتراشی اور نقاشی دوسرے دور سے جداگانہ اور مختلف ہوتی ہے ہندوستان کے کسی ایک ہی عہد میں مختلف قسم کے فن تعمیر کو فروغ حاصل ہوا ہے اور یہ وسیع اختلافات مقامی خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے ہیں۔ بعض مخصوص ادوار اور کچھ عمارات میں خارجی اثرات بھی نمایاں ہیں۔ مجموعی طور پر وجے نگر کے دور میں دو مختلف طرح کا طرزِ تعمیر شانہ بشانہ فروغ پا رہا تھا یعنی دراوڑ اور ہند۔ اسلامی طرزِ تعمیر۔ اور بعض ہندو عمارتوں کے طرزِ تعمیر پر ہند مسلم طرزِ تعمیر کا اثر موجود ہے۔

وجے نگر کی بہت سی عمارتیں دراوڑ طرز سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس طرزِ تعمیر پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر جوویو ڈبریل (JOUVEAU DUBEREVIL) کہتے ہیں" پلّو عہد (600-580ء) تراشی ہوئی منقش چٹانوں کا دور تھا، ابتدائی چولا دور (850-1100ء) عظیم الشان ویمنوں (VIMANAS) کا دور تھا۔ متاخر چولا عہد (1115-1350ء) انتہائی خوبصورت گوپردں کا دور تھا۔ وجے نگر کا زمانہ (1350-1600ء) منٹپوں (یعنی ستونوں والے

ہالوں) کا دور ہے اور 1600ء کے بعد کا جدید دور ملازم گردشوں کا دور ہے[5]۔"

وجے نگر کے زمانہ کی تعمیر کردہ عمارتوں میں بعض دلچسپ خصوصیتیں ہیں۔ وجے نگر کی بہت سی عمارتوں میں جو پتھر استعمال کیا گیا ہے وہ گرینائٹ پتھر (GRANITE) ہے۔ کبھی کبھی یہ پتھر ان عمارتوں کے لیے (خاص طور پر) فراہم کیا گیا جو ایسی جگہ تعمیر ہوئیں جہاں یہ پتھر دستیاب نہ تھا۔ لیکن مندر کے اندر کی بعض مورتیاں گہرے سبز رنگ کے کلورائٹ (CHLORITE) پتھر سے بنی ہوئی ہیں۔ یہ پتھر نرم ہوتا ہے اور گہری پالش چاہتا ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر ان پر کی گئی صناعی گرینائٹ پر کی گئی نقاشی سے بہت بہتر ہے۔ اسی وجہ سے یہ مورتیاں پتھر کی مورتیوں کے بجائے پیتل کی مورتیوں کے مانند نظر آتی ہیں۔

وجے نگر کی بعض عمارتوں کی تعمیر میں، یا کم از کم ان عمارتوں میں جو ابتدائی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ گارے کا استعمال نہیں کیا گیا ہے حالانکہ اس کے استعمال سے لوگ پوری طرح واقف تھے۔ وجے نگر عہد کی عمارتوں میں گارے کے استعمال نہ کرنے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ گرینائٹ کے وہ ٹکڑے جو مندروں کی تعمیر میں استعمال کیے جاتے تھے، اتنے بڑے اور وزنی ہوتے تھے اور انھیں اس عمدگی سے فٹ کیا جاتا تھا کہ ان کو جوڑنے والے کسی مسالہ کے استعمال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن عمارتوں کی تعمیر میں گارے کا استعمال نہ کرنا خود عمارتوں کی کمزوری کا سبب بن گیا اس لیے کہ گرینائٹ پتھر کے ٹکڑوں کے درمیان خالی جگہوں میں اکثر پودے نکل آئے اور اس کے نتیجہ میں پتھر اپنی جگہوں سے کھسک گئے اور عمارت تباہ ہو گئی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو منٹپوں کی تعمیر میں لنٹل اور توڑے دار (CORBEL) طرز تعمیر کو ترجیح دیتے تھے۔ جب مسلمانوں کا طرز تعمیر جنوبی ہندوستان کے طرز کو کافی متاثر کرنے لگا تو ہندوؤں نے بڑے پیمانہ پر پیپے نما گنبدوں والے ہال اور محرابی دروازوں کی تعمیر کے طرز کو اپنا لیا جیسا کہ ہیول لکھتا ہے "ہندو وجے نگر کے کھنڈرات میں نہ صرف یہ کہ مسلم بیجاپور کے ابتدائی طرز تعمیر کا نمونہ ملتا ہے بلکہ اس عمل کے نمونے بھی جس کے ذریعہ ساتویں، آٹھویں اور اس کے بعد کی صدیوں میں اب طرز تعمیر رفتہ رفتہ نوک دار محرابوں کا طرز بن گیا[6]۔"

ان عمومی چیزوں کے علاوہ وجے نگر کی عمارتوں میں ہمیں بعض ایسی خصوصیات بھی ملتی ہیں جو اس عہد کے لیے مخصوص ہیں۔ "پوری عمارت کا وہ حصہ جس کی شکل ایک مخصوص انداز میں بدلتی رہی ہے۔ شاید وہ "توڑا" (CORBEL) ہے جو سر ستون (CAPITAL) کے نیچے لگایا جاتا ہے"، یہ ہر دور میں مختلف رہا ہے عمارت کے اس حصہ پر جو محض شہتیر کے

کناروں کی حیثیت رکھتا ہے اور جسے پھاوڑے سے کاٹ کر بنایا جاتا ہے"۔ چولا دور کے اواخر اور وجے نگر کے زمانہ میں نقش و نگار بنایا جاتا تھا جبکہ پلوا دور میں اس کی ڈیزائن سادہ ہوتی تھی چولا عہد میں اس کو خم دے کر موڑ دیا جاتا تھا اور وجے نگر کے زمانہ میں اس کو لٹکے ہوئے پھولوں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ لیکن آگے چل کر اس توڑے میں ایک اور تبدیلی آئی اور لٹکتے ہوئے پھولوں کو بقیہ پتھر سے علیحدہ کر دیا گیا اور اب اس کے سرے پر ایک طرح کا کلس (FINIAL) پومونائی (PUMUNAI) ہوتا ہے۔

اسی طرح مرور ایام کے ساتھ ساتھ ایدل (IDAL) کی شکل میں بھی، جو سر ستوں کو سنبھالے رہتا ہے، تبدیلیاں رونما ہوئیں جبکہ پلّو اور چولا عہد میں وہ سادہ رہتا تھا۔ جو وجے نگر کے دور میں اسے کھلی ہوئی پنکھڑیوں کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا جو دندانوں کی ایک کڑی معلوم ہوتے تھے۔ اسی طرح ناگا بندھم بھی، جو اس نام سے اس لیے معروف تھا کہ یہ ناگ کے سر سے مماثلت رکھتا تھا چولا دور اواخر اور وجے نگر عہد کے طرز تعمیر کی ایک خصوصیت تھی۔ پھول پتیوں کے نقش و نگار جو کودو (KUDU) کے چاروں طرف بنے ہوتے تھے، مختلف دور میں مختلف تھے۔ پلّو دور کے کودو میں نقش و نگار کم ہیں لیکن عام طور سے اس میں ایک گندھرو (GANDHARVA) کا نقش بنا ہوتا تھا جو اس شخص کے مانند ہوتا تھا جو کھڑکی سے جھانک رہا ہو۔ لیکن وجے نگر کے زمانہ کے کودو میں بہت زیادہ نقش و نگار ہوتے تھے اور اس میں گندھرو کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور جدید زمانہ میں یہ نقش و نگار بھی مفقود ہیں اور اب ہمیں صرف ایک سادہ کودو ہی ملتا ہے۔

اسی طرح وہ طاق جن کو عموماً مندروں کی دیواروں کے ابھار پر تراشا جاتا تھا جنوبی ہندوستان کے طرز تعمیر کی تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف انداز میں نظر آتے ہیں۔ پلّو اور چولا عہد میں ان طاقوں پر بہت سے نقش و نگار بنے ہوتے تھے جبکہ وجے نگر کے زمانہ میں شالائی (SALAI) کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی جس میں گاودم چھت ہوتی ہے جس کے اوپر استوپی (STUPIS) بنے ہوتے ہیں۔ طاق کا بالائی حصہ صاف اور سادہ ہوتا ہے، شاید کودو کے علاوہ جو بعض شالاؤں میں منقش ہوتی تھی۔

فصل دوم

تاریخی ہندو عمارات

جن مقامات پر وجے نگر کی تاریخی عمارتیں واقع ہیں ان میں سب سے اہم ابھی موجودہ چھوٹا

اور ہیجان زدہ گاؤں ہے جو کسی زمانہ میں وجے نگر کے بادشاہوں کا عظیم الشان دارالسلطنت تھا وہ آج ایسا ویران نظر آتا ہے کہ ایک زمانہ میں اس کے کسی سلطنت کی جائے قیام اور اس کی راجدھانی ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ آج ہمپی میں جگہ جگہ صرف گرینائٹ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں نظر آتی ہیں اور وہاں گھاس کی ایک پتی بھی دکھلائی نہیں دیتی۔ وہاں پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے انتہائی پراگندگی سے پڑے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس ویران مقام پر "زبردست شہرت کا حامل ایک شہر آباد ہوا تھا، جو اپنی وسعت اور آبادی میں منفرد تھا اور جس کی دولت اور شہرت کا مقابلہ مغربی ملک کا کوئی دارالسلطنت نہیں کرسکتا تھا" یہ ایک شہر جو آج بھی "حقیقتاً ہندوؤں کی تاریخی عمارتوں کا وسیع اور عریض (اور حیرت انگیز) کھلا ہوا عجائب خانہ ہے۔"

سہولت بیان کے خیال سے تاریخی ہندو عمارتوں کو تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے!

(۱) مندر (2) شہری عمارتیں مثلاً قصر شاہی اور سینچائی کی تعمیرات اور (3) فوجی عمارتیں۔

1 - الف - مندر

شری ویرو پاکسا مندر

(SRI VIRU PAKSA TEMPLE)

ہمپی کے مندروں میں قدیم ترین پمپاپتی (PAMPAPATI) کا مندر ہے جو شری ویرو پاکسا سے منسوب ہے۔ مندر کے بعض حصے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وجے نگر کی بنیاد قائم ہونے کے پہلے بھی ان کا وجود تھا۔ تاہم وجے نگر کے بادشاہوں نے ان میں اضافے ضرور کیے ہیں۔ ہری ہر اوّل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے یہاں ودیارنیا کے اعزاز میں ایک مندر بنوایا تھا ودیارنیا کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں ہری ہر مدد کی تھی[3]۔ کرشن دیو رائے نے اپنی تاجپوشی کے اعزاز میں اصل تیرتھ گاہ کے سامنے ایک منتپ کی تعمیر کرائی تھی[4]۔ اس مندر کے حدود کے اندر بھی اتنی ہی قدیم ایک تیرتھ گاہ یا بھوونیشوری (BHUVANESHVARI) ہے۔ اس عمارت کا طرز تعمیر بارہویں صدی کا ہے۔ اس تیرتھ گاہ میں چالوکیان (CALUKYAN) طرز کا ایک خوبصورت پھاٹک بنا ہوا ہے" جس کے دونوں جانب جالی دار پتھر کی کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں جو اس طرز کی ایک خصوصیت ہے۔ اس میں متعدد چالوکیانی ستون بھی ہیں جو سنگ سیاہ کو تراش کر بنائے گئے ہیں"۔ پمپاپتی مندر کا نقشہ دو وسیع ایوانوں پر مشتمل ہے، ایک مشرق کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب۔ اور دونوں کے درمیان

ایک دیوار کھینچی ہوئی ہے۔ اس کی مشرقی دیوار میں ایک بڑا گوپرا (GOPURA) ہے جو مشرقی ایوان میں داخلے کا اصل راستہ ہے۔ مغربی ایوان میں داخلے کے لیے شمال کی جانب نسبتاً ایک چھوٹا گوپرا ہے۔ مغربی ایوان ہی میں اصل تیرتھ گاہ اور متعدد چھوٹی چھوٹی دوسری تیرتھ گاہیں بنی ہیں۔

کرشن سوامی مندر

کرشن سوامی مندر کی تعمیر کرشن دیورائے نے ادے گیری سے اپنی واپسی کے فوراً بعد کروائی تھی۔ وہ ادے گیری کے پہاڑی قلعہ کے ایک مندر سے کرشن کی ایک مورتی اپنے ساتھ لایا تھا اور اسی مورتی کو رکھنے کے لیے اس نے یہ مندر بنوایا تھا۔ اس کے طرز تعمیر میں ایک یکسانیت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مندر بہت کم وقت میں تیار کیا گیا تھا۔ پوری عمارت اصل تیرتھ گاہ پر مشتمل ہے جس کو چاروں طرف سے پردکچھنا (PRADAKSINA) سے محصور کیا گیا ہے۔ تیرتھ گاہ کے سامنے ادھا منتپ (ARDHAMANTAPA) اور مہامنڈپ (MAHAMANTAPA) ہے۔ شمال میں ویمن کا ایک چھوٹا سا مندر ہے جبکہ مہامنڈپ کے سامنے شمال کی جانب ایک دوسرا مندر ہے۔ اسی منڈپ کے جنوب میں ایک تیسرا مندر بھی ہے۔

اس مندر کی تعمیر میں کسی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سادہ اور معمولی ہے البتہ مہامنڈپ آراستہ اور مزین ہے۔" اس کی نیو کو تراش کر بنایا گیا ہے جس کے اوپر کھمبے بنے ہوئے ہیں اور جن کو چھوٹے چھوٹے جدا جدا ستونوں سے بنایا گیا ہے اور اوپر ایک کارنس ہے" اس عمارت کے جنوب میں باہری صحن میں ایک عمارت ہے جس میں کھڑکیوں کی جگہ چند چھوٹے چھوٹے شگاف ہیں اور مشرق کی جانب ایک نیچا محرابی دروازہ ہے۔ ستون جن پر نوکدار محرابیں ہیں اندرونی حصہ کو مربع میں تقسیم کرتے ہیں۔ چھت متعدد مسطح گنبدوں سے بنی ہوئی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی درازیں ہیں۔ مندر میں چند مسمار پھاٹک ہیں جو اصلاً مینار تھے جن کو اینٹوں سے بنایا گیا اور پلاسٹر سے بنائے گئے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔

ہزارا راما سوامی مندر (HAZARA RAMA SVAMI TEMPLE)

ہزارا راما سوامی مندر کو بادشاہوں کی خصوصی عبادت گاہ سمجھا جاتا ہے کیوں کہ یہ محل سے متصل ہے اور نہایت آراستہ پیراستہ ہے۔ اس مندر کی تعمیر کا سہرا عام طور پر کرشن دیورائے کے

سر باندھا جاتا ہے لیکن اس مندر کی نیو سے دستیاب ایک کتبہ میں دیو رائے نامی ایک شخص کا ذکر ہے۔ تاہم اس لیے یہ ایک قدیم مندر معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس کے بعض حصّوں کو کرشن دیو رائے نے دوبارہ تعمیر کروایا ہو۔ ان حصّوں کی تکمیل کرشنا سوامی مندر کی تعمیر مکمل ہونے کے کافی دنوں بعد ہوئی ہوگی کیوں کہ ہزارا راما سوامی مندر کی تعمیر میں ہمیں ایسے نمونے نظر آتے ہیں جو مختلف اعتبار سے دوسرے نمونوں کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔ یہ مندر چھوٹا سا ہے جسکی پیمائش مشرق سے مغرب تک دو سو فٹ اور شمال سے جنوب تک 110 فٹ ہے۔ لیکن وجے نگر کے زمانہ کے جو مندر موجود ہیں ان میں یہ مندر ہندو مندروں کے طرز تعمیر کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس مندر کا اردھا منڈپ چار پایوں کی ایک خوبصورت عمارت ہے۔ چھت سنگ سیاہ سے بنے چار چکنے ستونوں پر مبنی ہے" جن (ستونوں) کے اوپر بریکٹ نما سر ستونوں ہندگورنتھی (- GORINTH IAN) وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ پورا منڈپ اور اس کا سنگی چھجہ سب گرینائٹ پتھر کے بنے ہوئے ہیں جبکہ عبادت کدہ کے اوپر کے ویمن (VIMAN) کی تعمیر اینٹوں اور پلاسٹر سے کی گئی ہے اور پلاسٹر ہی نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ حجرہ کی بیرونی دیواریں اور ستون دار برساتیاں نیچے سے اوپر تک نقش و نگار سے مزین ہیں۔" اس دلچسپ نقش و نگار کے علاوہ دیواری ستون متصل کھمبے، علیحدہ سے نصب کی ہوئی مورتیوں کے لیے زیبائشی طاق، دونوں مندروں کی بیرونی دیواروں کے خوبصورت حاشیے اور بڑی بڑی کارنسیں وغیرہ بھی قابل لحاظ ہیں" تیرتھ گاہ اور صحن کی بیرونی دیواروں پر خوبصورتی سے تراشی ہوئی متعدد پٹیاں ہیں جن میں رامائن اور کرشن کی کہانیوں کے دلچسپ مناظر پیش کیے گئے ہیں جو مناظر دکھلائے گئے ہیں ان میں رام، تاتکا (TATKA) کو قتل کر رہے ہیں، رام، لکچھمن اور سیتا گنگا پار کر رہے ہیں سیتا کو بچانے کے لیے راون سے لڑائی کے بعد جٹایو (JATAYA) نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔ رام سوگریو (SUGRIVA) کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیر چلا رہے ہیں جو بیک وقت سات درختوں سے ہو کر گذر گیا ہے۔ ہنومان لنکا میں اپنی دم کی کنڈلی پر راون کے سامنے گفتگو کے لیے بیٹھا ہے اور راون اپنی موت کی اذیت میں مبتلا ہے۔ کرشن کو گوپیوں کے جمگھٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس دیوار کے باہری حصّہ پر نقوش قطار در قطار کندہ کیے گئے ہیں جن میں مہا نومی کی تقریبات کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ نیچے کی قطار میں سرکاری ہاتھیوں کا ایک جلوس پیش کیا گیا ہے۔ دوسری قطار میں بادشاہ کے گھوڑوں کا جلوس ہے۔ تیسری میں فوجیوں کا جلوس اور اس کے اوپر والی قطار میں رقص کرتی ہوئی لڑکیوں اور سازندوں

کی ٹولیوں کو دکھایا گیا ہے۔ اس مندر کی دوسری دلچسپ خصوصیت ہے کہ اگرچہ یہ ایک وشنو مندر ہے تاہم اس میں شیو کی تصویر بھی ملتی ہے۔ اس طرح ہمیں اس مندر میں سبرا ہمنیا (SUBRAHMANYA) اور گنیش کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ ایک ستون پر بنے ایک نقش میں وشنو کو ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے جو شاید کلکی (KALKI) کا مظاہرہ ہے۔ حتیٰ کہ مندر کے عبادت کدہ کی بیرونی دیواروں پر بنے دو نقوش میں بدھ کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

وٹھل مندر

لیکن یہ وٹھل مندر ہے جو وجے نگر کے طرز تعمیر کا کامل ترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ یہ مندر وٹھل یا وٹھوبا (VETHOBA) کے روپ میں وشنو سے منسوب ہے۔ مرہٹہ ملک میں کرشن کی اسی روپ میں پوجا ہوتی ہے۔ اس مندر کی تاریخ تعمیر دیورائے دوم کے عہد سے منسوب کی جاسکتی ہے۔ کرشن دیورائے کے ایک ہم عصر شاعر ہری بھٹ نے نرسمہا پران میں لکھا ہے کہ دیورائے دوم کے ایک افسر پرولوگنتی تپن PROLUGANTI TIPPANA نے اس مندر کا بھوگ منڈپ تعمیر کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرشن دیورائے کے زمانہ میں اس کی کافی توسیع ہوئی لیکن بد قسمتی سے اس مندر کی تکمیل کبھی بھی نہ ہو سکی۔ مندر کے حدود میں 1513ء سے کیلر 1564ء تک کی تاریخوں کے بہت سے کتبات ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ 1565ء میں شہر کی جزوی تباہی کے بعد اس کی تعمیر کا کام بند ہو گیا تھا۔

جنوبی ہندوستان میں اپنی نوعیت کی یہ خوبصورت ترین عمارت ہے" اور جیسا کہ فرگشن کہتا ہے "اس سے تزئین اور آرائش کے ان اعلیٰ حدود کا اظہار ہوتا ہے جہاں تک یہ طرز ترقی کر چکا ہے۔" یہ مندر 538 فٹ طویل اور 310 فٹ عریض مستطیل احاطہ پر قائم ہے جس کے شمال، جنوب اور مشرق میں تین گوپورم ہیں اصل عمارت اونچی اور منقش بنیاد کے اوپر ہے۔ پورا صحن گرینائٹ کا بنا ہوا ہے اور اس طرح سے تراشا ہوا ہے کہ اس سے عزم طاقت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اظہار اس سے زیادہ اس دور کی کسی اور عمارت میں نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں دراوڑ طرز تعمیر کی تمام خصوصیتیں موجود ہیں مثلاً دوہرے خم والے بڑے بڑے کارنس، جدا جدا ستون، ویالیاں (VIYALIS) اور ستونوں کی انتہائی منقش و مرصع کرسیاں (STYLOBATE) وغیرہ۔" اس کی سب سے عمدہ چیز مخلوط ستونوں کا طرز اور ان کی صناعی ہے۔ ہر ستون گرینائٹ کے ایک مسلم چٹان سے تراش کر بنایا

گیا ہے۔ کلیان منڈپ کی خوبصورتی ہی دیکھنے والے میں حیرت و تعریف کے جذبات پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔" یہ ایک شاندار عمارت ہے جس میں ایک بلند نشہ نشیں ہے جس کو تقریبات کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہمپی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ مندر کے متعدد گوشوں میں سنگی چھلوں کی بنی ہوئی زنجیریں چھجوں سے لٹکی ہوئی تھیں اور آج سے تیس یا چالیس سال قبل تک موجود تھیں۔ مہامنڈپ کے بالکل مخالف میں پتھر کی ایک گاڑی ہے جس کا کچھ حصہ گرینائٹ کا بنا ہوا ہے۔ ابتدا میں اس میں گنبد نما ایک اسٹوپی تھی جو اینٹ اور گارے کی بنی ہوئی تھی۔ فرگشن کا خیال ہے کہ یہ سب کا سب گرینائٹ کے ایک مسلم چٹان سے بنایا گیا ہے اور اس لیے وہ (گاڑی) ایک سنگی (MONOLITHIC) ہے۔ لیکن ری (REA) اور لونگ ہرسٹ (LONGHURST) دونوں کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ پتھر کے نو الگ الگ ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔

اچیوت رائے مندر

اچیوت رائے مندر کا نقشہ اگرچہ وٹھل مندر کے نقشہ پر ہی بنایا گیا تھا تاہم اپنی صناعی کے اعتبار سے یہ اتنا شاندار نہیں ہے مندر کی اصل تیرتھ گاہ کے سامنے ستونوں والا ایک ہال ہے جو آج خستہ حالت میں ہے۔ ہال کے ستونوں پر کچھ عمدہ نقش بنے ہوئے ہیں۔ اندرونی صحن منقش ستونوں سے بنے ہوئے دالانوں اور مرصع پٹیوں سے گھرا ہوا ہے جن میں ہاتھیوں کا ایک جلوس پیش کیا گیا ہے۔ دالان کے مغرب اور شمال مغرب کی کرسی اور بنیاد کی کارنس کے حاشیہ کے درمیان جو پٹیاں ہیں ان پر بھی خوبصورت نقوش کندہ ہیں مسمار شمالی پھاٹک کے پتھر پر کی گئی نقاشی بھی قابل لحاظ ہے۔ ان پر وشنو کے مختلف اوتار پیش کیے گئے ہیں اور دروازوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں بازوؤں کے دونوں طرف دو حسین دوشیزاؤں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں" جو ندی کی دیوی گنگا کی دو تصویریں ہیں جس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ مکر (MAKARA) یعنی روایتی مگرمچھ کی پیٹھ پر کھڑی ہے اور اس مگرمچھ کے منہ سے نکلتے ہوئے نیم کلاسیکی انداز کے پھول پتیوں کے بیل بوٹے دروازے کی چوکھٹ کے گرد پھیلے ہوئے ہیں اور نہایت خوشنما نقش و نگار معلوم ہوتے ہیں۔

مالیامنت مندر (THE MALYAVANTA TEMPLE)

مالیاونت رگھوناتھ مندر مالیاونت پہاڑی کی ڈانگ کے بالکل قریب بنا ہوا ہے۔ رام کا مجسمہ جو اس مندر میں پوجا کے لیے ہے، پتھر کی ایک بڑی چٹان کے اوپر تراشا گیا ہے۔ دیگر مندروں کی طرح اس مندر میں بھی ایک مہامنڈپ اور ایک کلیان منڈپ ہے اور ان میں بعض نفیس قسم کے نقش و نگار ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ دو سانپوں کی شکلیں ہیں جو سورج یا چاند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس میں سورج یا چاند گرہن کو پیش کیا گیا ہے۔

نرسمہا کا مجسمہ

نرسمہا کا، جو وشنو کا ایک اوتار تھا، ایک بڑا یک سنگی مجسمہ ایک احاطہ میں نصب ہے اس احاطہ کے اندر کی ایک سنگی تختی پر کندہ ایک کتبہ کے مطابق 1528ء میں ایک برہمن نے اسے ایک مسلم پتھر سے تراش کر بنایا تھا۔ یہ 22 فٹ اونچا ہے اور اپنی بڑی جسامت کے باوجود اس پورے مجسمہ اور اس کی جزئیات کو انتہائی عمدگی سے بنایا گیا ہے۔ اس کا اندازہ آج بھی لگایا جا سکتا ہے حالانکہ اس کے بعض اجزاء کو توڑ ڈالا گیا ہے۔ وی۔ اے۔ رسمتھ۔ نرسمہا کے اس مجسمہ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے "دربار کی نیم بربریت آرٹ کے نمونوں سے منعکس ہوتی ہے دیو ہیکل یک سنگی شیر نما آدمی (نرسمہا) کا 22 فٹ اونچا مجسمہ اور بندر دیوتا ہنومان دونوں کو اگرچہ بڑی نفاست سے تراشا گیا ہے لیکن دونوں ہیبت ناک عفریت ہیں جن کا آرٹ سے کوئی ربط نہیں اور نقاشی گو فنی اعتبار سے عموماً اعلیٰ درجہ کی ہے، حسن و لطافت سے معرا ہے"[1]۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسمتھ کو ہندوستانی آرٹ یا اس کا معیار سمجھنے میں کافی دشواری پیش آرہی تھی۔

میسور کے علاقے کے مندر

سلطنت وجے نگر کے قیام کے ساتھ ہی میسور کے علاقوں کی عمارتوں کے طرز تعمیر میں دراوڑ طرز کا احیاء ہوا۔ یہاں ہوئے شالاؤں کے عہد میں ہوئے شالا طرز تعمیر کو فروغ حاصل ہوا تھا لیکن وجے نگر کے زمانہ میں کناڑا کے اضلاع میں جس دراوڑ طرز تعمیر کو دوبارہ شروع کیا گیا اس پر ہوئے شالا طرز کی گہری چھاپ تھی۔

ودیا شنکر مندر

میسور کے علاقہ میں سلطنت وجے نگر کے قیام کے فوراً بعد تعمیر ہونے والے مندروں میں سے ایک ابتدائی مندر شرنگیری کا ودیا شنکر مندر ہے۔ یہ مندر اگرچہ دراوڑ طرز پر تعمیر ہوا ہے لیکن اس پر ہوئے شالا آرٹ کی گہری چھاپ ہے۔ اس میں ہوئے شالا طرز کی مندرجہ ذیل خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تقریباً تین فٹ اونچی سطح پر بنایا گیا ہے مندر کی بیرونی دیوار جانوروں اور پورانی مناظر کی قطاروں سے مزین ہے[11]۔ اس سے بعض محققین کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک ہوئے شالا مندر ہے لیکن اس کا نقشہ واضح طور پر دراوڑ طرز پر ہے۔ اس مندر میں ایک گربھ گڑھا (GARBHAGARHA) ایک سُکھ ناسی (SUKHNASI) ، ایک پردکچھنا (PAR-ADASINA) اور ایک نورنگ (NAURANGA) ہے۔ بڑی اور چھوٹی تصویروں سے مندر کی دیواروں کی آرائش کی گئی ہے۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ "ہندو مورتیوں ICONOGRAPHY کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ مندر صحیح معنوں میں مجسموں کا ایک عجائب گھر ہے"۔ بڑے مجسمے کل ملا کر ۱۰۴ ہیں لیکن چھوٹے مجسمے زیادہ دلچسپ ہیں ستونوں کے بالائی حصوں پر پرانوں (PUR-ANIC) سے جو نقاشی کی گئی ہے ان میں شیو پران کے کچھ دلچسپ مناظر پیش کیے گئے ہیں ایک پٹی میں شنکر آچاریہ اپنے چار شاگردوں کو درس دیتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ یہ شاگرد دو دو کر کے انکے دونوں جانب بیٹھے ہوئے ہیں اور کتابیں ویاس پیٹھا VYASPITHAS (رحلوں) پر رکھی ہوئی ہیں[12]۔ کچھ اور شاگرد کھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ اور بھی تصویریں ہیں جن میں یوگا (YOGA) کے مختلف آسنوں کو پیش کیا گیا ہے۔ بہت سے حکماء کو دکھلایا گیا ہے کہ وہ مختلف جانوروں پر سوار ہیں۔ وہ زنجیریں بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو پتھر کے چھلوں کی بنی ہوئی ہیں اور مندر کے مختلف گوشوں میں چھجوں سے لٹکی ہوئی ہیں۔

فن تعمیر کے نقطہ نظر سے مندر میں بنے ہوئے نورنگ کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ "ایک عظیم الشان ہال ہے جو ۱۲ منقش ستونوں کی مدد سے بنایا گیا ہے۔ ان ستونوں پر شیر اور سواروں کے مجسمے بنے ہوئے ہیں اور کونے کے ستونوں کے دونوں رخوں پر شیروں اور سواروں کے مجسمے ہیں۔ پورا ستون ایک مسلم پتھر کو تراش کر بنایا گیا ہے۔ بہت سے شیروں کے منھ میں پتھر کی گیند ہے۔ انھیں شیر کے مجسمے تراشتے وقت ہی بنایا گیا ہوگا کیونکہ ان گیندوں کو حرکت تو دی جا سکتی ہے لیکن باہر نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ ہر ستون کی پشت پر اس چکر

کے نقوش مثلاً مینڈھا، بیل، وغیرہ کندہ ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ستون اس ڈھنگ سے نصب کیے گئے ہیں کہ شمسی مہینوں کی ترتیب سے ان پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں یعنی یہ کہ پہلے شمسی مہینے میں سورج کی کرن اس ستون پر پڑتی ہے جس پر مینڈھے کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اسی ترتیب سے دیگر ستون کا حال تھا۔ اس طرح ہر ستون پر اس ایک سیارہ یا کئی سیاروں کا نقش کندہ ہے جو اس مخصوص راشی یا اس چکر کی علامت پر متصرف ہے جس کی وہ ستون نمایندگی کر رہا ہے اور خود سورج کو، جو تمام راشیوں کا بادشاہ ہے، ہر ستون کی بالائی پٹی پر نقش کیا گیا ہے۔ مرکزی چھت جو تقریباً آٹھ فٹ کا ایک مربع ہے، صناعی کا بہترین نمونہ ہے اس میں دو فٹ گہری اور چار فٹ کے مربع کی پٹی ہے جس کے وسط میں کنول کی ایک خوبصورت کلی ہے جس میں سے پنکھڑیوں کی پانچ تہیں نکلی ہوئی ہیں جن کے اوپر چاروں طرف سے طوطوں کو سر جھکائے ہوئے چونچیں مارتے ہوئے دکھایا گیا ہے[13]۔ اس طرح اس عمارت کی پوری معماری اور سنگتراشی واقعی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

لکشمی دیو اور ملیکارجونا کے مندر

میلکوٹ (MELKOTE) میں لکشمی دیو مندر کے سامنے ایک منڈپ ہے جس میں بعض دلچسپ نمونے ہیں اس کی تعمیر بظاہر جیسا کہ اس میں موجود کتبے سے بھی معلوم ہوتا ہے، سنہ 1458ء کے لگ بھگ رنگا نایکی (RANGA NAYAKI) کے ذریعہ عمل میں آئی تھی، جو دیورا سئے دوم ملیکارجونا اور نیل منگلا (NELA MANGALA) کے مالک کے ایک وزیر تما ڈنڈ نایک کی بیوی تھی"۔ اس پر جو نقاشی ہے اس میں رامائن اور بھگوت کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں وبھی سن (VIBHISON) کو رام کی زیارت کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے جبکہ ایک دوسرے میں کرشن کو دکھلایا گیا ہے کہ وہ کمسا (KAMSA) کو قتل کر رہا ہے[14]۔ اسی مقام کے تیروکچی نمبی (TIRUKKACCI NAMBI) مندر کے ستونوں میں تیرہ دلچسپ نقوش ہیں اور ہر ایک کے نیچے تشریحی کتبات ہیں۔ ان میں ارجن کی زندگی کے بعض دلچسپ واقعات پیش کیے گئے ہیں جیسے مثلاً اندرکیل (INDRAKIL) کے پہاڑ پر تپسیا کا منظر[15]۔ اسی طرح پنکجناہلی PANKAJANAHALLI کے ملیکارجونا مندر میں بعض دلچسپ نقاشیاں ہیں۔ ان میں سے ایک میں کنپا (KANNAPPA) اس انداز میں نظر آتا ہے کہ وہ ایک کمان سے مسلح ہے، اس کی آنکھ میں تیر چبھا ہوا ہے اور اس کی ٹانگ لنگ پر ہے جس پر تین سروں والا سانپ سایہ کیے

ہوئے ہے۔شکتی گنپتی (SAKTI GANPATI) کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ اس کی بیوی اس کی بائیں جانگھ پر بیٹھی ہے جبکہ شیو کو لنگو دابھوا مورتی (LINGODBHOVA MURTI) کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور ساتھ میں ایک سور (وشنو) بالکل نیچے اور ایک راج ہنس (برہما) اوپر بنے ہوئے ہیں[16]

جنوبی ہندوستان کے مندر

جنوبی ہندوستان مندروں کا ملک ہے اور ان مندروں میں بہت سے کافی بڑے بڑے مندر ہیں۔ اگرچہ وجے نگر کے بادشاہوں نے ان سب کی تعمیر نہیں کی ہے لیکن کم از کم ان میں سے بہت سے مندروں کے بعض حصّے انھیں کے تعمیر کردہ ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے بیشتر بڑے بڑے مندروں میں عظیم الشان میناروں کی تعمیر وجے نگر کے دور ہی میں ہوئی۔ مثلاً کرشن دیو رائے نے چدمبرم کے شمالی مینار کا بیشتر حصّہ تعمیر کروایا اور ایک مینار کنجیورم کی ایکمبر ناتھ تیرتھ گاہ کے بیرونی احاطہ میں اور دوسرا کال ہستی (KALAHASTI) میں بنوایا تھا۔" اس نمونے کے عالی شان مینار جہاں کہیں بھی تعمیر ہوئے انھیں رایر گوپورم (RAYAR GOPURAM) یا رایر کے طرز پر بنے ہوئے مینار۔ یعنی بڑے اور بلند مینار۔ کا نام دیا جاتا تھا[17]"تیروّن ملائی TIRUVANNA MALAI اور مدورا کے مندروں میں بڑے بڑے میناروں کی تعمیر محض بعد میں ہوئی۔ مزید براں وجے نگر عہد میں جنوبی ہندوستان کے اندرون میں بہت سے بڑے بڑے منڈپوں کی تعمیر (بھی) ہوئی۔

تادپتری (TADPATRI)

تادپتری وہ مقام ہے جو فن معماری کے لیے نہایت اہم ہے۔ یہاں ایک ویران مندر ہے جس میں دو بڑے گوپورم ہیں، ایک مکمل اور دوسرا محض پرکارا (PRAKARA) کی دیوار کی بلندی تک بنا ہوا۔ اور اصل مینار کی تعمیر کا آغاز بھی نہ ہو سکا تھا[18] ان دونوں میناروں کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ ان کا عمودی حصّہ مجموعی طور پر سادہ اور صاف ہے اور اس پر آرائشی نقاشی بہت کم ہے جبکہ بالائی حصّہ اس قسم کی مصوری سے پُر ہے اور ان میناروں کا زیریں حصّہ باریک اور ایک دوسرے سے بالکل متصل نقوش سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ نقوش انتہائی حسن، صفائی اور درستگی کے ساتھ سنگ خارا (HORNBLENDE) کی طرح کے کئی پرتوں والے

ایک عمدہ پتھر کو تراش کر بنائے گئے ہیں جو اس طرز میں بنی ہوئی کسی اور عمارت کے مقابلہ میں زیادہ اچھا تاثر چھوڑتے ہیں اور مجموعی طور پر بہتر ذوق کی غمازی کرتے ہیں۔ اگر ہلید (HELIBID) یا بیلور سے کوئی موازنہ کیا جائے تو اس موازنہ میں وجے نگر کے بادشاہوں کی دوسری تعمیرات کے مقابلہ میں تادپتری کے یہ گوپرمون زیادہ بہتر طور پر پورے اتریں گے[19]

ویلور (VELLORE)

قلعہ کے اندر کا مندر اپنے کلیان منڈپ کی وجہ سے بہت اہم ہے۔ یہ دلاوڑ طرز تعمیر کے چند بہترین نمونوں میں سے ایک ہے۔ ویالیوں اور پچھلے پیروں پر کھڑے ہوئے شہ سواروں کے مجسموں کو انتہائی حسن سے تراشا گیا ہے اور اس کے کسی حصہ میں بھی مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے" اس کی عظیم الشان کارنس بھی اپنے دوہرے خموں اور سہارے کے لیے بنائی ہوئی چھوٹی چھوٹی جالیوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ باعتبار شکل انتہائی نفیس ہے بلکہ صبر آزما صناعی کے ان عجائب میں سے ایک ہے جنکی مثال کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے[20]"

کنجیورم

کنجیورم کا ایکامبرناتھ مندر جنوبی ہندوستان کے عظیم ترین گوپرموں میں سے ایک ہے یہ 188 فٹ کا ہے اور اس میں دس منزلیں ہیں۔ اسے وجے نگر کے کرشن دیو رائے نے بنوایا تھا۔ مندر میں بہت سے منڈپ ہیں جن میں سے ایک میں تقریباً 540 ستون ہیں۔ وردراج سوامی مندر میں، جس کا کچھ حصہ وجے نگر کے بادشاہوں نے بنوایا تھا، ایک کلیان منڈپ ہے جو ویلور کے ایک منڈپ کے طرز کا بنا ہوا ہے۔ اس میں گرینائٹ کے بنے ہوئے ستون ہیں۔ جن میں گھوڑوں یا اسپ کرکی (HIPPOGRIFFS) پر بیٹھے ہوئے سواروں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔

چدمبرم

چدمبرم کے مندر میں وجے نگر کے بادشاہوں نے بہت سے اضافے کیے۔ کرشن دیو رائے نے اڑیسہ سے واپس آکر شمالی گوپرم کا کافی حصہ بنوایا تھا۔ یہ 140 فٹ بلند ایک بڑی عمارت ہے۔ کا نچلا حصہ گرینائٹ کا بنا ہوا ہے جبکہ اس کا اہرام نما حصہ اینٹ اور چونے کا بنا ہوا ہے

اور پلاسٹر کے نقوش سے پُر ہے۔ اس پر وشنو اور شیو دونوں ہی کی تصویریں کندہ ہیں۔ کرشن دیو رائے کا مجسمہ مندر کے شمالی مینار کے مغربی جانب ایک طاق کے اندر ابھری ہوئی سطح پر تراشا گیا ہے ایک کشادہ منتپ بھی جو ایک ہزار ستون پر قائم ہے بظاہر اسی دور کا بنا ہوا ہے۔ یہ تقریباً 197 فٹ عریض اور 338 فٹ طویل ہے۔ ہر ستون گرینائٹ کے ایک ہی ٹکڑے سے بنا ہوا ہے ان ستونوں کا طرز اور ان کی آرائش قدیم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس عمارت کی بعض خصوصیات نے اس کو جدید شکل دیدی ہے۔ مرکزی دیوار کی تشکیل شعاعی محرابوں سے ہوئی ہے جنھیں اینٹ سے بنی ہوئی محرابوں سے سہارا دیا گیا ہے۔ فرگشن کا خیال ہے کہ یہ محرابیں یقینی طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور ان کا استعمال صرف اس وقت ممکن ہوا ہوگا "جب مسلمان جنوب میں آکر آباد ہوئے ہوں گے اور انھوں نے ہندوؤں کو ان کے استعمال کا طریقہ بتلایا ہوگا"۔ اس مقام کی بہترین عمارتوں میں سے ایک عمارت پاروتی تیرتھ گاہ کے سامنے کی پیش دہلیز ہے۔ اس میں پانچ راستے ہیں جن میں سے ہر بیرونی راستہ چھ فٹ چوڑا ہے اور اس کے بعد کا ہر ایک آٹھ فٹ چوڑا ہے اور مرکزی راستہ تقریباً اکیس فٹ چھ انچ چوڑا ہے۔ اس پر چھت بنانے کے لیے ایسی جسامت کے پتھروں کا استعمال کیے بغیر جن کے بوجھ سے خود ستون بیٹھ جائیں، صرف محرابوں، بلکہ بریکٹ دار ستونوں کا استعمال ناگزیر تھا اور ان بریکٹوں کو بھی متقاطع سنگی شہتیروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے اور یہ سلسلہ وہاں تک گیا ہے جہاں چوڑائی اتنی کم ہوگئی ہے کہ اسے بآسانی پاٹا جا سکے۔ چونکہ یہ سب کا سب ایک ایسے صحن کے اندر محدود ہے جو چاروں اطراف سے دو منزلہ بلند گیلریوں سے گھرا ہوا ہے لہٰذا پوری عمارت ایک خوشگوار اور انوکھا تاثر پیدا کرتی ہے۔[14] ایک نہایت دلکش برساتی بھی ہے۔ پاروتی تیرتھ گاہ کے شمال میں واقع سن مکھ (SANMUKHA) یا سبرامانیا (SUBRAHMANYA) کی تیرتھ گاہ کے سامنے بنی ہے۔ اس کے نقش و نگار کی نوعیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بظاہر سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی کے آغاز میں بنی تھی۔ البتہ فرگشن کا خیال ہے کہ اپنے طرز کے اعتبار سے اس عمارت کو اور بھی پہلے کی تعمیر سمجھا جا سکتا ہے۔

مدورا

مدورا میں واقع وسنت یا پودومنٹپم (PUDUMANTAPAM) فن تعمیر کے نقطہ نظر سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ 3332 فٹ لمبا اور 105 فٹ چوڑا ہے اور اس میں ستونوں کے

چار سلسلے ہیں جن سب کے اوپر بڑی تفصیلی مصوری کی گئی ہے ۔اس ہال کے سامنے کا رخ ویالیوں اور شیر کے شکل کے دیوؤں سے ،جو ہاتھی کو کچل رہے ہیں، مزین کیا گیا ہے یا اس میں ایک سپاہی کو ایک گھوڑے پر سوار دکھلایا گیا ہے جو اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہے اور یہ سپاہی پیادہ فوجیوں کی ڈھالوں کے سایہ میں کبھی انسانوں کو اور کبھی شیروں کو ہلاک کر رہا ہے ۔ان مجسموں کے بارے میں فرگشن کہتا ہے "اس طرح کے مجموعے جنوبی ہند میں حقیقتاً سیکڑوں کی تعداد میں ہیں اور ایسے موضوعات کی حیثیت سے جن میں دشواریوں پر مسلسل محنت کے ذریعہ قابو پانے کا مظاہرہ ہو جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کی نظیریں کہیں نہیں ملتیں ۔لیکن آرٹ کے نمونوں کی حیثیت سے وہ انتہائی وحشتناک ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے انتہائی بھونڈے مجسمے ہیں اور ان مجسموں نے آرٹ کو جو کچھ بھی دیا ہے اس سے کہیں زیادہ انھوں نے اپنے بنانے والوں کے تہذیب وتمدن پر ایک شخص کے اعتقاد کو متزلزل کیا ہے"[22] لیکن جیسا کہ ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے ،فرگشن کی رائے انتہائی درست ہے "فرگشن کی تنقید جنوب کی سنگ تراشی کو زبردست تحریکی تاثرات کے مظاہرے کی اس کی صلاحیتوں کے لیے اس کا صحیح مقام دینے میں ناکام ہے ۔اس طرح کے مجسمے دوسری جگہوں پر مفقود نظر آتے ہیں اور یہ بات واضح نہیں ہے کہ انھیں تامل کے علاقہ میں اس قدر مقبولیت کیوں حاصل ہوئی"[23] بہرحال اسمتھ کہتا ہے "جنوب کے مجسمے جو اپنی . . . کثرت تعداد ،عجیب وغریب کردار ،جو اکثر مضحکہ خیز ہو گئے ہیں اور اپنی حیرت انگیز تفصیلات کی بنا پر مشہور ہیں شاذونادر ہی کسی اعلیٰ درجہ کے آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔چونکہ مجسمے عوام کے دیکھنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، انفرادی نمونوں کی حیثیت سے نہیں لہٰذا چند الگ الگ شکلوں کی نقل بنا دینے سے نہ تو سنگ تراش کے مقصد کے ساتھ انصاف ہو سکے گا اور نہ ہی اس کے مجموعی تاثر کے ساتھ"[24]

مسافر خانہ کے سامنے گوپرم کی تعمیر بھی تیرو مل نایک نے شروع کی تھی ،شمال سے جنوب تک اس کی لمبائی 174 فٹ ہے اور وسعت 117 فٹ ہے ۔یہ گوپرم نامکمل رہ گیا ہے ،لیکن یہ اپنی موجودہ جسامت ہی میں ایک مرعوب کن عمارت ہے ۔دروازوں کی چوکھٹیں گرینائٹ کے ایک ٹکڑے کو تراش کر بنائی گئی ہیں جن پر نہایت صفائی سے پھول پتیوں کی بیلیں بنائی گئی ہیں ۔

مدورا کا مندر بھی نہایت ہی عمدہ صناعی کی ایک عمارت ہے ۔مندر میں ایک ہزار ستونوں کا ایک ہال ہے ۔فن تعمیر کے نقطہ نظر سے ایک حیرت انگیز تعمیر ہے پوری عمارت میں تفصیلی نقاشی اس انداز سے کی گئی ہے کہ دیکھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے ۔[25]

1- (ب) مجسمہ سازی

کانسے اور پیتل کی ڈھلائی زیادہ تر جنوبی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ مندروں کی مورتیاں اور ایسے ممتاز حکمرانوں کے مجسمے بنائے جاتے تھے جو مندروں کی دیکھ بھال اور پوجا پاٹ کے لیے داد و دہش کرتے تھے اور انھیں مندروں میں نصب کر دیا جاتا تھا۔ اگرچہ وجے نگر کے زمانے میں بھی کانسے کی متعدد مورتیاں یقیناً بنائی گئی ہوں گی تاہم اس سلسلہ میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بہر حال تیرو ملائی مندر میں پیتل کی تین مورتیاں ہیں جو کسی قدر اہم ہیں۔ ایک میں کرشن دیو رائے کو پیش کیا گیا ہے جو دیوتا وینکٹیشا (VENKATESA) کا زبردست معتقد تھا اور اس نے اس مندر میں اہم اضافے کیے[26]۔ بقیہ دونوں مورتیوں میں اس کی دو رانیوں چنا دیوی اور تیرو مل دیوی کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ مجسمے بظاہر اسی دور کے ہیں۔ ان پر گفتگو کرتے ہوئے ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے "ان مجسموں کے ڈیزائن اگرچہ رسمی ہیں اور ان سے صحیح تاثر نہیں ملتا تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بڑی نفاست کے ساتھ بنایا گیا ہے[27]۔"

تیرو ملائی مندر میں وینکٹ دوم (1585ء تا 1614ء) کا بھی تانبے کا ایک مجسمہ ہے۔ اس کی صناعی میں اعلیٰ درجہ کی نزاکت ہے اور یہ مجسمہ سازی کا بہترین نمونہ ہے۔ علاوہ ازیں مندر میں دو مجسموں (شوہر اور بیوی) کا ایک اور جوڑا بھی ہے جو پتھر سے تراشا گیا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ تیرو مل اول اور اس کی بیوی وینگتمبا (VENGATAMBA) کے مجسمے ہیں[28]۔ لیکن مراٹھی میں لکھی ہوئی مندر کی اشیاء اور جائداد کی ایک قدیم فہرست میں اس جوڑے کو اچھوت اور اس کی ملکہ وَرداجی اَمّا کا مجسمہ بتایا گیا ہے[29]۔

مدورا کا پوڈو منتپ اس بنا پر زیادہ اہمیت و دلچسپی کا حامل ہے کہ اس میں وہاں کے دس نایک بادشاہوں کے مجسمے ہیں۔ سنگتراش نے اس میں اپنی خیالی تصویروں کو نہیں پیش کیا ہے بلکہ یہ مجسمے مدورا کے ابتدائی دس نایک حکمرانوں کی صحیح تصویریں معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے اپنے سروں پر خود پہنے ہوئے ہیں اور کمر پر پٹکہ باندھے ہیں۔ یہ مجسمے جنوبی ہندوستان کی صناعی کے مکمل نمونے ہیں[30]۔

2- شہری تعمیرات

الف:- وجے نگر کے محلات اور شہری عمارتیں

محلات اور دیگر شہری تعمیرات جنہیں وجے نگر کے بادشاہوں نے بنوایا تھا اب کھنڈروں

میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بہت سی عمارتوں کو مسلمانوں نے منہدم کر دیا جنھوں نے رکس تنگدی (RAKSAS TANGDI) کی جنگ کے بعد ہر قسم کی زیادتیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں ہمیں عمارتوں کے بجائے صرف ان کی کرسیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل آثار بیان کیے جا سکتے ہیں۔

قلعہ کے اندر ایک بہت ہی وسیع بنیاد ہے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی اہم عمارت کی بنیاد رہی ہوگی۔ شاید وجے نگر کے بادشاہوں کا دربار ہال رہا ہوگا۔ کرسی کی بالائی سطح پر ستونوں کی چھ قطاروں کی موجودگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہر قطار میں دس ستون تھے۔ اس لیے کہ وہاں ساٹھ بنیادوں کے نشان نظر آتے ہیں۔ جن پر غالباً ستون قائم کیے گئے ہوں گے۔ احتمال ہے کہ ستون لکڑی کے رہے ہوں گے کیوں کہ اس وقت وہاں پتھر کا کوئی شکستہ ستون بھی نظر نہیں آتا۔ عبدالرزاق کے اس بیان سے کہ بادشاہ کا دربار ہال قلعہ کے دیگر تمام اونچی نیچی عمارتوں سے بلند تھا ہم نہایت آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کے اوپر ایک یا دو منزلیں اور رہی ہوں گی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ کرسی کے نچلے حصّہ پر معمولی قسم کی نقاشی ہے۔

لیکن تخت شاہی کی شہ نشیں وہاں کی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ جاذب نظر ہے۔ اس کرسی پر جو عمارت کھڑی تھی پائس اسے 'بیت الفتح' (HOME OF VICTORY) کا نام دیتا ہے کیوں کہ کرشن دیو رائے نے اس کو اڑیسہ کے حکمرانوں کے خلاف اپنی کامیاب مہم سے واپسی کے فوراً بعد تعمیر کرایا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر بادشاہ مہانومی تہوار کی تقریبات کو دیکھتا تھا۔ اس کرسی کا ڈھانچہ بہت بڑا ہے جس کے سامنے کے رخ پر ابتداً گرینائٹ کے بڑے بڑے منقش ٹکڑے اور سلیں جمائی ہوئی تھیں۔ لیکن بعد میں کرسی کے مغربی پہلو کے سامنے کے رخ کو جزوی طور پر گہرے سبز رنگ کے کلورائٹ پتھر سے بدل دیا گیا۔ کرسی کے آرائشی حاشیوں کی قطاروں کی درمیانی جگہ پر بڑی تفصیلی نقش کاری کی گئی ہے۔ یہ نقش کاری اس طرز میں ہے جس میں ہزارا رام مندر کے احاطہ والی دیوار کی نقاشی کی گئی ہے۔ اس میں مختلف مناظر پیش کیے گئے ہیں جن میں سپاہیوں گھوڑوں، ہاتھیوں، اونٹوں اور رقص کرتی ہوئی لڑکیوں کے جلوس دکھائے گئے ہیں[36 الف]۔ کرسی کی دیوار پر چند ابھرے نقوش میں شکار کے مناظر اور روایتی جانوروں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں تاہم نقوش میں اس گرینائٹ کی وجہ سے جس میں انھیں بنایا گیا ہے۔ صفائی نہیں ہے پتھر کا بالائی ردا، ہاتھیوں کے ایک جلوس کے نقش سے مزین ہے۔ نوکیلی داڑھیوں اور ایرانی طرز

کی ٹوپیوں والے دو غیر ملکی افراد دکھلائے گئے ہیں کہ وہ تخت شاہی پر متمکن لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ اس منظر سے غالباً بیرونی ملک کے سفراء کی دربار میں آمد کو پیش کرنا مقصود رہا ہے[31]۔ لونگ ہرسٹ (LONG HURST) کا خیال ہے کہ اس پرانے انداز کے ابھرے ہوئے نقوش میں جین طرز نمایاں ہے۔ اور لکھتا ہے کہ بعض اوقات یہ معلوم کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں بعض تصویریں مردوں کی ہیں یا عورتوں کی کیوں کہ دونوں صنفوں کے بال رکھنے کا انداز بڑا عجیب و غریب تھا[32]۔

ہاتھیوں کے جلوس کے نیچے مقدس ہنسوں اور روایتی مگرمچھوں کی قطاریں ہیں جو قدیم جین اور بدھ مت لوگوں کی ایک مقبول ڈیزائن تھی۔ اس کے نیچے رقص کرتی ہوئی لڑکیوں کی تین قطاریں ہیں۔ ان تصویروں سے فرحت و انبساط اور تحریک و عمل عیاں ہے۔ اسی عمارت میں ایک دوسری جگہ پر کچھ اور نقوش ہیں۔ بالائی پٹی میں شاہی گھوڑوں کی پریڈ نظر آتی ہے۔ اور اس کے نیچے شکار کا ایک منظر ہے۔ ایک آدمی کو ایک شیر یا چیتے پر بھالے سے حملہ کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے جبکہ دوسرے دو اشخاص کو، جن میں سے ایک کمان اور دوسرا ایک عجیب و غریب قسم کے ہتھیار سے مسلح اور دو بھورے شکاری کتوں کی زنجیر ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہرن کا شکار کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔ وسط میں ایک درخت ہے جس پر دو اشخاص کو دکھلایا گیا ہے کہ ان پر بعض وحشی جانور حملہ کر رہے ہیں۔ درخت کے نیچے ایک جانب سور اور دوسری جانب آڑا CROSS نشان بنا ہوا ہے۔ موخر الذکر بلاشبہ ایک عجیب چیز ہے لیکن یہاں پر یہ محض روایتی طریقہ ہے جس کے ذریعہ ایک آرائشی تالاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیچے دو گونہ بازوں کو دکھلایا گیا ہے۔ جنھیں بادشاہ کے سامنے لونیز کی بیان کی ہوئی تفصیل کے مطابق "بہترین فن" کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔ بائیں جانب ہمیں اشوری ASSYRIAN انداز سے ملتا جلتا ابھرا ہوا ایک نقش ملتا ہے۔ جس میں ایک سپاہی کو ایک حملہ آور ریچھ کے کھلے ہوئے منہ میں اطمینان کے ساتھ چھرا گھونپ کر اسے ہلاک کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔ اس نادر اور قدیم ابھری ہوئی نقاشی کے بقیہ مناظر میں گھوڑوں اور سپاہیوں کے، اونٹوں کے جن پر ڈھول بجانے والے سوار ہیں اور ٹوکریوں کی شکل کے نقارے لیے ہوئے ہیں۔ ہاتھیوں کے رقص کرتی ہوئی لڑکیوں اور سازندوں کے جلوس دکھائے گئے ہیں[33]۔ ہانوئی کے جشن کے عظیم الشان جلوس جن کو بیرونی سیاحوں نے بیان کیا ہے، وہ سب کے سب کرسی کی دونوں جانب دکھلائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ایک نوجوان امیر کو دکھلایا گیا ہے کہ وہ رقص کرتی ہوئی لڑکیوں

کے ایک گروہ کے ساتھ تقریب میں شریک ہے۔ ان میں سے دو لڑکیاں زعفران کے پانی سے بھری پچکاریاں لیے ہوئے ہیں۔ لونگ ہرسٹ کا خیال ہے کہ نیکولوڈی کونتی نے جو بیان کیا ہے یہ اسی ہولی کے تہوار کا ایک منظر ہے۔ لیکن اس تصویر میں بظاہر وجے نگر کے امرا کی زندگی کی بہت ہی عام خصوصیت کو پیش کیا گیا ہے (یعنی) پانی کا کھیل یا جل کریڑا (JALAKARIDA) جسے اس دور کے ادب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی علاقہ میں ایک دوسری کرسی بھی ہے جو محل کی کرسی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ شاہی فصیل کے احاطہ کے اندر ہی دربار ہال اور شاہی تخت کی کرسی کے قریب واقع ہے۔ اس کرسی پر جو دیواریں ہیں وہ پتھر کے بجائے اینٹ اور چونے کی ہیں اور اس کا بالائی ڈھانچہ اور ستون لکڑی کے رہے ہونگے جنھیں مسلمانوں نے نذر آتش کر دیا۔ نچلی منزل سطح سے تقریبًا پانچ فٹ بلند ایک چبوترے پر ہے جس کی دیوار پر بنی ہوئی پٹیوں پر ہاتھیوں کے دلچسپ جلوس کندہ ہیں۔

تعمیرات اور آبیاری

وجے نگر کے شہر کو پانی کی فراہمی کے لیے بڑی سہولتوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی ایک تالاب سے حاصل کیا جاتا تھا جو نسبتًا بلندی پر واقع تھا۔ لیکن لونگ ہرسٹ کہتا ہے کہ اسے یقینًا شہر کے باہر کے ایک کنواں سے" عام ہندوستانی طریقہ کے مطابق خیرے کے بڑے ڈولوں کے ذریعہ بیلوں کی مدد سے نکالا جاتا ہوگا اور پانی کو ایک بڑے نالہ میں ڈال دیا جاتا ہوگا جس سے ذیلی نالیاں منسلک ہوں گی"۔ شاہی تخت کی نشست کے پاس پتھر کی ایک نالی بنی ہوئی ہے جو قلعہ کی فصیل کی طرف جاتی ہے اور اس کی دوسری شاخیں یہاں سے زنانہ حصّہ کے احاطہ کو جاتی ہیں۔ یہ نالی ملکہ کے غسل خانہ تک جاتی ہے یہ ایک چوکور عمارت ہے جو ہند۔ اسلامی طرز پر بنی ہوئی ہے اور چاروں طرف ایک کھائی سے گھری ہوئی ہے۔ پوری عمارت کے گرد ایک محرابی دالان ہے جس میں چھوٹی چھوٹی بالکنیاں بنی ہیں اور وہاں سے وسط میں واقع غسل خانہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ قلعہ کے چندر شیکھر مندر کے شمال میں ایک ہشت پہل تالاب ہے جس کے وسط میں ایک خستہ پویلین ہے۔ اور اس تالاب کے گرد ستونوں سے بنا ہوا ایک دالان جس کی چھت سپاٹ ہے۔ شاید اسے تفریح کی ایک جگہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تورُتو (TURUTTU) نالہ پہاڑی کے ساتھ ساتھ گیا ہے۔

اوراس کا خروج ہمپی سے مغرب تقریباً ایک میل دور تنگ بھدرا (TUNGABHEDRA) ندی کے اس پار تورو تو ڈیم سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور چیزیں بڑی دلچسپ ہیں۔ ان میں سے ایک پتھر کا ایک حوض ہے۔ جو بادشاہ کے دربار ہال کی کرسی کے بالمقابل بنا ہوا ہے۔ شاید اس کا استعمال ان سفراء اور امراء کے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لیے پانی کا ذخیرہ رکھنے کے لیے ہوتا تھا جو بادشاہ کے یہاں باریابی کے لیے آتے تھے۔ یہ حوض گرینائٹ کے ایک بڑے ٹکڑے سے بنایا گیا ہے۔ اس کی لمبائی ½41 فٹ، چوڑائی 3 فٹ اور موٹائی 2 فٹ 9 انچ ہے اور صفائی کی غرض سے پانی کی نکاسی کے لیے اس میں ایک سوراخ بنا ہوا ہے۔ دوسری عمارت ایک ہشت پہل پویلین بلکہ ایک بڑی عمارت ہے اس کی تعمیر ہند۔ اسلامی طرز پر ہوئی ہے۔ عمارت کے ہر پہلو میں محرابی در ہیں اور عمارت کے وسط میں فوارے کا ایک چھوٹا حوض ہے۔ ایک عمارت میں پتھر کا ایک بڑا حوض بھی ہے۔ جسے گرینائٹ کے ہی ایک ٹکڑے سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حوض میں دارالسلطنت کی بڑی بڑی تقریبات کے دوران غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے دودھ رکھا جاتا تھا۔

(ج) بازار

وجے نگر کے زمانہ میں بازاروں کے طرز تعمیر کے دلچسپ نمونے ہمپی کے بازار میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جو آج بھی کافی حد تک مکمل حالت میں ہیں۔ یہ بازار ہمپی کے مندر کے محاذ میں واقع ہے جو 35 گز چوڑا اور 800 گز لمبا ہے۔ سڑکوں پر واقع عمارتیں زیادہ تر سادے منڈپوں پر مشتمل ہیں جو ان سنگی ستونوں پر قائم ہیں جن کے اوپر نقش ونگار سے مزین لنٹل بنے ہوئے ہیں۔ ان منڈپوں میں سے چند دو منزلہ ہیں اور سامنے کے حصہ میں منقش سرستوں والے تراشے ہوئے ستونوں کی قطار ہے جن کے اوپر تراشی ہوئی منقش کارنس اور منڈیر بنی ہوئی ہے[35]۔ سڑک کے مشرقی سرے پر ایک بڑا نندی (شیو کا مقدس بیل) بنا ہوا ہے۔ جس کا رخ ہمپی کے مندر کی جانب ہے۔ جس منڈپ میں نندی نصب ہے اس کے ٹھیک سامنے دو منزلہ عمارت ہے جس میں سیاہ پتھر کے نہایت ہی عمدہ ستون ہیں جو چالوکیہ طرز پر کندہ ہیں جس کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں[36]۔ ایک دوسری سڑک جو سولائی بازار (SOOLAI BAZAR) یعنی رقص کرنے والی لڑکیوں کی سڑک کے نام سے معروف ہے۔ اچیوت رائے کے مندر کے شمال سے گذرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں رقاصائیں رہا کرتی تھیں۔ آج یہ مکانات کھنڈر ہو چکے ہیں۔ لیکن خیال ہے کہ رقص کرنے والی لڑکیاں ان مکانات میں رہا کرتی تھیں۔ ان مکانات کو ٹوٹے پھوٹے اینٹ، پتھر کی دیوار ایک دوسرے سے

جدا کرتی تھی اور اس دیوار پر پلاسٹر کر دیا گیا تھا۔ اس سڑک کے شمال مغربی سرے پر ایک تالاب یا غسل گاہ تھی جس کو غالباً رقاصائیں استعمال کرتی تھیں۔

کرشن سوامی مندر کے مشرق میں ایک دوسرا بازار ہے لیکن یہ مندر کی سطح سے پست سطح پر واقع ہے۔ ساری عمارتیں یک منزلہ ہیں اور ان کو پاٹنے کے لیے جو لنٹل بنایا گیا ہے وہ سنگی ستونوں پر قائم ہے۔ سڑک کے شمال میں ایک وسیع تالاب ہے جس کے گرد ایک دالان بنا ہوا ہے جس میں داخلہ کے لیے نقش و نگار سے آراستہ ایک پھاٹک بنا ہوا ہے۔ یہ بازار اور سولائی بازار دونوں ہی اب ویران پڑے ہیں اور دونوں کے کھنڈروں کے درمیان جو زمین ہے وہ اب زیر کاشت ہے۔

3 - فوجی تعمیرات

وجے نگر کا شہر سات دفاعی فصیلوں سے محصور تھا۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ یہ شہر اس طور پر بنایا گیا تھا کہ اس کی یکے بعد دیگرے سات دفاعی دیواروں سے مستحکم بنایا گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "بیرونی فصیل کے حصار سے ہٹ کر ایک مسطح میدان ہے جو تقریباً پچاس گز تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں قد آدم پتھر ایک دوسرے میں ملا کر نصب کیے ہوئے ہیں۔ پتھر کا نصف زمین کے اندر مضبوطی سے جمایا ہوا ہے اور نصف سطح زمین کے اوپر ہے۔ اس طرح کہ پیادہ یا سوار چاہے کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو آسانی کے ساتھ فصیل کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا[37]" اس بیرونی فصیل کے اندر چھ قلعے تھے اور آخری قلعہ کے اندر شاہی محل تھا۔ پائس نے بھی ایرانی سفیر کے بیان کی توثیق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ شہر کو مضبوط فصیلوں سے مستحکم کیا گیا تھا "یہ فصیلیں بڑے مضبوط پتھر اور گچ سے بنائی گئی تھیں۔ جس کی مثال چند ہی دیگر جگہوں پر ملے گی[38]" شہر کی شکل دائرہ نما تھی۔ عبدالرزاق شہر کے متعلق بتلاتا ہے کہ وہ ایک دائرہ میں تھا اور ایک پہاڑی پر واقع تھا[39]۔ سیزر فریڈرک (CAESAR FREDRICK) اس کے بیان کی توثیق کرتا ہے۔

شہر کی وسعت کے بارے میں مختلف تخمینے بتائے گئے ہیں۔ نیکولوڈی کونتی کہتا ہے کہ وجے نگر کے شہر کی فصلیں پہاڑوں تک چلی گئی تھیں اور ان کے دامن کی وادیوں کو بھی گھیرے ہوئی تھیں جس کی وجہ سے شہر کی وسعت کافی بڑھ گئی تھی اور اس کا حصار ساٹھ میل تھا[40]۔ عبدالرزاق کا خیال ہے کہ بیرونی قلعہ کے شمالی اور جنوبی دروازوں کے درمیان کا فاصلہ دو سرکاری فرسنگ تھا اور یہی دوری مشرق و مغرب کے بیرونی دروازے کے درمیان تھی[41]۔ پائز کا خیال ہے کہ شہر کا حصار چوبیس لیگ تھا[42] اور وہ کہتا ہے کہ پہلا سرا (SERRA) دارالسلطنت سے 2 لیگ کے فاصلہ پر تھا۔ سیزر

فریڈرک کے مطابق یہ حصار چوبیس میل کا تھا۔ مختلف مصنفین کے ان متضاد بیانات سے دارالسلطنت کے صحیح رقبہ کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی وسعت کے بارے میں نیکولوڈی کونتی اور پائز کے بیانات نہایت مبالغہ آمیز ہیں۔ رقبہ کا اتنا وسیع ہونا بہت ہی ناممکن ہے کیوں کہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو دارالسلطنت کے مرکزی حصہ اور قلعہ بندی کے پہلے حصار کے درمیان کی دوری 18 سے 20 میل کے قریب رہی ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ دونوں مورخوں نے غلطی سے پہاڑی قلعوں اور دارالسلطنت کے اصل حصار کے باہر کی فصیل کو مدنظر رکھا ہو اور حصار کا تخمینہ 60 میل سے زیادہ لگایا گیا ہو۔ عبدالرزاق کے اس بیان کا موازنہ کہ شہر کا قطر ۲ میل تھا سیزر فریڈرک کے محتاط بیان سے اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ سیول کہتا ہے "ہوسپیٹ کے موجودہ شہر کے آگے جنوب کی آخری حصار بندی سے لے کر شمال میں اینگندی (ANEGUNDI) کی دفاعی تنصیبات کے انتہائی سرے تک تقریباً 12 میل کی دوری ہے اور میدان میں واقع مغربی فصیل کے انتہائی سرے سے لے کر مشرق میں دروجی (DAROJI) اور کمپیلی (KAMPILI) کی سمت میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں پر بنائی گئی تنصیبات کے آخری سرے تک کا درمیانی فاصلہ تقریباً دس میل ہے۔ اسی علاقہ کے اندر ہمیں ان عمارتوں کے کھنڈرات ملتے ہیں جن کا تذکرہ میں کر چکا ہوں"[۴۴]

اس طرح وجے نگر کی راجدھانی کے کھنڈرات جتنے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرزاق اور سیزر فریڈرک کے اندازے نیکولوڈی کونتی اور پائز کے اندازوں کے مقابلہ میں حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔

دارالسلطنت کی عظیم دفاعی فصیلوں میں کئی درازیں بنا دی گئی تھیں جو دروازوں کا کام دیتی تھیں۔ ان کی تعمیر مجموعی طور پر ہندو طرز پر کی گئی تھی لیکن ان میں سے چند میں اسلامی طرز تعمیر کا اثر نمایاں ہے۔ وجے نگر کے پھاٹکوں میں سب سے اہم وہ تھا جو بھیم کا پھاٹک کہلاتا ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس میں بھیم کا ایک عمدہ تراشا ہوا مجسمہ نصب تھا۔ باہر نکل کر حملہ کرنے کے لیے اس پھاٹک میں ایک کھڑکی بھی کھلی تھی جسے دونوں جانب وزنی دیواروں سے مستحکم کر دیا گیا تھا۔ پٹا بھیرام (PATTABHIRAM) مندر کے شمال مشرق میں نصف میل کے فاصلے پر ایک اور پھاٹک ہے جو وجے نگر کے شہر کے شمال میں داخلے کا اصل دروازہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پھاٹک کے اندرونی حصہ میں ہنومان کا ایک بڑا مجسمہ نصب ہے۔ ایک اور پھاٹک جو سرسری طور پر قابل ذکر ہے وہ وہ ہے جو اس سڑک پر واقع ہے جو جنوب کی جانب سے پٹا بھیرام مندر کی طرف جاتی ہے۔ پھاٹک کا نچلا حصہ ہندو طرز پر بنا ہوا ہے جب کہ اس کا بالائی حصہ اسلامی طرز

تعمیر کے مطابق بنا ہے۔

فصل سوم

جین تعمیرات

وجے نگر کے حدود سلطنت میں جین مندروں کی تعمیر اس بات کا ثبوت ہے کہ سلطنت میں مذہبی رواداری کے رواج کا اظہار مملکت وجے نگر میں جین مندروں کی تعمیر کے ذریعہ بھی ہوا۔ خود راجدھانی میں گانی گٹی (GANIGITTI) نام کا ایک جین مندر ہے۔ گانی گتی کے معنی 'تیل والی عورت' کے ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ مندر کا یہ نام کیوں پڑا۔ اس مندر کے اوپر کا اصل مینار سیڑھیوں کے ایک سلسلہ سے بنایا گیا ہے جو اس طرز کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ تیرتھ گاہ کے سامنے ایک خوبصورت یک سنگی استمبھ (STAMBHA) بنا ہوا ہے اور اس میں 1385ء کا ایک کتبہ ہے[45]۔ جس میں درج ہے کہ اس کی تعمیر ہری ہر دوم کے جین وزیر ایروگپا ڈنڈ ناتھ نے کرائی تھی۔ اصل دروازے کے سنگی لنٹل پر ایک جین تیرتھنکر کا مجسمہ کندہ ہے جس کے سر پر تلے اوپر تین چھتریاں اور دائیں بائیں مورچھل بنے ہوئے ہیں۔ آگے بڑھکر سامنے کی برساتی کی پلاسٹر کی منڈیر پر تین چھوٹے چھوٹے طاق ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے دروازوں کے لنٹل پر اسی سادھو کی حالت نشست کی تین جین تصویروں کے نشانات نظر آتے ہیں۔

چنگل پٹ ضلع میں جینا کانچی یا تیروپروتنکی کنرم (TIRUPPARUTTIKKUNRAM) کے وردھمان مندر کو ایروگپا کی خصوصی توجہ حاصل تھی۔ اس نے اپنے مرشد کی خواہش پر زیارت گاہ کے آگے وردھمان اردھ منتپ کے بالمقابل سنگیت منتپ بنوایا تھا۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس میں موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس کی پیمائش طول میں ۵۱ فٹ ۹ انچ اور عرض میں 26 فٹ ۱۰ انچ ہے۔ ستون وجے نگر کے ابتدائی طرز کے ہیں۔ ستونوں کے پایوں پر شیروں، پودوں بیلوں، کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے سانپوں، درختوں کی گانٹھوں، رقص کرتی ہوئی لڑکیوں اور ساز بجاتے ہوئے ٹھگنے یکساؤں (YAKSAS) وغیرہ کی تصویریں کندہ ہیں۔ سر ستون کنول کے پھول کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ جن میں بیچ دانی لٹکی ہوئی دکھلائی گئی ہے۔ اس منتپ کے ایک ستون پر منتپ عالیہ HIGH RELIEF میں ایروگپا ڈنڈناتھ کی ایک تصویر کھڑی ہوئی ہے "اس تصویر میں انتہائی ریاضت۔ انکسار، زہد، ایثار اور انسانیت کی خدمت کے لیے اشتیاق کے جذبات

نمایاں ہیں " سر کے بال ایک گرہ میں بندھے ہوئے ہیں اور تصویر کی بائیں جانب ڈال دیئے ہیں۔
گوپورا کی کرسی گرینائٹ کی بنی ہوئی ہے جبکہ اس کا اہرام نما حصّہ اینٹ اور گارے کا بنا ہوا ہے گوپورا کے پہلو میں چولا طرز کی مورتیوں (CORBELS) کے ساتھ دیواری ستون بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کی ہر آرائشی کھڑکی (کودد KUDUS) میں ایک جین تیرتھنکر کا مجسمہ نصب ہے[46]۔ جسے فریفتہ کے عالم میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل چہارم

ہند میں اسلامی طرزِ عمارت

دارالسلطنت اور چند صوبائی شہروں کی بعض عمارات میں ہندو طرز تعمیر بڑی حد تک اسلامی طرز تعمیر سے متاثر ہوا۔ جنوب کے ہندو بادشاہوں کے روابط جب مسلمانوں سے گہرے ہوئے تو لنٹل کی جگہ ہند۔ اسلامی طرز کی مخروطی محرابوں اور گنبدوں نے وجے نگر کی طرز تعمیر کو متاثر کیا۔

اس طرز سے متاثر ہونے والی دارالسلطنت کی اہم ترین عمارتوں میں سے ایک زنانہ حصّہ کی ایک عمارت کنول محل (LOTUS MAHAL) ہے۔ یہ ایک خوبصورت پویلین ہے جس میں ایک بالائی منزل بھی ہے۔ پویلین کی دیواریں پلاسٹر سے بنائے ہوئے بعض عمدہ نقوش سے مزین ہے خود اصل عمارت پتھر کی ایک بلند اور منقش کرسی پر کھڑی ہے۔ عمارت کے کونوں میں دوہری جالیاں لگی ہیں " یہ پویلین ہر جانب سے کھلا ہوا ہے اور اس میں بڑے بڑے ستون اور محرابیں بنائی گئی ہیں جو بالائی کمرے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس کمرے تک جانے کے لیے شمالی جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ بالائی کمرے میں چاروں طرف بہت سی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں فراہم کی گئی ہیں۔ ہر کھڑکی میں ابتداً، لکڑی کے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو ہمیں یہاں کی کسی اور عمارت میں نہیں ملتی اور جس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ یہ عمارتیں یقیناً زنان خانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جبکہ ستون اور محرابیں اسلامی طرز کی ہیں اس کی کرسی، چھت، کارنس اور پلاسٹر سے بنائے ہوئے ہیں۔ نقش و نگار ہندو طرز پر بنے ہوئے ہیں " یہ ان دو طرزوں کا ناخوشگوار نہیں بلکہ دلچسپ امتزاج ہے اور ہند۔ اسلامی طرز تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے[47]"۔ زنان خانہ اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے۔ جیسے جیسے یہ دیواریں جن کا کچھ حصّہ اب منہدم ہو چکا ہے، بلند ہوتی گئی ہیں۔ ان کی چوڑائی کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیواروں کے بالائی حصّہ پر جس کو سمینٹ

سے بنایا گیا ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوہے کی نوکدار سلاخیں لگا دی گئی تھیں۔ احاطہ کے شمال میں پہرے کا ایک بڑا مینار ہے جو فصیل میں داخلے کے لیے ایک چھوٹے سے دروازے کے اوپر بنا ہوا ہے۔ جنوب مشرقی گوشے میں اسی طرح کا ایک اور مینار ہے۔ لونگ ہرسٹ کا خیال ہے کہ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان میناروں کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہوتا ہم" ان کا طرز تعمیر یہ بتاتا ہے کہ حرم کی خواتین اصلاً انھیں تفریح گاہ کی حیثیت سے استعمال کرتی تھیں جہاں سے وہ پورے اطمینان کے ساتھ خود نظر آئے بغیر احاطہ کے باہر ہونے والے واقعات کا نظارہ کرسکتی تھیں[48]"۔

زنان خانہ کے احاطہ کے باہر ایک طویل عمارت ہے جس میں گیارہ کمرہ نما سائبان یا کمرے ہیں جن کے اوپر بلند گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مرکزی کمرے کے اوپر ایک چوکور برج بنا ہوا ہے جس پر جانے کے لیے اس کے دونوں جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس عمارت کے طرز تعمیر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکمل طور پر اسلامی طرز کی ہے۔ مقامی روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ عمارت ریاست کے ہاتھیوں کے لیے اصطبل کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔

ہاتھیوں کے اصطبل سے بالکل متصل ایک مستطیل عمارت ہے جس میں ایک محرابی دالان ہے۔ اس کی ظاہری وضع قطع گوتھک (GOTHIC) طرز کی معلوم ہوتی ہے۔ اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ یہاں سے وہاں تک چبوترہ بنا ہوا ہے جو ستونوں کی قطاروں سے کئی مساوی فاصلوں میں منقسم ہے۔ ان ستونوں پر محرابیں بنی ہوئی ہیں جن کے اوپر محرابی چھت ہے۔ لونگ ہرسٹ کا خیال ہے کہ "اصل عمارت میں ستونوں کی قطاروں کے درمیان کی جگہوں کو پتھر کی دیوار سے اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے بہت سے کمرے یا خواب گاہیں بن گئی تھیں[49]"۔

دنایک (DANAIK) کے احاطے کے اندر ایک شکستہ عمارت ہے جو لونگ ہرسٹ کے خیال میں ایک مسجد کھنڈر ہے۔ اگر اس کا یہ خیال درست ہے تو بظاہر اسے ایک تباہ شدہ ہندو عمارت کے اوپر تعمیر کیا گیا ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً یہ عمارت ایک کھلا ہوا پیویلین تھا جو پتھر کی ایک کرسی پر قائم تھا اور کرسی نقش و نگار سے پر تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس عمارت کے تینوں طرف دیوار کھڑی کر کے اس کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا ہوگا۔ موجودہ عمارت کی ساخت اسلامی طرز کی ہے۔ اب وہاں ایک عمارت کے سامنے کا تباہ شدہ حصّہ موجود ہے جو "رام راج کے خزانے" کے نام سے معروف ہے۔ اس عمارت میں شعاعی محرابوں کے طریقہ کو محض ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ بہت سی مسلم عمارتیں اس قسم کے ڈھانچوں پر مبنی ہیں[50]۔

احاطے کے شمال مغربی کونے میں ایک عالی شان چوکور مینار ہے۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا کمرہ ہے جو ایک شہ نشیں پر قائم تین حجروں میں منقسم ہے۔ اس میں دو کھڑکیاں ہیں ایک مینار کے شمال میں اور دوسری مغرب میں اور ان کھڑکیوں کے نیچے پتھر کے بڑے بڑے توڑے ہیں جن کے اوپر کھڑکیوں کے سامنے بالکونیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کی چھت محرابوں اور چھوٹے چھوٹے گنبدوں کے ذریعہ بنی ہے۔

مدورا کا محل ہند۔ اسلامی طرز تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس میں لنٹل کے مقابلہ میں محرابوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ جن ستونوں پر محرابیں بنی ہیں وہ ۴۰ فٹ بلند ہیں اور اینٹوں سے بنی ہوئی انتہائی خوشنما شعاعی محرابوں کے ایک سلسلہ کے ذریعہ ان ستونوں کو ایک دوسرے سے ملایا گیا ہے اس کی کارنس بھی ہے جو ساٹھ فٹ کی بلندی تک چلی گئی ہے[51]۔ اس کے پہلو میں ایک دوسری عمارت بھی ہے جو سورگ ولاسم (SVARGAVILASAM) یعنی جنتی عمارت کہلاتی ہے۔ اس کا طول 235 فٹ اور عرض 105 فٹ ہے۔ اس عمارت کی طرح مسجد جیسی ہے جس میں مرکزی گنبد 12 استونوں پر قائم ہے۔ یہ ستون اسلامی طرز کی محرابوں سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں "اور پھر اسی طرح کی چار محرابیں کونے کی سمت میں قائم کی گئی ہیں اور گنبد کی ہشت پہل گردن (DRUM) یہیں سے بلند ہوتی ہے جس کی دیوار میں روشن منزل (CLERESTORY) بنائی گئی ہے۔ اس کے اوپر کارنس کے پاس $45\frac{1}{2}$ فٹ کی بلندی پر یہ ہشت پہل ایک دائرہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور گنبد بلند ہوتا ہے جس کے عین وسط اور فرش کے درمیان 75 فٹ کا فصل ہے[52]۔

چندر گیری کا محل جو وجے نگر کے بادشاہوں کی تیسری راجدھانی تھی "سامنے سے ایک تین منزلہ عمارت ہے جو گوپوروں کے شکل کے چوکور میناروں سے گھری ہوئی ہے . . . گوشوں کے ماسوا عمارت کی ہر منزل میں ستونوں والا ایک ہال ہے۔ ان ستونوں کے اوپر درمیانی دیوار دو جانب محراب نما ہے جس کے کونوں میں پتھر کی مورتیاں ہیں اور اوپر مسطح گنبد کی چھت ہے . . . . اس محل کے شمال یا اس کے سامنے کے حصہ کے پاس کی دیواریں جن میں اینٹ کی محرابیں بنی ہوئی ہیں، خود بھی مکمل طور پر اینٹوں سے تعمیر کردہ ہیں . . . پرانی قوسی چھتیں (VAULTS) بالخصوص زیریں منزل کی، پتھر اور سنگی مورتیوں سے بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جبکہ بالائی منزلوں کی اسی طرح کی چھتیں اینٹوں سے بنائی گئی ہیں[53]۔ کرسی کے اوپر بہت مختصر نقاشی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کے مقابلہ میں یہ عمارت اپنی اصلی

حالت میں زیادہ نفیس اور عمدہ رہی ہوگی ۔

فصل پنجم

رنگ سازی

رنگ سازی اور سنگ تراشی دو مربوط فن ہیں ۔ قدیم ہندوستان میں جن نصب شدہ مجسموں کو جلوس میں نہیں لیجایا جاتا تھا یا جن کو مذہبی تقریبات کے موقعوں پر غسل دیا جاتا تھا ان پر گہرا رنگ چڑھا دیا جاتا تھا۔ لیکن جن چیزوں کو رنگا جاتا تھا بعد میں ان میں تبدیلی واقع ہوئی ۔ وجے نگر کے زمانہ میں باہری دیواروں اور چھتوں کو جو ویسے سپاٹ ہوتی تھیں ، حسن اور آرائش کے خیال سے رنگ دیا جاتا تھا۔ لیکن مجسموں کو رنگنے کا رواج ختم ہوگیا ۔ جو تصویریں مندروں کی دیواروں اور چھتوں پر بنائی جاتی تھیں ، چترابھاسا (CITRABHASA) کہلاتی تھیں ۔ مندروں کی دیواروں پر رنگوں سے جو تصویریں بنائی جاتی تھیں ان کا انحصار عموماً اس دیوتا پر تھا جس کی اس مندر میں پوجا ہوتی تھی ۔ اگر یہ وشنو دیوتا کا مندر ہوتا تو دیواروں پر زیادہ تر رامائن ، مہابھارت یا وشنو پرانوں کے مناظر پیش کیے جاتے تھے ، اگر یہ شیو دیوتا کا مندر ہوتا تو مندر کی دیواریں عموماً شیو پرانوں کی تصویروں اور مناظر سے آراستہ ہوتی تھیں اور اگر یہ کوئی جین مندر ہوتا تو اس کی دیواروں پر منظر کشی کے لیے موضوعات کا انتخاب جین تیرتھنکروں کی سوانح حیات سے کیا جاتا ۔ اس طرح یہ ایک مذہبی جذبہ تھا جس کے تحت لوگ اپنے مندروں میں اس طرح کی مصوری کیا کرتے تھے ۔ بعض مقامات میں ابھرے ہوئے نقوش میں مجسمے بنے ہوتے تھے اور پلاسٹر سے بنی ہوئی تصویروں پر رنگ و روغن چڑھا ہوتا تھا ۔ ان سب کا بڑا گہرا اثر ہوتا تھا ۔ ہمپی کے ہزارا راما سوامی مندر پر بعض دلچسپ تصاویر بنی ہوئی ہیں جن میں رام کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے ۔ کمبا کونم کے راما سوامی مندر میں جس میں غالباً تنجور کے نایک بادشاہوں کے ایک وزیر گووند دکشت نے بڑے اضافے کیے ہیں ، رام کی زندگی سے متعلق ایک ہزار تصویریں بنی ہوئی ہیں جنھیں تازہ استر کاری پر آبی رنگوں سے بنایا گیا ہے ۔ اس میں جو مناظر پیش کیے گئے ہیں ان میں دس رتھ کا پتر کامسٹی یاگم (PUTRAKAMSTI YAGAM) کا بجالانا ، رام اور ان کے بھائیوں کا وششتھا (VASISTHA) کے سامنے پڑھنا ، رام تاڑکا (TATAKA) کو ہلاک کرنا ، چاروں بھائی کا متھلا میں چار دلہنوں سے شادی کرنا ، دس رتھ کا حالت نزع میں ہونا ، رام کا لکچھن اور سیتا کے ہمراہ دریائے

گنگا کو پار کرنا اور گوہا (GUHA) کا کشتی چلانا اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے مناظر شامل ہیں۔ اسی مقام پر واقع سارنگ پانی SARANGAPANI مندر میں بھی بعض عمدہ تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

میسور کے علاقہ میں بھی کچھ ایسے مندر ہیں جن کی دیواروں پر وجے نگر کے عہد میں پورانوں سے ماخوذ مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ کونی گل (KUNIGAL) تعلقہ میں واقع ایدی پور مقام کے ٹوناده سدّھا لنگیشور مندر کے نہادوار کی چھت میں استادک پالکاؤں (ASTADIKAPALAKAS) کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اسی مندر کے پاٹالنکن (PATALANKAN) اور مکھ منتپ کی چھت میں دیرشیو کے عظیم مبلغ سدھا لنگ کی زندگی اور پنچ وستی (PANCAVIMSATI) یعنی شیو کے پچیس کھیلوں کے مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ہر تصویر کے نیچے کنڑ حروف کی شکل میں تشریحی عبارتیں درج ہیں۔ یہ تصویریں غالباً پندرھویں صدی کی ہیں۔ ہری پور کے تیروملیشور مندر کے مکھ منتپ کی چھت میں شیو پورانوں سے لیے گئے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔

تیرو پرّوتی کنرم کے وردھمان مندر کے مکھ منتپ اور سنگیت منتپ کی چھتوں میں بہت سی رنگین تصویریں بنی ہوئی ہیں جن میں تین جین تیرتھنکروں، رس بھدیو RASABHADEVA وردھمان اور نیمی ناتھ (NIMINATHA) نیز ضمناً آخری تیرتھنکر کے چچیرے بھائی کرشن کی زندگیوں کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں سے بعض کے نیچے تحریریں ہیں جن میں چھت میں پیش کردہ مناظر کی تشریح کی گئی ہے جو مناظر دکھائے گئے ہیں ان میں رس بھدیو کی ولادت، دو ودیادھر - VIDYA) (DHARA دلہنوں کے ساتھ اس کی شادی اور اس سلسلہ کی تقریبات اور ضیافتیں، رس بھدیو کی بادشاہ کی حیثیت سے تاجپوشی، آسمانی پریوں کا رقص، رس بھدیو کی دیکشا (DIKSA) کی رسم اور دیگر بہت سے واقعات شامل ہیں۔ وردھمان کی زندگی سے متعلق جو مناظر چھت میں پیش کیے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ وردھمان کی جنما بھیشیک (JANMABHISEKA) وردھمان دیکشا کرتے ہوئے، آسمانی حوروں کا رقص اور کولاتم (KOLATTAM) رقص۔ کرشن کی ابتدائی زندگی سے متعلق مناظر بھی چھت پر پیش کیے گئے ہیں۔ چھت پر نیمی ناتھ کا پالکی میں بیٹھ کر دیکسا کے لیے جانا، ان کی جنگل کی طرف روانگی، اور ان کی تپسیا کے مناظر بھی پیش کیے گئے ہیں۔[۱۶۲ الف]

دیو مالا اور دستانوی مناظر کے علاوہ بعض تصاویر میں اس وقت کی زندگی کی منظر کشی بھی کی گئی ہے۔ وجے نگر کے بادشاہ کے محل کے ایک کمرے کا تذکرہ کرتے ہوئے پائز کہتا ہے کہ اس میں ایسی تصویریں تھیں جن میں وہاں رہنے والے تمام لوگوں کے طریقہ ہائے زندگی

کے مناظر پیش کیے گئے تھے جن میں پرتگالی باشندے بھی شامل تھے تاکہ بادشاہ کی بیگمات ان طور طریقوں کو سمجھ سکیں جس کے مطابق اس کے ملک کے مختلف لوگ حتیٰ کہ نابینا اور فقیر بھی اپنی زندگی گذارتے تھے[55]۔ بادشاہ کی رہائش گاہ کے دروازے پر دو اشخاص کی ہوبہو اور دونوں کے اپنے اپنے انداز کے مطابق دو تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کرشن دیو رائے کے باپ کی تھی جو تصویر میں دلکش خدوخال اور مضبوط قوی کا ایک سیاہ فام شخص نظر آتا ہے جبکہ دوسری خود کرشن دیو رائے کی تصویر تھی[56]۔ محل کے اندر کے ایک کمرے کی بیرونی دیوار عورتوں کی تصویروں سے مزین تھی جنھیں دیویوں کی طرح تیر اور کمان لیے ہوئے دکھلایا گیا تھا[57]۔ جس ہال میں محل کی عورتیں رقص کی مشق کرتی تھیں وہ رنگے ہوئے مجسموں سے پر تھا۔ ان تصویروں میں رقصوں کے اختتام کے وقت کی مختلف جسمانی کیفیتوں کو دکھایا گیا تھا تاکہ رقاصاؤں کو یاد آجائے کہ کسی مخصوص رقص کے بعد انھیں کس انداز سے کھڑا ہونا چاہیے[58]۔ پائز ایک رنگین جالی کا ذکر بھی کرتا ہے جس کو (رقص کرنے والی) عورتیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتی تھیں تاکہ وہ اپنے جسم اور ٹانگوں کو پھیلا سکیں اور ڈھیلا چھوڑ سکیں[59]۔ عبدالرزاق بھی ان خیابانوں کا ذکر کرتے ہوئے جو شرفاء اور رقاصاؤں کے مکانات کے درمیان واقع تھے لکھتا ہے کہ ان کے آگے شیروں، تندوؤں چیتوں اور دیگر جانوروں کی تصویریں اس خوبی کے ساتھ بنائی گئی تھیں کہ وہ زندہ معلوم ہوتی تھیں[60]۔ پاری جاتا پہرنامو (PARIJATA PAHARANAMU) میں بھی ان مکانوں کے سامنے چڑیوں، ہنسوں، فاختاؤں، طوطوں اور دوسرے پالتو جانوروں کی تصویروں کا ذکر ملتا ہے[61]۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ کے فن مصوری کا مطالعہ نامکمل رہ جائے گا اگر ان ہمت افزائیوں کا تذکرہ نہ کیا جائے جو وینکٹ دوم کے ہاتھوں یسوعی مصوروں کو ملی تھیں۔ بادشاہ مذکور یسوعی پادریوں ڈی سا (DE SA) اور ریکاؤ (RICAO) کی بعض تصویروں سے بہت خوش ہوا تھا۔ یہ لوگ چندرگیری میں اس کے دربار میں مقیم تھے اور اس نے ان سے فرمائش کی تھی کہ وہ اس کے لیے سینٹ تھوم (ST. THOME) سے ایک مصور بھیج دیں۔ وہ ایسا کرنے پر فوراً تیار ہو گئے اور انھوں نے ایک یسوعی نیم راہب (JESUIT LAY BROTHER) الکزینڈر فرے (ALEXANDER FREY) کو اس کے پاس بھیج دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس 1602ء تک رہا جس کے دوران کہا جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ کو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مختلف مناظر کی بڑی عمدہ تصویریں بنا کر دیں تھیں اور ان سب تصویروں کو بادشاہ نے بہت زیادہ پسند کیا تھا۔ اس نے جلد ہی وینکٹ کا دربار چھوڑ دیا تھا لیکن اس کی وجہ واضح نہیں ہے 1907ء میں یسوعی پادریوں

نے وینکٹ کے دربار میں ایک اطالوی نیم راہب بارٹو لومیو فونٹے بونا - BARTOLOMEO FON) (TE BONA کو بھیجا جو ایک اچھا مصوّر تھا۔ اس نے بادشاہ کے لیے لوئیلا LOYOLA اور اکزیویر (XAVIER) کی تصویریں بنائی تھیں۔ اس کے کام سے وینکٹ بہت زیادہ خوش ہوا تھا اور خود اپنی تصویر بنوانے کے لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ بادشاہ نے حضرت عیسیٰ کی ان تصویروں کو جو اس نیم راہب نے اسے بنا کر دی تھیں اپنے ویلور کے دربار میں ایک نمایاں مقام پر آویزاں کرا دیا تھا۔ وینکٹ کے دربار میں یسوعیوں کے لیے اس مصوّر کی خدمات اس قدر گراں قدر تھیں کہ انھوں نے اسے ترقی دے کر پادری بنانا چاہا تھا لیکن اس کو یہ ترقی نہ مل سکی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۱۱ء میں جب ویلور میں پرتگالیوں کا مشن ختم ہو گیا تو بارٹو لومیو فونٹے بونا بھی اس جگہ سے چلا گیا۔ لیکن ویلور میں اس کے قیام کے دوران بادشاہ کے ساتھ اس کے گہرے تعلقات اور اس کی تیز رفتاری کے ساتھ تصویر کشی کی صلاحیت اس بات کا سبب بنی کہ عیسائی مصوّری کو سترہویں صدی کے وجے نگر کے ہندو دربار میں زبردست سرپرستی اور ہمت افزائی حاصل رہی۔

حواشی

باب یازدہم

1. DRAVIDIAN ARCHITECTURE، ص 38۔
2. INDIAN ARCHI TURE، ص 183۔
3. سیول، ح، س، ص 300، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 8-1907، ص 236 حاشیہ 2
4. 1889 کا 29، اپی گرافیا انڈیکا، 1، ص ص 363 اور 370۔
5. 1889 کا 25 اور 26، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 4، نمبر 244 اور 445۔
6. INDIAN AND EAST ARCHITECTURE، از فرگشن، 1، ص 401
7. HAL... RUINS، ص 132
8. ح، س، ص 401
9. اپی گرافیا انڈیکا، 1، ص 399
10. ONE
11. QUARTERLY JOURNAL OF THE MYTHIC SOCIETY، 6، ص 252
12. ملاحظہ ہو میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1916 PLATE، 7 نمبر 4 جو صفحہ 14 پر لگا ہے۔
13. ایضاً، پیراگراف 14
14. میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 7-1906، پیراگراف 31، بحوالہ، میسور گزیٹیر، نیا ایڈیشن 2، جز 1، ص۔ 290۔
15. میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 8-1907، پیراگراف 61، بحوالہ ایضاً، ص 290
16. ایضاً، ص 291۔
17. ORIENTAL HISTORICAL MANUSCRIPTS از ٹیلور TAYLOR، 2، ص 125
18. روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مراٹھوں نے تباہ کر دیا تھا۔

ے19 HISTORY OF INDIA AND EAST ARCHITECTURE از فرگسن ۱ ص 404

ے20 ایضاً ص 396

ے21 فرگسن، ح، س، ص 377

ے22 ایضاً ص ص 389 - 390

ے23 A HISTORY OF FINE ART IN INDIA AND CYLONE ص ص 233-234

ے24 ایضاً ص ص 234 - 235

ے25 ایک تامل تصنیف میں جو تیروپانی ملائی (TIRUPPANINALAI) کے نام سے معروف ہے ۔ درج ہے کہ کرشن ویرپا نایک نے ولّی امبلم (VELLIAMBALAM) شمالی گوپورم (GOPURAM) ، شیووسورم (SEVVISVARAM) ، باورچی خانہ ، ہزار ستون والا منتپ ، مورتیمّن (MURTI YAMMAN) منتپ ، دوسرے پراکار (PRAKARA) کا شورومنتپ (SURUMANTAPA) اور منقش ستونوں والے ویرپا منتپ کی تعمیر (دوبارہ تعمیر؟) کرائی تھی اس نے میناکسی (MINAKSI) کے مندر کے ایک منتپ کے ستونوں پر سونے کا ملمع بھی کرایا تھا (اپی گرافیا انڈیکا ، 12 ، ص 161)

ے26 اس کا موازنہ بادشاہ کے اس مجسمہ سے کیا جا سکتا ہے جو چدمبرم میں واقع نٹراج مندر کے شمالی گوپورا کے ایک طاق میں نصب ہے ۔ یہ صناعی کا ایک بہترین نمونہ ہے ۔ ملاحظہ ہو کتاب کے سرورق کے مقابل تصویر کا صفحہ

ے27 HISTORY OF FINE ART IN INDIA AND CYLON ، ص 238 ، مزید ملاحظہ ہو ۔ ٹی ۔ جی ۔ اروموتھن T.G. ARAVAMUTHAN کی PORTRAIT SCULPTURE IN SOUTH INDIA ، کی تصویر 21

ے28 ARCHACOLOGICAL SURVEY REPORTS ، 1912 ، ص 189 ، FN. 3 ، مزید ملاحظہ ہو ARAVIDU DYNASTY از ہرس HERAS ، ۱ ، تصویر مقابل صفحہ 248

ے29 REPORTS IN TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPTION ص 315 اور تصویر 53

ے30 ملاحظہ ہو QUARTERLY JOURNAL OF MYTHIC SOCIETY ، 15 ، ص ص 209 . 77 میں پورو منتپ میں مدورا کے نایکوں کے مجسمے ، از ہراس ، HERAS جہاں تصویریں پیش کی گئی ہیں ۔ مزید ملاحظہ ہو SOUTH INDIA BRONZES ص 34 ، 60

ازگنگولی (GANGOLY)

۳۰؎ الف HAMPI RUIN از لونگ ہرسٹ، ص، 58

۳۱؎ ایضاً، ص 62

۳۲؎ ایضاً

۳۳؎ ایضاً، ص ص 64-65

۳۴؎ ح، س، ص 52

۳۵؎ MADRAS CHRONOLOGY COLLECTION MAGAZINE، 2۔ ص 506

۳۶؎ ملاحظہ ہو، ص 391

۳۷؎ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ، 4، ص 106

۳۸؎ سیول، ح، س، ص 244

۳۹؎ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 106، ددیارنیا کل اجنن (VIDYARANYA KAL- AJNANA) میں درج ہے کہ یہ شہر شری ککرا SRIKAKRA کی طرح تعمیر کردہ تھا۔

۴۰؎ HIS. PILGRIMS از پرکاز، 10، ص 97

۴۱؎ INDIA از میجر، ص 6

۴۲؎ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 107، فرسنگ ۔ 3½ میل

۴۳؎ سیول، ح، س، ص ص 242-243، لیگ ۔ 3 میل

۴۴؎ ح، س، ص 83

۴۵؎ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 1، ص 156

۴۶؎ دیگر تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو TIRUPPARUTTI KKUNRAM AND ITS TEMPLES، ازٹی۔این۔رام چندرن۔ BULLETIN OF THE MADRAS GOVT. MUSEUM 1934ء ص ص 27-32

۴۷؎ لونگ ہرسٹ، ح، س، ص 84

۴۸؎ ایضاً، ص ص 83-84

۴۹؎ ایضاً ص 86

۵۰؎ INDIAN ARCHAEOLOGY از ہاول HAVELL ص 184 تصویر 43 ملاحظہ ہو۔ اسی کتاب کی تصویر 35 سے اس کا موازنہ کیجئے۔

51ھ فرگسن، ح، س ۱، ص 412

52ھ ایضاً ص ص 413-414

53ھ ڈاکٹر آر۔ ایف۔ چیشولم DR. R.F. CHISHOLAM کے ایک مضمون کے لیے ملاحظہ ہو۔ انڈین انٹی کوئری، 12، ص ص 295-296

54ھ ملاحظہ ہو ELEMENTS OF HINDU ICONOGRAPHY، از ٹی۔ اے گوپی ناتھ راؤ ۱، ص 38

54ھ الف TIRUPPARUTTI KKUNRAM AND ITS TEMPLES ، از ٹی۔ این رام چندرن ملاحظہ ہو BULLETIN OF THE MADRAS GOVT. MUSEUM 1934ء، ص 63

55ھ سیول، ح، س، ص 286

56ھ ایضاً ص ص 284-285

57ھ ایضاً ص 287

58ھ ایضاً ص 289

59ھ ایضاً ص 289

60ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 111

61ھ فصل ۱، اشلوک 106

62ھ عیسائی مصوّروں کے ساتھ وینکٹ کے تعلقات کے تفصیلی بیان کے لیے ملاحظہ ہو ARAVIDU DYNASTY ، از ہراس ۱، ص ص 486-493

وجے نگر کے بادشاہوں کا شجرۂ نسب
(الف) پہلا خاندان
سنگم اول ـــ ازواج کا مائیکا
(1) ہری ہر اوّل (1336-56?)
کمپا یا کمپن اوّل
(2) بکّا اوّل (1356 - 1377)
مارپّا
مدپّا
ساؤنتا اُدے یار
سنگم دوم
(3) ہری ہر دوم (1377-1404)
کمپن یا کمار کمپن
ویروپاکسا اول یا ویروپنّا
ازواج گنگا دیوی
(4) بکّا دوم (1404-1406)
دیو رائے اول یا پرتاپ دیو رائے اول یا پرودا دیو رائے اوّل 1406-1422
(7) رام چندر (1422?)
ہری ہر سوم
دیو رائے دوم یا پرودا دیو رائے دوم (1422 - 1446)
(10) ویروپاسا سوم
ویروپاکسا چہارم
راج شیکھر

(ب) دوسرا خاندان
گونڈا اوّل —— ازواج کملادیوی
GUNDA-1
سالُووامنگیا یا سانو وا سنگی
(یا سالُووا منگو یا منگا دیو 1363ء)
گونڈا دوم
گوتاراجو یا گوتم دوم، یا گوتا یا گوتیا
گوندا سوم
تپا یا تپ راجا
ازواج ہریما، سنگم خاندان کے
وبے راکے کی بیٹی
بوکا
سانووا
پرورت راجا
گوندیا یا گونڈا چہارم
ازواج ملامیکا
گوپا یا گوپا
تپا یا گوپا تپا
سالُووا تپا دیو
(1) سالُووا نرسمہا اوّل
1485-86ء 1492-93ء
تما
(2) بغیر نام کا بیٹا (تما بھوپالا؟)
جس کو تمّا رسں نے قتل کیا۔
(3) اِمدی نرسمہا یا تمّا
یا تمیا یا دھرم رائے یا تاماراؤ
1492ء 1507ء

(ج) تیسرا خاندان
تمّا
ایشورا
نرسا نایک
(۱) ویر نرسمہا (تپاجی کے بطن سے
دھیجابل رائے
(1509ء ۔ 1507ء)
کرشن دیو رائے (ناگلا دیوی کے بطن سے
(1529ء ۔ 1509ء)
بھوت دیو رائے
(اُبامبا کے بطن
(1542ء ۔ 1529ء)
رنگا
(اُبامبا ہی کے بطن سے
(5) سدا شیو رائے
(1542-70؟)
(۴) وینکٹ اول
1542 میں مارا گیا
ازدواج اُلیارام رائے
جو اراویڈو سلسلہ کا تھا
لڑکی تیرو ملامبا
موہانانگی
بغیر نام کا بیٹا
(جس کا نونیز نے ذکر کیا ہے)
تیرومل یا تیرو ملائی دیو مہا رائے
(جوانی ہی میں انتقال کر گیا)

(د) چوتھا خاندان

★ تاریخ، سیاسیات

انقلاب فرانس	جے۔ ایم۔ تھامپسن/ بی۔ جے۔ سنگھ	758	25 50
آریا سماج کی تاریخ	لالہ لاجپت رائے/ کشور سلطان	252	10.50
تاریخ جہانگیر	بینی پرشاد/ رحم علی الہاشمی	471	18.75
تاریخ شاہ جہاں	بناری پرشاد سکسینہ/ سید اعجاز حسین	348	14.00
جدید ہندوستان کے معمار	آئی۔ سی۔ ایچ۔ آر/ احمد	224	9.75
جنوبی ہند کی تاریخ (زمانہ ماقبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک)	کے۔ اے۔ یل کنٹھ شاستری/ آر۔ کے۔ بھٹناگر	576	22.00
حیدر علی	نریندر کرشن سنہا/ اقتدار حسین صدیقی	336	17.00
خلجی خاندان	کے۔ ایس۔ لال/ محمد لیسین مظہر صدیقی	412	16.50
دکن کے بہمنی سلاطین	ہارون خاں شیروانی/ رحم علی الہاشمی	351	15 50
رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہا/ کیلاش چندر چودھری	223	9 25
سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ	محمد حبیب اور بیگم افسر عمر سلیم خاں/ سید جمال الدین	335	13.00
شہیدان آزادی (حصہ اول)	پی۔ این۔ چوپڑا چیف ایڈیٹر/ بھگونت سنگھ	572	24.00
شہیدان آزادی (حصہ دوم)	پی۔ این۔ چوپڑا چیف ایڈیٹر/ سید تفضل حسین	480	20.00
قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں	ڈی۔ ڈی۔ کوسمبی/ بالمکند عرش ملسیانی	319	13.00
قدیم ہندوستان میں شودر	رام شرن شرما/ جمال محمد صدیقی	356	14.50
کتاب کی تاریخ	شایاں قدوائی	280	13.50
مغل ہندوستان کا طریق زراعت	عرفان حبیب/ جمال محمد صدیقی	600	24 50
مغلوں کا نظام مال گزاری (1700 سے 1750 تک)	نعمان احمد صدیقی/ ایس۔ نبی ہودی	227	9.00

مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	آر.پی. ترپاٹھی/ریاض احمد خاں شیروانی	583	23.50
وادی سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں	سر مور ٹیمر وہیلر/زبیر رضوی	148	8.00
ہندوستانی مصوری (عہد مغلیہ میں)	پرسی براؤن/عبید الحق	256	25.00
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	کنور محمد اشرف/قمر الدین	424	18.25
ہندوستانی مصوری۔ ایک خاکہ	انیس فاروقی	178	10.00
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو۔ ایچ۔ مورلینڈ/جمال محمد صدیقی	436	21.50
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم/عثمان حیدر مرزا	96	6.25
تاریخ تحریک آزادی ہند (حصہ اول)	تاراچند/قاضی محمد عدیل عباسی	496	20.50
آزادی	جان اسٹوارٹ مل/سعید انصاری	184	7.25
ہندوستانی خارجہ پالیسی کی بنیادیں	بمل پرساد/محمد محمود فیض	300	12.25
یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین	محمد ہاشم قدوائی	396	15.50
شیر شاہ اور اس کا عہد	کالکا رنجن قانون گو/رام آسرے شرما	704	34.00
قدیم ہندوستان کی تاریخ	راما شنکر ترپاٹھی	581	27.75
انقلاب ۱۸۵۷	پی۔ سی۔ جوشی	353	13.50
جدید سیاسی فکر	سید انوار الحق حقی/محمد ہاشم قدوائی	305	15.25
تاریخ ٹیپو سلطان	محب الحسن/حامد اللہ افسر، عتیق صدیقی	555	27.00
مسلم ہندوستان کا زراعتی نظام	ڈبلو۔ ایچ۔ مورلینڈ/جمال محمد صدیقی	336	20.50
سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت	ابن حسن/آئی۔ اے۔ ظلی	388	19.00
ہندوستان کا شاندار ماضی	اے۔ ایل۔ باشم/ایس۔ غلام سمنانی	748	32.50
تاریخ فلسفہ سیاسیات	محمد مجیب	439	11.50
تاریخ تمدن ہند (دوسرا ایڈیشن)	محمد مجیب	279	11.00
تاریخ تعلیم ہند (دوسرا ایڈیشن)	سید نور اللہ و جے۔ پی۔ نائک	552	18.00

تحریک خلافت (دوسرا ایڈیشن)	قاضی محمد عدیل عباسی	219	11.50
ظہیر الدین محمد بابر	ایل۔ ایف۔ رش بروک ولیمز/ رفعت بلگرامی	223	13.00
جدید ہندوستان میں ذات پات (دوسرا ایڈیشن)	ایم۔ این۔ سری نواس/ شہباز حسین	208	8.25

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ :-

شعبۂ فروخت و نمائش

ترقی اُردو بیورو

ویسٹ بلاک 8، آر۔ کے۔ پورم

نئی دہلی 110066